حضور نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری کے شرفِ بے مثال موقع پر سوز وگداز اور جذب وعشق میں ڈوبی ہوئی ایمان افروز اور ایقان خیز کیفیات واحساسات پر مشتمل منتخب شاہکار تحریریں

ترتیب وتحقیق

محمد متین خالد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
بارگاہِ رسالت میں

’’میں نے سن رکھا تھا کہ جو شخص حرم شریف میں داخل ہوتا ہے، وہ اپنا جوتا، اپنے گناہوں کی گٹھڑی، اپنی دستار فضیلت اور اپنی بزرگی کا عمامہ، دروازے کے باہر چھوڑ جاتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جب وہ باہر آئے گا تو اس کا جوتا یا اس کے گناہوں کی گٹھڑی یا اس کی فضیلت کی دستار یا اس کی بزرگی کا عمامہ اسے واپس بھی ملے گا یا نہیں؟ بعض لوگوں کی گناہوں کی گٹھڑیاں غائب ہوجاتی ہیں۔ بعض لوگ اپنی فضیلت اور بزرگی سے محروم ہوجاتے ہیں۔ عطر سخن یہ کہ اس سفر اور اس دربار عالی وقار میں حاضری کی کیفیت کون بیان کرسکتا ہے جہاں نفس گم کردہ دلوں کی دھڑکنوں کو جمال محبت بھی عطا ہو۔ یہاں حضوری کے آداب کچھ اور ہی ہیں۔ نگاہ عشق یہاں احتیاط لازم ہے............ کہ بوسہ ملائک ہے آستانِ رسول ﷺ‘‘

بارگاہِ رسالت میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری کے شرفِ بے مثال موقع پر سوز وگداز اور جذب وعشق
میں ڈوبی ہوئی ایمان افروز اور ایقان خیز کیفیات واحساسات پر مشتمل منتخب شاہکار تحریریں

ترتیب وتحقیق

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔

37223584، 37232336، 37352332

www.ilmoirfanpublishers.com

ilmoirfanpublishers@hotmail.com

www.facebook.com/Ilmoirfanpublishers

نام کتاب	بارگاہِ رسالت میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مصنف	محمد متین خالد
ناشر	عِلم و عرفان پبلشرز
مطبع	آر۔آر پرنٹرز، لاہور
قانونی مشیر	محمد نوید شاہین ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
سرِورق	محمد طیب محبوب
کمپوزنگ	طاہر علی، ظفر اقبال
سنِ اشاعت	2020ء
قیمت	-/1200 روپے

الحمد مارکیٹ، 40-اُردو بازار، لاہور۔
37223584، 37232336، 37352332
www.ilmoirfanpublishers.com
ilmoirfanpublishers@hotmail.com
www.facebook.com/Ilmoirfanpublishers

زندگی

کے نام
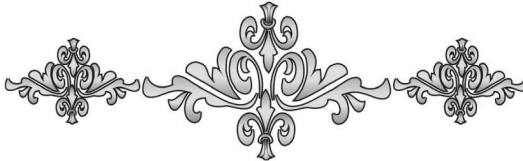
بشرطیکہ وہ مدینہ طیبہ میں تمام ہو جائے!

''میں موت ڈھونڈتا ہوں، دیارِ رسول ﷺ میں''

ترتیب عنوانات

بارگاہ رسالت ﷺ میں

اھم مضامین

منظومات 545

عقیدت کی ڈوری

یہ کتاب جسے آج سے بہت پہلے شائع ہو جانا چاہیے تھا، قدرے تاخیر کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔لیکن کیا غنیمت بات ہے کہ پہنچ گئی ہے اور آج، اس وقت کے مطالعے کے بعد آئندہ بھی اس کے مندرجات آپ کی نظر سے گزرتے رہیں گے...... یہ ان لوگوں کی محبت، عقیدت، عاجزی اور سپردگی کے تحریری گلدستے ہیں، جن خوش نصیبوں نے روضۂ رسول ﷺ پر حاضری کے وقت انہیں تارگریہ میں پروکر اپنی حب وقربت کے طور پر پیش کیا ہے۔

ان خوش نصیب لوگوں میں نامی گرامی محقق، ادیب، شاعر اور دانشور بھی ہیں اور کم معروف مصنف، انشا پرداز اور غیر معروف لکھنے والے بھی لیکن جہاں تک ان کی مہر و موانست، عشق و نیاز اور حب رسول ﷺ کا تعلق ہے، تو اپنے اپنے اظہار میں سبھی ایک سے ہیں۔ انداز واسلوب میں اختلاف وتنوع سہی لیکن سارے بیان اچھے اور سارے تاثرات سچے ہیں۔ منکے مختلف رنگوں کے ضرور ہیں لیکن ڈوری، سب کی ایک جیسی ہے۔ موہ محبت، عجز و نیاز اور تپاک اور پیار کی ڈوری!

ہر مسلمان کے لیے اس سے بڑے نصیب کی اور کوئی بات نہیں کہ اسے مواجہہ شریف کے سامنے حاضری کی سعادت نصیب ہو اور وہ اپنی آنکھوں سے اس ارفع مقام کو دیکھ کر اسے صحن دل میں اتار لے۔ یہاں کی ارتعاش وتموج سے آشنائی حاصل کرے اور اس گنج حسن وخوبی سے خورسند و پرباش ہو جو اس کی زندگی کا استعارہ ہے اور جس کا ہر تار راس منبع خیر وخوبی کے ساتھ وابستہ ہے، جو وجہ کائنات ہے۔

ایک لمحہ کے لیے ان لاکھوں، کروڑوں، اربوں، کھربوں لوگوں کی خوش گامی اور

خوش قدمی کا اندازہ لگائیے، جنہوں نے دور ماضی سے لے کر اب تک روضہ اطہر پر حاضری دی اور ارشاد گرامی کے مطابق زیارت رسول اللہ ﷺ سے مالا مال ہو کر رخصت ہوئے۔

فرمانے والے فرماتے ہیں کہ ایک حق حضور ﷺ کی محبت کا یہ بھی تو ہے کہ قبر شریف کی زیارت سے مشرف ہوا جائے۔ لیکن جو لوگ حالت حیات میں زیارت سے مشرف نہیں ہوئے، انہوں نے روضہ اطہر سے ہی برکات حاصل کر لیں کہ حدیث مبارک میں حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں ہی میری زیارت کی۔''

اس کتاب میں لکھنے والوں کے تاثرات و واردات کی ترجمان ہر تحریر کے اندر آپ کو اس حقیقت کی شہادت ملے گی کہ دربار شہ رحمت عالم ﷺ کا ہر گدا شخصی، خصوصی اور وجودی طور پر ہی یہاں حاضر نہیں بلکہ روحانی، قلبی، معنوی اور سری طور پر بھی موجود و میسر ہے۔ ان میں کوئی تو بہت قریب ہے، کوئی ذرا دور اور کوئی بہت ہی دور۔ ہر احوال گزار اپنی حیثیت کو جانچ کر اور خود کو پہچان کر اس فاصلے پر ایستادہ ہے، جو خود اس نے اپنے لیے طے کیا ہے۔ اس کی تحریر نشان راہ کے طور پر خود اس کا اعتراف کر رہی ہے۔

میں ان خوش قسمت لوگوں کے ساتھ اس کتاب کے متن میں تو شریک نہیں ہو سکا۔ البتہ مجھے ان کی بستہ برداری کا شرف ضرور حاصل ہو گیا ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ سعادت مجھ ایسے کم نگہ اور کم ہمت انسان کے تاریک راستوں میں روشنی کی ایسی انمٹ لکیر بن کر پھیل جائے گی، جس کے چاندنے میں میرا آگے کا سفر آسان اور انجام و اتمام خیر ہو جائے گا۔

میں جناب محمد متین خالد کو ایسی روح پرور اور ایمان افروز تحریروں کی تدوین پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کے ذوق محبت اور شوق فراواں کو سلام پیش کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اس صراطِ مستقیم پر اپنا سفر مسلسل جاری رکھیں گے اور تشنگانِ عشق مصطفیٰ ﷺ کی پیاس کا سامان پیدا کرتے رہیں گے۔

اشفاق احمد

(داستاں سرائے) 121۔سی، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ایمان افروز تحریریں

خیر الانام، رحمت دارین، خاتم الانبیا و رسل ﷺ کی ذاتِ اطہر وہ ذات گرامی ہے جس پر اللہ اور اس کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں اور جس پر اہل ایمان کو بھی درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

- **ان اللہ و ملئکته یصلون علی النبی یاایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماO (الاحزاب:56)**

اس آیت پاک سے حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ کا کسی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ سورہ النساء میں فرمایا گیا ہے:

- **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء:80)**

اور سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

- **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم و ذنوبکم واللہ غفور رحیمO (آل عمران:31)**

''(اے نبی، لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس طرح) اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

گویا حضور نبی کریم ﷺ کی متابعت کرنا، آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ بنانا اور آپ ﷺ سے محبت کرنا ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے۔ آپ ﷺ سے بے نیاز ہو کر رضائے الٰہی کی توقع یا نجاتِ اخروی کی امید رکھنا خیال خام بلکہ سراسر گمراہی ہے۔ عشقِ رسولؐ ایک مسلمان کی سب سے بڑی متاع اور قوت ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر کچھ

بھی نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

بمصطفی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ مجھے اپنے مال، اولاد اور جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے۔“

اس حدیث پاک سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے حب رسولؐ کی کیا اہمیت ہے۔ فی الحقیقت جس شخص کے دل میں حضور ﷺ کی محبت نہیں، اس کو اللہ کے اقرار اور شب و روز اس کے ذکر سے بھی مطلق کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے حصول کے لیے سرکار ﷺ سے محبت اور آپؐ کی اطاعت شرط اولین ہے۔ یہ جذبہ حب رسول ﷺ ہی تو ہے جو ایک سچے مسلمان کو مدینہ منورہ جانے اور روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دینے کے لیے بے چین رکھتا ہے اور روضۂ حبیب کبریا ﷺ وہ مقدس مقام ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

ادب گا ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

(عزت بخاریؒ)

لاریب اس شعر کا ایک ایک لفظ مبنی برحق ہے۔ اس کی گواہی ہر وہ مسلمان دے گا جس کو اس ”ادب گاہ“ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔ جو اس سعادت سے محروم ہیں، وہ اس کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتے، جو حاضری کا شرف حاصل کرنے والوں پر طاری ہوتی ہے۔

ذوقِ ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی

(خدا کی قسم! تم اس شراب طہور کا مزہ نہیں جان سکتے جب تک اسے چکھ نہ لو)

حقیقت یہ ہے کہ اس ادب گاہ پر ہر آن انوارِ الٰہی کی بارش ہوتی رہتی ہے۔

زائرین وہاں پہنچ کر اپنے آپ کو کسی اور ہی عالم میں پاتے ہیں اور ان کی زبانوں پر بے اختیار درود وسلام جاری ہو جاتا ہے۔ یہ درود وسلام عمق قلب سے ہوتا ہے اور اس کی لذت کو احاطہ تحریر میں لانا امر محال ہے۔

زیر نظر کتاب میں جناب محمد متین خالد نے محبوب رب العالمین ﷺ کے روضہ اقدس کے سو کے قریب زائرین کے تاثرات جمع کر دیئے ہیں۔ ان زائرین میں علما، ادبا، شعرا اور رؤسا وغیرہ ہر طبقے کے محبان رسول ﷺ شامل ہیں۔ ان میں سے بیشتر علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انہوں نے جس ذوق وشوق سے اس ''ادب گاہ'' میں حاضری دی اور ان پر جو کیفیت طاری ہوئی، اس کو انہوں نے اپنی بساط کے مطابق صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیا ہے۔ ان کیفیات اور مشکبار تاثرات کو پڑھ کر مشام جان معطر ہو جاتا ہے۔ آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا ہے اور قاری کیف وسرور کے ایک ایسے عالم میں پہنچ جاتا ہے جس پر نور کی بارش ہو رہی ہو۔ ان تاثرات کو ہم بلا مبالغہ تاریخ وتحقیق اور ادب وانشاء کا نہایت حسین امتزاج کہہ سکتے ہیں۔ رنگا رنگ کے ان دلآویز پھولوں کو یکجا کر کے ایک دلکش گلدستہ کی شکل دینے میں خالد صاحب نے خاصی محنت کی ہے، اس کے لیے وہ بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

امید ہے کہ علمی اور دینی حلقوں میں اس ایمان افروز کتاب کی کما حقہ پذیرائی ہوگی۔ اپنے موضوع پر یہ ایک منفرد کتاب ہے اور ہر کتب خانے، لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں رکھے جانے کے لائق ہے۔

احقر العباد

طالب الہاشمی غفرلہ

لاہور

شہرِ علم وایمان کا ایک منور باب

محمد متین خالد کا نام سنجیدہ علمی حلقوں میں متانت کی باوقار علامت کا تشخص حاصل کر چکا ہے۔ انہوں نے بڑی جانفشانی اور ژرف بینی سے متعدد دینی کتب مرتب کی ہیں۔ سیرت متین صاحب کا محبوب موضوع ہے۔ ''جب حضور ﷺ آئے'' اپنے مقام پر شاہکار ہے، لیکن ان کی تازہ تالیف: ''بارگاہِ رسالت ﷺ میں'' تو عظیم ارمغان سے کم نہیں۔ محمد متین خالد نے (تقریباً) ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل اس خوبصورت کتاب میں سو (100) سے زائد عشاق رسولؐ کے ان ملکوتی تاثرات کو یکجا کر دیا ہے جو دربار نبوی ﷺ میں حاضری کے وقت اور حضوری کے سمے ان کے قلوب پر مرتسم ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں شہر نبی ﷺ کے بارے میں پندرہ (15) نہایت قیمتی معلوماتی تحریریں بھی شامل کتاب ہیں، جو قاری کے ذہنی آفاق کی سمتوں کو وسعت آشنا کریں گے۔

لاریب حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کائنات کی ارفع ترین ہستی ہیں اور ہم کس درجہ خوش طالع ہیں کہ ہماری نسبت آپ ﷺ سے ہے۔ سو اس نسبت اور محبت کا تقاضا ہے کہ ہماری نظر میں ہر وہ ذرہ متبرک اور منزہ ہو جو آپ ﷺ سے منسوب ہے۔ اس تناظر میں روئے ارض پر ہی نہیں تمام موجودات میں سب سے مقدس منزل مدینہ منورہ ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا:

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

اور پھر وقت کی گزران کو کوئی تھام نہ سکا، وہ حسین وجود جسے شب و روز مکے اور مدینے کی گلیوں میں دیکھا جاتا تھا؛ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی نگاہوں سے چھپ گیا؛ بے

شک مبارک ہیں وہ جنہوں نے حالت ایمان میں آپ ﷺ کو دیکھا۔ وہ ایک نظر جو زیارت رسولؐ سے فیض یاب ہوگئی، اس کے بدلے میں لامتناہی وقت پر محیط سجدے کو بھی پیش کیا جائے تو اس کی حیثیت پر کاہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ جس نے ایک بار حضور ﷺ کو دیکھ لیا، خدا کی قسم وہ افضل ہے قیامت تک کے ہر عابد، زاہد، ساجد، ولی، غوث، قطب اور ابدال سے کہ اپنی آنکھوں سے حضرت محمد ﷺ کو دیکھنے کا یہ اعزاز اب کسی کو قیامت تک عطا نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ یہاں ظاہری آنکھوں کو باطنی آنکھوں پر ترجیح اور تفوق حاصل ہے۔

خوش قسمت ہیں وہ جنہیں خدا نے خواب میں زیارت رسول ﷺ کا انعام بخشا ہے اور زیادہ خوش قسمت ہیں وہ جو ''بحالت بیداری'' میں اس نورانی پیکر کی دید سے سیراب ہوئے ہیں، مگر صاحبو! یہ طے ہے یہ دونوں صورتیں روحانیت میں لاکھ قابل رشک درجات کی حامل سہی، مگر وہ نعمت جو اسی جسم کے حوالے سے اصحاب رسول ﷺ کو مل چکی ہے، اس کا کسی سے کوئی مقابلہ، کوئی موازنہ نہیں۔ ہم تو آج ان آنکھوں کو چومنے کے لیے ترس گئے ہیں جنہوں نے ان ہستیوں کو دیکھا ہے جنہیں اللہ کے آخری نبی ﷺ کی ایک جھلک ہی نصیب ہوئی ہے۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے، نسبت کا فاصلہ طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ عاجز تو کبھی چاند، سورج، ستاروں اور آسمان کو دیکھ کر رو اُٹھتا ہے کہ یہ بھی اصحاب میں شامل ہیں کہ میرے حضور ﷺ نے انہیں اور انہوں نے میرے آقا ﷺ کو دیکھا ہوا ہے۔ سو ایمان کا تقاضا ہے کہ ان اجرام فلکی کا بھی ادب کرنا چاہیے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ترپین (53) برس مکہ معظّمہ میں بسر کیے ہیں اور دس برس مدینۃ المنورہ میں۔ پھر مدینہ کو قیامت تک کے لیے یہ اعزاز مل گیا کہ آپ ﷺ کے روضہ اقدس یعنی آپ ﷺ کی آخری آرام گاہ کی نسبت سے آپ ﷺ کا مسکن یہ شہر رہے گا۔ اس حوالے سے آسمانی تجلیات پابند ہوگئیں کہ مسلسل انوار کی بارش بن کر برستی رہیں۔ وہ ساعت آ نہیں سکتی جو ایک لمحے کے اربویں حصے کے لیے بھی اس سلسلے کو روک سکے۔ لہٰذا وہ چنیدہ بندے جنہیں اس پرنور شہر میں جانے اور رہنے کی سعادت ملی ہے، انہوں نے حقیقت

میں ان تجلیات سماوی سے اپنا حصہ وصول کیا ہے جو یہاں پیہم نازل ہوتی رہتی ہیں۔

مدینے وہی جاتا ہے جسے مدینے والا بلاتا ہے، بغیر اذن کے وہاں رسائی ممکن نہیں۔ کتنے ہی چاہنے والے ہزاروں میل دور بیٹھے تڑپ رہے ہیں کہ اے کاش! ایک بار اس فضا کو دیکھ لیں جہاں حضور ﷺ شہاب مبین رہا کرتے تھے، جہاں اب بھی ان کا جسم اطہر سبز ردا اوڑھ کر موجود ہے، اس عطر بیز خطے کو دیکھ سکیں، لیکن:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضور ﷺ کا فیض عام ہے، لیکن جسے مل جاتا ہے وہ طرفۃ العین میں خاص ہو جاتا ہے اور انہیں تو خاصوں میں سے خاص کہنا چاہیے جنہیں نہ صرف وہاں جانے کی توفیق عطا ہوئی بلکہ ان تاثرات اور کیفیات کو قلم بند کرنے کی صلاحیت بھی نصیب ہوئی جن سے وہ دیارِ رسولؐ میں ہمکنار ہوئے۔ یہ کیا کم اعجاز ہے کہ ان صاحبان ایمان و امعان کے گوہر بار قلم سے جو لفظ موتی بن کر ٹپکے ہیں، ان کی باقی ادبی تحریروں کے مقابلے میں یہ جواہر ایک واضح اور امتیازی شان کے مالک ہیں۔ ان لفظوں میں سدا کے لیے تاثیر کی برق اسیر کر دی گئی ہے۔ مژدہ ہے ان لکھاریوں کے لیے کہ جب تک یہ دنیا رہے گی، ان کے شب چراغ لفظوں پر کبھی موت وارد نہیں ہوگی۔ ذکر حبیب ﷺ کی بدولت انہیں سرمدی حیات بخش دی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت کرنے والے ان عشاق کی بے نظیر تحریریں مختلف کتب اور رسائل میں بکھری ہوئی تھیں۔ محمد متین خالد کے ذمے یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ انہیں جمع کریں اور انہوں نے **مدینة النبی** ﷺ یعنی شہر علم و ایمان کا ایک منور باب، اس معطر کتاب کی صورت محفوظ کر کے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے۔

آخر میں بس اتنا کہنا ہے کہ محمد متین خالد کو اس رتن دیپ کی تشکیل کا یہ فرض یونہی نہیں سونپا گیا؛ ان سے یہ کام لیا جانا بین ثبوت ہے اس بات کا؛ کہ وہ اس زوال آمادہ اور روحانی ادبار کے زمانے میں بھی محبت مصطفیٰ ﷺ کی شمع دل میں پوری توانائی کے ساتھ

روشن کیے ہوئے ہیں۔محمد متین خالد عجیب خصوصیات کا مالک شخص ہے؛ اس نے اپنے لیے ایک سانس بھی پس انداز نہیں کی؛ اس نے درازی و کوتاہی انفاس کا سارا عمل ہی حضور ﷺ سے وابستہ کر دیا ہے۔اس کی تمام مصروفیات و مشاغل کا بس ایک ہی محور ہے کہ عشق مصطفیٰ ﷺ کے تقاضوں کو نبھایا جائے۔متین خالد جیسے کتنے لوگ باقی ہیں اس جہاں میں؟

متین صاحب نے اس دلکش مجموعے کے دیباچے کا عنوان ''زاد آخرت'' رکھا ہے۔میں پختہ یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ کتاب جناب متین کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر اس قاری کے حق میں زاد آخرت ثابت ہوگی جو اسے محبت کی نظر سے پڑھے گا اور اپنے دل میں نبی آخر الزماں ﷺ کی الفت کو جگا کر اس راہ پر قدم رکھے گا جس پر گامزن ہونے کا حکم اللہ اور اس کے حبیب ﷺ نے دیا ہے!!

جمیل احمد عدیل
ایسوسی ایٹ پروفیسر
گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور

زادِ آخرت

''بارگاہِ رسالت ﷺ میں'' جذب وشوق میں ڈوبی ہوئی ان ایمان پرور اور روح افروز کیفیات و احساسات کا حسین مجموعہ ہے، جو روضۂ رسول ﷺ پر حاضری کے وقت ہر مسلمان کے قلب ونظر پر طاری ہوتی ہیں اور خوش نصیب ہیں، وہ اہل دل، جنہوں نے ان چشم دید کیفیات اور احساسات کی معراج کا ایک ایک لفظ ذوق وشوق کے رواں قلم اور محبت وعقیدت کی نوری روشنائی سے تحریر کیا اور اعتراف کرتے ہیں کہ وہ پھر بھی اس کا حق ادا نہیں کر سکے۔ کیونکہ یہ ایسی بارگاہ ہے...... جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح وشام نازل ہو کر درود شریف پڑھتے ہیں...... جہاں سو میں سے نوے رحمتیں نازل ہوتی ہیں (باقی دس ساری دنیا پر)...... جہاں حاضر ہونے سے سارے گناہ بخشے جاتے ہیں...... جہاں کا دربار فیض بار ہے...... جہاں شفاعت واجب ہو جاتی ہے...... جہاں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے...... جہاں تمام افکار وغموم دفع ہو کر دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے...... جہاں سلام کرنے سے حضور ﷺ بذات خود جواب دیتے ہیں...... جہاں کا روضہ مبارک عرش اعلیٰ سے بھی افضل ہے...... جہاں فوت ہونے والا حضور ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہو جاتا ہے...... جہاں حضور نبی کریم ﷺ کے رفقا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آرام فرما رہے ہیں...... جہاں دل کا گلستان کھل اٹھتا ہے...... ہر مردہ چہرے کو رونق اور قلب وجاں کو تسکین ملتی ہے...... جہاں آنسو محبت واحترام کے انداز سیکھتے ہیں...... جہاں دھڑکنیں شکر وسپاس کی صورت اختیار کر لیتی ہیں...... قدم رک جاتے ہیں...... سر جھک جاتے ہیں...... تاریک دل روشن ہو جاتے ہیں...... زبانیں ندامت گناہ اور احساس خطا سے گنگ ہو جاتی ہیں......

زندگی پشیماں ہو جاتی ہے...... اعمال نادم اور خطائیں شرمندہ ہو جاتی ہیں...... روح کی آلائشیں ختم ہو جاتی ہیں...... تقدیر بدل جاتی ہیں...... مقدر جاگ جاتے ہیں...... التجائیں آنسوؤں کا روپ دھار لیتی ہیں۔

یہ تقدس، پاکیزگی، امن، سلامتی، اطمینان اور محبت و احترام کی جگہ ہے...... یہاں مہر و وفا پانی بھرتے ہیں...... آسماں سر جھکاتے ہیں...... یہاں انوار وتجلیات کی بارش ہوتی ہے۔ یہاں انعامات تقسیم ہوتے ہیں...... باران کرم برستا ہے...... سعادتوں اور برکتوں سے جھولیاں بھری جاتی ہیں...... یہاں کے ذرے بھی مہ پارے نظر آتے ہیں۔ ہر سمت **و رفعنا لک ذکرک** کی تاثیر وتصویر نظر آتی ہے...... ہر طرف ''با ادب باملاحظہ ہوشیار'' اور ''اے راہروان شوق یہاں سر کے بل چلو'' کی منادی ہوتی ہے...... یہاں زمانے کے تاجور، اہل تخت و تاج اور وقت کے فاتح سر بہ خم نظر آتے ہیں...... ارباب خرد سرگشتہ و حیراں ہوتے ہیں...... شوق محبت آتشیں ہو جاتا ہے، بصارت بصیرت ہو جاتی ہے...... رخ قبلہ کی جانب، دل سوئے محمد ﷺ ہو جاتا ہے...... جذبے نثار، جسم سراپا نیاز اور دھڑکنیں بے اختیار ہو جاتی ہیں...... درود وسلام سے معمور فضا میں دعائیں قبول ہوتی نظر آتی ہیں...... نگاہیں گنبد خضرا کی طرف جاتی ہیں تو واپس نہیں آتیں، وہیں قربان ہو جاتی ہیں...... یہاں ایک لمحہ صدیوں کی عبادت پر بھاری ہے...... ایمان نور سے منور ہو جاتا ہے، جو ہر شخص کے چہرے پر رقص کرتا دکھائی دیتا ہے...... دل انوار کی کثرت دیکھ کر حیرت کی تصویر بن جاتا ہے...... جو اشک بھی آنکھ سے بہتا ہے، وہ محروم تاثیر نہیں ہوتا...... یہاں ذرے ذرے میں ایک خزینہ نہاں ہے...... فرش سے عرش تک ضیاؤں کا ایک نہ ٹوٹنے والا سلسلہ ہے...... یوں محسوس ہوتا ہے جیسے جنت زمین پر اتر آئی ہے۔

مر کے جیتے ہیں جو ان کے در پہ جاتے ہیں حسن
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

ایسے عالم میں بڑے خوش نصیب اور بامراد ہیں وہ لوگ جنہیں یہاں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی ہے...... اور بڑے باذوق ہیں وہ اہل دل جنہوں نے ''حاضری''

کے ان حساس اور قیمتی لمحات کی تصویر قرطاس پر اتاری۔ میں نے ان تمام ایمان افروز تحریروں کو منتخب کر کے یکجا کر دیا۔ یہ گنج ہائے گراں مایہ میرے لیے زادِ آخرت ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اس کتاب کے تیاری کے لیے سیکڑوں سفرنامے، جرائد و رسائل، مقالات اور اخباری مضامین نظر افروز ہوئے۔ ان میں سے محدود تعداد کا انتخاب کرنا باقی ماندہ کے فیض سے محروم ہونا ہے۔ لیکن ضخامت کے ڈر کی وجہ سے میں نے اس خزینہ سے سوز و گداز سے عبارت، فصاحت و بلاغت سے بھرپور اور علم و ادب سے مزین سو سے زائد مضامین/ اقتباسات منتخب کیے ہیں۔ گویا رنگا رنگ پھولوں کا ایک معطر گلدستہ سجانے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں مضامین کی ترتیب مصنف کے نام کی تہجی وار ترتیب کے مطابق ہے۔ جس سے یقیناً قارئین کرام کو مضمون تلاش کرنے میں آسانی رہے گی۔

میں خصوصی طور پر نامور دانشور جناب اشفاق احمد (زاویہ) اور معروف سیرت نگار جناب طالب ہاشمی کا شکرگزار ہوں، جنہوں نے اس کتاب پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ غرقابِ عشق رسولؐ جناب ملک منیر احمد اور مجاہد ختم نبوت برادرِ عزیز جناب اسد اللہ ساقی (جڑانوالہ) کا خصوصی طور پر ممنون ہوں کہ انھوں نے مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں بے حد علمی تعاون کیا۔ صاحبانِ علم و دانش جناب ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، جناب پروفیسر محمد شاہ کھگہ، جناب محمد فرقان اور جناب جاوید عبدالحمید (جدہ) نے کتاب کو مفید بنانے کے لیے اپنے گرانقدر مشوروں سے نوازا۔ ٹائٹل پر مواجہہ شریف کی دل آویز تصویر عزیزی میجر محمد اطہر مجید نے خصوصی طور پر مدینہ طیبہ سے بھجوائی۔ یہ سب حضرات خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔ میری بیٹیوں خولہ بنت متین اور فاطمہ متین نے کتاب کی تیاری کے دوران جس طرح میرے آرام کا خیال رکھا اور مجھے ہر ضروری چیز میری ٹیبل پر بہم پہنچائی، میں ''تحفظ ختم نبوت'' کے محاذ پر ان کی استقامت، درازی عمر اور تعلیم و تربیت میں فروغ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں۔ اس کتاب کی اشاعت پر برادر مکرم جناب گل فراز احمد (علم و عرفان پبلشرز، لاہور) کا تہہ دل سے ممنون

ہوں، جن کی ذاتی دلچسپی سے یہ خوبصورت کتاب تیار ہوئی۔

اہل عشق و محبت سے درخواست ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اپنی قیمتی آرا سے ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن خوب سے خوب تر تیار ہو سکے۔

میں نے پسند ذاتِ محمد ﷺ کو کر لیا
لائے کوئی مثال میرے انتخاب کی

طالب شفاعت محمدیؐ بروز محشر

لاہور کینٹ

mateenkh@gmail.com

✡......✡......✡

بارگاہِ
رسالت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
میں

جو بہاریں ہیں یہاں وہ باغِ جنت میں نہیں

مدینے کا سفر جاری ہے۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے۔ مدینہ قریب آتا جا رہا ہے۔ یہ عجز وانکسار کا سفر ہے۔ محبت کا سفر ہے۔ عشق کا سفر ہے۔ عقیدت کا سفر ہے۔ خود سپردگی کا سفر ہے۔ جوں جوں مدینہ قریب آ رہا ہے۔ موسم بھی بہتر ہوتا جا رہا ہے۔ ابھی ابھی بس ایک جگہ رکی تو باہر موسم خوشگوار لگا۔ خنکی سی محسوس ہوئی۔ مدینہ کی ٹھنڈی ہوائیں آنا شروع ہوگئی ہیں .... جوں جوں بس آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ مدینہ قریب آتا جا رہا ہے۔ روحانیت بڑھتی جا رہی ہے۔ رگ و پے میں خوشی سرایت کرتی جا رہی ہے۔ مدینہ سے غیر مرئی شعاعیں نکل کر ہم تک پہنچ رہی ہیں۔ ان شعاعوں میں اتنی کشش ہے کہ یہ آپ کو مدینہ کے مقدس مقامات کا اسیر بنا لیتی ہیں۔ مدینہ آ کر بندہ ان شعاعوں کے گرداب میں ایسا پھنستا ہے کہ پھر ان سے نکلنے کو دل نہیں کرتا۔ اصل میں مدینہ میں داخل ہوتے ہی بندہ مدینہ کی گلیوں، مدینہ کی مسجدوں اور مسجد نبویؐ کے میناروں کے سحر میں ایسا کھو جاتا ہے کہ اسے کسی اور شے سے کوئی غرض نہیں رہتی۔ دل کرتا ہے کہ مسجد نبوی میں ہی پڑا رہ جاؤں۔ لو جی اب مسجدِ نبویؐ کے مینار نظر آ رہے ہیں یعنی کہ اللہ کی رحمت کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ جونہی گاڑی مسجدِ نبویؐ کے قریب سے گزری تو دل کیا فوراً مسجد نبویؐ پہنچ کر باب السلام جا کر سلام پیش کروں۔

مدینہ طیبہ میں آ کر آدمی بے خود ہو جاتا ہے۔ بے چین ہو جاتا ہے۔ نبیؐ کے عشق میں ڈوب جاتا ہے۔ جتنا زیادہ درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ اتنا ہی اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔ بار بار جب درِ نبیؐ پر حاضر ہوتا ہے تو دل کرتا ہے کہ ادھر ہی پڑا رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت بیان کرتا رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

روضہ مبارک کو دیکھتا رہے اور یہیں رہتے ہوئے، درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے زندگی کی شام ہو جائے۔ زندگی تمام ہو جائے۔ باب السلام کی طرف ہماری نگاہیں لگی ہوئیں ہیں۔ مسجدِ نبویؐ کے دروازوں میں یہ سب سے متبرک گیٹ ہے۔ سارے قدم اس کی طرف اُٹھ رہے ہیں۔ یہ گیٹ مرکزِ نگاہ ہے۔ حجاج کرام آہستہ آہستہ ہولے ہولے قدم اُٹھا رہے ہیں۔ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے ہیں۔ یہ مقامِ رحمت ہے۔ یہ مقامِ ادب ہے۔ دنیا کی سب سے متبرک جگہ ہے۔ اربوں مسلمانوں کے روحانی پیشوا، اللہ کے برگزیدہ ترین پیغمبرؐ جن کے لیے یہ دنیا تخلیق کی گئی، کی آخری آرام گاہ ہے۔

ہمارے پیارے نبی آخرالزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم یہاں استراحت فرما رہے ہیں۔ یہاں حاضر ہو کر میں دم بخود ہو چکا ہوں۔ آہستہ آہستہ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا ہوں۔ یہ مسجد نبویؐ کا وہ حصہ ہے۔ وہ متبرک مقام ہے۔ وہ مقدس جگہ ہے جہاں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہا کرتے تھے اور چلا کرتے تھے۔ یہ جگہ مدینہ کی ریاست کے امام کی رہائش تھی۔ یہ جگہ پارلیمنٹ ہاؤس تھی۔ میرے نبیؐ اور ان کے جانثار صحابہ کرامؓ کے قدم اِدھر پڑے تھے۔ عقیدت سے، احترام سے، پیار سے، محبت سے، میرے قدم اُٹھ نہیں رہے، جم گئے ہیں روضہ رسولؐ تک جانے کے لیے، اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے، اس کو آنکھوں میں بسانے کے لیے، مسجدِ نبوی کے محافظوں جو قطار بنائی ہے، دیوار کھینچی ہے، میں اس میں کھڑا ہوں۔ دل کرتا ہے کہ میں اس قطار میں کھڑا رہوں اور کھڑا رہوں اور میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے اور جب میں حشر کے دن اُٹھایا جاؤں تو میرا نام ان عاشقوں میں پکارا جائے جو روضہ رسولؐ کی ایک جھلک دیکھنے کی آرزو میں جان کی بازی ہار گئے۔ لوگوں کو جلدی ہے۔ روضہ رسولؐ تک جانے کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو سلامِ عقیدت پیش کرنے کی۔ مگر میں کھڑا ہو گیا ہوں۔ خوابوں اور خیالوں میں پہنچ گیا ہوں۔ دورِ نبویؐ میں پہنچ گیا ہوں۔ مجھے ایسے لگ رہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنے والے ہیں۔ وہ صحابہ کرامؓ کے جلو میں چل رہے ہیں۔ آپؐ کا ایک ایک قدم مبارک ہے۔ جس زمین پہ، جس جگہ پہ آپ

کے قدم پڑتے تھے وہ جگہ متبرک ومقدس ہو جاتی تھی۔

ایک طرف ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ان کے پیچھے عمر فاروقؓ ہیں پھر حضرت عثمانؓ ہیں اور آخر میں حضرت علیؓ ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے حجرہ میں چلے جاتے ہیں۔ اماں عائشہ آپؐ کی منتظر ہیں۔تھوڑی دیر حجرہ میں آرام کر کے آپ نماز کے لیے آتے ہیں۔ ریاض الجنہّ میں صحابہ کرامؓ منتظر ہیں۔نماز آپ کی اقتداء میں ہو رہی ہے۔نماز کے بعد مشاورت ہوتی ہے۔معاملات پر بحث ہوتی ہے اور منٹوں میں فیصلے ہو جاتے ہیں۔

میں باب السلام میں کھڑا انہیں خوابوں اور خیالوں میں گم تھا۔شُرطے نے دیکھ لیا۔ پہلے تو اس نے کچھ نہ کہا، سوچا ہوگا کہ اس حاجی کو کچھ نہ کہوں۔ یہ تو دیوانہ لگتا ہے۔ دوبارہ دیکھا تو کہنے لگا حاجی آگے بڑھو۔ جلدی چلو۔مگر میں کیسے جلدی چلوں۔ میرے پاؤں سو سو من کے ہوگئے ہیں۔ میری ٹانگوں میں آگے بڑھنے کی سکت نہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ پا ڈھونڈ رہا ہوں تا کہ میں ان میں سما جاؤں۔اپنا آپ ان میں جذب کرلوں۔اپنا آپ کو مٹالوں۔رہے نام اللہ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا۔قطار آگے بڑھتی جارہی ہے۔درود وسلام کے نذرانے پیش ہو رہے ہیں۔ لوگ رو بھی رہے ہیں۔شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مانند سسکیوں اور آنسوؤں کی آوازیں آرہی ہیں۔ درود وسلام کی پُرسوز صداؤں سے باب سلام کے در و دیوار گونج رہے ہیں۔رحمت برس رہی ہے۔سکینت نازل ہورہی ہے۔ یہ دربار محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ درِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ رحمت اللعالمین کی آخری آرام گاہ ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں جہانوں کے سردار تھے۔سب کے لیے سراپا رحمت تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدمین مبارک میں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ آرام فرما رہے ہیں۔آہستہ آہستہ منزل قریب آرہی ہے۔ سپاہی کھڑے ہیں۔علماء کرام بھی کھڑے ہیں۔کہہ رہے ہیں جلدی کرو۔ یہاں سے آگے بڑھو۔ میں کیسے جلدی جاؤں۔ میں نے تو ادھر ہی رہنا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضہ مبارک کو دیکھتے رہنا ہے۔اس منظر کو آنکھوں میں بسانا ہے۔آنسوؤں

سے، سسکیوں سے درود وسلام کا نذرانہ پیش کر رہا ہوں۔ آپ کے دربار میں حاضر ہونے کی سکت نہیں۔ میں بے چارہ، دنیا دار، گنہگار، سیاہ کار، لغزشوں میں لتھڑا ہوا، بے کس، بے نوا تیرے دربار میں حاضر ہے، آنسوؤں کا نذرانہ لے کر، آج نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت مشکل میں ہے۔ تکلیف میں ہے۔ اس کے بچے قتل ہو رہے ہیں۔ عورتوں کی عصمت لٹ رہی ہیں۔ کلمہ پڑھنے والوں کو زندہ جلایا جا رہا ہے۔ ان کو گھروں اور ملکوں سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے توسط سے اللہ سے مدد مانگ رہا ہوں۔ یا اللہ بے کس بے نوا مسلمانوں کی مدد کو آ جا۔ یا اللہ بہت ہو چکا۔ لاکھوں مسلمانوں شہید ہو چکے۔ لٹ چکے۔ ملکوں کے ملک برباد ہو چکے۔ یا اللہ اب تو اپنے پیارے نبیؐ کی امت کی مدد کو آ جا۔

اے خاصہ خاصانِ رُسلؐ وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

ان دعاؤں کے ساتھ روضہ رسولؐ پر پہنچ کر درود وسلام کا نذرانہ پیش کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو سلامِ عقیدت پیش کیا۔ درِ رسولؐ پر حاضری سے ایک دم روحانیت چھا گئی۔ رگ وپے میں خوشی سرایت کر گئی۔ باہر آ کر گنبدِ خضریٰ کو جی بھر کے دیکھا۔ گنبدِ خضریٰ کے سامنے سینکڑوں لوگ کھڑے اپنے اپنے انداز میں درود وسلام کے نذرانے پیش کر رہے ہیں۔ رو بھی رہے ہیں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اپنی لغزشوں کو دیکھتے ہوئے بھی اللہ کی رحمت اور بخشش کے اُمیدوار ہیں۔ مگر یہ سب لوگ ادھر آ کر بہت خوش ہیں۔ مطمئن ہیں۔

ڈاکٹر آصف محمود جاہ

یہ خطہ زمیں ہے زمانے میں لاجواب

مدینہ منورہ نام ہے اس مقدس، متبرک اور قابل صد تعظیم و تکریم شہر کا جس پر دُنیا جہاں کی عظمتیں ورفعتیں قربان ہیں، اس لیے کہ یہیں دلوں کا کعبہ اور رُوحوں کا قبلہ ہے۔ یہ شہر ہے ان کا جو ابتداؤں کی ابتدا ہے جو انتہاؤں کی انتہا ہے، جو تخلیق کائنات کا عنوان، رُوح کن فکاں، زینت بزم امکاں، رحمت یزداں، حبیب رحمان، نازش قدسیاں، فخر رسولاں، نور دیدہ مشتاقاں، سرور دوراں، شاہ شاہاں، رہبر رہبراں، نیر تاباں، مہر درخشاں، مہ فروزاں خواجہ گیہاں، فخر جہاں، محور ایماں، وجہ تسکین جاں، قرار قلب پریشاں، انیس دل فگاراں، درد کا درماں، شافع عاصیاں، حامی بے کساں۔ یہ مقدس ترین شہر جو سب کی آرزوؤں کا محور ہے۔ بارگاہ شاہ کونین ہے۔ یہاں کے مقامات مقدس و متبرک ہیں۔ یہاں کے کوچہ و بازار حسین و جمیل ہیں۔ یہاں کی وادیاں انتہائی دلکش و رُوح پرور ہیں۔

جو شے مدینہ میں ہے کہیں اور نہیں ہے۔ جنت بھی یہیں ہے اور قاسم جنت بھی یہیں ہے۔ کونین کی ہر ایک نعمت یہیں سے ملتی ہے۔ یہاں کا ہر ذرہ خورشید بداماں ہے۔ ہر جا وہ قبلہ قدسیاں ہے۔ ہر طرف خلد کی بہار ہے۔ راحت کا ساماں ہے۔ اس کی خاک میں تاثیر شفا ہے۔ یہ مرکز مہر و وفا ہے۔ مصدر جود و سخا ہے۔ مطلع نور و ضیا ہے۔ یہاں ہر لمحہ ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ ہر گام پر فردوس بریں کا نظارہ ہے۔ اس کی ہواؤں میں خوشبو ہے۔ فضاؤں سے انوار برستے ہیں۔ یہاں ہر دکھ کا مداوا ہے۔ ہر غم کا علاج ہے۔ مدینہ آسرا ہے بے آسروں کا، مدینہ ٹھکانہ ہے بے ٹھکانوں کا، یہاں جو بھی مانگو، اس سے سوا ملتا ہے۔

1980ء میں میری قسمت کا ستارہ چمکا۔ اللہ کے رحم اور حضور ﷺ کی نظر کرم سے مجھے حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں جب مرکز قرار و سکینت مدینہ منورہ پہنچا، جہاں

بھی نظر پڑتی، نور و تجلی کا ظہور ہو رہا ہوتا۔ جو چیز بھی نظر آتی، آنکھوں کے راستے دل کی گہرائیوں میں کیف و سرور کی ایسی کیفیت پیدا کر دیتی کہ اسے دل ہی محسوس کرتا تھا۔ جسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

سر ایں جا، سجدہ ایں جا، بندگی ایں جا، قرار ایں جا

مدینہ منورہ میں اک کیف سرمدی دل و دماغ پر طاری رہتا ہے۔ برکتوں، رحمتوں، نوازشوں اور عقیدتوں کی فضا میں ہر شخص کی اک عجب کیفیت ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو قلم بند کرنا، میرے لیے تو کیا کسی بڑے سے بڑے اہل قلم اور اہل علم کے لیے بھی ناممکن امر ہے۔ کوئی حیرت سے یہاں کے در و دیوار کو دیکھتا ہے اور شہر نبی کی تجلیات کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ کوئی بارگاہ نبوی ﷺ میں اشکوں کے نذرانے پیش کر رہا ہوتا ہے۔ کوئی محویت کے عالم میں سنہری جالیوں پر نظریں جمائے کھڑا درود وسلام پڑھ رہا ہوتا ہے۔ گنبد خضرا کو نہایت عجز و انکساری سے دیکھتا رہتا ہے اور اس کی ضیا پوشیوں سے نگاہوں کو مجلّا اور قلب کو مصفا کرنا چاہتا ہے۔ ہر شخص اپنے آپ میں گم، اپنے اپنے کیف میں سرشار، آستان شفیع المذنبین ﷺ پر اپنی التجائیں پیش کر رہا ہوتا ہے۔ دل کی بات کرتا ہے، شفاعت کا طلب گار ہوتا ہے۔ لیکن کوئی بلند آواز سنائی نہیں دیتی۔ ہر دل پر ادب کا سکتہ جاری رہتا ہے۔ روضہ اطہر کی مقدس جالیوں کے سامنے جس کو دیکھو محو تجلیات ہے۔ کسی کو اپنی خبر نہیں ہوتی۔ کپکپاتے ہونٹوں، اشکوں کے نذرانوں، لرزیدہ جسموں کے ساتھ ہر اک خاموشی میں ٹھنڈے سانس بھر رہا ہوتا ہے۔ شفیع روز محشر کی بارگاہ عالی میں اپنی گزارشات پیش کر رہا ہوتا ہے۔ غرضیکہ ہر شخص اپنے اپنے دل کی کیفیت کو اپنی ہی زبان میں اپنے ہی انداز میں شہ لولاک ﷺ کی جناب میں پیش کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہی تو وہ در ہے جہاں سے کائنات کی ہر دولت، ہر نعمت ملتی ہے۔ یہاں سے بھی نہ پائیں گے تو کدھر جائیں گے، رحمت کل تو یہی ہے۔

بلا شبہ جب تک سورج کی شعاعیں، چاند کی چاندنی، ستاروں کی لو، پھلوں کی مہک، غنچوں کی چٹک اور کلیوں کا تبسم رہے گا، آپ ﷺ کا ذکر ہو گا بلکہ ابد الآباد تک

رحمت عالم و عالمیاں کی عظمت کا ذکر مقدس مسلسل ہوتا رہے گا۔

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

وہ رشکِ فردوس جگہ جو شوق اشتیاق، حیرت و استعجاب اور جذب و مستی کی آخری منزل ہے، رحمتوں کا منبع و مصدر اور کرم کی انتہا ہے، جہاں صبح و شام ستر ہزار فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، جو ایک بار حاضری دیتا ہے، روزِ محشر تک پھر اُسے یہ شرف حاصل نہیں ہوتا۔ یہ انسان ہی کو شرف حاصل ہے کہ اس پر اللہ کی رضا و رحمت اور اُس کے محبوب ﷺ کی شفقت و عنایت کے دروازے کُھل جائیں تو وہ حاضری دیتا رہتا ہے۔ یہاں زائرین عمر بھر کی ترستی نگاہوں کو سنہری جالیوں کی زیارت سے مشرف کرتے ہیں، اسی جگہ کو مواجہہ شریف کہا جاتا ہے۔

مواجہہ شریف میں حاضرین، ہدیہ درود و سلام بڑے سوز و گداز اور قلب کی گہرائیوں سے پیش کرتے ہیں۔ کبھی صرف آنسوؤں کی زبان سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی ذوق و شوق کی زبان سے عرض کی جاتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ بلند آواز سے دُعائیں مانگی جائیں، التجائیں پیش کی جائیں، سلام پڑھا جائے، نعت کے پُھول نچھاور کیے جائیں لیکن یہ وہ مقام ہے جس کے لیے عزت بخاری مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

مواجہہ شریف میں عالمِ اسلام سے شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ سے آئے ہوئے غلامانِ رسول ﷺ لرزتے، کانپتے، اشک بہاتے سراپا عجز و نیاز بن کر حاضری دیتے ہیں۔ اگر یہاں پیش کیے جانے والے اشکوں کے دھاروں کو جمع کیا جا سکے تو صحرائے نفود سیراب ہو جائے۔ آستانِ محبوبِ کبریا پر ایک ہجوم ہوتا ہے۔ یہاں سوائے سسکیوں کے کوئی آواز سُنائی نہیں دیتی اس لیے بھی کہ خالقِ کائنات کا حکم ہے:

- ”اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اُونچی نہ کرو اور جس

طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور (زور) سے بولا کرتے ہو اُن کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمھارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔''

(الحجرات:2)

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اُس کی پابندی ہے، اس لیے ہر ایک کی زبان سے آہستہ آہستہ دُعائیہ کلمات ادا ہو رہے ہوتے ہیں۔ آنسوؤں کی برکھا میں درود وسلام کے تحفے پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بگڑی بنتی ہے، مقدر سنورتے ہیں، دُعائیں سُنی جاتی ہیں، رُوح کی پکار کو باریابی ہے۔ یہاں توبن مانگے سب ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ یہاں سے جب نظر سید المرسلین خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین ﷺ کے روضہ اطہر کی مقدس جالیوں پر پڑتی ہے تو دیدۂ دل کے لیے کیف و سرور کا ایک عجیب عالم ہوتا ہے۔ قلم اس کیفیت کو رقم نہیں کرسکتا۔ احساسات کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہاں کی حاضری پر شفاعت کا مژدہ سُنایا اور جس زائر نے حاضری نہ دی اُس کے بارے میں فرمایا کہ اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔ آپ ﷺ نے زائرین کو کیا کیا بشارتیں دیں ملاحظہ فرمائیے:

- ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔'' (جامع الصغیر، ص 171)
- ''جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔'' (مشکوٰۃ شریف: ص 241)
- ''جس شخص نے حج کیا اور میری تربت کی زیارت نہ کی تو اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔'' (وفاء الوفا، جلد دوم، ص 398)
- ''جس شخص نے مکہ مکرمہ کا حج کیا۔ پھر میری مسجد کی زیارت کا ارادہ کیا (میری مسجد میں آیا) تو اُس کے نامہ اعمال میں دو حج کا ثواب لکھا جائے گا۔'' (راحت القلوب، ص 206)

جب رحمتِ دارین، سید المرسلین، شفیع المذنبین ﷺ نے مشتاقانِ دیدار کو شرفِ زیارت کی عظیم بشارتوں سے مختلف اوقات میں، مختلف انداز سے نوازا، زائرین کی

جھولیوں کو کرم کے گہرہائے گرانمایہ سے لبریز کر دیا تو مشتاقانِ دید بھی آپ کے وصال کے بعد روضہ اطہر پر حاضر ہونے لگے اور یہ سلسلہ تا بہ ابد جاری رہے گا۔

سید آل احمد رضوی

اس مقدس بستی کو دیکھنے کی حسرت میں اَن گنت لوگ اشک بہاتے ہیں۔ اس کی یاد نے سینوں کو آباد رکھا ہے۔ اس دربارِ مقدس پر زمانے بھر کے شہنشاہ بھیک کے لیے جھولیاں پھیلاتے ہیں۔ چاند اس روضہ منور سے نور کی خیرات مانگتا ہے۔ حرم پاک کی خاک فرشتوں کے چہروں کا غازہ ہے۔ کائنات کا جمال اُس کی تجلیات کا صدقہ ہے۔

آئینہ جمال ہے صورتِ حق نما تری
پھیلی ہے کائنات میں چار طرف ضیا تری
ہے لبِ جبرئیلؑ پر شام و سحر ثنا تری
غازہ روئے قدسیاں تابشِ خاکِ پا تری

صلِ علیٰ نبیناّ صَلِ عَلیٰ مُحَمَّدِ

حافظ مظہر الدین

زمین پر سے اک نور تا آسماں تھا

حج سے فارغ ہوتے ہی مدینے جانے کے لیے دل میں ایک بے چینی پیدا ہوچکی تھی۔ روانہ ہونے سے مدینہ پہنچنے تک جذبات کا عجیب حال رہا اور خصوصاً جس مقام سے گنبد خضرا نظر آنا شروع ہو جاتا ہے، وہاں تو جذبات کا وفور اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔

مجھے امام ابن تیمیہؒ کی جن باتوں سے کبھی اتفاق نہ ہوسکا، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مدینہ طیبہ کا سفر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لیے تو جائز بلکہ مستحسن قرار دیتے ہیں، مگر حضور نبی ﷺ کے مزارِ مبارک کی زیارت کا اگر کوئی قصد کرے تو اس کا ناجائز ٹھہراتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ چیز کسی مسلمان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ حجاز جانے کے بعد مدینے کا قصد نہ کرے اور مدینے کا قصد کرتے وقت مزار پاک کی زیارت کی تمنا اور خواہش سے اپنے دل کو خالی رکھے۔ صرف مسجد نبوی کو مقصود سفر بنانا انتہائی ذہنی تحفظ کے باوجود بھی ممکن نہیں ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہاں صرف یہ مسجد ہوتی اور نبی ﷺ کا مزار مبارک نہ ہوتا تو کم ہی کوئی شخص وہاں جاتا۔ آخر فضیلتیں تو مسجد اقصیٰ کی بھی بہت ہیں، مگر وہاں کتنے لوگ جاتے ہیں؟ اصل جاذبیت ہی مدینے میں یہ ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کا شہر ہے، وہاں حضور نبی کریم ﷺ کے آثار موجود ہیں اور خود حضور نبی کریم ﷺ کا مزار مبارک بھی موجود ہے۔

جس حدیث سے امام ابن تیمیہؒ نے استدلال کیا ہے، اس کا مطلب بھی وہ نہیں ہے جو انھوں نے سمجھا۔ بلاشبہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: تین مسجدوں کے سوا کسی کے لیے سفر جائز نہیں ہے۔ لامحالہ اس کے دو ہی مطلب ہوسکتے ہیں۔ یا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں کوئی سفر جائز نہیں سوائے ان تین مسجدوں کے اور یا پھر یہ

مطلب ہوگا کہ تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی یہ خصوصیت نہیں ہے کہ اس میں نماز پڑھنے کے لیے آدمی سفر کرے:

- اگر پہلے معنی لیے جائیں تو مدینہ کیا معنی، دنیا میں کسی جگہ بھی سفر کر کے جانا جائز نہیں رہتا، خواہ وہ کسی غرض کے لیے ہو، اور ظاہر ہے کہ اس معنی کا کوئی قائل نہیں، خود ابن تیمیہؒ بھی اس کے قائل نہیں تھے۔

- اور اگر دوسرے معنی کو اختیار کیا جائے اور وہی صحیح ہے تو حدیث کا تعلق صرف مساجد سے ہے غیر مساجد سے نہیں اور منشا صرف یہ ہے کہ مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ تو ایسی مسجدیں ہیں کہ ان میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے آدمی ان کی طرف سفر کرے، لیکن دنیا کی کوئی اور مسجد یہ حیثیت نہیں رکھتی کہ محض اس میں نماز پڑھنے کی خاطر آدمی سفر کر کے وہاں جائے۔ لیکن اس کو خواہ مخواہ زیارت قبر رسول ﷺ پر لے جا کر چسپاں کر دینا کسی دلیل سے بھی صحیح نہیں۔

مدینہ طیبہ کے سفر میں چوبیس گھنٹے سے بھی زیادہ گزر گئے تھے اور راستے میں غذا اور نیند سے بھی زیادہ تر محرومی ہی رہی تھی۔ اس لیے مدینہ پہنچتے ہی مسجد نبوی میں انتہائی شوق کے باوجود حاضر ہونا ممکن نہ ہوا۔ دوسرے احباب تو چلے گئے، مگر میں اس قدر خستہ ہو چکا تھا کہ قیام گاہ پہنچ کر ایک دفعہ لیٹ جانے کے بعد پھر نہ اٹھ سکا۔ دوسرے روز حاضری دی، اور حضور نبی کریم ﷺ اور شیخینؓ کے مزارات کی زیارت کی۔ یہاں کی کیفیات نمایاں طور پر مسجد حرام کی کیفیات سے مختلف ہوتی ہیں۔ مسجد حرام میں محبت پر عظمت و ہیبت کے احساس کا شدید غلبہ رہتا ہے۔ اس کے ساتھ آدمی پر کچھ وہ کیفیات بھی طاری ہوتی ہیں، جو کسی بھیک مانگنے والے فقیر کی حالت سے ملتی جلتی ہیں۔ لیکن حرم نبوی میں پہنچ کر تمام دوسرے احساسات پر محبت کا احساس غالب آ جاتا ہے اور یہ وہ محبت ہے جس کا حضور نبی کریم ﷺ نے خود ہی جز و ایمان فرمایا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ہر گزارش ہوئی آنسوؤں سے بیاں

مورخین اور مصنفین کو خدا معاف کرے، مقدس سے مقدس مقامات اور افضل سے افضل اوقات میں بھی یہ تاریخی ذوق اور طرزِ فکر ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وہ چند لمحات کے لیے بھی اس سے آزاد نہیں ہو پاتے۔ وہ جہاں بھی ہوتے ہیں، اپنے علم و مطالعہ کی فضا میں سانس لیتے ہیں اور حال کا رشتہ ہمیشہ ماضی سے جوڑنا چاہتے ہیں۔ مناظر کو دیکھ کر ان کا ذہن بہت جلد اس تاریخی منظر کی تلاش میں نکل جاتا ہے، جن کے نتیجہ میں ان مناظر کا وجود اور نمود ہے۔

مجھے کل روضہ نبوی ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میرے چاروں طرف نمازیوں اور عبادت گزاروں کا زبردست مجمع تھا۔ ان میں کچھ لوگ سجدے میں تھے اور کچھ رکوع میں۔ تلاوت قرآن کی آوازیں فضا میں اس طرح گونج رہی تھیں، جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتہ میں بھنبھنا رہی ہوں۔ اس وقت کا سماں کچھ ایسا تھا کہ مجھے تاریخ اور تاریخی شخصیات کو تھوڑی دیر کے لیے فراموش کر دینا چاہیے تھا لیکن تاریخ کی قدیم یادیں بادلوں کی طرح میرے دل و دماغ پر چھا گئیں اور میرا ان پر کوئی زور نہ چل سکا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس امت کی نامور شخصیتوں اور راہنماؤں کو ایک نئی زندگی عطا کی گئی ہے اور وہ وفود کی شکل میں یکے بعد دیگرے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو رہے ہیں اور اسی عظیم مسجد میں فریضہ نماز ادا کرنے کے بعد اسی عظیم نبی ﷺ کو ہدیہ سلام اور خراج عقیدت و محبت پیش کر رہے ہیں اور اس کے احسان کا اعتراف کر رہے ہیں اور (طبقاتی اختلاف کے باوجود) اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ یہی وہ نبیؐ ہے جنہوں نے اللہ کے حکم سے ان کو ظلمت سے روشنی کی طرف، تیرہ بختی سے خوش بختی کی طرف،

مخلوق کی عبادت سے خدائے واحد کی عبادت کی طرف اور مذاہب کے ظلم و استبداد سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف، دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی کی طرف نکالا۔ وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ اسلام ہی کی پیداوار ہیں اور ان کا سارا وجود اور زندگی نبوت کی مرہون منت ہے۔ اگر خدانخواستہ ان سے وہ سب واپس لے لیا جائے، جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نبی ﷺ کے ذریعہ عطا کیا تھا اور نبوت کے وہ عطیے ان سے چھین لیے جائیں، جنہوں نے دنیا میں ان کو عزت و سرفرازی بخشی تھی تو ان کی حیثیت ایک بے روح اور بے جان ڈھانچے اور چند مبہم اور بے مقصد خطوط و اشکال سے زیادہ نہ رہ جائے گی اور وہ تاریخ کے تاریک ترین عہد، جنگلیوں کے قانون اور رہزنوں اور لٹیروں کی حکومت کی طرف واپس چلے جائیں گے اور موجودہ تہذیب و تمدن کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

اچانک میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ باب جبرئیل سے (جو مجھ سے سب سے زیادہ قریب تھا) ایک جماعت داخل ہو رہی ہے، سکون و وقار میں ڈوبے ہوئے ان کی پیشانی سے علم کا نور اور ذہانت کی روشنی صاف عیاں تھی۔ وہ باب الرحمتہ اور باب جبرئیل کے درمیانی حصے میں پھیل گئے۔ وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ان کے شمار کا کوئی سوال نہیں تھا۔ میں نے دربان سے پوچھا کہ ''یہ لوگ کون ہیں؟'' اس نے کہا کہ ''اس امت کے امام اور راہنما، انسانیت کے محسن اور نوع انسانی کے ممتاز اور قابل فخر نمونے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پوری پوری قوم کا امام، پورے پورے کتب خانہ اور مکتب فکر کا بانی اور موسس، پوری نسل کا مربی اور ہر علم و فن کا موجد ہے۔ ان کے لازوال آثار اور لافانی شاہکار اور نمونے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے علم و اجتہاد اور تحقیق کی روشنی میں کئی کئی نسلوں نے سفر زندگی طے کیا ہے۔ اس نے عجلت کے ساتھ چند ہستیوں کے نام بھی مجھے بتا دیئے۔ حضرت مالک بن انسؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، لیث بن سعد مصری، امام اوزاعی، امام بخاری، امام مسلم، تقی الدین بن تیمیہ، ابن قدامہ، ابواسحاق الشاطبی، کمال ابن الہمام، شاہ ولی اللہ دہلوی۔ یہ لوگ تھے، جنہوں نے زمان و مکان کے تفاوت اور فرق و مراتب اور اختلاف درجات کے ساتھ بارگاہ

نبوی ﷺ میں خراج عقیدت پیش کیا اور اشک ندامت نذر کیے۔

میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے انہوں نے تحیۃ المسجد کی دوگانہ بہت خشوع و خضوع اور حضوری قلب کے ساتھ ادا کی۔ پھر بہت ادب اور تواضع کے ساتھ قبر مبارک کی طرف بڑھے اور بہت جچے تلے مختصر، معانی سے لبریز، گہرے اور پر مغز کلمات کے ساتھ سلام پیش کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آواز اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز میں رقت۔ وہ کہہ رہے تھے:

''یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ کی لازوال، وسیع اور جامع، عادلانہ اور کشادہ شریعت نہ ہوتی اور اس کے وہ اصول نہ ہوتے، جن سے انسانی ذہن اور انسانی صلاحیت نے نئے نئے گل بوٹے پیدا کیے اور زمین کا دامن بیش قیمت اور عطر بیز پھولوں سے بھر دیا اور اس کا وہ حکیمانہ اور معجزانہ نظام نہ ہوتا، جس نے انسانی فکر و تدبر اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کو بیدار کر دیا اور اگر انسانیت کو اس کی احتیاج نہ ہوتی تو نہ اس عظیم فقہ کا کوئی وجود ہوتا نہ اس عظیم اسلامی قانون سے کوئی واقف ہوتا، جس سے اس وقت ہر قوم کا دامن خالی تھا، نہ اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ وجود میں آتا، جس کے سامنے دنیا کا سارا مذہبی لٹریچر ہیچ ہے...... اگر علم کی اشاعت اور خدا کی نشانیوں اور اس کی قدرت کاملہ میں غور و فکر اور استعمال عقل کے لیے آپ جدوجہد نہ فرماتے تو یہ شجر علم زیادہ دنوں تک برگ و بار نہ لا سکتا اور نہ اس کی وہ اشاعت ہوتی جو آج نظر آرہی ہے۔ عقل انسانی پہلے کی طرح پا بہ زنجیر ہوتی اور دنیا استفادہ سے محروم۔''

میں اس جماعت کو جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ میری نظر ایک دوسرے گروہ پر پڑی جو باب الرحمۃ سے ہو کر اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت کے آثار ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس جماعت میں حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، سفیان ثوری، فضیل بن عیاض، داؤد الطائی ابن السماک، شیخ عبدالقادر جیلانی، نظام الدین اولیاء اور عبدالوہاب المتقی جیسے حضرات بھی رونق بخش ہیں۔ جنہوں نے اپنے قابل رشک پیشروؤں کی یاد تازہ کر دی۔ نماز کے بعد یہ لوگ بھی قبر مبارک کے

سامنے کھڑے ہوئے اور اپنے نبی و پیشوا اور سب سے بڑے معلم اور راہنما کو درود وسلام کا تحفہ پیش کرنے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے:

''یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہمارے سامنے وہ عملی مثال نہ ہوتی، جو آپ نے پیش فرمائی تھی اور وہ مینارۂ نور نہ ہوتا، جس کو آپ نے بعد کے آنے والوں کے لیے قائم فرمایا تھا، اگر آپ کا یہ قول نہ ہوتا کہ ''اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے'' اگر آپ کی یہ وصیت نہ ہوتی کہ ''دنیا میں اس طرح زندگی گزارو جس طرح کوئی مسافر یا راہی زندگی گزارتا ہے'' اگر زندگی کا وہ طرز نہ ہوتا جس کا ذکر حضرت عائشہؓ نے اس طرح کیا ہے کہ ''ایک چاند کے بعد دوسرا چاند اور دوسرے کے بعد تیسرا چاند نکل آتا تھا اور آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی، نہ چولہے پر دیگچی چڑھانے کی نوبت آتی تھی'' تو ہم دنیا پر اس طرح آخرت کو ترجیح نہ دے سکتے اور نہ ان ضروریات زندگی پر قناعت کرتے، جو زندگی و صحت کی بقا کے لیے ناگزیر ہیں، نہ ہم نفس کی ترغیبات پر قابو پا سکتے اور نہ دنیا کے حسن و جمال، اس کی رعنائی و زیبائی اور عہدہ و منصب کی طاقت اور کشش کا اس طرح مقابلہ کر سکتے۔''

ان کے حکیمانہ الفاظ ابھی پوری طرح میرے دل و دماغ میں پیوست بھی نہ ہوئے تھے کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو ''باب النساء'' سے بہت حجاب اور ادب کے ساتھ گزر رہا تھا۔ ظاہری آرائش اور آزادروی کے ان مناظر سے جو اسلامی اصول و آداب کے منافی ہیں، یہ گروہ بالکل محفوظ اور خالی تھا۔ یہ مختلف قوموں اور دور دراز ملکوں کی صالح عبادت گزار اور عفیف خواتین تھیں، جو عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ بہت دبی زبان میں اور پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنے جذبات تشکر و عقیدت کا اظہار اس طرح کر رہی تھیں:

''ہم آپ پر درود و سلام بھیجتی ہیں اے رسول اللہ ﷺ! ایسے طبقے کا درود و سلام، جس پر آپ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ آپ نے ہم کو خدا کی مدد سے جاہلیت کی بیڑیوں اور بندشوں، جاہلی عادات و روایات سوسائٹی کے ظلم اور مردوں کی زبردستی اور زیادتی سے نجات بخشی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے رواج کو ختم کیا، ماؤں کی نافرمانی

پر وعید سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ آپ نے وراثت میں ہم کو شریک کیا اور اس میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے ہم کو حصہ دلایا۔ یوم عرفہ کے مشہور تاریخی خطبہ میں بھی آپ نے ہمیں فراموش نہیں کیا اور کہا کہ ''عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے ان کو اللہ کے نام کے واسطہ سے حاصل کیا ہے۔'' اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آپ نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، ادائے حقوق اور بہتر معاشرت کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے طبقہ کی طرف سے وہ بہتر سے بہتر جزادے جو انبیاء و مرسلین اور اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو دی جاسکتی ہیں۔''

یہ نرم آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں کہ ایک اور جماعت نظر آئی جو ''باب السلام'' کی طرف سے آ رہی تھی۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ علوم و فنون کے موجد اور مرتب اور آئمہ نحو ولغت و بلاغت کی جماعت تھی۔ ان میں ابوالاسود الدولی، خلیل بن احمد، سیبویہ، کسائی، ابوعلی الفارسی، عبدالقاہر الجرجانی، الکاکی، مجدالدین فیروز آبادی، سید مرتضیٰ الزبیدی بھی تھے، جو اپنے علوم کا سلام پیش کر رہے تھے اور اپنی شہرت اور مرتبہ علمی کا خراج ادا کرنے آئے تھے۔ میں نے دیکھا، وہ بہت بلیغ اور ادبی الفاظ میں اس طرح گویا ہیں:

''یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے اور یہ مقدس کتاب نہ ہوتی، جو آپ پر نازل ہوئی، اگر آپ کی احادیث نہ ہوتیں اور یہ شریعت نہ ہوتی، جس کے سامنے ساری دنیا نے سر تسلیم خم کر دیا تھا اور وہ اس کی وجہ سے عربی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے پر مجبور تھی تو پھر یہ علوم بھی نہ ہوتے، جن میں آج ہم کو راہنمائی اور برتری کا شرف حاصل ہے۔ نحو، بیان اور بلاغت ان میں سے کسی چیز کا بھی وجود نہ ہوتا، نہ یہ بڑی بڑی معاجم اور لغات نظر آتیں، نہ عربی زبان کے مفردات میں یہ نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں ہوتیں، نہ ہم اس راستہ میں اتنی زبردست اور طویل جدوجہد کے لیے تیار ہوتے۔ عجم کو (جس کے ہاں زبانوں اور لہجوں کی کوئی کمی نہ تھی) عربی سیکھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی اور نہ ان میں وہ مصنفین اور اہل قلم پیدا ہوتے، جن کے

ادبی مرتبہ اور مہارت فن کے اعتراف پر ادبا عرب بھی مجبور ہیں۔ اے رسول اللہ ﷺ! آپ ہی ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان رابطہ اور واسطہ تھے، جو آپ کے عہد رسالت اور عہد امامت میں پیدا ہوئے۔ درحقیقت صرف آپ ہی عرب و عجم میں رابطہ کا ذریعہ ہیں۔ آپ ہی کی ذات ہے، جس نے اس درمیانی خلا کو پر کیا ہے اور عرب و عجم قریب و بعید کو گلے ملا دیا ہے۔ آپ کا کتنا احسان ہے، ہماری اس ذہانت، طباعی اور تبحر علمی پر اور آپ کا کتنا کرم ہے علم کی اس ثروت پر، انسانی عقل کی زرخیزی پر اور قلم کی گلکاری پر۔ اے رسول اللہ ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے تو یہ زبان بھی بہت سی زبانوں کی طرح صفحہ ہستی سے ناپید ہو جاتی۔ اگر قرآن مجید کا معجزہ نہ ہوتا تو اس پر تحریف کا ایسا عمل جراحی ہوتا کہ اس کی صورت ہی مسخ ہو جاتی۔ جیسا بکثرت دوسری زبانوں کے ساتھ ہوا ہے۔ عجمی لہجے اور مقامی زبانیں اس کو جذب کر لیتیں یا نگل لیتیں اور اس کی فصاحت یکسر ختم ہو جاتی۔ یہ آپ کے وجود مبارک، شریعت اسلامی اور اس کتاب مقدس کا فیض ہے جس نے اس زبان کو فنا کے دست برد سے محفوظ رکھا ہے اور عالم اسلام کے لیے اس کی عزت و محبت واجب کر دی ہے اور ہر مسلمان کے دل کو اس کی محبت و عقیدت سے لبریز کر دیا ہے۔ آپ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو دوام بخشا اور اس کی بقا و ترقی کی ضمانت کی۔ اس لیے ہر اس شخص پر، جو اس زبان میں بات کرتا ہے یا لکھتا ہے، یا اس کی وجہ سے کوئی بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے، یا اس کی دعوت دیتا ہے، آپ کا احسان ہے اور وہ اس احسان کو ماننے پر مجبور ہے۔''

میں ان کے اس اعتراف اور اظہار حقیقت کو غور سے سن رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ''باب عبدالعزیز'' پر جا کر ٹھہر گئی۔ اس دروازے سے ایک ایسا گروہ داخل ہو رہا تھا، جس پر مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے رنگ نمایاں تھے۔ اس میں دنیا کے بڑے بڑے سلاطین اور تاریخ کے ممتاز ترین بادشاہ اور فرمانروا شامل تھے۔ ہارون الرشید، ولید بن عبدالملک، ملک شاہ سلجوقی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، طاہر پرس، سلیمان القانونی، اورنگ زیب عالمگیر بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ انہوں نے اپنے خادموں اور سپاہیوں کو

دروازے کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا اور نظریں جھکائے تواضع وانکساری کا مجسمہ بنے ہوئے بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے چل رہے تھے۔ میری نظر کے سامنے ان سب کی شخصیتیں اور کارنامے ابھرنے لگے۔ میری آنکھوں میں اس طویل وعریض دنیا کا نقشہ پھر گیا، جس پر ان کا سکہ چلتا تھا۔ اس غلبہ واقتدار کی تصویر یکا یک میرے سامنے آ گئی، جو ان کو دنیا کی بڑی بڑی قوموں، طاقت ور سلطنتوں اور جابر بادشاہوں پر حاصل تھا۔ ان میں وہ شخص (ہارون الرشید کی طرف اشارہ ہے) بھی تھا جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر یہ تاریخی جملہ کہا تھا ''تو جہاں چاہے جا کے برس، تیرا خراج آخر کار میرے ہی خزانہ میں آئے گا۔'' وہ شخص (ولید بن عبدالملک مراد ہے) بھی تھا جس کی سلطنت کی وسعت کا عالم یہ تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار اونٹ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا چاہتا تو یہ 15 ماہ سے کم میں ناممکن تھا۔ ان میں وہ فرمانروا بھی تھے جو نصف کرۂ ارضی پر حکومت کرتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو خراج پیش کرنے پر مجبور تھے۔ (سلیمان قانونی کی طرف اشارہ ہے) ایسے فرمانروا بھی تھے جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ براندام تھا اور جن کے زمانے میں مسلمانوں کو عزت کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے اور ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ و سطوت کے اثر سے گرجوں کے گھنٹے بجنا بند ہو جاتے تھے۔ (سلیمان بن سلیم العثمانی کی طرف اشارہ ہے) غرض اسی طرح کے نہ جانے کتنے بادشاہ اور فرماں روا اس مجمع میں موجود تھے۔ وہ مسجد نبویؐ میں نماز ادا کرنے کے لیے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور حضور کو درود وسلام کا ہدیہ پیش کرنا چاہتے تھے اور اس کو اپنے لیے سب سے بڑا اشرف و اعزاز اور سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش ان کی یہ نماز اور یہ درود وسلام قبول ہو۔ میں نے دیکھا کہ وہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کے دلوں پر ہیبت طاری تھی۔ یہاں تک کہ وہ ''صفہ'' کے نزدیک پہنچ گئے، جو فقر صحابہ کا مسکن اور جائے قیام تھا۔ وہ تھوڑی دیر وہاں رک گئے اور عزت واحترام اور شرم وحیا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس کو دیکھنے لگے۔ اس

کے قریب ہی انہوں نے تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعتیں پڑھیں اور قبر مبارک کی طرف بڑھے اور پھر ان کی محبت وعقیدت، جذبات واحساسات اور علم وایمان کی زبان سے جو کچھ کہلوایا، وہ انہوں نے اس بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا لیکن شریعت کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے اور توحید خالص کو پیش نظر رکھ کر۔ میں نے سنا وہ کہہ رہے تھے:

''اے رسول اللہ ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے اور آپ کا یہ جہاد اور یہ دعوت نہ ہوتی، جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور جس نے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کر لیا اور اگر آپ کا یہ دین نہ ہوتا جس پر ایمان لانے کے بعد ہمارے آباؤ اجداد گوشہ عزلت اور قعر مذلت سے نکل کر عزت وسربلندی، حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کی وسیع زندگی میں داخل ہوئے۔ پھر اس کے نتیجہ میں انہوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں، دور دراز ملکوں کو فتح کیا اور ان قوموں سے خراج وصول کیا جو کسی زمانہ میں ان کو اپنی لاٹھی سے ہانکتی تھیں اور بھیڑ بکری کے گلہ کی طرح ان کی پاسبانی اور حفاظت کرتی تھیں۔ اگر جاہلیت سے اسلام کی طرف اور گوشہ گمنامی اور تنگ ومحدود قبائلی زندگی سے تسخیر عالم کی طرف یہ مبارک سفر نہ ہوتا جو آپ کی برکت سے انجام پذیر ہوا تو دنیا میں کسی جگہ بھی ہمارا جھنڈا سربلند نہ ہوتا اور نہ ہماری کہانی کسی جگہ سنائی جاتی۔ ہم اسی طرح بے آب وگیاہ، خشک وویران صحراؤں اور حقیر وادیوں میں باہم دست وگریبان رہتے، جو طاقتور ہوتا، وہ کمزور پر ظلم کرتا، بڑا چھوٹے پر زیادتی کرتا۔ ہماری غذا بہت ہی حقیر اور معیار اتنا پست تھا کہ اس سے زیادہ پست کا تصور مشکل ہے۔ ہم اس گاؤں یا اپنے محدود قبیلہ سے آگے بڑھ کر کچھ سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے، جس میں ہماری ساری زندگی اور ساری جدوجہد محصور تھی۔ ہماری مثال تالاب کی مچھلیوں اور کنوئیں کے مینڈکوں کی سی تھی۔ ہم اپنے محدود تجربوں کے جال میں گرفتار تھے اور اپنے جاہل اور بے عقل آباؤ اجداد کے گن گاتے تھے۔

آپ نے اے رسول اللہ ﷺ! ہم کو اپنے دین کی ایسی روشنی عطا کی کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ خیال میں وسعت پیدا ہوئی، نظر کو جلا ہوئی۔ اس کے بعد ہم اس وسیع اور جامع دین اور اس روحانی رشتہ اور رابطہ کو لے کر خدا کی وسیع اور کشادہ زمین میں پھیل

گئے۔ ہم نے اپنی تمام خوابیدہ اور جامد صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے شرک و بت پرستی اور ظلم و جہالت کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور ایسی عظیم الشان حکومتیں قائم کیں، جن کے سایہ میں ہم اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی صدیوں تک آرام اور فائدہ اٹھاتے رہے۔ آج ہم آپ کی خدمت میں نذرِ عقیدت پیش کرنے آئے ہیں اور اپنے جذبہ محبت اور عزت واحترام کا خراج یا ٹیکس اپنی خوشی و مرضی سے ادا کر رہے ہیں اور اس کو اپنے لیے باعث فخر اور وسیلہ شرف سمجھتے ہیں۔

ہمیں پورا اعتراف ہے کہ اس دین کے احکام وقوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں (جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سرفراز کیا تھا) ہم سے یقیناً بڑی کوتاہی ہوئی۔ ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ بے شک وہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔''

میں ان بادشاہوں کی طرف متوجہ تھا۔ میری نظریں ان کے خاموش اور باادب چہروں پر مرکوز تھیں۔ میرے کان ان کے پرخلوص، نیازمندانہ الفاظ پر لگے ہوئے تھے جو اس سے قبل میں نے ان سے کسی موقع پر نہیں سنے تھے کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی اور ان بادشاہوں اور فرمارواؤں کی پروا کیے بغیر ان کی صفوں سے ہوتی ہوئی سامنے آ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بادشاہوں کے رعب و دبدبہ اور قوت واقتدار کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا تو یہ شاعر ہیں یا انقلابی۔ یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ جماعت ان دونوں گروہوں پر مشتمل تھی۔ اس میں سید جمال الدین افغانی، امیر سعید حلیم، مولانا محمد علی جوہر، امام حسن البنا کے پہلو بہ پہلو ترکی کے مشہور شاعر محمد عاکف اور ڈاکٹر محمد اقبال بھی موجود تھے۔ ترجمانی کے لیے ان لوگوں نے آخر الذکر کا انتخاب کیا اور لائق ترجمان نے ان الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کیا:

''یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے اس قوم کی شکایت کرنے آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خوانِ نعمت سے لطف اندوز ہو رہی ہے اور آپ کے سایہ رحمت میں زندگی گزار رہی ہے اور آپ ہی کے لگائے ہوئے باغ کے پھل کھا رہی ہے۔ وہ ان ملکوں میں، جن کو آپ نے قفس استبداد سے آزاد کرایا تھا اور سورج کی روشنی اور کھلی ہوا عطا کی

تھی، وہ آج آزادی کے ساتھ اور اپنی مرضی کے مطابق حکومت کر رہی ہے لیکن یہی قوم اے رسول اللہ ﷺ! آج اسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم امت کے وجود کا دارومدار ہے۔ اس کے راہنما اور لیڈر آج یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس امت واحدہ کو کثیر التعداد قومیتوں میں تقسیم کر دیں۔ وہ اسی چیز کو زندہ کرنا چاہتے ہیں، جس کو آپ نے ختم کیا تھا۔ اسی چیز کو بگاڑ رہے ہیں، جس کو آپ نے بنایا تھا۔ وہ اس امت کو عہد جاہلیت کی طرف دوبارہ واپس لے جانا چاہتے ہیں، جس سے آپ نے اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکالا تھا اور اس معاملہ میں یورپ کی تقلید کر رہے ہیں، جو خود زبردست ذہنی افلاس اور انتشار و بے یقینی کا شکار ہے۔ وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر کے اپنی قوم کو تباہی کے گھر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ ''چراغ مصطفوی'' اور ''شرار بولہبی'' کی معرکہ آرائی آج پھر قائم ہے۔ بدقسمتی سے ابولہب کے کیمپ کی طرف وہ لوگ نظر آ رہے ہیں، جو اسلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں اور عربی زبان بولتے ہیں۔ وہ آج اپنے جاہلی کارناموں اور اصنام پر فخر کرنے لگے ہیں جن کو آپ نے پاش پاش کر دیا تھا۔ یہ لوگ ان تاجروں میں ہیں، جو سودا خریدتے وقت تو زیادہ لینا چاہتے ہیں اور بیچتے وقت کم دیتے ہیں۔ آپ سے انہوں نے ہر چیز حاصل کی اور ہر طرح کی قوت وعزت سے بہرہ مند ہوئے۔ اب وہ ان قوموں کے ساتھ، جن کے وہ حاکم اور نگران ہیں، یہ سلوک کر رہے ہیں کہ ان کو بالجبر یورپ کے قدموں میں ڈال دینا چاہتے ہیں اور اس کو جاہلی فلسفوں، نیشنلزم، سوشلزم، کمیونزم کے حوالہ کر رہے ہیں۔

آپ نے جن بتوں سے کعبہ کو پاک کیا تھا، وہ آج مسلمان قوموں کے سروں پر نئے نئے ناموں اور نئے نئے لباسوں میں پھر مسلط کیے جا رہے ہیں۔ مجھے عالم عربی کے بعض حصوں میں، جن کو آپ کا مرکز اور قلعہ ہونا چاہیے تھا، ایک عام بغاوت نظر آ رہی ہے لیکن کوئی فاروق (رضی اللہ عنہ) نہیں۔ فکری و ذہنی ارتداد کی آگ تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے اور کوئی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نہیں جو اس کے لیے مردانہ وار میدان میں آئے اور اس آگ کو بجھائے۔

میری طرف سے اور میرے تمام ساتھیوں کی طرف سے جن کی نمائندگی اور ترجمانی کا فخر مجھے حاصل ہوا ہے، آپ کو دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے اور عقیدت و احترام کے جذبات میں ڈوبے ہوئے سلام کا تحفہ قبول ہو۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ہم ان تمام لیڈروں اور راہنماؤں سے بری اور بیزار ہیں، جنہوں نے اپنا رخ اسلام کے قبلہ کی طرف سے پھیر کر مغرب کی طرف کر لیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنہیں آپ سے اور آپ کے دین سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ہم آپ کی وفاداری اور اطاعت شعاری کا پھر اعلان کرتے ہیں اور جب تک زندگی ہے اسلام کی، اس رسی کو ان شاء اللہ مضبوطی سے پکڑے رہیں گے۔''

یہ بلیغ اور ایمان و یقین سے لبریز الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ مسجد نبوی کے میناروں سے اذان کی دلنواز صدا بلند ہوئی **اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر** میں یکبارگی ہشیار ہو گیا اور تخیلات کا یہ حسین سلسلہ، جو تاریخ کے سہارے قائم ہوا تھا، ٹوٹ گیا۔ میں اب پھر اسی دنیا میں واپس آ گیا تھا، جہاں سے چلا تھا۔ کچھ لوگ نماز میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت کر رہے تھے۔ عالم اسلام کے مختلف وجود اور جماعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کر رہی تھیں۔ زبانوں اور لہجوں کے اختلافات کے ساتھ جذبات و تاثرات کے اتحاد نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

سید ابوالحسن علی ندویؒ

افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے

نجم سحر آسمان پر چمک رہا تھا۔ ستاروں کی چمک، دل کا اجالا، افق پر صبح کے آثار...... ان میں کوئی کشمکش نہ تھی...... یہ سب روشنیاں ایک ہوگئی تھیں...... رات کی ظلمت سیماب پا ہو چکی تھی اور آسماں سحر کے نور سے آئینہ پاش ہو چکا تھا۔ اس وقت گنبد خضرا نظر کے سامنے چمکا...... ہرے رنگ میں سارے رنگ اور سارے منظر جاگتے اور سوتے ہوئے...... کتنے ہی ایسے منظر اور رنگ تخلیق مسلسل کے سانچے میں پگھلتے ہوئے جن کا کوئی نام دنیا کی کسی زبان میں نہیں۔ گنبد خضرا کی آغوش میں ایسا نور کہ قلب مسلماں جس کا ایک عکس ہے۔ آسمان پر نجم سحر، مدینہ کی گلیوں میں وہ نسیم رقصاں کہ جس میں انفاس عشاق کی خوشبو، رنگ بن کر دکھائی دے رہی تھی...... میں اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آسمان کو جھک کر گنبد خضرا کا بوسہ لیتے دیکھا۔ میں، جو عالم اصغر ہوں...... میں، جس کی نظر دل وجود کو چیر کر ماضی کو مستقبل کا ہمسایہ بنا دیتی ہے......مگر میں، یہ سب کچھ ہوتے ہوئے اظہار پر قدرت نہیں رکھتا، خاص طور پر جب ان (ﷺ) کا ذکر ہو جو میری پہچان ہیں...... میں لفظ ہار کر دلوں اور ذہنوں کو فتح کرتا ہوں۔ میں نے الفاظ کی مسیحا نفسی دیکھی ہے جو گزرے ہوئے لمحوں کو بھی زندہ کر جاتے ہیں......لیکن الفاظ اس منظر کی تاب نہیں لا سکتے......مگر میرا یہ گونگا سا شعر آپ سن ہی لیں۔ یہ مجھے صرف اسی لیے عزیز ہے کہ جب دید کا غنچہ چٹکا تھا تو ہونٹوں پر اس کی مہک اس شعر کے قالب میں ڈھل گئی۔

افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے
ہے خواب کہ شاہؐ مدینہ مرے آگے

ہوٹل میں سامان رکھا اور وضو کر کے نیچے اترا تو اپنے آپ کو مسجد نبوی (ﷺ)

کے روبرو پایا۔ اب آئینے کے سامنے کھڑا تھا اور اس آئینے میں میرے مقابل تمام داغ عیوب برہنگی تھے۔ اپنی زندگی کی ہر شکن میرے سامنے تھی۔ میری نگاہیں جھک گئیں۔ ہمت کر کے پھر نگاہیں آئینے کی سمت اٹھائیں...... اس آئینے میں میرے سارے داغ موجود تھے اور داغوں کے درمیان میرا دل تھا...... سیاہ...... ہوس لالہ رخاں سے داغ داغ...... مگر ان داغوں کے درمیان ایک روشن نقطہ تھا...... دیکھتے ہی دیکھتے یہ نقطہ بڑھتا گیا...... روشن تر ہوتا گیا...... داغ مدہم پڑ گئے اور مجھے خود بخود معلوم ہو گیا کہ یہ عشق محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وہ نقش ہے جو ہر مسلمان کی طرح میرے دل میں موجود ہے اور جسے مسجد نبوی (ﷺ) کے آئینے نے مہر صفت بنا دیا......اور آئینے نے ہر مہر صفت دل بلکہ مہر درخشاں کو اپنی آغوش میں لے لیا اور پھر میں نے اپنے آپ کو مسجد نبویؐ کے صحن میں پایا...... میں جو آداب عشق سے ناواقف تھا، اور جس نے یا محمد (ﷺ) کے نعرے لگائے تھے اور اس نام کے ساتھ جب بھی گریہ گلوگیر ہوا تھا تو میں نے ہمیشہ اپنی چیخیں ہی سنی تھیں۔ اس صبح اس بارگاہ میں جنید، بایزید کی روایات کا امین تھا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شاعری نہیں ہے بلکہ ایسی سچائی ہے جسے سب ہی مان لیں جیسے یہ سچائی کہ اسم محمد (ﷺ) کے بغیر عہد حاضر ایک خرابہ ہے، جیسے یہ بات کہ آدمی جنم جنم سے بہت پیاسا ہے، جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں۔

نماز صبح سے فارغ ہو کر میں نے روضہ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی جانب قدم بڑھائے مگر میرے بیتے ہوئے شب و روز نے میرے قدم جکڑ لیے...... میں ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' میں داخل ہوا اور میں نے تار نظر کو آنسوؤں کے موتیوں سے صاف کر کے تلاوت شروع کر دی...... قرآن حکیم میں وہ مقام میرے سامنے آیا جس میں حضور (ﷺ) کے رؤف و رحیم ہونے کا ذکر ہے......اور یوں صدیاں پل بھر میں سامنے سے گزر گئیں......اور ہر صدی اس کے رؤف و رحیم ہونے کی گواہی تھی...... یہ وہ ذات

ہے جو کفار کے غم میں اپنے آپ کو ہلکان کرتی...... یہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محفل ہے اور اس چاند کے گرد ستاروں کا حلقہ ہے اور کوئی اجنبی آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ ''تم میں سے محمد (ﷺ) کون ہیں۔'' میں ریاض الجنتہ سے باہر نکلا اور اب میں روضہ رسول اللہ (ﷺ) کی طرف خود نہیں بڑھ رہا تھا بلکہ میرے کاندھے پر ایک ہاتھ تھا...... ایک ہاتھ جو اس پوری کائنات پر آسمان کی طرح سایہ فگن ہے۔

پہلے دن نماز فجر کے بعد روضہ مبارک پر جو کچھ بیتی، وہ مجھے یاد نہیں اور اگر یاد بھی ہے تو اس کا تعلق حرف و بیان کی دنیا سے نہیں۔ سامنا کس کا تھا؟ وہ جو قرآن کے حروف مقطعات کے نقاب میں چھپ کر بھی کس قدر نمایاں ہے۔ وہ جو اوّل ہے اور آخر بھی اور ازل سے ابد تک سارا مرحلہ اس کے لیے ایک سانس کی مسافت ہے۔

مصر کے بازار میں ایک بڑھیا سوت کی انٹی لے کر یوسف کی خریداری کے لیے نکلی تھی۔ مگر میں نے تو ان لفظوں سے اپنے لیے طوق غلامی تیار کیا تھا...... یہ لفظ نہیں بلکہ غلامی کا پٹا ہیں...... وہ پٹا جو کوئے محمد (ﷺ) کے اس دربار کے گلے میں میثاق ازلی کی طرح چمک رہا ہے، جس کا نام ابوالخیر ہے......مگر اس گھڑی میرا کوئی نام نہیں تھا...... میں تو بس اس کوچے کی مٹی کا ایک ذرہ تھا...... وہ ذرہ جو جوہر ہے...... وہ جوہر جو اس آفاق کے پردوں سے گزر سکتا ہے۔

عصر کی نماز کا دامن نماز ظہر سے بندھ گیا...... یہ پوری مدت حرم مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) میں گزری...... گرمی کی وجہ سے سپاہیوں کو نیند آئی تو میرے لب روضہ کی جالیوں پر تھے...... میری آنکھیں بند تھیں اور ان بند آنکھوں پر آنسوؤں کی جھالروں کے پیچھے زمان و مکاں، یہ اور وہ سب دم بخود کھڑے تھے......صدیاں گزر گئیں اور حرم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشیوں کو، کوئی آواز مجروح کرنے کی جرات نہ کر سکی اور یہ خاموشی ایک مرکز تھی...... اس مرکز کے گرد ایک دائرہ کھنچا ہوا تھا...... یہ دائرہ آوازوں سے معمور تھا...... درود وسلام کی آوازیں، جو صدیوں سے حرم مصطفیٰ (ﷺ) کی فضاؤں میں طواف کر رہی ہیں......آوازیں تو ہماری طرح مجبور نہیں......آوازیں تو

فضا کا حصہ بن کر جاودانیت کا لبادہ پہننے کے بعد تکلفات شرعیہ سے بلند تر ہو جاتی ہیں......وہ تو رقص عاشقانہ اور طواف مستانہ کرسکتی ہیں۔

حضور! ''عاشقانہ'' اور ''مستانہ'' کے ٹکڑوں کے لیے مجھے معاف کر دیجیے...... میں بے نوا ہوں...... ہاں جانتا ہوں کہ آپؐ نے ابوبکرؓ کو دیکھا تو وہ صدیق ہوگئے، عمرؓ پر نظر پڑی تو وہ فاروقیت کے مرتبہ پر فائز ہو گئے، عثمانؓ آپؐ کی بزم میں آئے تو ہوا یہ کہ ہر دو جہاں سے بے نیاز اس کا دل غنی، علیؓ آپؐ کے سینے سے لگے تو باب العلم ہو گئے......سرکارؐ! عاشقانہ اور مستانہ کے لفظوں پر اپنی خاک پا مل دیجئے تو یہ لفظ ستارے بن جائیں گے۔

پروفیسر سید ابوالخیر کشفی

......تڑپ کر نثار ہو جاؤں!

3 ربیع الاول **1353**ھ جمعۃ المبارک اونٹ پر سوار ہو کر مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ کیا۔ زمانہ حج میں اونٹ پر آمدورفت کا کرایہ ایک سو پچیس روپے دینے پڑتے۔ عصر کے بعد مکہ سے چل کر اگلی صبح وادی فاطمہؓ میں پہنچے۔ دن بھر آرام کر کے وہاں سے کوچ کیا۔ مختلف منازل پر پڑاؤ کرتے ہوئے **14**/ربیع الاول کو مدینہ منورہ پہنچے۔ رباط بھوپال میں قیام کو جگہ مل گئی۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد غسل کیا، کپڑے بدلے، عطر ملا اور باوضو ہو کر حرم اقدس میں مودبانہ حاضر ہوئے۔ روضے کی جالیوں سے لگ کر سلام پڑھنا شروع کیا تو میرا حال ایسا ہو گیا جیسے کسی نے بے خودی طاری کر دی ہو۔ کچھ ہوش نہ رہا کہ عاصی کیا پڑھ رہا ہے۔ مجھے یونہی خیال آیا کہ میں کون ہوں؟ میرے اعمال کیا ہیں؟ یہ کس کا دربار ہے، جہاں میں حاضر ہوں۔ آنسوؤں کا ایک دریا بہہ نکلا۔ آواز بند ہو گئی، ہچکیاں بندھ گئیں۔ کلیجہ چاہتا تھا کہ پسلیوں کو پھاڑ کر باہر نکل جاؤں۔ دل کہتا تھا کہ مجھے باہر نکال دے کہ تڑپ کر نثار ہو جاؤں۔ وہ رونا عجیب کیفیت کا رونا تھا۔ جب مجھ جیسے سیاہ کار کا یہ حال ہوا تو اللہ والوں اور نیک بندوں پر خدا جانے کیا واردات گزرتی ہوگی۔

اس کے بعد ذرا رخ بدل کر دوسرا سلام حضرت ابوبکر صدیقؓ پر پڑھا۔ اس نے بھی تڑپا دیا۔ بعدازاں تھوڑا سا رخ پھیر کر تیسرا سلام سیدنا فاروقؓ اعظم کی بارگاہ میں پیش کیا۔

مولانا ابوالقلم خاموش فتح پوری

۞......۞......۞

نہ آئیں جا کے وہاں سے

جہاں تک حرم نبوی ﷺ کے تعمیری پہلو کا تعلق ہے، یہ کہنا قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ اس حسین و جمیل عمارت پر لاکھوں تاج محل قربان کیے جا سکتے ہیں۔ قطار اندر قطار محرابوں، مرمریں ستونوں کی تزئین و آرائش، در و دیوار کی تناسب و تقویم اور عربی تہذیب کی عکاسی ذوق جمال کی پوری پوری تسکین کرتی ہے۔ ہر چند کہ پیشانی کے دو فلک بوس اور دھان پان سے مینارے اپنا جواب نہیں رکھتے مگر گنبد خضرا اور اس کے پس منظر میں ابھرتا ہوا مینار ہلالی نہ صرف ایک دوسرے کے حجم کو متوازن کرتے ہیں بلکہ صرف یہی دو اجزائے حرم بجائے خود نبوت کی علامت بن گئے ہیں۔ غرض تمام حرم قدیم و جدید فن تعمیر کا ایک نہایت ہی حسین امتزاج ہے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ دست انسانی نے محسن انسانیت ﷺ کو حتی المقدور کامیاب خراج عقیدت پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ۔

یہ نور یہ جمال یہ سطوت یہ بانکپن
نغمے کو کس نے دے دیا پتھر کا پیرہن

چند منٹ میں مسجد نبویؐ کی عظیم الشان اور نہایت خوبصورت عمارت سامنے تھی۔ دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ بسم اللہ کہہ کر قدم اندر رکھا تو وارفتگی سی طاری ہوئی۔ بادشاہوں کی داد و دہش سے کون واقف نہیں۔ یہاں تو شہنشاہ دو عالم کا دربار تھا۔ یہاں کے ادب و آداب تو انتہائی حزم و احتیاط کے متقاضی تھے۔ یہ ذمہ داری معلم نے سنبھالی اور مجلّہ عاشقان رسولؐ کو ساتھ لے کر حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ سلام پڑھنے لگا۔ کان اور زبان اس کی آواز پر لگے، نظر گوہر مقصود کی تلاش میں لگی۔ احساسات جواب تک دل کی گہرائیوں میں دبے پڑے تھے، سسکیاں بن کر ابھر آئے لیکن اس ہیجان کے

باوجود انہیں ضبط کرنا پڑا۔ مبادا آواز نکلے اور بے ادبی کا ارتکاب ہو جائے۔ معاملہ اس دربار میں حاضری کا تھا، جہاں شاہانِ ہفت اقلیم تک کے سر جھک جاتے ہیں:

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

جسم میں ایک کپکپی سی ہوئی۔ تھوڑی دیر کے لیے ذہن فکر سے اور دل جذبات سے خالی ہو گیا۔ شاید اسی لیے کہ درِ مصطفیٰ پر رسائی کی تمام دعائیں مستجاب ہو چکی تھیں اور عزیز ترین آرزو پوری ہو گئی تھی۔ پھر یکا یک دل میں ایک اور لہر اٹھی۔ ایک بادل چھایا اور فوراً ہی آنکھوں سے برسنے لگا۔ کہاں دربار محمد ﷺ، کہاں یہ سر تا پا معصیت، سر شرم کے مارے جھک گیا مگر دوسرے ہی لمحے اس خیال سے سامانِ تسکین میسر آیا کہ ؎

ہے جنسِ معاصی کا صلہ نقد شفاعت
زاہد سے رہا اچھا گنہگارِ محمدؐ

پھر اسی عالم کیف وانبساط میں آپ ﷺ پر درود و سلام ختم کر کے سیدنا حضرت ابوبکرؓ و سیدنا حضرت عمرؓ پر سلام پڑھا، جو اسی مرکز تجلیات میں حضور ﷺ کے پہلو بہ پہلو آسودہ راحت ہیں۔ ان کے بعد ملائکہ المقربین سیدنا جبرئیل، سیدنا میکائیل، سیدنا اسرافیل اور سیدنا عزرائیل کو نذرانہ سلام پیش کر کے رکعتیں شکرانہ پڑھیں اور یوں پہلی حاضری کی تکمیل ہو جانے پر وہ سعادت نصیب ہو گئی، جس کے لیے لوگ عمر بھر ترستے رہتے ہوں لیکن ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

رسم محبت کا تقاضا ہے کہ آخری لمحے تک محبوب سامنے رہے۔ دستور حرم بھی آخری دیدار کا موقع دیتا ہے۔ زائر کی کیفیت محتاج بیان نہیں۔ راقم گزشتہ ایام اس خوش نصیبی پر نازاں رہا کہ اسی دنیا میں خدا اور رسول ﷺ خدا کا تقرب حاصل ہو گیا۔ لیکن آخری عشرہ تو جنت میں بھی (بصورت ریاض الجنۃ) داخلہ ممکن ہو چکا تھا اور آج یہ خدشہ کہ خدا معلوم اگلی دنیا میں بھی ان نعمتوں کی نوازش ہو گی؟ زبان و دل اک دوسرے کا

ساتھ دینے سے قاصر تھے۔ لبوں پر سلام وداع کے الفاظ، دل میں آتش فراق شعلہ زن، ضبط گریہ کا یارا ممکن نہ رہا۔ آنکھوں نے جھڑی لگا دی...... اور اسی عالم میں ''الوداع یا رسول اللہ، الفراق یا نبی اللہ'' کہتے ہوئے روضہ پرنور سے رخصت ہو جانا پڑا۔

خدا گواہ ہے کہ جتنا جی یہاں لگتا ہے مکہ میں بھی کم ہی لگتا ہے اور وطن کو واپسی کے قریب تو رہ رہ کر یہ دعا نکلتی ہے ؎

مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

ابوحمید انور

در بود و نبود من اندیشہ گماں می داشتم

یہاں سے رخصت ہو کر تیسرے روز آدمی شہر مقدس، مدینہ طیبہ کی بیرونی آبادی میں پہنچ جاتا ہے۔ جس روز حاضر ہوئے، اسی دن شام کو ہم حرم شریف میں داخل ہوئے اور مسجد کریم کو سلام کرتے ہوئے باب السلام میں ٹھہرے۔ روضہ نبوی اور منبر نبوی کے مابین نماز ادا کی۔ ستون حنانہ کے باقی ماندہ حصہ کو بوسہ دیا۔ نبی الہاشمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نیز آپؐ کے ہر صحابہ کرام، ابی بکر الصدیقؓ اور ابی حفص عمر الفاروقؓ کا حق سلام ادا کیا۔ خوشی خوشی اس نعمت عظمیٰ اور نعمت کبریٰ کی کامیابی سے اپنی قیام گاہ پر اللہ برتر کی حمد کرتے ہوئے واپس آئے۔ مسجد معظم مستطیل ہے اور اس کے ہر چار اطراف سے سنگین فرش گھیرے ہوئے ہیں۔ اس کے وسط میں ایک صحن ہے، جس پر کنکریاں اور ریت بچھی ہوئی ہے۔ مسجد کے گرد ایک سنگین فرش گھوما ہوا راستہ ہے، جس کا ایک دوسرے سے پتھر جڑا ہوا ہے اور روضہ مقدس قبلہ کی طرف مسجد مکرم کے مشرقی جانب سے ملا ہوا ہے۔ روضہ اقدس کی شکل ایسی نادر واقع ہوئی ہے۔ قبلہ میں روئے مبارک کے مقابل ایک چاندی کی میخ گڑی ہوئی ہے۔ یہیں لوگ روئے مبارک کی طرف رخ کر کے اور پشت بقبلہ ہو کر سلام پڑھتے ہیں۔ وسط مسجد میں سطح زمین سے مسطح ایک تہہ خانہ کے منہ پر گول ڈھکنا ڈھکا ہوا ہے۔ اس تہ خانے میں سیڑھیاں ہیں، جس کا سلسلہ مسجد سے باہر حضرت ابوبکرؓ کے مکان تک چلا جاتا ہے۔ اسی تہہ خانے سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے والد کے گھر تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وہی خوخہ ہے جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسے باقی رکھنے اور اس کے علاوہ بند کر دینے کا حکم صادر کیا تھا۔ مسجد کی مشرقی سمت امام المدینہ

ابی عبداللہ مالک بن انسؓ کا مکان ہے اور باب السلام کے قریب ایک ایک سقایہ ہے، جس میں لوگ سیڑھیوں سے اترتے ہیں۔اس کا پانی جاری اور نام ''عین الزرقا'' ہے۔

مدینہ طیبہ میں میری حاضری کے وقت مسجد نبوی ﷺ کے امام بہاء الدین سلامتہ کبار اہل مصر میں سے تھے۔بقیع الغرقد مدینہ مکرمہ کی مشرقی جانب واقع ہے۔ یہاں کے زائرین جس دروازہ سے نکلتے ہیں، اس کا نام باب البقیع ہے۔اس دروازہ کے بائیں طرف صفیہؓ، بنت عبدالمطلب کا مزار مبارک ملتا ہے۔آپ کے مزار کے سامنے امام المدینہ عبداللہ مالک بن انسؓ کا مزار مبارک ہے۔اس مزار کے سامنے خلاصہ خاندان مقدس نبوی یعنی حضرت ابراہیمؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ کا مزار مبارک ہے۔اس پر سفید رنگ کا ایک قبہ بنا ہوا ہے۔قبہ کے داہنی جانب عبدالرحمٰن ابن عمرؓ ابن خطاب کا مزار ہے۔اس کے مقابل عقیلؓ ابن ابی طالب کے مزارات ہیں۔ان کے مقابل ایک روضہ ہے، جس میں حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب اور حسن ابن علیؓ کے مزارات ہیں۔یہ گنبد بہت بلند اور نہایت مستحکم بنا ہوا ہے۔ان ہر دو حضرات کے مزارات زمین سے بہت بلند اور وسیع بنے ہوئے ہیں۔ان پر نہایت خوبی سے جوڑ ملا کر تختے جڑے ہیں اور ان پر پیتل کے پتر چڑھائے ہیں، جن پر نہایت نادر کام کیا ہوا ہے۔نیز بقیع میں مہاجرین و انصار کل صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے مزارات ہیں۔امیر المومنین عثمان بن عفان کا مزار ہے۔اس پر ایک بہت بڑا قبہ بنا ہوا ہے۔اس کے قریب فاطمہؓ بنت اسد حضرت علیؓ کی والدہ کا مزار مبارک ہے۔مدینہ طیبہ اور قبا کے درمیان کا راستہ نخلستان میں سے ہو کر گیا ہے۔مسجد قبا مربع شکل ہے۔اس میں ایک سفید رنگ کا اتنا بلند مینار ہے کہ بہت دور سے نظر آتا ہے۔بیئر اریس ہے۔یہ وہ کنواں ہے جس کا پانی پہلے کھاری تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا تو اس کی برکت سے شیریں ہو گیا اور اس میں حضرت عثمانؓ سے خاتم رسول گری تھی۔اس مرتبہ میرا مدینہ شریف میں چار دن قیام رہا۔ہر شب مسجد نبویؐ میں گزرتی تھی۔صحن میں لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھتے تھے اور بکثرت شمع روشن کرتے تھے، تلاوت کرتے تھے، کچھ اللہ کے

ذکر میں مصروف رہتے تھے اور کچھ لوگ تربت طاہرہ نبوی کے دیدار میں بسر کرتے تھے۔ ہر طرف سے خوش آواز لوگ مدحیہ قصائد ترنم سے پڑھتے تھے۔لوگوں کا یہ معمول تھا کہ ان مبارک راتوں میں مجاہدوں اور محتاجوں کو بکثرت صدقات دیتے اور ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔

ابن بطوطہ شیخ ابوعبداللہ

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر کہتے ہوئے جبریل کو یوں پایا گیا
اپنی پلکوں سے دریار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

خواجہ غلام فخر الدین سیالویؒ

رخ قبلہ کی جانب ہے، دل سوئے محمد ﷺ ہے!

باب الرحمتہ سے ہوتے ہوئے مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔نماز ادا کی۔ مزور صاحب نے کہا، چلیے سلام کے لیے چلیے۔ وہ ہاتھ پکڑے، اس طرح کھینچ رہے تھے جیسے کوئی سپاہی کسی سنگین مجرم کو شاہی دربار میں لیے جاتا ہو۔ پاؤں من من بھر ہو گیا ہے۔ نہ بھاگ سکتے ہیں، نہ بڑھ سکتے ہیں۔ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر نظر کچھ نہیں آتا۔ دل دھک دھک کر رہا ہے۔ اسی طرح کشاں کشاں سر جھکائے، گردن ڈالے، دونوں ہاتھ سنبھالے، صفہ کے رخ سے پائیں اقدس تک پہنچ کر پاؤں پھر رک گئے۔اب تو قدم بالکل نہیں اٹھتا۔ سوچ رہا ہوں کہ مواجہہ شریف میں کیا صورت لے کر جاؤں۔ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب غش کھا کر گرا جاتا ہوں۔ طاقت دیدار رخصت ہو رہی ہے۔ دنیا کی خبر، نہ مافیہا کی۔

گم ہیں خرد و حواس عنقا کی طرح
دل ہو گیا صاف ان کی کف پا کی طرح
گر نور خدا نہیں ہے جلوہ ان کا
پھر کیوں مجھے غش آ گیا موسیٰ کی طرح

کل تک تو دل میں ہزاروں تمناؤں کا ہجوم، لاکھوں آرزوؤں کا محشر تھا، آج ایک بات بھی تو یاد نہیں۔نہیں معلوم بھول گیا یا بھلا دیا گیا۔

کیا کہہ سکیں کہ کہنے کی طاقت ہی چھن گئی
ہوش و حواس کھو گئے سب ان کے سامنے
کس کس طرح سے دید کی دل میں تھی آرزو
آنکھیں ہی بند ہو گئیں اب ان کے سامنے

یکایک غیبی طاقت نے مدد فرمائی اور قرآن کریم کے آیات کریمہ یاد آئے۔

ان آیات قرآنی کے اثر سے جسم میں طاقت، دل میں توانائی آ گئی۔ ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں، سنہری جالی پر نظر پڑی۔ جالی کے پردے میں کچھ حروف بنے ہوئے معلوم ہوئے۔ ان جملوں کی تاثیر اور جذب حقیقی نے مقدس جالی کے قریب تر کھینچ لیا۔ دل پر کسی نے ٹھنڈا ہاتھ رکھ دیا۔ خوف کا اثر دل سے بالکل زائل ہو گیا۔ خوف کی تاریکی میں امید نے پھر اپنی چاندسی صورت دکھائی۔ دریائے رحمت جوش وخروش کے ساتھ خفتگان بخت کو چھینٹے دے دے کر جگا رہا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈا ہوا ہر طرف سے پیغام ہو لا رہی ہے۔ ہر جھونکے میں درود کی آواز آ رہی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرش بریں پر جانے والا، روحانیت کا شہنشاہ، طالبان دید و دیدار کی تسکین کے لیے بنام عینی وہ لا ینام قلبی فرماتا ہوا اب بھی اس مادی دنیا میں آرام فرما رہے ہیں۔ گوش شنوا میں بعد وفات زیارت زمانہ حیات کی ملاقات کی آواز آ رہی ہے۔ عرب کا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم معطی وانا القاسم کہہ کہہ کر عرب وعجم میں دولت رحمت تقسیم کر رہا ہے۔

بقعہ نور سے چھن چھن کر نکلنے والی نور کی کرنیں مشتاقان جمال کے دیدہ و دل کو پرنور کر رہی ہیں۔ جالی شریف کا ہر حلقہ صاحبان بصیرت کے حلقہ چشم سے ہم چشمی کر رہا ہے۔ جذبات کا حال کچھ یوں تھا:

روضہ پاک کی تجلی ہے
طور سینا ہے اپنے سینے میں
سفر حج کا ماحصل یہ ہے
کعبہ والا ملا مدینے میں

گنبد خضرا کا تصور اس قدر راسخ اور نقش فی الحجرا ہو گیا کہ ہر جگہ اسی کی تجلی نظر آتی تھی۔ جہاں کوئی بلندی نظر پڑی، قبہ خضرا پیش نظر ہو گیا۔ جہاں کوئی سبز چیز یا سبزہ نظر آیا، قبہ خضرا کی مماثلت پیدا ہو گئی۔ الحاصل، اس تصور کی تصویر کو سینے سے لگائے ہوئے دوسرے دن جدہ اور تیسرے دن مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

سید احمد حسین امجد حیدر آبادی

گناہوں کی سیاہی دھل رہی ہے

جب ہماری گاڑی مدینہ منورہ سے باہر ایک چیکنگ پوسٹ پر رکی تو وہاں ہمارے پاسپورٹوں کی جانچ پڑتال ہوئی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ ویگن اس شہر میں داخل ہوگئی، جو میرے محبوب آقا ومولا (علیہ التحیۃ والثناء) کا شہر ہے، جہاں ہر وقت خدا کی رحمت نازل ہوتی رہتی ہے، جہاں اہل ایمان کوسکون واطمینان ملتا ہے، جہاں کا ذرہ ذرہ اہل دل کے لیے جلوہ گاہ نور ہے۔ میں اپنی خوش بختی پر شاداں وفرحاں تھا۔ اسی خوشی وفرحت کے روح پرور جذبات کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ ادب، جو ایمان کی اصل روح ہے، اس کی فرمانروائی میرے جسم اور روح پر مسلط ہوگئی۔ ہو بھی کیوں نہ کہ یہ شہنشاہ کائنات کے لاڈلے اور پیارے کی بستی ہے، اس کا مسکن ہے۔ یہاں اونچی آواز سے بولنا اور بے توجہی سے قدم اٹھانا بھی بے ادبی ہے۔

ہماری ویگن جب مسجد نبویؐ کے قریب واقع اڈے پر پہنچی تو اس کے بلند میناروں سے عصر کی اذان کی آواز آرہی تھی۔ یہ صدا قلب وروح میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے لطیف وحسین جذبات پیدا کر رہی تھیں۔ یہ اذان زندگی میں ہر روز سنی تھی مگر آج اس صدا میں کچھ اور ہی سرور اور کچھ اور ہی نشاط کی کیفیت تھی۔ اس نورانی صدا کے مضراب نے روح کے ساز کے تاروں کو چھیڑ دیا تھا اور روح کے ساز سے نکلنے والا نغمہ، اذان کی پرترنم صدا میں تحلیل ہوگیا تھا۔ ہم ویگن سے اتر کر اور اپنا سامان لے کر ٹیکسی کے ذریعے مسجد نبویؐ کے باب السلام کے سامنے پہنچے۔ سامان ایک طرف رکھ کر تیزی سے مسجد میں داخل ہوئے۔ نماز عصر ادا کی۔ اس کے بعد روضۂ نبوی ﷺ پر حاضری دی۔ دھیمی آواز سے ادب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

السلام اے سرور کون و مکاں
السلام اے رحمت ہر دو جہاں
السلام اے رحمتہ للعالمیں
السلام اے صادق الوعد و الامیں
السلام اے دستگیر بیکساں
السلام اے خاتم پیغمبراں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں سلام عقیدت پیش کر کے دل اور روح کو جو تسکین ملی، اس کے بیان کی انسان کے ایجاد کردہ الفاظ وفقرات میں نہ تاب ہے اور نہ ان میں اتنی وسعت۔ روح محسوس کر رہی تھی کہ مجھ ناچیز کے سلام کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ رحمت سے برابر آ رہا ہے۔ کتنا کرم تھا ان کا اپنے گنہگار امتی پر! کتنی عنایت تھی ان کی اپنے خطا کار غلام پر! ان کی نظر محبت سے دل کو حوصلہ مل رہا تھا۔ نہایت ادب واحترام سے دل نے عرض کی:

''حضور! آپ کا غلام، آپؐ کے در پر حاضر ہے۔ نظر کرم کا متمنی۔ وہ آپؐ کا ایک نالائق مہمان ہے مگر بارگاہ ایزدی میں آپؐ کی شفاعت کا امیدوار ہے۔ آپؐ قاسم جود وعطا ہیں، اس لیے وہ بھی فیض ورحمت کا طلب گار ہے۔''

کونین سے مستغنی سائل ہے تیرے در کا
صد رشک شہنشاہی اسی در کی گدائی ہے

حافظ افروغ حسن

اس کے اک ذرے کی قیمت گلشن جنت نہیں

نماز عصر سے فارغ ہو کر روضہ اقدس کے پاس گئے۔ عاشقوں کے ہجوم میں شامل ہو کر اوروں کے ساتھ مل کر درود وسلام کا ورد شروع کیا۔ روضہ کے ساتھ جہاں جہاں محافظ کھڑے ہیں، وہ بھی جھوم کر اسی ورد میں شامل ہو جاتے ہیں۔

السلام علیک یا رسولؐ اللہ

السلام علیک یا حبیبؐ اللہ

سن رکھا تھا کہ روضہ مبارک کی جالی کے نزدیک جانے اور اس کو چھونے کی اجازت نہیں ہوتی مگر حالات مختلف ہی نظر آئے۔ یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ ہم جالی کو اپنے ہاتھ سے چھو رہے تھے، چوم رہے تھے۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ایک جگہ پر قیام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ رعایت عورتوں کو بھی مردوں کے برابر ہی تھی۔ شمع محمدیؐ کے پروانے ستونوں کو سینے سے لگاتے چومتے آگے بڑھتے جاتے تھے۔ جالی کا وہ حصہ جو روئے مبارک کے سامنے پڑتا ہے، وہاں پر ہجوم کا زیادہ زور ہوتا ہے۔ گول سوراخ کے اندر سے آپ مرقد مبارک کو تو نہیں دیکھ سکتے کیونکہ ایک غلاف کے ذریعے یہ نظارہ آنکھوں سے اوجھل ہی رہتا ہے۔ مگر آپ اتنے قریب ہوتے ہیں کہ حضور ﷺ کا دربار اسی طرح لگا نظر آتا ہے جیسے وہ دنیاوی زندگی کے دوران اس مقام پر اپنے پروانوں کے جھرمٹ میں نظر آتے ہوں گے۔ لمبی چوڑی دعاؤں کے لیے یہاں وقت نہیں ملتا۔ دل پر وہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے جہاں الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔

کرنل افضل کیانی
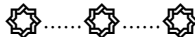
ترحم یا رسول اللہ ﷺ! ترحم!

آج دل چاہتا ہے کہ آپ کو اس بارگاہ میں لے چلوں جو ایسی ''ادب گاہ'' ہے جو عرش سے بھی بلند تر اور نازک تر ہے۔ اس دیار میں لے چلوں جہاں ''جنید و بایزید'' جیسی بلند پایہ ہستیاں ''نفس گم کردہ'' حاضر ہوتی ہیں۔ اس ''گنبد خضرا'' کے سایہ میں لے چلوں، جہاں ہر روز ''ستر ہزار فرشتوں کی ٹولیاں'' قطار در قطار حاضری دیتی ہیں۔ جنت کی ان کیاریوں ''ریاض الجنتہ'' میں لے چلوں، جہاں سارے عالم کے ''عاشقان سوختہ'' سر جھکائے پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔ ''مواجہہ شریف'' کی ان قطاروں میں لا کھڑا کروں، جہاں پرنم آنکھوں والے ''دم بخود'' ہو کر ان سنہری جالیوں پر نگاہ شوق ڈالتے ہوئے لبوں پر ؎

ترحم یا رسول اللہ! ترحم!

کا ورد کرتے ہوئے اپنے محبوب، پھر محبوب کے دو محبوبوں کی زیارت کی تمنا میں تڑپتے دکھائی دیتے ہیں۔ میں آپ کو باب جبرئیل (جہاں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام، اللہ کا پیغام لیے داخل ہوا کرتے تھے) سے نکال کر ''قدمین شریفین'' میں لا بٹھاؤں۔ اگر آپ اپنے اردگرد، ایک نگاہ اٹھا کر دیکھیں گے تو آپ کو ''جاروب کشوں میں چہرے لکھے ہیں ملوک کے'' کا منظر سامنے نظر آئے گا۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ ؎

لب وا ہیں، آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں

کا ایک مجمع ہے۔ آپ کا یہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہے گا مگر آپ میرے ساتھ چلیں تو میں آپ کو حضور سرور کائنات علیہ التحیتہ والصلوٰۃ کی پیاری بیٹی سیدہ فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہ کے گھر کی شمالی دیوار کے ساتھ ساتھ آگے لے چلوں اور ''صفہ'' کے

مقام پر لا بٹھاؤں گا، جہاں حضور پاک کے پیارے ستر صحابہ حضور ﷺ سے قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔ آپ چند لمحوں کے لیے ''اصحاب صفہ'' کے ''ہم جماعت'' بننا چاہیں تو قرآن پاک کھول کر چند لمحے بیٹھ جائیں اور چند صفحات کی تلاوت کریں۔ پھر مسجد نبوی، مسجد نبوی کا صحن، مسجد نبوی کے ستون، مسجد نبوی کے دالان، مسجد نبوی کے درودیوار، مسجد نبوی کے دروازے، مسجد نبوی کے برآمدے، مسجد نبوی کی وسعتیں، مسجد نبوی کے توسیعاتی بازو! سبحان اللہ! سبحان اللہ! یہ ہے ''بارگاہِ مصطفیٰ'' یہ ہے ''دربار مصطفیٰ'' اور یہ ہے ''ایوان مصطفیٰ'' جہاں بادشاہ فقیر دکھائی دیتے ہیں اور فقیر بادشاہ نظر آتے ہیں۔ جہاں ذرے آفتاب بنتے ہیں اور آفتاب ذرے بن کر جھکتے ہیں۔ جہاں پرغرور گردنیں جھک جاتی ہیں اور جھکے ہوئے سر، اوج ثریا پر دکھائی دیتے ہیں ؎

تمہاری خاک کے ذرے جو مہر و ماہ بنے!

''بارگاہ نبوی'' کے کئی انداز ہیں۔ ''مسجد نبوی'' کی وسعت دراصل ''ایوان مصطفیٰ'' کی وسعت ہے اور ایوان مصطفیٰ ہی ''حرم نبوی'' ہے اور حرم نبوی ہی ''دربار رسول'' ہے۔ اس دربار رسول کی حاضری سے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف اور حرم پاک کے مناسک کی ادائیگی حقیقت میں دربار رسول کی حاضری کی تیاری کی ایک روایت ہے ؎

دیر و حرم بھی کوچہ جاناں میں آئے تھے

''کوچہ جاناں'' تک رسائی کے لیے ان منازل کو طے کرنا اہل محبت کے لیے واجب ہے۔ یوں تو کعبے کے کعبے، قبلے کے قبلے میں آنے کے ہزاروں راستے ہیں۔ بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری کی سینکڑوں راہیں ہیں، بیسیوں دروازے ہیں مگر دل چاہتا ہے کہ آج ہم ''باب مجیدی'' سے داخل ہو کر ''مسجد نبوی کی وسعتوں'' میں سے گزرتے ہوئے حاضری دیں۔ گنبد خضرا نظروں کے سامنے ہو، قبلہ رخ ہو کر عاشقان رسول کے مجمعے سے گزرتے جائیں اور اس کھلے صحن میں جا پہنچیں، جہاں تک ترکوں کے بنائے ہوئے محرابی برآمدے نظر آنے لگتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھیں تو ''گنبد خضرا'' اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ اہل عشق و محبت کے قلب و جگر کو ایمان و ایقان کی ٹھنڈکیں بخشتا ہے اور زبان سے

بے اختیار **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** پھوٹ پڑتا ہے۔ آگے بڑھیں، قدم قدم آگے بڑھیں، رک رک کر قدم اٹھائیں، سوچ سوچ کر قدم رکھیں ؎

حرم کی یہ جا ہے قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا سودا ہے او جانے والے

اہل محبت کس انداز سے قدم بڑھاتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی کیفیت ہوتی ہے۔ نہ تحریر میں آسکتی ہے، نہ تقریر میں، نہ مضمون میں سما سکتی ہے، نہ بیان میں۔ چاروں طرف نورانی چہرے، دائیں بائیں اہل محبت کے جمگھٹے، آگے پیچھے عاشقان رسول کا سمندر، آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے جائیں، پلکوں کے بل چلتے جائیں۔ آپ ''ریاض الجنۃ'' جنت کی کیاریوں میں پہنچ کر رک جائیں۔ بارگاہ رسول تک رسائی کے شکرانے کے طور پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں سجدہ ریز ہو جائیں۔ نوافل ادا کریں، رو رو کر اللہ کا شکر بجالائیں ؎

اصل مراد حاضری ''اس پاک در'' کی ہے

جنت کی ان کیاریوں میں اہل محبت کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ نوافل ادا کرنے والوں کا، صلوٰۃ و سلام پڑھنے والوں کا، قرآن پاک کی تلاوت کرنے والوں کا، پرنم آنکھوں سے لبیک یا رسول اللہ کہنے والوں کا، آہوں اور سسکیوں کے درمیان الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے والوں کا۔ اس ہجوم میں عربی عجمی، کالے گورے، چھوٹے بڑے، امیر غریب، مشرقی و مغربی، شمالی و جنوبی، غرض یہ کہ ہر رنگ، ہر نسل کے اہل محبت ڈیرے جمائے بیٹھے ہیں۔

ادب کی یہ حکمرانی کہ مجال ہے کوئی آواز بلند ہو۔ ربط کا یہ عالم کہ ایک کی بات دوسرا نہیں سن پاتا۔ ''جنید و بایزید دم بخود ہیں''، فرشتے پر نہیں مار سکتے، آنسو گرتے ہیں مگر دیدہ تر کو خبر نہیں ہوتی۔ جگر سے غم روزگار کے کانٹے نکلتے جاتے ہیں مگر جگر کو خبر نہیں ہوتی۔

میں نے ''ریاض الجنۃ'' میں ایک دیو قامت حبشی کو پھیلے ہوئے دیکھا۔ میرا دل چاہا کہ اس کے پہلو میں بیٹھ کر درود و سلام پڑھوں مگر وہ کسی کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتا تھا۔ مجھے حضورؐ کا بلالؓ یاد آ گیا۔ دل میں کہا، بلالی ہے۔ یا رسول اللہ! آج میں آپ کے

بلال کے پہلو میں بیٹھنا چاہتا ہوں مگر یہ پہاڑ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔فوراً میری درخواست قبول ہوئی۔اس حبشی نے پہلو بدلا، مجھے اپنے ساتھ لگالیا، جگہ دی، بٹھالیا۔میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔اس نے دیکھا تو میرے سر پر ہاتھ رکھا۔کندھوں پر تھپکی دی، تسلی دی اور اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔وہ محبت کا پہاڑ تھا، وہ شفقت کا دریا تھا، وہ عشق مصطفیٰ کا امیں تھا۔وہ سمٹتا گیا اور میرے لیے جگہ بناتا گیا۔میں آسودہ ہوکراس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔اس کے ہاتھ میں ''دلائل الخیرات'' کا ایک قلمی مگر قدیم نسخہ تھا۔میں نے ہاتھ بڑھایا، اس نے پڑھنے کے لیے مجھے یہ نسخہ عطا فرما دیا۔میں ''دلائل الخیرات'' پڑھتا گیا، روتا گیا، پڑھتا گیا، جھومتا گیا۔میں حضور کی بارگاہ میں کئی گھنٹے بیٹھا رہا۔ساری ''دلائل الخیرات'' مع اضافات پڑھ گیا۔وہ میری آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو دیکھتا تو بار بار میرے کندھوں پر تسلی کے لیے شفقت کا ہاتھ رکھتا۔مجھے خیال آیا کہ میرے رسول ﷺ کی محبت کی حکمرانیاں کالے گوروں پر یکساں ہیں۔دنیا کے ویرانوں میں، شمع شبستان مصطفیٰ ﷺ جگمگا رہی ہے۔ہر دل میں عشق مصطفیٰ ﷺ کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔تمام دل روشن ہو رہے ہیں اور آنکھیں اشکباری کر رہی ہیں۔میں نے ''دلائل الخیرات'' اس کے حوالے کر دی۔''مواجہہ شریف'' کی طرف بڑھا۔ میں ''مواجہہ شریف'' پر تھا۔رکتا مگر دوسروں کا خیال آتا۔جالی کا بوسہ لینے کو گردن لمبی کی۔جھولی پھیلا دی اور دل میں کہا ''ہاتھ نہیں تو جھولی سہی'' سلام پیش کیا۔صلوٰۃ وسلام کا ہدیہ پیش کیا۔آنسوؤں کا نذرانہ گزارا۔ادب نے آنسو روک دیے۔فغاں گلے میں آکر رک گئی ؎

گوش شہ است نازک تاب فغاں ندارد!

آنکھیں کھل گئیں۔سنہری جالیوں کا ذرہ ذرہ نظر نواز ہوا۔اللہ کے محبوب کا گھر دیکھا۔دو قدم آگے بڑھا، یار غار (سیدنا صدیق اکبرؓ) کا گھر دیکھا۔ایک قدم اور اٹھایا تو اپنے باپ فداہ امی وابی (سیدنا عمر فاروقؓ) کا گھر دیکھا۔قدم بڑھتے گئے، لب خاموش رہے، آنکھیں کھلی کی کھلی رہیں۔زبان سے کچھ نہ کہہ سکا ؎

رکھ رکھاؤ اس آنکھ کا دیکھ

چپ کی چپ اور بات کی بات

میں ہجوم عاشقان رسول کے ساتھ چلتا ہوا ''باب جبرئیل'' سے باہر نکلا تو حضرت ایوب انصاری کے گھر کی دیوار کا سہارا لیتے ہوئے ''قدمین شریفین'' پر جا کھڑا ہوا۔ سر جھکا کر خوب رویا، روتا رہا اور روتا رہا اور بے خود ہو کر ؎

سارے جہاں کو بھول گیا تیری یاد میں

ہوش آیا تو ''باب النساء'' سے گزر کر ''اصحاب صفہ'' کے مدرسہ میں جا بیٹھا۔ قرآن اٹھایا، تلاوت کی اور ہجر و فراق کے زخم مندمل ہو گئے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

یہ ہے خواب گہہ شہہ ہر دو عالم

یہ دلوں کا کعبہ اور رُوحوں کا قبلہ ہے جس کے چار سو خود پاکیزگی طواف کرتی رہتی ہے اور طہارت صدقے ہوتی رہتی ہے یہ وہ تجلی گاہ ہے اُس پیکر جاہ وحشم کی جس کے سامنے سیدنا ابوبکرؓ و علیؓ حاضر ہوتے تو تھرا جاتے اور فاروق اعظم جیسے بہادر اور شجاع بولتے تو لرز جاتے جس کی حضوری جبریل امینؑ کے لیے باعث عزوشرف تھی۔ آج اس کے دربار میں حاضری ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے حال میں گرفتار ہے، ہر متنفس اپنے اپنے کیف میں سرشار کسی کا نالہ جگر گداز ہے، کسی کے لب پہ آہ وفریاد ہے، رندو پارسا، فاسق و متقی سب اپنی نقد جاں نذر کیے ہوئے ہیں۔ فرط ہیبت وجلال سے کوئی ساکت وصامت ہے تو کوئی حیران وششدر، کوئی گنگ ومضطر ہے تو کوئی پریشاں حال، آج شفیع المذنبین کے آستان پہ گنہگاروں اور خطا کاروں کی بن آئی ہے، زباں خاموش اور ناطقہ انگشت بدنداں ہے، زباں میں بولنے کا یارا ہے اور نہ لبوں میں قوت جنبش، اک عالم حیرت ہے جو طاری ہے، نہ دُعاؤں کے الفاظ یاد ہیں، نہ کوئی نعت کا مصرع، آتے وقت دل میں کیا کیا ولولے تھے، کیسے کیسے حوصلے تھے، بیک نگاہ سارے حوصلے پست اور سب کے سب ولولے غائب، قرآن مجید کی بعض آیتیں اور سورتیں ہیں یا درود شریف ہے کہ زباں پہ بلا سوچے سمجھے جاری وساری ہے۔

حکیم امین اللہ خاں ملتانی

معلوم یہ ہوتا تھا سر طور چلے ہیں

اب چند ہی منٹوں میں فاصلہ طے ہوگیا۔ وہ سامنے گنبد خضرا نظر آیا۔ دلوں کی دھڑکنیں اور تیز ہوگئیں۔ آنکھوں میں فرط محبت وعقیدت سے آنسو تیرنے لگے۔ زبانوں سے بے اختیار سلام اور درود کے نغمے ابلنے لگے۔ **اللھم صلی علی محمد**......

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

ہر وقت مسجد نبوی کے مینار نظروں میں رہتے تھے۔ قیام گاہ میں پہنچ کر ہم بسوں سے اترے تو ہمارے معلم نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ سامان وغیرہ اتار کر کسی نے غسل کیا، کسی نے وضو کیا۔ سب مشتاقان زیارت منٹوں میں تیار ہوگئے۔ معلم صاحب سب کو لے کر روضہ اقدس کی طرف روانہ ہوئے۔

آہ! مجھے کیا خبر ساتھیوں کا کیا حال تھا مگر میں تو ایک عجیب کیفیت کے دریا میں غوطے کھاتا ہوا جارہا تھا۔ شوق کہتا تھا کہ کاش پر لگ جائیں کہ یہ چند منٹوں کا فاصلہ آنکھ جھپکنے میں طے ہوجائے، پہنچ کر روضہ مبارک کی جالیوں سے لپٹ لپٹ جاؤں، رورو کر دل کا حال عرض کروں۔

عقل نے آواز دی...... کیا سوچتے ہو، ہوش کے ناخن لو۔ حضور کے سامنے جا کر کیا منہ دکھلاؤ گے۔ اپنی بساط کو پہچانو۔ اپنے اعمال پر نظر کرو۔ ان کے ہر حکم کو تم نے ٹالا، ان کے ہر فرمان کی تعمیل سے کوتاہی کی۔ ناداں تو محبت کا مدعی ہے، محبت کا دوسرا نام اطاعت ہے۔ غور کر، تو نے آقا کے احکام کی کتنی اطاعت کی۔

اتنے میں سامنے گنبد خضرا نظر آ گیا۔ بے اختیار دونوں ہاتھوں سے منہ

ڈھانپ لیا۔ شرم و ندامت سے سر جھک گیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ خوف و ندامت سے کانپنے لگا مگر اس کی رحمتہ للعالمینی کے سہارے قدم بڑھاتا گیا۔ حرم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز نفل ادا کی، پھر نگاہیں جھکائے لڑکھڑاتے قدموں سے روضہ اقدس پر حاضر ہوا۔

خدمت عالیہ میں سلام عرض کیا۔ اس کے بعد ان کے دونوں سچے جانشینوں اور عاشقوں یعنی پیکر صدق و صفا سیدنا صدیق اکبر اور مجسمہ غیرت و وفا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت عالیہ میں باری باری سلام خلوص و محبت پیش کیا، پھر مسجد نبویؐ کو دیکھنے لگا۔

میرے دل میں یہ شوق سمایا ہوا تھا کہ اس سراپا حسن و جمال صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دفعہ زیارت ہو جائے، جس کے لیے شب و روز دعائیں مانگتا تھا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اکثر عرض کرتا کہ اے پیکر حسن و خوبی، ایک بار اپنے دیدار سے میرے دیدہ و دل کو سرور بخش۔ جب واپسی میں تین چار روز باقی رہ گئے تو طبیعت زیادہ بے چین رہنے لگی۔

ایک روز صلوٰۃ و سلام کے بعد بے اختیاری کے عالم میں منہ سے نکل گیا، ''اے رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے لیے ایک بار اپنے جلوہ نورانی سے میرے دیدہ و دل کو منور فرما دیں۔'' بس یہ جملہ میرے منہ سے نکلا تو میری تمام کیفیات سلب ہو گئیں۔ نہ وہ رقت کا عالم رہا، نہ وہ سرور درد آمیز باقی تھا، نہ وہ لذت گریہ و بکا تھی۔ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میرا سب کچھ چھن گیا ہو اور میں بالکل خالی خول رہ گیا ہوں۔ طبیعت پر افسردگی، تکان اور بے کیفی چھا گئی۔

دو روز تک یہی عالم رہا اور میں سوچتا رہا، میرے ساتھ یہ کیا معاملہ ہوا۔ رونا چاہوں تو رونا نہیں آتا، طبیعت میں سوز و گداز کی حالت پیدا کرنا چاہتا ہوں مگر سراسر ناکام و نامراد رہتا ہوں۔ عبادت میں حلاوت مفقود، خاموشی سے بصد حسرت و یاس پڑا رہتا اور سوچتا کیا گستاخی سرزد ہو گئی، جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔

تیسرے روز جی میں آیا، چل کر رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معافی مانگوں کہ میں سراپا عیب وعصیاں ہوں، شوق دیدار کے اظہار کی جرأت معاف کر دیں۔ ''کہاں میں اور کہاں جلوۂ حسن'' پھر اس بے باکی کی خصوصاً معافی چاہتا ہوں کہ میں ''اللہ کا واسطہ'' درمیان میں لایا۔ اس خیال کے آتے ہی فوراً روضہ اقدس پر حاضر ہو گیا اور بڑی عاجزی سے معافی کی درخواست کی۔

ادھر میں عرض کر رہا تھا، ادھر طبیعت کھلتی رہی۔ رقت وگریہ کا جو طوفان رکا ہوا تھا، اڈنے لگا۔ سوز وگداز کی بھٹی جو بجھی ہوئی معلوم ہوتی تھی، اس میں چنگاریاں سلگنے لگیں اور دم بدم مشتعل ہوتی گئیں۔ وہ کیف درد آمیز، جو دل کے کسی گوشے میں سمٹ چکا تھا، پھیلنے لگا۔ حتیٰ کہ مجھے کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔ طبیعت اچھل چکی تھی، جسم کانپ رہا تھا۔ جب ٹانگوں نے بالکل جواب دے دیا تو خلقت سے پیچھے ہٹ کر روضہ اطہر کی طرف منہ کر کے دوزانو بیٹھ گیا۔ بیٹھے ہی مجھ پر ایک غنودگی سی طاری ہو گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پرانوار سے رنگ ونور کا ایک نکتہ سا اچھلا اور مواجہہ شریف کے برابر آ کر عین میری طرف تیزی سے بڑھا اور میرے قلب سے ٹکرایا۔ میں نے ایک عجیب لذت محسوس کی مگر ساتھ ہی تمام جسم لرز اٹھا اور دھکا سا لگا۔ میں سنبھلا اور آنکھیں کھول دیں۔ دوبارہ پھر آنکھیں بند ہو گئیں اور وہی نکتہ پھر ابھرا اور اسی طرح تیر کے مانند دل میں پیوست ہو گیا۔ پھر وہی حالت ہوئی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ایک عجیب سماں، ایک عجیب کیفیت، ایک عجیب سرور تھا۔ شوق نے چاہا کہ تیسری دفعہ بھی آنکھیں بند کر لوں مگر عقل نے کہا، اب سنبھل نہ سکے تو ہجوم زائرین میں کم ظرفی اور کم ہمتی کے باعث جو حال ہو گا، اسے کون سنبھالے گا۔

اب اٹھا تو معاملہ سمجھ میں آیا کہ جس پیکر جمال کے ایک ذرۂ حسن کی تابانی کے تم متحمل نہیں ہو سکتے، اگر وہ آفتاب حسن وجمال اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ سامنے آ جاتا، تو تمہارا کیا حشر ہوتا۔ پھر یہ کیف وسرور واپسی پر سفر میں بھی کئی دن تک رہا۔

25/جولائی کو بالآخر امیر قافلہ نے اعلان کیا کہ کل **26**/جولائی، عصر کے بعد

مدینہ شریف سے واپسی ہوگی۔ 26/ جولائی جمعہ کا دن تھا۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر روضۃ الرسولؐ پر حاضر ہوئے۔ اب آپ خود ہی تصور فرمائیں کہ یہ حاضری اس خیال سے تھی کہ اب ہم جا رہے ہیں، آخری بار حضور ﷺ اور شیخینؓ کی خدمت میں سلام عرض کر لیں۔ آنکھوں میں آنسو، دل درد جدائی سے بے چین، بار بار بے قرار نگاہوں سے روضہ مبارک کو دیکھتے، کبھی محراب النبیؐ پر جاتے، کبھی منبر رسولؐ پر نگاہیں جم جاتیں، کبھی باب صدیقؓ اور کبھی باب جبرئیلؑ پر حسرت سے نظر ڈالتے۔ آخر عصر کی نماز پڑھ کر بادیدہ نم مسجد سے باہر آ گئے اور دور تک گنبد خضرا کو مڑ مڑ کر دیکھتے رہے اور بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

سید امین گیلانی

اے چشم اشک بار ادب کا مقام ہے

مکہ سے مدینہ تک 260 میل یا کم و بیش چار سو کلو میٹر کی مسافت کو چار گھنٹوں میں طے ہو جانا چاہیے تھا لیکن راستے میں تین جگہ قیام کیا گیا۔ اس لیے مدینہ میں داخل ہوئے تو دوپہر جوبن پر تھی۔ دھوپ تیز تھی، لیکن ہوا چل رہی تھی۔ سامنے جو شہر تھا، وہ مکہ مکرمہ کی وضع کا ایک خوبصورت اور جدید وضع شہر تھا جس کی سڑکوں پر فلک بوس عمارتیں ایستادہ تھیں لیکن ہم لوگ زمانہ حال کے بجائے زمانہ ماضی میں سفر کر رہے تھے، اس لیے مدینہ میں داخل ہوتے ہی بس سے یہ صدا مشترکہ طور پر ابھری:

السلام علیک یا رسول الله ...... السلام علیک یا نبی الله...... السلام علیک یا سید الانبیاء و المرسلین. السلام علیک یا قائد الخیر و فاتح و هادی الامته...... اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمداً عبده و رسوله.

سلام ہو آپؐ پر اے رسول خدا......اے امت کے ہادی آپ پر سلام ہو......نیکی کے پیغمبر آپؐ پر سلام ہو......آپ کے طیب و طاہر اہل بیت پر اور آپ کی آل پر سلام ہو۔

اب عصر کا وقت قریب تھا۔ میں نے غسل کیا، نیا لباس پہنا، تھوڑی سی خوشبو لگائی۔ مسجد نبویؐ کے نوتعمیر حصے سے گزر کر اور دائیں طرف سے پوری مسجد کا طواف کر کے باب جبرئیل کی طرف کشاں کشاں لپکتا چلا گیا۔ بائیں طرف روضہ مبارک تھا جس کی جالیوں کے قریب جانے کی اجازت نہیں تھی۔ میں نے بائیں طرف کے ہجوم میں کھڑے ہو کر سر نیاز جھکا دیا۔ زبان پر درود و صلوٰۃ جاری ہو گیا۔ اتنے میں ایک ریلا پیچھے سے آیا اور مجھے دھکیلتا ہوا اصحاب صفہ کے چبوترے کی طرف لے گیا۔ میں نے چلتے چلتے ان

پاک بازوں کے لیے دعائے فاتحہ پڑھی اور اپنے لیے ریاض الجنتہ میں جگہ تلاش کرنے لگا۔ شرطے محبان رسولؐ کو آگے کی طرف دھکیل رہے تھے۔ جونہی ایک صف آگے بڑھی تو مجھے جگہ مل گئی اور میں نے نوافل کی نیت باندھ لی۔ اس وقت مجھے اپنی قسمت پر رشک آ رہا تھا۔ یہ وہی مقام تھا جسے حضور ﷺ نے جنت کے باغوں میں سے ایک قرار دیا ہے۔ یہاں نوافل پڑھنے سے ایک عجیب سی داخلی مسرت محسوس ہوتی ہے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور پھر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ میں حیران تھا کہ میں تو حاضری دے رہا تھا لیکن میرا دل رو رہا تھا۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں سسکیاں لے لے کر دعائیں کر رہا تھا۔ اپنے ملک کی سلامتی کی دعائیں، پاکستان کی بقا کی دعائیں، اپنے مرحوم والدین کی مغفرت کی دعائیں، عزیز واقرباء کی صحت وسلامتی کی دعائیں۔ لاہور، سرگودھا، اسلام آباد، کراچی اور پشاور کے دوستوں کے لیے دعائیں۔ ایک فلم تھی جو میرے دل کے کیمرے پر چل رہی تھی اور میں نام لے لے کر دوستوں کی صحت، عزت اور رزق حلال کی فراوانی کے لیے دعائیں کر رہا تھا۔ سامنے منبر رسولؐ تھا اور وہ سات ستون جن کی سفیدی ان کا امتیازی نشان ہے اور ہر ستون کے ساتھ اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ منسلک ہے۔ یہ ستون اس کھجور کے درخت کی یادگار ہیں جس کے قریب کھڑے ہو کر حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ ایک ستون کی جگہ نبی اکرم ﷺ وفود سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ ایک ستون اس مقام پر ہے جہاں حضرت علیؓ نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ہر ستون کو اپنے ہاتھوں سے مس کیا اور اس تصور سے کہ یہاں رسول اکرم ﷺ کے قدوم پڑے ہوں گے، جسم و جان میں بجلی سی دوڑ گئی۔

انور سدید

روضے دی جالی چم لین دے

پاکستان میں کسی نعت خواں سے جب میں یہ نعت سنتا ''تیری خیر ہووے پہرے دارا روضے دی جالی چم لین دے'' تو میرے ذہن میں پہرے دار کا ایک عجیب سا تصور آتا اور پھر میں اس کے روضے کی جالی چومنے سے منع کرنے کے انداز کا تصور کرتا۔ تو یہ بات دل میں زیادہ سما گئی کہ اس کام کی ''تیاری'' کرنا ہوگی۔ شاید یہ سبب تھا کہ جب میں پہلی بار 1968ء میں حضور نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا تو ریاض الجنتہ میں ایک عمر رسیدہ شخص نے میرے لباس کو دیکھ کر اُردو میں گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ستون توبہ ہے۔ یہاں ایک صحابی ابولبابہؓ کا قصور اس طرح معاف ہوا تھا کہ انہوں نے خود کو اس ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ تب سے اسے ستون توبہ کہتے ہیں۔ یہاں دو نفل پڑھ لینے کا بڑا اجر ہے۔ گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے، توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ میں نے اس بزرگ کو ٹوک کر کچھ کہنا چاہا تو وہ بولے بیٹا! پہلے سن لو۔ یہ ستون عائشہ ہے۔ طبرانی میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک بار ارشاد فرمایا، میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا علم ہو جائے تو وہ قرعہ اندازی کرنے لگیں''۔ اس جگہ کی نشاندہی حضرت عائشہؓ نے کی تو یہاں ستون عائشہ بنا دیا گیا۔ یہاں بھی دو نفل ضرور پڑھ لینا اور ہاں ستون سریر پر نفل پڑھنا نہ بھولنا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضور نبی کریم ﷺ اعتکاف فرماتے تھے اور رات کو یہیں آپ کا بستر بچھا دیا جاتا تھا۔ ستون وفود پر تم لازماً نفل پڑھو گے کیونکہ آپ ﷺ باہر سے آنے والے وفود سے اسی جگہ بیٹھ کر ملاقات کرتے۔ میں اب تو ان بزرگ کی بات کاٹنے کی جرأت بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے رکے اور میرے کہنے سے پہلے ہی بولے۔ ستونِ علی کے بارے میں تو تمہیں پتہ ہوگا کہ اس مقام

پر حضرت علیؓ نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی جگہ بیٹھ کر حضرت محمد ﷺ کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ یہاں نفل پڑھ کر ستون حنانہ پر ضرور نفل ادا کر لینا۔ یہ نبی کریم ﷺ کی محراب کے قریب ہے۔ یہاں کھڑے ہو کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے۔ یہیں کھجور کا وہ درخت دفن ہے جو لکڑی کا منبر بن جانے کے بعد آپ کے فراق میں بچوں کی طرح بلبلا کر رویا تھا۔ کہنے لگے میں جانتا ہوں کہ تمہارا کچھ زیادہ وقت لے رہا ہوں۔ لیکن تمہیں ستونِ تہجد کے بارے میں ضرور بتا دوں کیونکہ یہاں نبی کریم ﷺ تہجد ادا فرماتے تھے۔

میں نے کہا جناب! یہ سارے مقدس مقامات ہیں مگر مجھے روضۂ مبارک کی جالی کو بوسہ دینا ہے۔ اس کی کیا ترکیب ہے؟ کہنے لگے پاکستانی ہو۔ چلو دے لو بوسہ۔ ابھی پہرے دار کی آنکھیں بند ہو جائیں گی اور تم بوسہ دے لینا۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ ہم عجمی ولائت یا بزرگی کو کراموں کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ اب مجھے بھی احساس ہوا کہ یہ واقعی کوئی بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کب سے یہاں ہیں۔ بولے چالیس سال سے ستون توبہ پر نماز پڑھ رہا ہوں اور پھر زائرین کے ایک دھکے نے مجھے ان سے علیحدہ کر دیا۔

پھر میں جتنے دن وہاں رہا، یا جب بھی حضور نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا، وہ بزرگ نظر نہ آئے۔ یا یوں کہیے کہ شاید میں ان کو اچھی طرح دیکھ بھی نہیں سکا تھا۔ وہ میری طلب کی بات پوری ہونے کے فوراً بعد ہی تو مجھ سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ پہلی ساری باتیں میں نے اگرچہ غور سے سنی تھیں مگر میرے ذہن میں ایک چیز جو اٹک چکی تھی، اس کے سبب میں زیادہ توجہ نہ دے سکا اور منتظر تھا کہ وہ بات کہیں ختم کریں تو اپنی بات کہوں۔

اب کے بھی میں نے اپنی طرح کے کئی حجاج کو اسی طرح اشتیاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا۔ روضے کی جالی کو بوسہ دینے کی خواہش رکھنے والے بیشتر افراد کی خواہش پوری ہو جاتی ہے۔ جنہیں اندر سے اجازت ملتی ہے۔ ہر کس و ناکس کو یہ اجازت نہیں ملتی۔ شاید یہی وہ فقرہ تھا جس کے سبب مجھے یہ احساس ہوا کہ مجھے جو سبز جالی اور سنہری جالی کو ہر جانب سے بوسہ دینے کا شرف حاصل ہوا ہے، اس کے سبب حضور پاک ﷺ کی طرف سے ہی گنہگار کو یہ اجازت ملی ہے کہ میں نے فوراً اجازت مانگنے کے

انداز میں عرض کیا کہ اب جو سنہری جالی پر بوسہ لینا ہے، وہ اس مقام پر لوں گا جہاں سنہری حروف میں اسم محمد ﷺ لکھا ہوا ہے۔ ارادہ کیا، بوسہ لے لیا۔ پہرے دار نے میرے سر پر جھپٹا مارا۔ میری کپڑے کی ٹوپی پکڑی اور اوپر اچھال دی۔ زائرین کے ایک دھکے نے مجھے اس مقام پر لا کھڑا کیا جہاں ٹوپی بغیر میری کسی کوشش کے میرے سر پر آ گری۔ دوسرے عجمی مبارکباد کہنے لگے، بوسہ منظور ہو گیا اور پھر سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ سلام پڑھتے ہوئے بھی اور دعا مانگتے ہوئے بھی۔ اور یہ شعر پڑھتے ہوئے بھی

عمل کی میرے اساس کیا ہے، بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت بس اُن کی نسبت، میرا تو بس آسرا یہی ہے

جب میں اور میرے ساتھی باب جبریل سے نکل کر اپنی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے تو ایک خیال بار بار ذہن میں آ رہا تھا کہ کیا واقعی جو اس مقدس جالی کو بوسہ نہیں دیتے، انہیں اندر سے اجازت نہیں ہوتی یا جناب محمد اظہر بھٹہ مرحوم چیف جیالوجسٹ حکومت سعودی عرب والی بات ہے کہ جب میں نے پہلے حج کے موقع پر ان سے پوچھا کہ آپ روضے کی جالی کو بوسہ دینا درست نہیں سمجھتے یا مذہباً اس کی کوئی دوسری توجیح کرتے ہیں تو کہنے لگے۔ میں بوسہ نہیں دیتا۔ سوچتا ہوں، یہ جھوٹ بولنے والے لب اس مقدس جالی سے کیونکر چھوئیں۔ ان کو اگر چومنا ہی ہے تو مدینہ کی گلیاں چومیں۔ تم نے سنا نہیں شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اس ارض مقدس پر ذرا دیکھ کے چلنا
اے قافلے والو یہ مدینے کی گلی ہے
حق اس کا ادا صرف جبینوں سے نہ ہو گا
اے سجدہ گزارو یہ درِ مصطفوی ﷺ ہے

ڈاکٹر اے آر خالد

اجالوں کی برات اتر آئی تن من میں

سبز گنبد اپنی ابدیت سمیت، اپنی عظمت سمیت، نظروں کے سامنے تھا۔ ہر طرف خاموشی، باادب نظریں، پانی پانی جسم، کانپتا لرزتا دل، بے حس وحرکت وجود یہ زندگی کا کیسا روپ تھا جو زندگی ہی سے بے خبر کر گیا تھا۔ ہر طرف نور کا سیلاب تھا۔ روشنیوں کا اک جہاں تھا۔ میں کن روشنیوں اور نور کے مرکز پر پہنچ کر ٹھہر گئی تھی کہ دنیا کے تمام رنگ ماند پڑ گئے تھے۔ گنبد خضرا، نگاہوں میں، دل میں، زمینوں آسمانوں میں، روح میں بدن میں، احساس میں، دھڑکنوں میں، خیالوں اور سوچوں میں، تقدیر میں، تدبیر میں، آس میں، امید میں، ہر طرف ہر سمت، ہر جگہ، ایک ہی جلوہ، ایک ہی منزل، ایک ہی رنگ، تمام رنگوں میں ڈھل گیا تھا۔ میں چکراتے سر کے ساتھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ شاید اس وقت تقدیریں بھی اپنی سربلندی پر نازاں تھیں۔ دل آنکھوں کو چپکے سے کہہ رہا تھا، بہت بھٹک لیا، بہت خوار ہولیا، اب اور سکت نہیں اور ہمت نہیں ہے۔ سنبھال لو۔ حفاظت سے احتیاط سے جلوؤں کے ان نازک آبگینوں کو۔ یہ بہت انمول ہیں، جان کے مول بھی سستے ہیں۔ بس ہمیں چھوڑ کر کب کی جا چکی تھی، ہم سب اپنے اپنے جذبوں کی دنیا میں تیرتے، ہلکورے لیتے، سکھ کے کس ساگر میں اتر گئے تھے کہ خبر نہ ہوئی، کتنا وقت گزر گیا۔ ہماری خودفراموشی کے سحر کو پاس سے گزرنے والے حجاج کے گروپ نے توڑا جو زور زور سے بولتے ہوئے قریب سے گزرا، انہیں دیکھ کر ہمیں بھی احساس ہوا کہ چلنا چاہیے اور اپنے سامان کو سنبھالتے ہم چل دیئے۔ سب سے پہلے وضو سے فارغ ہوئے اور پھر ہم مسجد نبوی کے سامنے جا پہنچے۔ ہجوم کے قریب پہنچ کر قدم رک گئے۔ گمان کے پھولوں بھرے راستوں پر چلتے چلتے حقیقتوں کے امتحان در پیش ہوئے تو

جان کی کمزوری نے آن گھیرا۔ میں چپ چاپ وہاں شاید کسی معجزے کی آس میں کھڑی تھی کہ اچانک ایک ادھیڑ عمر آدمی عبا میں ملبوس سر پر سفید عمامہ ہاتھ میں تسبیح، چہرے پر سیاہ وسفید ملی جلی داڑھی، میرے پاس آ کر ٹھہر گیا۔ ''حج زیارت'' یہ دو لفظ میرے پلے پڑے۔ میری آنکھیں چھلک پڑیں۔ لفظ خاموش ہو گئے۔ مگر سر ہاں میں ہل گیا آؤ، وہ تھا تو عربی مگر اردو سے شاید واقف تھا۔ اس لمحے میں نے اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی بھیجی ہوئی غیبی امداد کو تھام لیا جو اس لمحے میرے لیے خضر راہ تھی۔ وہ سمندر کی بپھرتی، مچلتی لہروں کی تندی کو اپنے بازوؤں سے کاٹتا، مجھے گھسیٹتا اندر داخل ہو گیا۔ اندر پہنچ کر وہ میرے آگے لگ گیا۔ میں نے اس کے کندھوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔ اس اللہ کے بندے نے مجھے قدم قدم اس بے بہا بھیڑ سے اس طرح نکالا جیسے کوئی مشکل ہی نہ ہو۔ ہم بڑھتے رہے۔ ریاض الجنۃ۔ اس نے مجھے زمین کے اس ٹکڑے کے بارے میں بتایا جسے جنت کے باغوں کی کیاری کہا جاتا ہے۔ ''حج نفل'' دو لفظ کتنے چھوٹے کتنے بامعنی۔ اشارے سے اس نے مجھے نفل پڑھنے کے لیے جگہ بتائی۔ نہیں، میرا ڈولتا سر ہل گیا۔ پتہ نہیں اس لمحے مجھے کیا ہو گیا تھا۔ نفل پڑھنے کو قطعاً دل نہ کر رہا تھا۔ اک آگ تھی۔ درد کی شدت تھی، ملن کی تڑپ تھی، محبوب کے قریب پہنچ کر اس سے لمحہ بھر کی دوری بھی گراں گزر رہی تھی۔ میری ہمت ٹوٹ رہی تھی، اندر سے کوئی آواز مجھے بار بار تنبیہہ کر رہی تھی۔ رکنا مت، ٹھہرنا مت، ٹھہرو گی تو منزل کو کبھی نہ پا سکو گی۔ ان لمحوں کے جھومر کو اپنے نصیبوں کے ماتھے پر سجالو ہمیشہ کے لیے، اگر یہ ہاتھ سے نکل گئے تو تمام عمر ترستی رہ جاؤ گی اور خدا گواہ ہے میرا دل اس وقت ریاض الجنۃ میں نوافل ادا کرنے پر آمادہ ہی نہ تھا۔ ریاض الجنۃ میں نوافل ادا کرنا جیسا کہ ارشاد نبی ﷺ ہے، یوں ہے جیسے جنت میں نوافل پڑھنا اور جس نے وہاں نفل پڑھ لیے، وہ جنت کا مستحق ہو گیا۔ ان سب ارشادات سے باخبر تھی میں مگر اس جنت یا اس کا تصور بھی میرے پاس کہیں نہ تھا۔ کیونکہ ساری بات تو نسبت کی ہے۔ کسی کو جنت سے نسبت ہے اور کوئی جنگ والے سے نسبت رکھتا ہے۔ یہ تو اپنے اپنے ظرف، اپنے اپنے تعلق کی بات ہے، اس وقت وہ جنت جو بعد از مرگ ملنے والی شئے

ہے، فضول لگ رہی تھی، میرے روگ شاید آسمانی جنت کی دوا کے طلب گار نہ تھے۔ وہ تو اس حقیقی جنت کے متلاشی تھے جو روضے کی جالیوں میں پوشیدہ تھی۔ جو زمین پر محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام کی صورت میرے پاس تھی، میں اتنی نزدیکی و حقیقی جنت کو چھوڑ کر بعد از مرگ ملنے والی جنت کی تمنا کیسے کرتی۔ مجھ پر اس لمحے قربتوں کی راہوں میں ملنے والی دوریوں کا ایک پل بھی گراں گزر رہا تھا۔ میری جنت اور میرے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا، کہ درمیان میں اچانک رکاوٹوں کی ایک دیوار آن کھڑی ہوئی۔ ہمارے سامنے رکاوٹوں کی دیوار بنا روضہ اقدس کا دربان کھڑا تھا اور ہمیں واپس جانے کا کہہ رہا تھا، اس کے جواب میں میرا راہنما بھی کچھ کہہ رہا تھا۔ مگر وہ مسلسل انکار کر رہا تھا اور میرا راہنما اصرار، ان کی اس تکرار کے درمیان میرا حال اس خطا کار کا سا تھا جو بازیگری کی مقدرت رکھتا ہو نہ ساحری کی۔ بے عذر، بے زبان، خطا کار، اپنے عشق کا مارا، اپنے درد جلا۔ اپنی بدنصیبی پر مجھے خود ہی ترس آ رہا تھا۔ میں سر جھکائے گردن ڈالے کھڑی تھی کہ میرا راہبر مجھے لے کے آگے بڑھ گیا۔ میں لرزتی کانپتی اندر داخل ہو گئی، اندر پہنچ کر میرے قدم جیسے جام ہو گئے، میرا راہبر مجھے آگے لے جانے کی کوشش کرتا اور میں رکنے کی سعی کرتی، وہ جگہ وہ مقام جہاں میرا غلط کار وجود آ کر ٹھہر گیا تھا۔ میری امید، میرے ظرف کے جہانوں سے بڑھ کر تھا۔ میں جیسے چراغ زیست کے لیے کھوجتی رہی، پل پل وہ سورج لمحہ میری دسترس میں تھا۔ میں اپنے بے قرار ہاتھوں سے اپنے سوختہ تن کو ٹٹول ٹٹول کر خود کو یقین دلانے کی سعی کر رہی تھی کہ میں عالم خواب میں نہیں، عالم حقیقت میں ہوں۔ قریہ جان میں وصل کی بہار مسکا رہی تھی، میں لمحات وصل میں اپنے موم موم جسم کے ساتھ پگھلتی جا رہی تھی۔ وصل تو آ گیا۔ بہاروں کا میلہ تو چھا گیا مگر تن کی نگری میں سکتہ کیوں طاری ہو گیا۔ لب گونگے کیوں ہو گئے، قدم بھاری کیوں ہو گئے۔ چلنے کی ہمت کیوں ٹوٹ گئی، میری خاموشی اور ٹھہراؤ نے میرے راہبر کو پریشان کر ڈالا۔ ''حج زیارت'' چلو۔ تنگ آ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر چلانے کی کوشش کی، میں گھسٹ پڑی۔ **اسلام علیک یا رسول عربی یا محمد رسول اللہ**۔ اس کے لہجے کے سوز میں شاید میرے آنسوؤں

کی نمی بھی شامل ہوگئی تھی۔ملن کی شدتوں سے نبرد آزما ہوتی، میں ٹوٹ رہی تھی، اپنے مسیحا کے پاس پہنچ کر گزرے ہوئے شب و روز کے صدمات اپنے دریدہ تن کے ساتھ جاگ اٹھے تھے۔تارتار دامن ہستی جہاں کی ستم آرائیوں کے درد لیے حاضر تھا۔ناامیدیوں کی داستانیں، ہجر کے فسانے، الم کی روداد یں۔ پل پل ہارنے کے قصے۔ پل پل جینے اور مرنے کی وارداتیں، لب گونگے تھے، مگر جسم کا ہر ہر عضو وقت کی بے وفائیوں کی گواہی دے رہا تھا۔وقت جو عمر بھر آنکھ مچولی کھیلنے کے بعد آخر ہار گیا تھا۔مگر اس کی ہارنے وجود کے اندر بہت سے زخموں کے پھول کھلا دیئے تھے اور مسیحا کے سامنے پہنچ کر وہ سارے پھول بہار دکھا رہے تھے۔سرخ سرخ خون دل کی لالی سے رنگے ہوئے پھول۔محبوب کے وصل کی جوت سے مسکرا رہے تھے۔وصل جو ہجر کی کالی راتوں اور پھیکے دنوں کے بعد نصیب ہوا تھا، وصل جس کی امید زندگی کی علامت تھی، وصل جس کی آس پر لمحوں کے عذاب کٹے تھے۔وصل جو تمنائے زیست بن گیا تھا۔وہی وصل انعام وصل تن من نے پا لیا تھا۔مگر وہ سارے ستم سارے عذاب اس لمحے بول رہے تھے، در محبوب پر پہنچ کر ساری ہمتیں ٹوٹ گئی تھیں۔اب اور طاقت نہیں ہے مجھ میں۔میرے محبوب اب اور جدائیاں سہنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں، مجھے پناہ چاہیے، مجھے امان چاہیے۔ہر طرف خاموشی، ہر طرف سکوت طاری تھا۔آقا کا دربار عالی تھا۔فریادن فریاد پیش کر رہی تھی۔دنیا کی جلتی دوزخ کے چھالے دکھا رہی تھی۔روح کے زخم دکھا رہی تھی اپنے ہی پانیوں میں غرق ہو رہی تھی، مجھے کچھ نہیں چاہیے اے مالک کون و مکان! فقط آپ کے در کی غلامی چاہیے۔ فقط آپ کے مدینہ کی خاک چاہیے، مہر کی نظر چاہیے۔فقط آپ کے در کی گدائی چاہیے۔ مجھے ہجر کے اندھیرے نہیں چاہئیں۔ مجھے وصل کے سویرے بخش دیجیے، فقط کرم کی نظر چاہیے۔آج اس ٹوٹے پھوٹے تن کے ساتھ حاضر ہوں۔ مجھے پناہ دیجیے گونگے لبوں پر حرف تمنا تو خیر کیا ہوتے، وہاں تو ہجر کے چھالوں کی دنیا آباد تھی جنہیں وصل کا مرہم سکون سے آشنا کر رہا تھا۔جدائیوں کی خراشیں ملن کی شفا سے مٹنے لگی تھیں۔خوش ہوائے دل کہ اندھیروں کی ردا چاک ہوئی۔خوش ہوائے دل کہ ملن کی راہ استوار ہوئی، دامن دل

جو فراق کے صدمات سے پھٹنے کو تھا، اسے نوید ہو کہ وصل نے اسے سرفراز دیا۔ جھکی جھکی نظریں اٹھنے کی ہمت نہیں پاتی تھیں۔ سر، درِ محبوب کو سلامی دے رہا تھا۔ وجود خود سے آشنا ہو چکا تھا۔ نجانے وہ کیا کیفیت تھی کہ اب تک اسے بیان کرنے کے لیے لفظ نہیں مل سکے۔ لفظوں کی دنیا میں جیسے کال پڑ گیا ہو۔ پھر سوچتی ہوں کہ الفاظ کی قسمت میں اتنی رسائی کہاں کہ وہ اس کیفیت تک پہنچ سکیں۔ وہ کیفیت جو شاید اظہار کا روپ دھار ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ صرف اور صرف محسوس کرنے کی کیفیت۔ وہ ماضی و حال اور مستقبل کے زمانوں سے ہٹ کر لافانی زمانوں میں کھو جانے والی کیفیت۔ اس کیفیت کا کوئی نام نہیں، کوئی پہچان نہیں مگر وہ زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ اجالوں کی بارات اتر آئی تن من میں۔ ''حج زیارت'' کسی نے مجھے پکارا میں نے جھکی ہوئی آنکھیں اٹھائیں۔ میرا راہبر مجھے چلنے کو کہہ رہا تھا۔ زیارت سیدی ابوبکر صدیقؓ۔ میں سحر زدہ سی اس کے ساتھ چل دی۔ السلام علیک یا سیدی ابوبکر صدیقؓ اس کے لفظوں کو دہراتی اس کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے اس چھوٹے سے بچے کی طرح چل رہی تھی جو بھیڑ میں گم ہو جانے کے خوف سے ماں کا دامن نہ چھوڑ رہا ہو۔ زیارت یا سیدی عمر بن الخطابؓ، جھکی نظریں مزید جھک گئیں۔ وہ دربار عالی مقام اور اس کی شان، ذہن سے تاریکیاں چھٹ رہی تھیں۔ جلوؤں کی سرچ لائٹ نے میرے اندر باہر چکا چوند روشنی پیدا کر دی تھی۔ میں چمک رہی تھی۔ روشنی میں نہا رہی تھی۔ اس بے پناہ روشنی نے آنکھوں میں پانی سا بھر دیا تھا۔ اندھیروں کی عادی نگاہیں بھلا اس چکا چوند سے پہلے کب واقف تھیں۔ اندھوں کی طرح اپنے راہبر کا ہاتھ تھامے چل رہی تھی۔ حاضری مکمل ہوگئی، درود و سلام ادا ہو گئے۔ جسم و جان کے نذرانے پیش کرنے کی جسارت تو خیر کہاں سے آتی مگر جسم و جان کو فنا کر دینے والی خواہشوں کی تندی کچھ اور بڑھ گئی۔ میرا راہنما میرا ہاتھ پکڑے پکڑے مجھے چوکھٹ محبوب تک لایا۔ ''حج زیارت'' ختم۔ جاؤ، اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر جیسے مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے اس غیبی فرشتے کو غور سے دیکھا جو خضر راہ تھا۔ میرے اس طرح دیکھنے سے اک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔ زیارت ختم۔ اس فرشتے کے

لیے میرے دل میں احترام وتشکر کے جذبے پیدا ہو رہے تھے، اللہ کے اس معجزے پر چشم بینا حیران تھی۔ میں کیا تھی۔ کیا بن گئی تھی۔ حاضری کے سلسلے میں اپنی معذوری اور امداد غیبی۔ مجھ گناہ گار کو اس نے کدھر لا کر کھڑا کیا تھا کہ میں اپنی ناشکری زبان سے تمام عمر بھی اس کی مہربانیوں کا شکر ادا نہ کر سکتی تھی۔ میں زبان کھولنے کے جتن کر رہی تھی، گنگ جذبوں کو گویائی کے لیے تیار کر رہی تھی۔ جب زبان ملی، آنکھیں اٹھیں تو میرے آس پاس کچھ بھی نہ تھا، لوگوں کی بھیڑ بہت کم ہونے کے باوجود مجھے کہیں خضر راہ نظر نہ آیا جو میری ڈولتی ڈگمگاتی نیا کو کنارے پر لگا گیا تھا، بہت دیکھا مگر اس کا سراغ نہ پا سکی۔ تشکر کے جذبے اندر ہی اندر گھٹ کے رہ گئے۔ میں جسے اپنے ہی جیسا انسان سمجھ بیٹھی تھی شاید وہ واقعی ہی کوئی فرشتہ تھا۔ اس کا ہجوم سے نکل کر میری طرف بڑھنا بطور خاص مجھے مشکلوں سے نکال کر در حبیب ﷺ تک لے جانا، حاضری کی تمام رسمیں ادا کرانا، اور پھر اچانک غائب ہو جانا، وہ سب کیا تھا، اس نفسا نفسی اور مادیت پرستی کے دور میں ایک معجزہ تھا جو اچانک رونما ہوا اور مجھ بیمار ڈولتی لرزتی کو پار لگا گیا۔ وہ معجزہ پالنے والے کی قربت کا احساس مزید گہرا کر گیا۔ میں بہتی آنکھوں سے باہر کو چل دی۔ باہر روضہ رسول کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا۔ روح جو اس سے پہلے بڑی ناآسودہ، بڑی غیر مطمئن تھی۔ اس وقت در حبیب ﷺ کی چوکھٹ پر بہت سے عذابوں سے نجات پا چکی تھی۔

بشریٰ اعجاز

نسیما جانب بطحا گزر کن

ہر راہ رو کو ایمان کے اجالے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ یقین کی آگ پلو میں باندھ کے سفر کو نکلتے ہیں، اپنے ہی پیرہن سے دھواں اٹھ رہا ہو تو قدموں میں تیزی آجاتی ہے۔

میں جب سے جہاز میں بیٹھی ہوں، ہر سوال کے جواب میں یہی ایک مصرعہ گونج رہا ہے۔ میرا دل دو قسم کے جذبات سے لبریز ہے۔ کم مائیگی اور تشکر۔ جب ان کی رحمتوں کا جمال ذہن میں آتا ہے تو کم مائیگی کے پسینے میں تر بتر ہو جاتی ہوں اور جب اللہ کا کرم خیال میں آتا ہے تو زندگی کا ہر احساس سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

وہ سرزمین جس کے نام پر میری دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں، وہ نورانی گلیاں جن میں اپنی پلکوں سے جھاڑو لگانے کی آرزو تھی، وہ معطر اور منقش ستون جنہیں تصویروں میں دیکھ کر ہی احساس، سجدہ ریز ہو جاتا تھا۔ وہ گنبد خضرا جس میں سے نور کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر ساری کائنات کو منور کرتی ہیں، اللہ اللہ وہ سب مقدس مقامات میں اپنی گنہ گار آنکھوں سے دیکھوں گی؟

یہ شوق کا عالم میری گرفت میں نہیں آتا کبھی تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی ''باؤلی بھکارن'' کی طرح میں جھولی بھر خیرات پا کر گریبان تار تار کرلوں گی۔ شوق کی دھجیاں بکھیر دوں گی اور بالآخر آنسوؤں کی جھڑی لگ جائے گی اور کبھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ دم سادھے بیٹھی بیٹھی ساکت ہو جاؤں گی مگر دم سادھے تو میں کافی دیر سے بیٹھی ہوں۔ کیا مجھے مقدر کی رسائی، حضوری اور باریابی کا اعتبار نہیں آرہا؟

یہی کچھ تو میں نے مانگا تھا۔ اتنا ہی چاہا تھا، اتنی ہی خیرات مانگی تھی۔ ظرف کی بات ہے۔ ظرف چھوٹا ہو تو آدمی کم مانگتا ہے۔

وہ خوبصورت دل نواز شام آ گئی ہے۔ یہ جہاز مدینہ منورہ کی طرف لیے جاتا ہے۔ سفر طویل نہیں ہے مگر شوق نے آگ لگا رکھی ہے۔

بھکارن کا دل تسبیح کے دانوں کی طرح ہل رہا ہے۔

دھیرے دھیرے روشنیوں کی زمین پر قدم رکھ رہی ہے۔ مسجد کے چمکیلے میناروں کو نظر اٹھا کر سلام کیا تو ان کا جلال اور جمال رگ جاں میں اترتا چلا گیا۔ ایسا نورانی بسیرا، بولتی، مسکراتی مسجد، مسجد نبویؐ کے گنبد دیکھتے ہی کوئی دعا مانگنا تھا۔ کوئی آہ دل سے نکالنا تھی، لیکن اتنی خوبصورت رات کی جھولی میں سر رکھ کر بھکارن پھر ریزہ ریزہ ہونے لگی۔ گم صم ہوگئی۔

جب کسی بڑی محترم اور عزیز ہستی سے ملنے جاتے ہیں تو کوئی تحفہ لے کے جاتے ہیں۔ کوئی ہدیہ جذبات کا آئینہ بنا کے پیش کرتے ہیں۔

”کیا تیرے پاس اس گھڑی کچھ ہے؟ گزری عمر کی صندوقچی میں ذرا ہاتھ ڈال کے ٹٹول۔ کیا کوئی شے بچ گئی ہے جس پر گناہ کی گرد نہ پڑی ہو۔ آنکھ، کان، ناک، زبان، دل، احساس سب داغ داغ۔ سب میلے کچیلے، میلے دامن میں تو عقیدت کے پھول بھی بھلے نہیں لگتے۔ یوں کر، آج اپنے تن کے ٹکڑے بنا، ان پر آنسوؤں کا عرق ڈال، صلی اللہ کا ورد کر اور پھر انہیں یہاں چوک میں، جہاں تو کھڑی ہے، بچھا دے۔“

ایسے یاور نصیب ہیں کہ آج در حضور ﷺ پر آ پہنچی، اس کی نگاہ سامنے گنبد خضرا پر گئی تو پھر پلٹ کر نہیں آئی۔ اسی پر قربان ہوگئی۔

کیا مانگنا تھا......؟ ہوش نہیں رہا...... اور جب عمر بھر بن مانگے ملا تو آج کیسے اظہار تشکر کیا جائے......!

اللہ اللہ! ایک تو اجالوں میں گندھی ہوئی مسجد، اس پر قمقموں اور فانوسوں کی بے تابیاں ...... بھکارن اپنی پلکوں سے سجدے کرتی باب نسواں سے مسجد میں داخل ہوئی۔ قطار اندر قطار ستون اور سجدہ ریز خلق...... اس سمت عورتیں ہی عورتیں ہیں۔ ملفوف عورتیں، نقاب پوش عورتیں، ضعیف و ناتواں، جواں اور بچیاں......

یہ تیرے حبیب ﷺ کا گھر ہے۔

پیاروں کے گھر بھی پیارے ہوتے ہیں۔

یہاں خلقت ہے، خلقت انکسار سے سجدہ ریز ہے۔

یہاں تو شہنشاہ بھی گدا بن کے آتے ہیں۔ رات پر صبح کا گمان ہوتا ہے۔

یہ مقام فہم وادراک کی ہر منزل سے اونچا ہوتا ہے۔

حاضری لگوانی ہے اور تن کا پنجرا تھر تھر کانپ رہا ہے۔

نافرمانیوں کی فہرست لمبی ہے۔

اے عظیم میزبان! آپ ﷺ کی میزبانی کے صدقے، دل کو تسلی سی کیوں ہے، شرمساری کے جلو میں آس کا دیا جل رہا ہے اور اضطراب کے پس پردہ سکون کی ہوا چل رہی ہے۔

دائیں ہاتھ کو منبر ہے اور ریاض الجنتہ...... قدم قدم پر فانوس سجدہ ریز ہیں۔ روشنیوں کی زمین پر سب چاند سورج ستارے دست بستہ کھڑے ہیں...... درمیان میں بے شمار ستون ہیں جن کے سلسلے سیدھے جنت سے جا ملتے ہیں۔ دن یا رات کی کسی گھڑی میں ایک پل کے لیے یہ جگہ خالی نہیں ہوتی۔ مستانے اور دیوانے یہاں دھونی رمائے رہتے ہیں، سر جھکائے رہتے ہیں۔ اللہ ہو کی بازگشت فضا کو گرمائے رکھتی ہے۔ یہی اصل سجدہ گاہ ہے، یہاں کا ایک سجدہ ہزاروں سجدوں پر بھاری ہوتا ہے۔

میں اسی ایک سجدے کی تڑپ لیے تین دن سے بکھری بکھری پھر رہی ہوں۔ کیونکہ اب عورتوں کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں ہے۔

یوں اپنے دل ناصبور کو تسلیاں دیتی ہیں۔ شب کے پچھلے پہر اندر آ گئی ہوں۔

میں نے اپنے آپ کو ایک تنکا بنایا ہے اور جذبات کی تیز آندھی کی زد پر اڑ کر اندر آ گئی ہوں۔

ستونوں کے قریب سفید پوشوں کا اب بھی ہجوم ہے۔

کسی اور ہی دنیا کا گمان ہو رہا ہے۔

خاموشی روشنی کی پھوار بنتی جا رہی ہے۔

اور رات کا سحر میری دھڑکن کے قریب آ کر ٹھہر گیا ہے۔ میرے خدا! میں نے اتنی خوبصورت اور مکمل رات کبھی اپنی زندگی میں بھی نہیں دیکھی۔ اس پر سے تو زندگی کے سارے دن نچھاور کر سکتی ہوں۔

ایک احساس دل کے قریب آ گیا ہے۔ ایک لہر سی جاگی ہے...... یہ کیسی لہر ہے جو آنسوؤں کی بوچھاڑ ساتھ لاتی ہے۔ کم تری کا احساس نظر نہیں اٹھانے دیتا۔

وہ سجدے جو دنیا کی لہو ولعب میں کھو جاتے ہیں، وہ یہاں آ کر مل جاتے ہیں۔ آج شب ان سجدوں کو سمیٹ لو...... آج شب پیشانی فرش پر رہنے دو۔ آج ان سجدوں کا قرض اتار دو...... آج بندگی کرو...... جس طرح بندے کو زیب دیتی ہے اور ان بچھڑے ہوئے سجدوں کو اپنی زندگی میں شامل کر لو......

میں نے ندامت سے تھرا کر سینے پر ہاتھ باندھ لیے تو دل کی آنکھ سے لہو پھوٹنے لگا، ٹھنڈی ہوا کا ایک معطر جھونکا آیا جو سیدھا عرق ندامت سے ٹکرایا۔

''آنسو......صرف آنسو......اور کوئی پانی نہیں...... دل کی کشید سے جو پانی نکلتا ہے، وہ پاپ کے داغ بھی دھوتا ہے۔''

نمازی نماز ادا کر کے باہر نکل گئے۔ کچھ تلاوت کلام پاک کر رہے ہیں۔ بعضوں کو حالِ دل زار سنانا ہے، پھر اندر جانا ہے۔ روضہ عالی پر سلام عرض کرنا ہے۔ سبز جالیوں کو چومنا ہے، اجالوں کی راہ گزر سے گزرنا ہے۔ جنت کی حویلی دیکھنا ہے

ایک گھونٹ پینا ہے۔

ایک گھونٹ پینا ہے۔

بھکارن اپنے نزار دل کو دونوں ہاتھوں سے تھامے کھڑی ہے۔ شوق اندر کو کھینچ رہا ہے...... بار عصیاں سے قدم لڑکھڑاتے جاتے ہیں۔ ہاتھ بے تاب ہیں۔ جالیوں کو چھونے کے لیے نگاہ فرش بننے کو مچل رہی ہے۔

جس طفل نے سارا سال ایک لفظ نہ پڑھا ہو، وہ کمرۂ امتحان میں جاتے ہوئے

ڈرتا ہے۔اگر نافرمانیوں کی فہرست طویل ہو تو مہربان آقا کے قدم کیسے چھوئیں؟

آنکھ موتی لٹا رہی ہے۔ دل بھی دھمکا رہا ہے کہ کیسے جائے گی؟ کیا منہ لے کے جائے گی......؟ کس مان پہ جائے گی......؟ یہ میلا کچیلا دل، یہ جھکی جھکی نگاہ، یہ داغ داغ پیشانی، چنری میں اتنے پیوند! اپنا برتن دیکھ کس قدر گندہ ہے۔ کیا اس میں دودھ ڈالے گی؟

شوق تسلی دیتا ہے۔

وہ ﷺ گنہ گاروں کے شافع ہیں۔ وہ ﷺ سیاہ کاروں کے حاذق ہیں، وہ ﷺ امت کے پاسبان ہیں۔ وہ ﷺ منبع جود وسخا ہیں۔ ان کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ وہ ہر آنے والے کے لیے شفاعت کی دعا کرتے ہیں ؎

چلو عاصیو! مغفرت ڈھونڈتی ہے

جہاز میں بیٹھتے ہی بھکارن نے چپ کی بکل اوڑھ لی۔ بھکارن کی یہ بری عادت ہے، جب جنون اور خرد میں جنگ ہو رہی ہو تو وہ چپ کی وادیوں میں دور تک نکل جاتی ہے۔ آج کا دن خوبصورت بھی تھا اور قیامت خیز بھی

آج مدینہ منورہ کو الوداع کہنا تھا۔

آنے والے کو تو جانا ہوتا ہے۔ اتنی لمبی زندگی اور اتنا کم پڑاؤ......

اس زمین سے جانے کا بڑا قلق ہے

خدا کے لیے کوئی بڑھ کر مجھے روک لو

اے مصفا مسطح ستونو! میرے گرد زنجیر بنا دو نا! اے نمازیو! تہجد گزاروں کی جاگتی ہوئی صفو! مجھے اپنے ؟؟ لپیٹ لو نا؟

اے چھت کے خوش نما گل بوٹو! مجھے اپنا ہم رنگ کر لو نا؟

سبز گنبد کے آس پاس چاند تارے کی طرح جگمگاتے فانوسو! میرا تن من پھونک دو نا؟

وہ دیکھو! وہ دل گرفتہ جا رہی ہے۔ اپنی جھولی کو زور سے پکڑے ہوئے۔ یہ تو خالی دامن لائی تھی، اب اس کی جھولی اتنی بوجھل کیوں ہے؟ دیکھو...... اس کی جھولی کا بھرم نہ کھولنا۔ ہر شخص کو اس کے ظرف کے مطابق خیرات ملتی ہے۔

پائلٹ نے خوش آمدید کہا ہے...... جہاز حرکت میں آ گیا ہے۔
الوداع اے نوری قبا میں ملبوس مینارو!
الوداع اے سبز پوش گنبد خضرا......
الوداع اے کشادہ ظرف دروازو......
الوداع اے مدینے کے خوش نصیب لوگو!
الوداع اے معطر ہواؤ، منور فضاؤ
چشم کرم سے دور اب ہم سے رہا نہ جائے گا۔

بشریٰ رحمٰن

یہ بارگاہ سرور دیں ہے سنبھل کے آ

کچھ روز مکہ معظّمہ میں قیام کرنے کے بعد ہم لوگ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ دل میں سچی لگن لیے اور زبان پر درود شریف کا ورد تھا۔ گاڑی میں بیٹھے سبھی افراد عقیدت سے خاموش تھے۔ ''بی بی جی ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے ہیں۔'' ریاض نے اپنی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''سبحان اللہ۔'' وہ سڑک کے دونوں طرف عمارات دیکھ کر بولیں...... میری بہن اور بہنوئی جو کہ پہلی مرتبہ آئے تھے، ان کا تجسس بڑھ رہا تھا...... پھر اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے......اور بے یقینی سے میں نے چاروں طرف دیکھا تو واقعی ہم مدینہ شریف میں داخل ہو چکے تھے۔

جی کرنے لگا کہ کاش ہم ان کے دور میں پیدا ہوئے ہوتے تو روز ان کی زیارت کرتے یا...... اور ان کی باتیں سنتے...... اپنے بچوں کو ملواتے۔ طرح طرح کی خواہشات دل سے اٹھ رہی تھیں...... چائے کی پیالی میرے ہاتھ میں ٹھنڈی ہو چکی تھی......اور میری سوچوں کا دائرہ بڑھتا ہی جا رہا تھا......

''اگر رسول کریم ﷺ سامنے آ جائیں تو......'' ایک دم سے میرا سارا وجود لرز گیا...... ٹھنڈے پسینے آنے شروع ہو گئے...... پھر نہ جانے آنکھوں کے گوشے کیوں بھیگنے لگے...... بچپنا ایک دم کود آیا اور جی مچلنے لگا...... کاش...... دیدار ہو جائے...... اس ضدی بچے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا:

''تو بہت ہی گناہ گار ہے...... اتنی بڑی بات...... کی تمنا کر بیٹھا ہے۔ پہلے اپنے اندر صلاحیت تو پیدا کر...... کاش خدا ہمیں بخش دے...... ہماری توبہ منظور کر لے...... میں سوچوں کے بھنور میں پھنسی، چاند کو چھونے کی کوشش کر رہی تھی...... چاند مسکرا

رہا تھا......اس کی روشنی سے سارا جگ منور تھا......؎‘‘

ہم دونوں آہستہ آہستہ چلنے لگیں...... جب ہم مسجد میں داخل ہوئیں تو لوگ نماز کے لیے نیت باندھ چکے تھے......

ہم پچھلی صفوں میں نماز کے لیے کھڑی ہوگئیں......نماز کے دوران نور کی بارش مسلسل جاری تھی اور اس انوار کی بارش سے ذرہ ذرہ منور ہو رہا تھا......

نماز ادا کرنے کے بعد میری ساس نے خواہش ظاہر کی کہ رسول کریم ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کی جائے...... میں ان کے ساتھ روضہ مبارک میں داخل ہوئی۔ لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ چاروناچار ایک ستون کے ساتھ ہمیں تھوڑی سی جگہ مل گئی اور ہم دونوں نے وہاں نفل پڑھنے کی نیت باندھ لی......

نفل ادا کرنے کے بعد میں نے پیچھے گھوم کر اپنی ساس کو دیکھا جو روضہ شریف کے قریب کھڑے ہو کر دعا مانگ رہی تھیں...... میں بھی دعا مانگنے لگی...... میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے......اور سوچ رہی تھی کہ یہ وہی روضہ مبارک ہے، جس کے لیے لوگ ترستے ہیں کہ کسی طرح وہاں پہنچ کر زیارت کی جائے......اور میں اپنی خوش نصیبی پر آنسو بہا رہی تھی......عجیب قسم کی کیفیت میرے دل میں موجزن تھی......

سچے جذبات کا تلاطم برپا تھا...... پورا وجود لرز سا رہا تھا اور بہت رونے کو جی چاہ رہا تھا......اشکوں کا طوفان کہیں سے اُمڈ آیا تھا۔

بلقیس ریاض
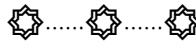
یہ بارگاہ رسالت ہے سوچ کر آنا
درود پڑھتے ہوئے اور بچشم تر آنا
تجھے میں خاک مدینہ سے مشکبار کروں
ہوائے گلشن ہستی ذرا اِدھر آنا

دیکھا ہے وہ عالم کہ فراموش نہ ہوگا

اب مدینہ منورہ کو روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کے لیے اور مسجد نبویؐ اور نمازوں کی تمنا کے لیے جائیے۔ مدینہ کی طرف سفر کے دوران درود وسلام کا ورد جاری رکھیے۔ مستحب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل، ورنہ وضوتو ضرور ہی کر لیجیے، خوشبو لگائیے اور دعا کیجیے کہ اے مولا! مجھے یہاں صدق اور صفا سے لا اور صدق وصفا کے ساتھ یہاں سے لے جا۔ اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے۔ یہ تیرے نبی ﷺ کا حرم ہے۔ اسے میرے لیے دوزخ سے بچنے، عذاب سے محفوظ رہنے اور حساب وکتاب کی سختی سے بچ نکلنے کا ذریعہ بنا اور روضہ اقدس کی زیارت کی نعمت سے چشم و دل روشن کر، علم دے، بخشش عطا کر اور میرے لیے بہترین دن اپنی ملاقات کا دن بنا۔ گنبد خضرا سامنے ہے، اب روضہ مبارک پر حاضر ہوں، سلام کرنے کی سعادت حاصل ہو گی۔ حضورؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کچھ صدقہ وخیرات کرتے جائیے۔ دعائیں مانگتے ہوئے باب جبرئیل سے مسجد نبویؐ میں داخل ہو جائیں۔ ریاض الجنتہ میں، جو منبر رسولؐ اور روضہ اقدس کی درمیانی جگہ ہے، دو رکعت پڑھیے۔ پہلی رکعت میں **قل یاایھا الکفرون** اور دوسری رکعت میں **قل ھو اللہ احد** پڑھیے۔

جس وقت مسجد نبویؐ میں داخل ہو رہے ہوں، اگر جماعت ہو رہی ہو تو زہے نصیب، اس میں شامل ہو جائیے۔ تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گا۔ نماز سے فارغ ہو کر روضہ مبارک پر حاضری دیجیے۔ سرہانے کے ستون سے دو چار قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو جائیے۔ روضہ اقدس کی طرف آپ کا منہ ہوگا اور پیٹھ قبلہ کی طرف ہوگی۔ اب سراپا عجز و انکساری بن کر اور دل سے ہر دوسری تمنا رخصت کر کے سلام عرض

کیجیے۔ **السلام و علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا حبیب اللہ، السلام و علیک یا رحمت للعالمین** اس کے بعد جس جس نے سلام پہنچانے کو کہا ہے، اس کا سلام پہنچایئے۔ حضور ﷺ سے شفاعت کی دعا مانگیے اور خلوص سے درود شریف پڑھیے۔ دائیں طرف ایک قدم بڑھیں تو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا مزار ہے۔ یہاں بھی سلام عرض کیجیے۔ پھر ایک قدم مزید آگے بڑھیے۔ یہاں سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ کا مدفن ہے۔ سلام عرض کیجیے۔ یہاں سے بائیں جانب اتنا ہٹیے کہ آپ دونوں حضرات کے مزاروں کے درمیان آ جائیں۔ یہاں دونوں پر ایک ساتھ سلام بھیجیے۔ کسی نے سلام پہنچانے کو کہا ہے تو اس کا سلام پہنچایئے۔ اس کے بعد پھر حضورؐ کے مزار پر آئیں اور خلوص دل سے درود پڑھیں اور دعائیں کریں۔ یہاں سے فارغ ہو کر ستون ابولبابہؓ کے پاس دو رکعت نماز پڑھیں۔ یہ توبہ کا مقام ہے۔ پھر منبر رسولؐ کے پاس آ کر دعا مانگیے۔ پھر ستون حنانہ پر دعا مانگیے۔ اس کے بعد مسجد نبوی کے باقی پانچ ستونوں کے پاس کھڑے ہو کر دعائیں مانگیے۔ جب بھی موقعہ ملے، ان کے پاس سنتیں اور نفلیں پڑھیے۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز کا ثواب ہزاروں نمازوں سے زیادہ ہے۔ حضرت انسؓ کا کہنا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں ادا کرے تو اس کے لیے دوزخ اور نفاق سے نجات لکھ دی جائے گی۔

یاد رکھیے کہ کوئی باجماعت نماز چھوٹنے نہ پائے، ورنہ یہ بڑی بدنصیبی کی بات ہوگی۔ ہر نماز کے بعد حاضری کا موقعہ ہے۔ مزار اقدس پر سلام اور درود پڑھیے۔ مدینہ منورہ کا قبرستان، جسے جنت البقیع کہتے ہیں، مبارک جگہ ہے۔ یہاں امہات المومنین، حضورؐ کی صاحبزادیاں، حضرت عثمانؓ، حضرت عباسؓ، بڑے بڑے صحابہ کرام، اولیا اور عظیم ہستیاں مدفون ہیں۔ جمعہ کے روز حاضری باعث سعادت ہے۔ دامن احد میں شہدائے احد کے مزارات ہیں۔ وہاں حاضری کی سعادت بھی حاصل کیجیے۔ جب واپسی کا وقت آئے تو محراب رسولؐ میں دو رکعت نماز پڑھ کر سلام رخصت عرض کر کے

واپسی کیجیے۔ گھر پہنچ کر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بانصیب اور بامراد لوٹایا۔

گزرے ہیں وہ لمحے کہ سدا یاد رہیں گے
دیکھا ہے وہ عالم کے فراموش نہ ہو گا

شاہ بلیغ الدین
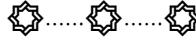
جلوہ ہائے جمال

جس وقت ہم بابِ صدیق کی جانب جا رہے تھے، اس وقت بڑی خنکی آمیز ہوا چل رہی تھی جس سے نکہتِ نور آنکھوں کو تازگی بخش رہی تھی مگر اندر کی کیفیت یہ تھی کہ تبِ شوق تیز تر ہو کر دل و جاں کو پگھلا رہی تھی۔ جوں جوں ہم دربارِ مصطفیٰ ﷺ کے قریب ہوتے جا رہے تھے مجھے اپنی ادبی کم مائیگی کا احساس شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں عقیدت و ارادت کی طشتری میں الفاظ کے جو نگینے آقا ﷺ کے حضور پیش کرنا چاہتا تھا، وہ ایک ایک کر کے ذہن سے نکلتے جا رہے تھے۔ ہم بابِ صدیق سے داخل ہو کر سیدھے ریاض الجنۃ پہنچ گئے۔ ریاض الجنۃ کی پہچان یہ ہے کہ باقی تمام مسجد نبویؐ میں سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا ہے مگر بخشش و مغفرت کے اس مخصوص خطے پر سبز رنگ کا قالین بچھا ہے اور اس کے بارڈر پر سفید رنگ کی دھاری دار لکیریں لگی ہوئی ہیں۔ اگرچہ ساری مسجد نبویؐ فیوض و برکات سے مالا مال ہے مگر ریاض الجنۃ کے ممیّز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد کا ایک حصّہ عظمت و شان میں اتنا بلند ہے کہ اگر تمھیں اس حصے کا پتا چل جائے تو تم اس میں نوافل ادا کرنے کے لیے دُنیا و مافیہا کو بھول جاؤ۔ حضور ﷺ کے وصال تک صحابہؓ کو جستجو رہی کہ وہ جگہ کون سی ہو سکتی ہے چنانچہ بعد میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اس حصے کی نشاندہی کی۔ اس وقت سے لے کر آج تک اس کی تخصیص کر دی گئی ہے۔ محرابِ مقدس پر بھی سنہری حروف میں یہ عبارت درج ہے۔ یعنی ''میرے گھر اور منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے''۔

ہم نے ریاض الجنۃ کے تمام حصوں میں نوافل ادا کیے حتیٰ کہ نوافل پڑھتے ہوئے مجھ ایسا غریق بحرِ عصیاں انسان آقائے نامدار فخرِ موجودات نبی رحمت ﷺ کے

محراب کے قریب جا پہنچا۔ وہاں پہلے برادرم اللہ دتا نے نوافل ادا کیے پھر انھوں نے میرا بازو پکڑ کر مجھے آگے کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد حضور ﷺ کے اس خطا کار غلام کی پیشانی ٹھیک سرکار ﷺ کے قدموں میں تھی۔ اللہ اللہ میں نے سر سجدے میں رکھا تو آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اے تفاخر! تمھیں وہ سعادت نصیب ہو رہی ہے جس پر اوجِ ارض وسما قربان کیا جا سکتا ہے۔ یہ عظیم سعادت حاصل کرنے کے بعد آقا ﷺ کے منبر کے قریب دو رکعت نوافل ادا کیے۔ جی بھر کر نوافل ادا کرنے کے بعد بائیں ہاتھ مڑ کر تقریباً دس قدم کے فاصلے پر پہنچا تو سامنے وجہِ نمودِ کائنات، سامنے وجہ تسکینِ کائنات، سامنے وجہِ تخلیقِ کائنات، مرکزِ انوار و تجلیات آقائے نامدار حضور سیدِ دو عالم ﷺ کا روضہ اطہر تھا جس میں دولت ربّ کائنات اپنے دو عزیز رفقا کے ساتھ محوِ استراحت تھی۔ میں آقا ﷺ کی آرام گاہ کے عین سامنے والے دائرے کے قریب کھڑا ہو گیا جس پر محمد رسول اللہ ﷺ درج ہے۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ یہی وہ قیمتی لمحے ہوتے ہیں جب بندگانِ ذوق و شوق دن بھر عقل و خرد کی گتھیاں سلجھانے کے بعد رات کو جہانِ شوق کے پروردگار کی بارگاہِ عظمت مدام میں حاضر ہوتے ہیں اور محبت کی منازل طے کرتے ہیں ؎

محبت از نگاہش پائدار است
سلوکش عشق و مستی را عیار است
مقامش عبدہٗ آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

ترجمہ: ''حضور ﷺ کی نگاہ سے محبت کو پائیداری ملی ہے جس پر آپ ﷺ نے چلنے کے لیے کہا، وہی عشق و مستی کا معیار ٹھہرا۔ ان کا مرتبہ اگرچہ عبدہٗ ہے لیکن آپ ﷺ عشق کے جہان کے پروردگار ہیں''۔

فرطِ جذباتِ محبت سے میری آنکھوں سے اشکوں کی برسات شروع ہو گئی۔ آنسوؤں میں اتنی روانی تھی کہ میری قمیض کا اگلا حصہ بھیگ گیا۔ میں بے خودی کے عالم میں نیچے گرنے ہی والا تھا کہ چودھری اللہ دتا نے مجھے بازوؤں میں تھام لیا اور کہنے لگے:

ہوش کرو، اس وقت بارگاہِ نبوت میں کھڑے ہو۔ یہی تو وہ عرشِ اعظم سے نازک تر مقام ہے جہاں حاضر ہوتے وقت جنیدؒ و بایزیدؒ کی پنڈلیاں کانپنے لگتی تھیں۔ میں نے چودھری اللہ دتا سے ہولے سے عرض کیا: خدا کے لیے مجھے تھوڑی دیر کے لیے اسی عالمِ وجد میں رہنے دو۔ مجھے اپنے اشکوں کی برسات میں عکسِ رخِ حبیب کبریا ﷺ نظر آ رہا تھا ۔

بے خود کھڑا ہوں روضہ اطہر کے سامنے
ذرہ ہے آفتاب منور کے سامنے

میں نے نیاز و ناز کے اس حسین منظر میں محو ہو کر الفاظ و معانی سے ناتا جوڑتے ہوئے سلام عرض کیا۔

اے دانائے سُبل !.................

اے ختم رُسل ....

اے مظہرِ جلال و جمالِ کبریا! اے صاحبِ لوح وقلم ....

اے نازشِ اقوام و مِلل ....

اے ذرۂ ریگ کو طلوع آفتاب دینے والے.................

اے شوکتِ سنجر و سلیم کو اپنے جلال کی خیرات عطا کرنے والے.................

اے فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ کو اپنے جمال کی تابانی عطا کرنے والے.................

اے عرب کے بدوؤں کو سلاطینِ وقت کی حشمت عطا کرنے والے...........

اے بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ کو جواہرات کا امین بنانے والے.................

اے خون کے پیاسوں کو عبائیں اور قبائیں مرحمت فرمانے والے.................

اے صنم کدۂ جہاں کو توحید ربانی کا مسکن بنا دینے والے.................

اے خزاں رسیدہ چمنِ دہر کو فصلِ گل ولالہ میں دائمی طور پر تبدیل کر دینے والے......

اے نانِ جویں سے شکم پروری کرنے والوں کو لولوئے لالہ کے خزینے بخشنے والے......

اے ابوبکر کو دولتِ فقر، عمر کو شکوہِ جلالت و سطوت، عثمان کو حیاو استغنا، علی المرتضٰی کو خزینہ شہامت و شجاعت سے بہرہ یاب کرنے والے.................

اے بندگانِ قنوطیت کو اپنے تبسم کی خیرات سے مالا مال کرنے والے............

اے چشمِ حیدرِ کرّار کو لعابِ دہن سے صحت یابی عطا کرنے والے............

اے آستین میں خنجر چھپا کر رکھنے والوں کو دولتِ عفو و کرم سے نوازنے والے......

اے وحشیوں کو سلیقہ زندگی سے آشنا کرنے والے..................

اے چاروں خلفا کو رشتوں کی صورت میں اپنے دامنِ محبت سے وابستگی کا شرف بخشنے والے..................

اے بے مایہ انسانوں کے سامنے دستِ طلب دراز کرنے والوں کو عزت و حمیت کی دولت عطا کرنے والے..................

اے خاک نشینانِ صحرا کو شکوہِ دارا و سکندری مرحمت فرمانے والے............

اے مخدراتِ عالمِ انسانیت کو زیورِ عفت اور برہنہ سروں کو ثروتِ حیات عطا کرنے والے..................

اے اقلیمِ فراست و تدبر کو شعورِ زیست بخشنے والے..................

اے اپنے زعم میں ناخدایانِ بحر و بر بن جانے والوں کو پروردگارِ عالم کے جلال و کبریائی سے آشنا کرنے والے..................

اے بحرِ مصائب و آلام میں غوطہ زنی کرنے والے افتادگان کو ساحلِ تسکین عطا کرنے والے..................

اے بتانِ رنگ و نسل و عصبیت کو جلالِ حق کی ہیبت سے توڑ کر اس کی دھجیاں فضائے بسیط میں بکھیر دینے والے..................

اے فدایانِ توحید و نبوت کو وقوعِ قیامت پر قربِ خداوندی کی نویدِ جانفزا سے سرفراز کرنے والے..................

اے سرفرازانِ جہاں کی اکڑی ہوئی گردنوں کو درِ خلاقِ دو جہاں پر خم کر دینے والے......

اے معوذؓ، معاذؓ اور صہیبؓ کو تب و تابِ، جاودانہ بنا دینے والے..................

اے خود پرستوں کو خدا پرستی، نفس پرستوں کو وفا پرستی، بدطینتوں کو حیا پرستی کے بیش قیمت تحائف بخش دینے والے..................

اے شتر بانوں کو سلیقۂ سلطانیِ عالم عطا کرنے والے..................

اے شبِ معراج کہکشاں کو اپنے قدموں کی دھول کا نذرانہ بخشنے والے......

اے غارِ حرا اور غارِ ثور کی رفعتوں کو اوجِ کمال کا تحفہ دینے والے..................

اے توحید کا قلادۂ غلامی پہننے والوں کو پیمانہ کوثر و تسنیم عطا کر کے فرحت و انبساط سے سرشار کر دینے والے..................

اے مدینہ کی مٹی کو خاکِ شفا میں تبدیل کر دینے والے!

جس خاطی و عاصی کو تو نے عالمِ رویائ میں اپنی زیارت کے شرف سے مشرف کیا، آج اسی بے مایہ غلام کا سلامِ عاجزانہ قبول فرما۔ آپ ﷺ کا اسمِ گرامی ہی وجہ سکونِ عالمِ انسانیت ہے۔ خیمہ افلاک آپ ﷺ کے نام نامی کی برکت سے ایستادہ ہے، نبضِ ہستی آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی دلرُ باحرارت سے آمادۂ خرام ہے۔ کائناتِ آب و گل کی تمام تر رعنائیاں آپ ﷺ کے وجودِ مسعود سے قائم ہیں۔ آپ ﷺ کے وجودِ مقدس سے زمین کا جتنا حصہ مَس ہو رہا ہے، وہ حصّہ محدثین و مفسرین کے نزدیک بالا تفاق عرشِ اعظم کی رفعتوں سے بھی بلند تر ہے۔ تمام انبیا و رُسل میں آپ ﷺ کی منفرد شان یہ ہے کہ بقول ابوالکلام آزاد، قرآن میں خالقِ کائنات نے دیگر انبیا کو نام لے کر مخاطب کیا ہے مثلاً یا آدمُ، یا نوحُ، یا موسیٰ، مگر آپ ﷺ کو مخاطب کرتے وقت آپ ﷺ کے اسمِ گرامی سے نہیں پکارا گیا بلکہ "**یایھا النبی**" کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہے کہ دیگر انبیا مخصوص و محدود علاقوں میں تعینات ہوتے رہے اور پھر ان کے صحائف ان کی قوموں کی تخریبی سوچ کی وجہ سے رطب و یابس کا مجموعہ بن گئے۔ مگر حضور ﷺ کی تشریف آوری کا وقت آیا تو خالقِ ارض و سما نے اعلان فرما دیا کہ محبوب! اب خطے اور علاقے کی بات نہیں۔ اگر میں رب العالمین ہوں تو تم رحمۃ للعالمین ہو، گویا کائنات کا ہر خطہ حضور ختمی مرتبت کی شانِ رحمت سے فیض یاب ہو رہا ہے۔

فصحائے عرب وعجم آپ ﷺ کے روضہ اطہر کی تجلیوں سے الفاظ کی خیرات لے کر اپنے خیالات کی ڈالی پہ سجا کر فنِ خطابت میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ شعرائے زمانہ اپنے کلام میں بانکپن پیدا کرنے کے لیے دولتِ تصور روضہ اقدس کی جالیوں سے کشید کرتے ہیں۔ اقلیمِ حسن و عشق ہر لحظہ آپ ﷺ کے مرقدِ پُر انوار کا طواف کرتی ہے۔ انگارۂ خاکی یہیں سے یقین کا اثاثہ حاصل کر کے بال و پر رُوح الامین پیدا کرتا ہے۔ قلبِ انسانی میں ایمان وایقان کا چراغ آپ ﷺ کے رخِ انور سے روشن ہے۔ آرام گاہ نبوت ہی ناموسِ ماوطین ہے۔ گلِ لالہ و چنبیلی ونسترن حضور ﷺ کے پسینہ اطہر سے خوشبو کا خزینہ لے کر انسانی مشامِ قلب و جاں کو تقسیم کرتے ہیں۔ سیارگانِ فلک کا تاجدار آفتاب طلوع ہوتے وقت آپ ﷺ کے رخِ انور کے جمالِ جہاں آرا سے تابانیت حاصل کرتا ہے اور رات کو کراتِ فلکی رخسارِ نبوت ﷺ کی تابش سے سب کو مطلعِ انوار بناتے ہیں ؎

وہ گلشنِ جنت کی تمنا نہ کرے گا
جس نے ترے روضے کا سماں دیکھ لیا ہے

روایت ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کے روضہ اطہر کے اندر انوار و تجلیات کا جو نزول و کیفیت ہے، اس کے اظہار کے لیے قرطاس و قلم سکت نہیں رکھتے۔ وہاں حاضری دیتے وقت بڑی بڑی سطوت و وجاہت والی شخصیات لرزہ براندام ہو جاتی ہیں۔ کہتے ہیں والیِ اردن جب گنبدِ خضرا کی زیارت کے لیے آئے تو شاہ سعود کی خصوصی ہدایت پر بابِ آرام گاہِ نبوت کھولا گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی جمالِ مصطفوی کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔ میں دیر تک بالکل خاموش جامد و ساکت کھڑا، نذرانہ وجدان پیش کرتا رہا۔ یہاں حکماً خاموش رہنا پڑتا ہے۔ چونکہ علما و صلحا کے ایک معتدبہ حصے کے مطابق آقائے نامدار اپنے روضہ اطہر کے اندر رُوح مع الجسد زندہ وجاوید ہیں۔ اس لیے وہاں اونچی آواز نکالنا سُو ادب ہے اور حبطِ اعمال کا باعث ہے۔............

بعض لوگ مکۃ المکرّمہ اور مدینہ میں فضائل کا تقابل شروع کر دیتے ہیں۔ میری نظر میں ان کا راہوارِ تفکر و تدبر صراطِ مستقیم سے پھسلتا نظر آتا ہے۔ اگر وہاں کعبۃ اللہ

ہے تو یہاں مسجد نبویؐ موجود ہے۔ اگر وہ شہر مؤلد النبی ﷺ ہے تو یہ آرام گاہِ نبوت ہے۔
اگر وہاں خطہ رحمت، حطیم ہے تو یہاں محرابِ رسول ﷺ ہے۔ اگر وہاں مقامِ ابراہیم ہے
تو یہاں چبوترہ اصحابِ صفہ ہے۔ اگر وہاں قبولیت کی جگہ ملتزم ہے تو یہاں ریاض الجنہ
ہے۔ اگر وہاں جنت المعلیٰ ہے تو یہاں جنت البقیع ہے۔ اگر وہاں زم زم کا تبرک ہے تو
یہاں عجوہ کھجور کا تحفہ ہے۔ اگر بیت اللہ کو حرم ہونے کا شرف حاصل ہے تو آقا ﷺ کی تمنا
پر مسجد نبویؐ کو بھی حرم ہونے کا شرف بخشا گیا۔ اگر وہاں حضور ﷺ کے اندازِ تدبر کا نشان
کوہِ حرا موجود ہے تو یہاں حضور ﷺ کے ساتھ محبت کی نشانی جبلِ احد موجود ہے۔ اگر
وہاں غلافِ کعبہ سے فیوض و برکات کی بارش ہوتی نظر آتی ہے تو یہاں سبز گنبد کی جالیاں جلوہ
ہائے جمال کی فراوانیاں عطا کرتی ہیں۔ اگر وہاں بوسہ گاہِ نبوت حجر اسود ہے تو یہاں مظہرِ
عقیدت مصطفیٰ ﷺ حنانہ موجود ہے۔ اگر وہاں مسجدِ عائشہ ہے تو یہاں مسجدِ قبا ہے۔ اگر بیت
اللہ شریف بوسہ گاہِ زاہداں ہے تو روضہ رسول ﷺ مقام جلوہ گاہِ عاشقاں ہے۔

اگر مکہ مدفنِ اُمِ فاطمۃ الزہرا ہے تو مدینہ مدفنِ پدرِ فاطمۃ الزہرا ہے۔ اگر بیت
اللہ شریف کی دیواروں سے سطوت و حشمت برستی ہے تو روضہ محبوبِ خدا سے شمیمِ شفقت و
محبت عطا ہوتی ہے۔ اگر حدودِ کعبہ سے نالہ وشیون اور زاری و بُکا کا ظہور ہوتا ہے تو یہاں
ادب گاہیست زیرِ آسمان کا اظہار ہوتا ہے۔ وہاں احرام کی صورت میں نمونہ کفن لیے اللہ کی
بارگاہ میں حاضر ہونا پڑتا ہے تو یہاں نفیس تر لباس میں حاضری زندگی بخش طمانیت عطا
کرتی ہے۔ وہاں آنکھوں کی نمناکی کے ساتھ چیخ پکار پر کوئی قدغن نہیں، یہاں چشمِ تر کے
ساتھ خاموشی کی انتہا اور احترام کی بغایت ہونا ضروری ہے۔ اگر وہاں خطا کاروں پر
رحمت کا ابرِ باراں برستا ہے تو یہاں فدا کارانِ نبوت کو شفاعتِ کبریٰ کی نوید عطا ہوتی
ہے۔ وہاں نشترِ جلالِ خداوندی سے فرازانِ جہاں کی گرنیں کٹتی ہیں تو یہاں تیغِ محبت سے
ہیروں کے جگر چاک ہوتے ہیں۔ وہاں سعیِ صفا و مروہ قرینہ زہد و اتقا عطا کرتی ہے تو
یہاں حاضریِ گنبدِ خضرا خزینہ مہر و وفا بخشتی ہے۔ وہاں ملائکۃ المقربین توصیف و ثنائے
خداوندی کرتے حاضر ہوتے ہیں، یہاں وہی ملائکہ درود و سلام کا نذرانہ لیے پیشِ

مصطفیٰ ﷺ ہوتے ہیں۔ وہاں ساری دُنیا اللہ کی حمد و ثنا کے لیے حاضر ہوتی ہے، یہاں خود اللہ رب العزت حضور ﷺ کی مدح و توصیف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ وہاں عقل و خرد اپنے چاک گریباں کی دھجیاں لیے حاضر ہوتی ہے، یہاں اقلیمِ عشق و نیاز و ناز کا نذرانہ لیے ناصیہ فرسائی کرتی نظر آتی ہے۔

وہاں قدم چلتے اور آنکھیں روتی نظر آتی ہیں۔ یہاں قدم رکتے اور دل دھڑکتے نظر آتے ہیں۔ وہاں انشا پردازوں کی رفعتِ افکار لغزیدہ خرامی کا شکار ہوتی ہے، یہاں فضلائے فن کو حریمِ الفاظ و معانی کا خزینہ عطا ہوتا ہے۔ وہاں خریدارانِ رحمتِ خدا کا انبوہِ کثیر حاضر ہوتا ہے، یہاں خریدار خود آ کر بکتے نظر آتے ہیں۔ وہاں کثرتِ سجود سے جبینیں نکھرتی معلوم ہوتی ہیں، یہاں جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے رخسار نیر و تاباں نظر آتے ہیں۔ وہاں آفتاب لرزتا ہوا طلوع و غرب ہوتا ہے، یہاں صبح و شام عقیدتاً جھکتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہاں حمدِ ربّ کائنات سے کرۂ ارض آسمان کی جانب محوِ پرواز نظر آتا ہے، یہاں ثنائے رسول ﷺ کرنے سے سیارگانِ فلک زمین کی جانب جھکتے چلے آتے ہیں۔ وہاں غریقانِ بحرِ وحدت کو لولوئے لالہ عطا ہوتے ہیں، یہاں روضے کی جالیاں سوز و سازِ رومیؒ اور پیچ و تابِ رازیؒ عطا کرتی ہیں۔ وہاں شہر یارِ فقر و استغنا کو شکوہِ خسروی عطا ہوتا ہے، یہاں شکوہِ خسروی ضوابطِ عقیدت و محبت کا اسیر دکھائی دیتا ہے۔ وہاں دائرہ عبودیت کو ارتفاع ملتا ہے، یہاں خوئے دل نوازی دوبالا ہوتی نظر آتی ہے۔ وہ ارضِ نزولِ قرآن ہے تو یہ ارضِ صاحبِ قرآن ہے۔

تفاخر محمود گوندل

فرشتے بزمِ رسالت ﷺ میں لے گئے مجھ کو

سہ پہر ہو چکی تھی۔ نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر ہم والد صاحب کی راہنمائی میں مسجد نبویؐ کی جانب روانہ ہوئے۔ عصر کا وقت تھا۔ کُل بازار اس طرح بند تھے جیسے ہڑتال کا سماں ہو۔ سب لوگ جوق در جوق ادائیگی نماز کے لیے اپنے نبی ﷺ کی مسجد کی جانب روانہ تھے...... والد صاحب نے کہا: ہم باب جبریلؑ سے داخل ہوں گے کہ اس کی فضیلت ہے۔ تقریباً دس منٹ کی واک کے بعد ہم مسجد نبویؐ کے عین سامنے تھے۔ لب پر درود کا نغمہ تھا اور آنکھیں گریہ کناں تھیں۔ ایک طرف گناہوں کی سیاہیاں پھیل کر کالی گھٹائیں بن چکی تھیں، دوسری جانب اپنی خوش بختی کا احساس سنبھالے نہیں سنبھلتا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی یہ کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے؟

میں حسن ہوں کہ عشق، سراپا گداز ہوں
کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں

مسجد کا شکوہ تھا کہ آنکھوں کو مرعوب کر رہا تھا، مگر دل کی نگاہ چونکہ مرغوب منظر کی متلاشی تھی، اس لیے دھیان ٹوٹنے کی بدولت سکتے کے صدمے سے حفاظت ہو رہی تھی۔ بہر نوع باب عبدالعزیز سے مسجد شریف میں داخل ہوئے اور بائیں طرف مڑ کر جب دائیں جانب مڑے تو تقریباً سو گز کے فاصلے پر منفرد گہرے سبز رنگ کا گنبد زمینی و آسمانی عظمت کی باوقار شہادت بنا موجود تھا۔ پھر وجود جیسے لطیف تر ہو گئے اور دونوں بیٹوں کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ تھامے کشاں کشاں باب البقیع کی طرف بڑھنے لگے۔ باہر جوتے اتارے اور سر جھکائے نہایت ادب کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ بائیں طرف قدمین شریف، ذرا آگے دائیں طرف صفۂ اصحاب اور اس کے بالکل سامنے روضۂ رسول ﷺ۔

تھوڑا آگے بائیں جانب ریاض الجنۃ۔ ہزارہا نفوس موجود مگر سب کے انفاس گم۔ سرگوشیوں کا بھی کسی کو ہوش نہ تھا۔ اس خاموشی میں خوف نہیں، احترام تھا۔ مقام بھی تو دیکھیں کون سا ہے۔

روشنیاں اور رنگ، جمال اور آرائش کے جملہ زاویے اپنے انگ انگ سے بتا رہے تھے کہ حسن کی انتہا کیا ہوتی ہے۔ اس عطر بیز اور پرنور فضا میں پہنچتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے کائنات کی سب سے شفیق آغوش میں سر رکھ دیا ہو۔ صدیوں کے مجاہدے پر اس ایک ساعت کا مشاہدہ حاوی دکھائی دے رہا تھا۔ نظروں کو دفعتاً پیاس کا نہیں، استسقاء کا عارضہ لاحق ہوگیا، جی چاہتا تھا ایک ہی آن میں اس سارے دلکشا منظرنامے کو آنکھیں پی جائیں! اور آنکھوں نے کسی سے مشورہ یا اجازت طلب بھی نہیں کی، اپنا کام شروع کر دیا، مگر دوسری نگاہ پہلی سے زیادہ پیاسی ثابت ہوئی اور تیسری اس سے زیادہ، چوتھی اس سے زیادہ ؎

نگاہ ہر سو رود، چو شبنم، ز شرم می باید آب گرود
اگر بداند کہ بے محابا، بجلوہ گاہِ کہ می خرامد

(بیدلؔ)

(یہ جو تیری نگاہ ہر طرف بے لگام پھر رہی ہے، اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ کس کے جلوہ گاہ میں بے ادب خرام کر رہی ہے تو شبنم کی طرح مارے شرم کے پانی پانی ہو جائے۔)

یہ گراف مسلسل اوپر جا رہا تھا...... اتنے میں عصر کی اذان شروع ہوگئی۔ دم بخود وہیں ٹھہر گئے۔ اذانِ عصر کا دلربا نغمہ کانوں میں رس گھولتا رہا اور دل کو دھیرے دھیرے قرار سا ملتا رہا۔ تھوڑے وقفے کے بعد تکبیر کی نہایت ملائم گنگناہٹ نے سماعت کو فیضیاب کیا، ساتھ ہی سب زائرین قبلہ رو ہو گئے۔ اب ہم ریاض الجنۃ سے محض چند قدم پیچھے تھے، بائیں طرف روضۂ رسولؐ تھا۔ یہ مسجد نبویؐ میں پہلی اور روبہ پہلی نماز کی سعادت حاصل ہو رہی تھی۔ کیسی روح افزا نماز تھی۔ سرور سے معمور ایوانِ نبوت، نماز کے ذائقے کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے، وہ بھی کب بتا سکتے ہیں جنہیں یہ انعام ملا ہے، یہ کہنے سننے کی چیز نہیں،

بس محسوس کرنے کی شے ہے۔ ہاں دوستو! ایک فرق ہے بڑا واضح فرق...... کعبۃ اللہ کے مبارک ماحول اور مسجد نبویؐ کی معطر فضا میں...... وہاں جلال کا رنگ نمایاں ہے، یہاں جمال کا غلبہ ہے۔...........

فریضہ نماز سے فارغ ہوئے تو کانپتے قدموں سے ریاض الجنۃ میں ایستادہ سطوانوں (ستونوں) اور منبر رسولؐ کے قریب سے ہوتے ہوئے بائیں جانب مڑے چند قدم چلے، اب مواجہہ شریف کے عین سامنے تھے۔ اب سمجھ آئی وہ جو چند گھڑیوں کا قرار تھا، فی الاصل وہ پیش خیمہ تھا اک قلزم اضطراب کا۔ سنہری جالی کے مرکزی چاند کے بالکل سامنے یہ عاجز ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ جذبۂ شوق پلکوں کی چلمن کو پرے ہٹنے پر مجبور کرتا تھا تو اس مقام کی تقدیس آنکھوں کو دید کی جرأت سے تہی کر رہی تھی، حالت یہ تھی ؎

حوصلہ پلکیں تک اٹھنے کا نہیں پھر بھی مجھے
ٹکٹکی باندھے وہی چہرہ برابر دیکھنا

یہ دیکھنا کیا تھا، دیکھنے کی اک کوشش تھی، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ آنکھوں کے آبگینے عشق کی تندیٔ صہبا سے پگھلے جا رہے تھے۔ بارشوں میں بھیگتے شیشوں کے بیچ سے نظر راستہ تلاش کرتی تو سامنے جالیوں کے روزنوں میں الجھ جاتی، جالی کے پار ایک سرخ جھلمل تھی اور یہ خواب نہیں تھا، حقیقت تھی کہ کائنات کی عظیم ترین ہستی سامنے موجود تھی، کتنی دور محض چند گز کے فاصلے پر۔ آپ ﷺ کا تصور آتے ہی قلب و نظر اک نئی چھل کی نذر ہو گئے۔ سیلاب میں ہچکولے کھانے کے باوجود اک آرزو نے من میں سرگوشی کی، کاش اس وقت حضور ﷺ سامنے موجود ہوتے......! بند آنکھوں میں قید ساگر کے بیچ میں سے سوال کا ٹاپُھر ابھرا، دیدار کی طلب تو ہے، کیا دیدار کی تاب بھی ہے تم میں؟ او میاں! ؎

رخِ خیرالبشرؐ تو پھر رخِ خیرالبشرؐ ہے!!
ان آنکھوں سے درِ خیرالبشرؐ دیکھا نہیں جاتا

دل کو سنبھالا، دعاؤں کی کتاب کھولی اور خیرالانامؐ کے حضور سلام کا نذرانہ پیش کیا:

''اے نبی ﷺ! شریف سردار، مشفق و مہربان، عظمت والے رسولؐ آپؐ پر

سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں آپؐ پر نازل ہوں۔ اے ہمارے آقاؐ! ہمارے نبیؐ ہمارے حبیبؐ اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اللہ کے رسولؐ آپؐ پر درود و سلام ہو، اے اللہ کے نبیؐ آپؐ پر درود و سلام ہو۔ اے اللہ کے حبیبؐ آپؐ پر درود و سلام ہو۔ اے اللہ کے ملک کی زینت آپؐ پر درود و سلام ہو۔ اے اللہ کے عرش کے نور آپؐ پر درود و سلام ہو۔ اے اللہ کے ہاں گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے آپؐ پر درود و سلام ہو۔ اے مقدس ہستی کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، آپؐ پر درود و سلام ہو اور آپؐ ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ گنہگار جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور پھر وہ آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے معافی چاہیں اور پیغمبرؐ بھی ان کے لیے معافی چاہیں تو اللہ کو بڑا توبہ قبول کرنے والا پائیں گے۔ آپؐ پر درود و سلام ہو۔ اے طٰہٰ، اے یٰسین، اے انبیاء و مرسلین کے گروہ کے سالار آپؐ پر درود و سلام ہو اور اے میرے سردار میں آپؐ کے پاس اپنے گناہوں سے بھاگ آیا ہوں۔ اے امت کے شفیع اور اے غموں کو مٹانے والے اور اے اندھیروں کو دور کرنے والے اور اے اللہ! مجھے حضور ﷺ کے وسیلے سے آگ سے نجات دے۔ اے نبیؐ رحمت اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپؐ کے پاس زیارت کے لیے حاضر ہیں اور ہم نے آپ کی طرف رضا و رغبت کے ساتھ قصد کیا، آپؐ ہمیں اپنے دروازے سے ناکام نہ لوٹائیں اور نہ ہی اپنی شفاعت سے محروم فرمائیں۔ اے اللہ کے رسولؐ آپؐ پر درود و سلام ہو اور اے میرے سردار اے اللہ کے رسولؐ میں آپؐ سے شفاعت کا خواستگار ہوں اور آپؐ کے لیے اللہ سے وسیلہ، بزرگی، بلند درجہ، مقام محمود اور حوض کوثر کا سوال کرتا ہوں جو جنتیوں کے اترنے کی جگہ ہے اور آپؐ سے قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کا بھی سوال کرتا ہوں۔

پروفیسر جمیل احمد عدیل

قدموں کے نشاں ڈھونڈتے پھرتے ہیں ستارے

جب میں پہلی بار روضہ نبوی ﷺ پر حاضر ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں اور ایسی کیفیت طاری ہو گئی ہے جسے میں لفظ ''کپکپی'' سے پوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔ جیسے جیسے میرے قدم آگے بڑھے اور یہ کیفیت مزید طاری ہوئی تو یوں لگا جیسے ذہن روشن ہو گیا ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ چودہ سو سال کی زندہ تاریخ میرے سر پر بیٹھی ہے اور اس تاریخ کا آفتاب اپنی روشنی اور حرارت سے اسے منور کر رہا ہے۔ وہ روشنی جو اس لمحے ذہن کے دریچوں سے باطن کے نہاں خانوں میں پہنچی، وہ تخلیقی عمل کا مستقل حصہ بن گئی۔ میں نے اس کے بعد جو کچھ لکھا اور جو کچھ لکھ رہا ہوں، وہ اسی روشنی کا کرشمہ ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی

کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ

ہماری یہ مشتاق نگاہیں مسجد نبوی ﷺ کے مینار دیکھنے کے لیے بیتاب و بیقرار تھیں۔ شہر کی متعدد شاہراہوں اور سڑکوں پر گھومتے ہوئے بس جونہی اک موڑ مڑی۔ ہماری نظروں کے سامنے مسجد نبوی ﷺ کے بلند و بالا نازک اندام مینار اپنے تمام تر حسن و جمال کے ساتھ آسمان کی بلندیوں اور کائنات کی وسعتوں کا استعارہ بن کر کھڑے تھے۔ ان میناروں کو زندگی میں ہزاروں دفعہ تصویروں میں جلوہ نما دیکھا تھا۔ تصویریں عموماً اصل سے زیادہ حسین و جمیل ہوتی ہیں۔ مگر مسجد نبوی کے حسن کو کوئی تصویر پیش نہیں کر سکتی۔ وہ اپنی ہر تصویر سے زیادہ خوبصورت لگ رہے تھے۔ اسی اثنا میں کعبۃ اللہ کے میناروں کا خیال آیا لیکن ان میں وہ نزاکت و نفاست کہاں جو مسجد نبوی ﷺ کے چاروں طرف کسی محافظ و دربان کی طرح ایستادہ میناروں میں ہے۔ یہ مینار کسی محبوب دلنواز کے قد رعنا کے تصور کی طرح دل آویز تھے۔ ان کی اُٹھان میں راستی اور بلندی تھی جس کو بیان کرنے سے میرا قلم قاصر ہے۔ سید عابد علی عابد کے الفاظ میں فقط اتنا کہا جا سکتا ہے ؎

مری زباں پہ لُغت بولتی ہے اور مجھے
ملا نہ لفظ تیری آنکھ کے فسوں کے لیے

مجھے بھی مسجد نبوی ﷺ کے حسن و جمال کے طلسم فسوں ساز کے اظہار کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔ ایک نمایاں فرق و امتیاز کعبۃ اللہ کی پر ہیبت اور پر عظمت و شوکت عمارت اور اس کے میناروں کے مقابل مسجد نبوی ﷺ کی دلکشی اور دل آویزی اس کے میناروں کی رعنائی و زیبائی اور ندرت و نفاست میں تیکھا پن محسوس ہوتا ہے۔ حرم کعبہ کے مینار اتنے بلند و بالا نہیں اور نہ ان کی اٹھان اور بلندی میں وہ راستی اور اونچائی ہے جو مسجد

نبوی ﷺ کے میناروں میں ہے، پھر ان کے سامنے کلاک ٹاور کا بلند مینار لاٹ کی طرح ان کو ان سے کہیں اوپر اٹھائے کھڑا ہے۔ اس منظر کے مقابلے میں مسجد نبوی ﷺ کے میناروں سے اپنا سر بلند کرنے والی اور کوئی عمارت یا ٹاور مدینہ منورہ میں موجود نہیں ہے۔ اردگرد کے ماحول میں کوئی اور بلند منظر ان کی ہمسری تو کہاں ان کی برابری اور ان کی ہمسائیگی کا دعوی بھی نہیں کرسکتا۔ ہر مینار اپنے قد رعنا کے ساتھ کسی چاق و چوبند درباں کی طرح یکہ وتنہا کھڑا ہے۔ باالفاظ دگر مسجد نبوی ﷺ کے مینار تو اپنے قد رعنا کے ساتھ کسی شاخ گل کی طرح نرم و نازک دکھائی دیتے ہیں تو ایسے میں غالب کا یہ شعر خلد خیال کی زینت بن رہا ہے۔

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم
میں معتقدِ فتنہ محشر نہ ہوا تھا

اور

اب آکے تیرے شہر میں واپس نہ جائیں گے
یہ فیصلہ کیا ہے ہم نے شہر تیرا دیکھنے کے بعد

جمیل یوسف
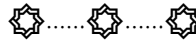
دیتے ہیں فرشتے بھی جہاں آ کے سلامی

تاروں نے حرم پاک کے ذروں سے چمک پائی، گلزاروں کا دامن اس خوبی و رعنائی سے مہک مہک اٹھا۔ پھولوں کی نکہت، چمن کی شگفتگی میں اسی کا جمال ضیا ریز ہے۔ اسی وجود پاک سے تمام کائنات کی زیبائیاں اور تمام عالم کی حسن آرائیاں ہیں۔ لولاک لما کی خلعت اسی وجود مقدس پر راس آئی۔ خاتم النبیین کا لقب اسی ذات گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تھا۔ قرآن حکیم اسی ذات مطہر پر اتارا گیا۔ یہی بستی نزول قرآن کی جگہ ہے۔ فرشتوں کا نزول یہیں ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آرزوؤں کا حاصل یہی مقام ہے۔ اسی روضہ اطہر پر نثار کرنے کے لیے صبا درود وسلام کے پھول دنیا کے گوشے گوشے سے لاتی ہے۔ کون سی زبان ہے جس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا نہیں۔ کون سا دل ہے، جس کی دھڑکن میں حضور کی محبت کا ظہور نہ ہو۔

میں انہی خیالات میں گم تھا کہ بس سے سامان اتارا گیا۔ قیام گاہ پر سامان رکھا، غسل کیا، کپڑے بدلے، خوشبو لگائی، باطن کی صفائی میسر نہیں کہ روضہ اقدس کی حاضری کے قابل ہو سکوں مگر یہ ظاہری پاکیزگی تو اپنے بس کی بات ہے۔ مگر ہمارا ظاہر بھی اس قابل کہاں ہے کہ دربار میں حاضر ہو سکے۔ گھر سے نکلے، درود شریف ورد زبان تھا۔ قدم رک رک کر پڑ رہا تھا۔ ادب دامن گیر تھا، شوق مہمیز لگا رہا تھا، سوز دل کی لو تیز ہو گئی۔ درد جاں سوا ہو گیا۔ رہ رہ کر خیال آتا تھا کہ خطاؤں سے آلودہ گناہوں میں ملوث ایک عاصی کو یہ معراج کیسے نصیب ہو رہی ہے۔ یہ انعام، یہ اکرام اس کریم کے دروازے سے ملے ہیں کہ دربار رسالتؐ پناہ کی حاضری کا شرف مل رہا ہے۔ یا اللہ کس زبان سے تیرے احسانات وانعامات کا ذکر کروں، کون سے الفاظ تلاش کروں جو اس کرم بے پناہ کے

شکریے کے قابل ہوں...... دل نے ندا دی کہ خاموشی بھی تو دعا ہے۔ حیرت بھی تو شکر کی صورت ہے۔ آنسو بھی تو جذبہ تشکر کا حسین اظہار ہیں۔ الفاظ تو جذبے کو محدود کر دیتے ہیں۔ ان کے معانی دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے مگر حیرت و شوق کی وسعت لامحدود ہے۔ آنسوؤں کی روانی بھی تو جذبہ شوق کی فراوانی ہے۔ یہ بھی تو ثناء کا انداز ہے۔ حمد کی آئینہ دار ہے۔ کرم پر شکر کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔ وہ تو انسان کے ارادوں کا محرم ہے، وہ عالم الغیب ہے۔ آخر سعادت و برکت کی معراج، شرف زیارت کی گھڑی آ گئی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار گہربار کے مینار راستے ہی سے نظر آنے لگے۔ شوق و حیرت نے زبان گنگ کر دی۔ سوچ کے دھارے خشک ہو گئے۔ یہاں آدمی پیکر حیرت بن کر رہ جاتا ہے، فکر عاجز ہو جاتا ہے۔

یہ وہ رستہ ہے کہ حیرت بھی عبادت ہے یہاں
منزل عشق و وفا میں ہے خموشی بھی سخن

اس دربار کے سب فقیر ہیں، سب بھکاری ہیں، امیر کو امارت کا، شہنشاہ کو شہنشاہیت کا، آقا کو آقائی کا تصور بھی مٹ جاتا ہے۔ سب جھولیاں پھیلائے آتے ہیں، سب فقیرانہ صدا دیتے ہیں۔ یہاں نسل کا امتیاز نہیں، کالے گورے کی تفریق نہیں، سرکار رحمت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب یکساں ہیں۔ اپنی امت کا ایک ایک فرد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیارا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن شفقت نے تمام انسانوں کو امن و راحت کا مژدہ سنایا۔ وہ سب کے شفیع، سب کے ہادی، سب کے لیے رحمت ہیں۔

اے خوشا صل علیٰ منزل طیبہ کا سفر
یہ وہ رستہ ہے کہ فردوس سے جا ملتا ہے

ہم فردوس میں داخل ہو چکے تھے۔ حرم پاک میں گنہ گار حاضر تھا۔ حرم نبوی (الشریف) میں داخل ہوتے ہی خوشبو کا ایک تیز جھونکا آیا، جس سے سارا جسم معطر ہو گیا۔ یہ مقدس جگہ کائنات کے جمال کا مرکز ہے۔ خانہ کعبہ کے بعد کونین میں اس سے افضل جگہ نہیں۔ اس کی عظمت ابدی ہے، اس کا جمال سرمدی ہے۔ ہم سر جھکائے، نظریں

قدموں پر جمائے، دھڑکتے دل اور اشک بار آنکھوں سے لرزاں لرزاں، خود میں سمٹتے ہوئے دوبارہ آقائے نامدار، فخر موجودات، سید الانبیا، خاتم النبیین، خاتم المرسلین، رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے مواجہہ شریف پر حاضر ہوگئے۔ ہونٹوں پر درود و سلام کے نغمے، آنکھیں حیرت کی تصویر اور دل کی ہر دھڑکن شکر و سپاس کا نغمہ تھی۔ سر جھکا کر ندامت کے پسینے میں شرابور، گناہوں کے احساس سے شرمندہ، ماضی کی زندگی پر پشیمان ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سلام پیش کیا۔ اس سرفرازی کے احساس نے عجیب کیفیت پیدا کردی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کا جواب دے رہے ہیں۔ اس جسم خاطی پر، اس عاصی پر حضور رحمتیں بھیج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحمتوں کا نزول فرما رہا ہے۔ فرشتوں نے رحمت کی چادر تان دی، سلام شوق کونین پر محیط ہوگیا۔ اس کی برکات سے زمین و آسمان کا خلا بھر گیا۔ اس حاضری سے سعادت دارین نصیب ہوگئی۔

یہی وہ مقام ادب ہے جس کے لیے عزت بخاری نے کہا تھا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

یہی وہ روضہ اطہر ہے، جس پر ستر ہزار فرشتوں کا نزول طلوع آفتاب کے وقت ہوتا ہے۔ ستر ہزار ملائیکہ غروب آفتاب کے وقت حاضری دیتے ہیں۔ ملائیکہ کو یہ سعادت صرف ایک بار نصیب ہوتی ہے۔ قیامت تک دوسری بار روضہ اقدس پر حاضری کا شرف نصیب نہیں ہوگا۔ یہ انسان پر خداوند کریم کا بے پناہ کرم ہے کہ ہر روز اس مرکز نور اور چشمہ فیض سے جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہی کا مقدر ہے۔ یہ کرم خاص صرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہی کا مقدر ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام، جس کے دیدار کے متمنی اور مبشر رہے ؎

اس بارگہ قدس کی کیا بات ہے حافظ
دیتے ہیں فرشتے بھی جہاں آ کے سلامی

یہی وہ دربار ہے جس کی سخاوت کائنات پر محیط ہے......

یہی وہ چشمہ نور ہے، جس کے جلوؤں سے سارا جہاں روشن ہے......

یہی وہ مہر نبوت ہے جس کی کرنوں سے دنیا کے ظلمت کدے منور ہوئے......

یہی وہ آستانہ ہے جو دلوں کو سرور، نگاہوں کو کیفیت حضوری بخشتا ہے......

یہی وہ در ہے جہاں منگتوں کی جھولیاں بھری جاتی ہیں......

یہی وہ مقام ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر سے مشرف ہے......

یہی وہ جگہ ہے جو عرش و کرسی سے افضل ہے......

حاضری سے پہلے آنسوؤں اور دھڑکنوں نے قلب ونظر کی تربیت کر دی تھی۔
حاضری سے پہلے ہی ادب واحترام کے احساس نے شعر کا روپ اختیار کر لیا تھا ؎

اے زائر درگاہ نبی جائے ادب ہے
آئے نہ ترے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی

اے زائرین دربار رسالت! تم کائنات کے منتخب اور خوش قسمت افراد کے زمرے میں شامل ہو گئے ہو۔ خوش بختی نے تمہارے قدم چوم لیے...... بارگاہ قدس میں پہنچ گئے، جلوہ گاہ ناز میں آ گئے، محبوبؐ خدا کے آستانے پر حاضر ہو، برکتوں کے آستانے اور سعادتوں کے خزانے پر کھڑے ہو۔ امن وسلامتی کا سرچشمہ تمہارے سامنے ہے۔ راحت و آرام کی فضاؤں نے تمہیں گھیر لیا ہے۔ سب کلفتیں مٹ گئیں۔ دل کی سب تاریکیاں دور ہو گئیں۔ گل امید سے دامن مہک رہا ہے ؎

بھیجو درود سید خیر الانام پر
وجہ نزول رحمت یزداں ہے ان کی یاد

یہ بارگاہ سرکارؐ کا خاص بلاوا ہے۔ یہ سفر مبارک خاص منظوری کی دلیل ہے۔ اے خوش قسمت انسانو! دامن پھیلائے رکھو، صدا لگاتے رہو۔ خیرات بٹ رہی ہے، نعمتیں جھولیوں میں ڈالی جا رہی ہیں۔

روضہ اقدس کے دائرہ رحمت و برکت میں تین نفوس قدسیہ آرام فرما ہیں۔

جالیوں کے دائروں سے کپڑے پر کاڑھے ہوئے الفاظ پڑھے جا سکتے ہیں، جن سے قبور مبارکہ کا تعین ہوتا ہے۔ سب سے پہلے زائر، قدمین شریفین کی طرف دو نفل ادا کرتا ہے۔ پھر خاموش آنکھیں زمین پر گاڑے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاضری کی اجازت طلب کرتا ہے۔ پھر مواجہہ شریف کی طرف آہستہ آہستہ انتہائی ادب و احترام سے قدم رکھتا ہوا پہنچتا ہے۔

یہ مقام وجذب ومستی، حیرت واستعجاب، وارفتگی وشیفتگی کا آخری مقام ہے۔ ہر آدمی اپنی قسمت پر نازاں، اپنی حاضری پر حیراں، اپنے گناہوں پر پشیماں نظر آتا ہے۔ اس مقام رقت وسوز پر عربی و عجمی، عالم و جاہل، ادنیٰ واعلیٰ، خاطی و پاکباز، حاکم ومحکوم، سب بادیدۂ تر سلام نیاز پیش کرتے ہیں۔ نظریں ہیں کہ اٹھ نہیں سکتیں ؎

ان کے دربار مقدس میں نظر کیا اٹھتی
دل میں اک کیف مسلسل کو مگر دیکھا ہے

سانس سینے میں دب کر رہ جاتا ہے۔ شوق، جالی مبارک کی زیارت کے لیے بے تاب ہے۔ لب، جالی مبارک کو چومنے کے لیے مضطرب ہیں کہ اس کو دائرہ رحمت کے گرد ہونے کا شرف ہے مگر خدام روضہ اطہر، ادب کے دائرے میں رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہاں عشق کو واقعی پابند آداب رہنا چاہیے۔ یہاں جنوں کو ہوش کا سبق ملتا ہے۔ یہ آرام گاہ سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ سلام پیش کیا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں۔

یہی گنبد خضرا ہے جس کی یاد، دلوں کے آبگینوں میں آنسو بن کر چھلکتی ہے۔ یہی گنبد مبارک ایک عالم کی تمناؤں کا مرکز، ذوق وشوق کا آئینہ اور بے تابی واضطراب کا مظہر ہے۔ اسی گنبد خضرا کی حسرت دید میں شعرائے عرب وعجم نے دلوں کے ولولوں، روحوں کے اشتیاق کی ترجمانی کی ہے۔ ان کے فکر کی بلندی اور تخیل کی پرواز نے اسے ہزار انداز سے بیان کیا ہے اور اس جلوۂ محبوبی کو فکر کے حسین پیرائے میں ایسا سجایا کہ پڑھنے والا عالم خیال میں روضہ اطہر میں حاضری کا لطف لینے لگتا ہے۔ اس کے ذکر سے

کیسی کیسی تمنا دل کے نہاں خانے میں حسرت بن کر پھیل جاتی ہے۔ کتنے آنسو دعا کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ انسان اشک بار آنکھوں سے گنبد خضرا کی دید اور روضہ اطہر کی حاضری کی دعائیں کرتا ہے۔ مشتاقان دید گھنٹوں بیٹھے اس پیکر نور و تجلی کو دیکھتے رہتے ہیں۔ اس گنبد خضرا کی عظمت، اس کی لازوال شان، اس سے بے پناہ محبت کا سرچشمہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدس ہے کہ وہ جسد نورانی، پیکر محبوبی اور فیض سرمدی اس کے نیچے آرام فرما ہے۔ یہی وہ روضہ اقدس کا سبز گنبد ہے، جس پر خود خداوند کریم، اس کے ملائیکہ اور ان گنت ذی روح، روز و شب درود و سلام کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ باد صبا کے جھونکے دنیا کے گوشے گوشے سے آنسوؤں کی شبنم میں بھیگے ہوئے خلوص و محبت کے سلام نثار کرتے رہتے ہیں۔ مقربین بارگاہ اس نظارے کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ جمال مصطفوی کے نور کو جو فرش سے عرش تک جلوہ ریز ہے، مشاہدہ کرتے ہیں۔ میں تو اس گنبد محبوبی کو دیکھ کر نگاہوں کی تشنگی بجھاتا ہوں اور حتی المقدور رسول پاک ﷺ پر درود و سلام پڑھتا ہوں۔ کیونکہ یہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی قبولیت میں شک نہیں۔ یہ بھی حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کا کرم ہے کہ ہم جیسے گنہگاروں اور خطا کاروں کے لیے بخشش و نجات کے کیا کیا وسیلے پیدا کر دیے، ورنہ وہ محبوب باری ﷺ ہم جیسے خطا کاروں کی مدح کا محتاج نہیں۔

جب مسجد نبوی میں حاضری ہوتی ہے تو پاکان بارگاہ کے جسم، احساس ندامت سے شرابور ہو جاتے ہیں۔ یہ اس دربار کی حاضری ہے، جہاں دنیا کے شہنشاہ لرزتے، کانپتے اور اشک بداماں حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے مسجد میں قیام رکھتے ہی سراپا عجز و انکسار، سرتاپا خلوص و نیاز بن جاتے ہیں۔ سنبھل سنبھل کر ادب سے قدم رکھتے ہیں۔ رکتے رکتے، لرزتے لرزتے آگے بڑھتے ہیں۔ دور سے روضہ اطہر کو دیکھ کر ہاتھ باندھ کر غلامانہ انداز میں اپنے آقا ﷺ کے حضور سلام پیش کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے عاشقان رسولؐ ہیں، جن کی نگاہیں فرش پر جمی رہتی ہیں۔ کئی کئی دن تک انہیں گنبد خضرا کو نظر بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ ان کے دل حضوری میں جھکے ہوئے، ان کی

آنکھیں ندامت کے آنسوؤں سے لبریز رہتی ہیں۔ تسبیح وتہلیل اور درود وسلام کی کثرت کے بعد گنبد خضرا کی جھلک دیکھتے ہیں، جس سے تسکین دل مضطر ہوتی ہے...... پھر ڈرتے ڈرتے دربار نبوی میں حاضر ہوتے ہیں۔ بدن کا رنگ احترام سے زرد پڑ جاتا ہے۔ رواں رواں دربار مصطفویٰ ﷺ کی عظمت سے کانپنے لگتا ہے۔ دعا کے وقت ہونٹ تھرتھرانے لگتے ہیں، سر جھکا کر، ہاتھ باندھ کر درود وسلام بحضور سید خیر الانام ﷺ پیش کرتے ہیں۔ پھر الٹے پاؤں لوٹتے ہیں، قدمین شریفین پر شکرانے کے نفل ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت عظمیٰ عطا فرمائی۔

سرکار دو عالم ﷺ کے آستان پاک سے جدائی ایک ایسا المناک حادثہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی حادثہ میں نے زندگی میں نہیں دیکھا۔ اس سے بڑھ کر غم کا کوئی لمحہ انسانی زندگی میں آ ہی نہیں سکتا۔ عمر بھر کی تمناؤں، التجاؤں اور دعاؤں کے مرکز سے جدائی ہو رہی تھی۔ جدائی اور مفارقت کی وہ لکیر جو وقتی طور پر ذہن کے افق سے محو ہو گئی تھی، پھر نمودار ہونے کو تھی...... آنکھ کا چشمہ خشک نہ ہوتا تھا، آخری سلام کے لیے جس دھڑکتے دل اور برستی ہوئی آنکھوں سے حاضری نصیب ہوئی تھی، قلم اس کیفیت کو رقم نہیں کر سکتا، احساسات کی دنیا لفظ و بیان سے ماورا ہے۔ کس کس طرح نگاہ نے ایک ایک منظر کو دیکھا، حرم نبوی کے در و بام کو چوما، ہر نگاہ حسرت کا مرقع بن کر رہ گئی۔ ان بام و در کو خدا جانے پھر کب دیکھنے کی سعادت ملے...... ان بے تاب آنکھوں کو نجانے پھر کب جلوۂ حرم کی زیارت میسر آئے۔ احرام باندھ کر محبوب خدا ﷺ کے آستانہ اقدس پر آخری سلام کے لیے حاضر ہوا۔ قدم قدم پر رخصت کی ساعت کا دھیان تھا، لمحہ لمحہ جدائی کا سماں سامنے تھا...... گھر سے حرم پاک تک کا راستہ کس طرح طے ہوا، نہ ہوش کو اس کا علم تھا نہ نگاہ کو اس کی خبر۔ حرم پاک کے دروازے سے گزرا، تحیۃ الحرم کے نفل ادا کیے...... دور سے گنبد خضرا پر نظر پڑی، آنکھوں سے سیلاب امڈ آیا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ اطہر کا منظر امڈتے ہوئے آنسوؤں میں جھلملایا۔ آنسوؤں کی دھاریں دامن کا زاد راہ بن گئیں۔ وہیں بیٹھ گیا حسرت سے اس مرکز نور و مصدر فیض کو تکتا رہا۔ عمر کے پچپن سال بعد اس جلوہ گاہ ناز

کی حاضری نصیب ہوئی تھی...... سرکار کائنات ﷺ کے آستانہ عالیہ کی خاک پاک کو اٹھا کر آنکھوں پر لگایا۔ بصارت چشم اور بصیرت قلب اسی خاک میں پنہاں تھی۔ زمین مقدس پر نگاہیں جمائے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا روضہ اطہر کی جانب چلا۔ قدمین شریفین میں دو نفل ادا کیے۔ سوچ کے سوتے خشک ہو گئے تھے۔ فکر کے دھارے منجمد ہو گئے تھے۔ قدمین شریفین پر نفل ادا کر کے مواجہہ شریف کا رخ کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے روضہ اطہر کی جالی مبارک کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ یہ کریم کے دروازے پر آخری صدا تھی۔ یہ دربار مقدس میں حاضری کا آخری سلام تھا۔ دامان نظر کی آخری کیفیت تھی۔ یہ اشک فشانی کا آخری موقع تھا۔ یہ گناہوں، لغزشوں اور خطاؤں سے معافی کی آخری دعا تھی۔ روح و دل کی سیرابی کے لیے مصدر فیوض و برکات میں قیام کی آخری زیارت تھی۔ یہ مدینہ منورہ، شہر رحمت پناہ میں اقامت کی آخری حاضری تھی۔ یہ زندگی کے ایسے روح فرسا لمحات تھے، جہاں الفاظ کے پیکر بے روح ہو کر رہ جاتے ہیں، جہاں کانپتے ہونٹوں کی دعائیں سنی جاتی ہیں، جہاں روح کی پکار کو باریابی ہے، جہاں ہر نظر سوالی ہے...... حضور اکرم ﷺ سب کچھ جانتے ہیں، وہ دل کی کیفیات کے محرم ہیں...... یہاں خاموشی صدا ہے، حیرت عبادت ہے، لکنت کو نوازا جاتا ہے، نظر اٹھتی نہ تھی، اشک بہہ رہے تھے، دل دھڑک رہا تھا، اس مقام رقت و رحمت پر کون ضبط گریہ کر سکتا ہے۔ یہاں جابر سلاطین، ظالم حکمران، خاک بسر اور باچشم تر آتے ہیں۔ سامنے کھڑے سپاہی سے یہ کیفیت دیکھی نہ گئی تو اس نے رخ دوسری طرف کر لیا۔ میں جالی مبارک کے قریب تر ہو گیا۔ چند لمحوں بعد ہوش کی کرن چمکی، مگر الفاظ ہونٹوں میں دب کر رہ گئے۔

وہ ہے دربارِ مصطفےٰ کہ جہاں
شاہ کو حسرتِ گدائی ہے

حافظ لدھیانویؒ

شہرِ نبی سے کوئی حسیں تر نہیں مقام

تاروں نے حرمِ پاک کے ذرّوں سے چمک پائی۔ گلزاروں کا دامن اِس کی خوبی اور رعنائی سے مہک مہک اُٹھا۔ پھولوں کی نکہت، چمن کی شگفتگی میں اسی کا جمال ضیا ریز ہے۔ اسی وجودِ پاک سے تمام کائنات کی زیبائیاں اور تمام عالم کی حُسن آرائیاں ہیں۔ یہی بستی نزولِ قرآن کی جگہ ہے۔ فرشتوں کا نزول یہیں ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آرزوؤں کا حاصل یہی مقام ہے۔ اسی روضہ اطہر پر نثار کرنے کے لیے صبا درود وسلام کے پھول دُنیا کے گوشے گوشے سے لاتی ہے۔

مراد یہ ہے کہ روضے پہ ان کو لے جائے
گُلِ درود ہیں سب دامن صبا کے لیے

میں چھتریوں والے دالانوں سے گزرتا ہوا باب السلام کے راستے بڑھا۔ مشتاقانِ دید کا ہجوم ایک ہی جانب رواں دواں تھا۔ اسی ایک جانب جہاں حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ دم سادھے آتے تھے۔ عاشقِ رسول ﷺ اقبالؒ کو شرف باریابی نصیب نہ ہوا۔ وہ جب بھی قصد کرتے، فرطِ جذب وجنوں سے غشی کے دورے پڑتے لیکن شاعر کی چشمِ تخیل کو اذن حضوری ضرور ملا۔ جسے وہ شعر کے دلنواز پیکر میں نہایت درد واثر کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

بیا اے ہم نفس باہم بنا لیم
من و تو کشتہ شان جمالیم
دو حرفے برمرادِ دل بگویم
بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

میں پروانوں کے ہجوم میں سلام عرض کرنے کے لیے کھنچتا جا رہا تھا۔ دل جذب وشوق سے سرشار اور لبوں پر درود وسلام! کشادہ راہداری سے ہوتا ہوا ریاض الجنتہ کے پاس سے گزرا۔ میں وہاں شکرانے کا سجدہ ادا کرنا چاہتا تھا لیکن تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ حرم کے شرطے ہجوم کو ایک طرف راستے پر دھکیل رہے تھے۔ اگلے لمحے روضۃ الرسول کی جالیاں نظر آئیں۔ درود وسلام پڑھتے ہوئے قدم آہستہ آہستہ اُٹھ رہے تھے۔
''کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ''۔

میرے پاس لفظ نہیں کہ میں اپنی دلی کیفیت کو ادا کرسکوں۔ نظریں بے تابانہ مواجہہ رسول اللہ ﷺ کی جانب اُٹھتیں لیکن اگلے لمحے احساس ندامت سے نیچی ہو جاتیں کہ کس منہ سے گنہگار نظر کی وہاں تک رسائی ہو۔ حجرہ مبارک یعنی خواب گاہِ مصطفیٰ کے سامنے سے گزرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ ایک منٹ صرف ہوا ہوگا۔ مجھے یہ ہوش نہیں کہ سلام عرض کرنے کا قرینہ بھی تھا یا نہیں۔ تاہم اتنا یاد ہے کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی رواں تھی۔ ایسا لگا کہ ندامت کے ان آنسوؤں سے دل کے داغ دھل رہے ہیں۔ اسی کیفیت میں باہر آیا۔ حرم نبوی ﷺ کے مشرقی صحن میں اوپر کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ گنبد خضرا کے سائے میں کھڑا ہوں۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں بار روضہ مبارک کی تصویر دیکھی ہوگی۔ پر اب کی مرتبہ جب سبز گنبد کے ساتھ اونچے مینار پر نظر پڑی تو آنکھوں میں ایک خاص طرح کی روشنی، تازگی اور طراوت سمائی ہوئی محسوس ہوئی۔ مجھے اعتراف ہے کہ زندگی میں اپنی سیاہ بختی اور محرومی تمنا کا شاکی رہا۔ شاید اس لیے کہ مادی راحتوں کا فقدان انسان کو ناشکرا بنا دیتا ہے لیکن روضہ انور کی جالیوں کی زیارت اور گنبد خضرا کا دیدار اس سے بڑی خوش بختی بھلا کیا ہو سکتی ہے۔

حفیظ الرحمٰن خان

اک آنکھ میں ہے مکہ، اک آنکھ میں مدینہ

جب بیت اللہ میں حاضری کا معاملہ تھا تو میری خواہش تھی کہ میں اکیلا جاؤں۔ اللہ سے اکیلا ہی راز و نیاز کروں، سارے گلے شکوے اور سارے جھگڑے اکیلا ہی کروں لیکن جب دربار نبوی ﷺ میں حاضری درپیش ہوئی تو اکیلے جانے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔

دل چاہ رہا تھا کہ ابا جی کے پیچھے چھپ چھپ کر چلا جاؤں۔ شائد یہ اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کا شدید احساس تھا جو زنجیر پا بن رہا تھا، مجھے متذبذب دیکھ کر ابا جی اٹھ کھڑے ہوئے تو میں بھی اٹھ کر ان کے پیچھے چلنے لگا۔ قدم بقدم چلتے ہم چھتریوں والے صحن میں داخل ہو گئے جہاں سے روضہ انور کا سبز گنبد صاف اور سامنے نظر آتا ہے۔ سبز گنبد کو دیکھتے ہی قدم رک گئے۔ اس گنبد کو تصاویر میں اور ٹیلی ویژن پر تو ہزاروں بار دیکھا تھا لیکن آج میں اپنی کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں جس کی زیارت کروڑ پتیوں اور ارب پتیوں کو نصیب نہیں ہوتی، آج اس کی زیارت سے مجھ جیسے ناچیز گناہ گار کی آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔ احساس تشکر اور ممنونیت سے میری آنکھیں چھلک پڑیں۔ اچانک کہیں قریب سے ہی سسکیوں کی آواز کانوں میں پڑی۔ دیکھا تو ایک دبلا پتلا شخص کندھے جھکائے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ آنسوؤں سے اس کے رخسار بھیگے ہوئے تھے۔ چہرے پر چھایا ہوا گہرا کرب ظاہر کر رہا تھا کہ اس نے رونے کی آواز کو جبراً دبا رکھا ہے۔ یہ عجیب سلسلہ ہے کہ بیت اللہ میں لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں، کعبہ سے چمٹ جاتے ہیں۔ لیکن مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوتے ہی آوازیں خود بخود پست ہو جاتی ہیں۔ کوئی اونچی آواز میں بات نہیں کرتا، رونا آتا ہے لیکن گھٹ گھٹ

کر روتے ہیں۔ شاید لاشعوری طور پر ہر ایک کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہوتا ہے کہ آواز اونچی ہوئی تو آپ ﷺ کے آرام میں خلل پڑے گا۔

کوشش یہی تھی کہ آقائے دو جہاں ﷺ کے حضور پیش ہونے سے قبل کی آلودگی جتنی دھل سکے، دھل جائے۔ ندامت کے آنسو، روح کی آلودگی صاف کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں اور ہمارے پاس ندامت کے آنسوؤں کے سوا اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے حضور پیش کرنے کے لیے تھا بھی کچھ نہیں۔ آقا ﷺ کے حضور پیش ہونے سے قبل میں **ریاض الجنة** میں بھی اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کرنا چاہتا تھا۔ یوں تو اللہ کے احسانوں کا شمار ہی نہیں لیکن میرے اللہ کا مجھ پر سب سے احسان بڑا یہ ہے کہ میری تمام لغزشوں، کوتاہیوں، خطاؤں اور نافرمانیوں کے باوجود اپنے حبیب ﷺ کے حضور شفاعت کی درخواست پیش کرنے کا موقع مرحمت فرمایا۔ رب کائنات کے رحم و کرم کی بارش بلا امتیاز برستی ہے۔ کسی کو ممانعت نہیں جو چاہے، اس آب رحمت کے چند چھینٹے اپنے اوپر ڈال لے اور چاہے تو شرابور ہو جائے۔ کم نصیب ہیں جو برستی بارش میں بھی ''خشک'' رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اپنے اللہ کے فضل و کرم کی بارش میں بھیگتا ہوا میں **ریاض الجنة** میں داخل ہوا۔

ریاض الجنة میں نوافل ادا کرنے کی بھی سعادت حاصل ہوگئی۔ اب دربار رسالت ﷺ ماب میں حاضری کا مرحلہ تھا۔ آقا ﷺ کے حضور پیش ہونے کے تصور نے آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگا دی۔ یہ نبی پاک ﷺ کا ہی ظرف تھا کہ شرمندگی کا باعث بننے والے ہمارے جیسے امتیوں کو بھی اپنے گھر بلا لیا تھا۔

آخر کار کندھوں پر بار ندامت، چہرے پر عمر بھر کے پچھتاوے اور آنکھوں میں التجائیں لیے، میں ابا جی کے پیچھے دبے قدموں سے چلنے لگا۔ آپ ﷺ کے منبر و محراب کو نظروں سے چومتا ہوا، میں روضہ انور کی جالیوں کے سامنے پہنچ گیا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

''آسمان کے نیچے ادب واحترام کا حامل یہ مقام عرش سے بھی نازک ہے۔
اس جگہ جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے باکمال اولیاء بھی آتے ہیں تو دم سادھ کر بیٹھتے ہیں۔''

روضہ انور کی جالیوں کے سامنے سے ایک قطار نماز باجماعت کے سوا چوبیس گھنٹے گزرتی رہتی ہے جس میں آقائے دو جہاں ﷺ کے غلام آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھتے ہوئے گزرتے ہیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ میرے پاس تو سلاموں کی ایک طویل فہرست ہے جو اس مختصر وقت میں پڑھی نہ جا سکے گی تو میں قطار سے الگ ہو کر جالیوں کے سامنے والی دیوار کے قریب کھڑا ہو گیا۔

آپ اس کیفیت کا تصور کریں کہ آپ روضہ اقدس کی جالیوں کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس ایمان اور یقین کے ساتھ کہ چند قدم کے فاصلے پر سرور کائنات ﷺ آپ کے درود وسلام سن رہے ہیں۔ پوری کائنات کے خالق کے بعد سب سے بزرگ و برتر کے روبرو آپ موجود ہیں جو کہ آپ کی موجودگی سے باخبر بھی ہیں تو آپ کے دل کی کیفیت کیا ہوگی؟ بے تابی دل تقاضا کر رہی تھی کہ جالیوں کے ساتھ ہی دہلیز پر ڈھیر ہو جاؤں اور نکل جائے دم صل علیٰ کہتے کہتے۔

اگر جالیوں کو چھونے، چومنے اور آقا ﷺ کی چوکھٹ پر پلکیں بچھانے کی اجازت ہوتی تو پروانوں کے ہجوم کہیں نہ آتے جاتے۔ وہیں پڑے رہتے، بے تابی دل کی یہ کیفیت اقبالؒ پر بھی طاری ہوئی اور اپنی بے بسی اور دکھ کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا:

سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں
برویم از مژہ خاک در دوست

''اے سلطان ابن سعود جسے تو سجدہ سمجھ رہا ہے (اور اس کی ممانعت کر دی ہے) وہ سجدہ نہیں ہے بلکہ میں تو اسے حبیب ﷺ کے دروازے کی مٹی اپنی پلکوں سے صاف کرنے کے لیے جھکتا ہوں۔''

اللہ کی شان کریمی دیکھئے کہ وہ ہم جیسے خطا کاروں کو اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے حضور حاضری کی سعادت بھی بخشتا ہے اور بخشش کا طریقہ بھی خود ہی بتا دیتا ہے ''اور

اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر، حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز مغفرت طلب کرتا اُن کے لیے رسول (کریم ﷺ) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور نہایت رحم کرنے والا‘‘۔(النساء: 64)

اللہ تعالیٰ کے انہی فرامین سے حوصلہ پا کر اس کی رحمت اور شفقت کو آواز دینے کے لیے ہم نے اس کے حبیب ﷺ کے آستانے پر حاضر ہونے کی جسارت کی تھی تاکہ آپ ﷺ سے اپنے لیے شفاعت کا پروانہ حاصل کر سکیں۔

خالد جاوید مشہدی

صلو علیہ و آلہ

دنیا کے کونے کونے سے لوگ یہاں آئے ہیں۔ زندگی بھر اس دربار میں حاضری کے لیے غرق تب و تاب رہے ہیں۔ یہاں محو استراحت ہستی سے انہیں جو محبت ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ اس شہر تک رسائی کے لیے انہیں مالی بوجھ بھی اٹھانا پڑا جسے وہ بار بار نہیں اٹھا سکتے۔ ان کی مثال پروانے کی ہے جو شمع کی کشش میں دیوانہ ہو چکا ہے۔ اسے یہ پرواہ نہیں کہ اس کی جان بچتی ہے یا جاتی ہے۔ یہاں تعلیم یافتہ بھی اشکوں سے لبریز ہے اور ان پڑھ بھی۔ افریقہ کے دور دراز علاقوں سے آنے والی ایک سادہ و بے زبان عورت بھی رو رہی ہے کہ وہ اپنے آقا سے طویل عرصہ تک مہجوری میں رہی اور اب وہ حاضری سے شرف یاب ہے اور ہجر و وصال کی دونوں کیفیتیں اشکوں کے موتی پرو رہی ہیں اور ایک فلسفی و حکیم بھی یہاں آشفتہ سر بن چکا ہے۔ یہ پہلو ایک ایک مسلمان کے ایمان کی تازگی اور آقائے نامدار سے اس کے تعلق کی تجدید کی علامت ہے۔

یہ شہر خوباں ہے۔ انوار برس رہے ہیں۔ سعادت کے خزانے لٹ رہے ہیں۔ عہد رسالت کی جھلکیاں تخیلات کو مسحور کر رہی ہیں۔ فضا کبھی دل میں خوف کو انگیز کر دیتی ہے کہ اگر عصیاں پر اصرار رہا تو اس ہستی کی شفاعت سے محرومی ہو جائے گی۔ کبھی امید کو جلا دے دیتی ہے۔

کہ بر فتر اک صاحب دولتے بستم سر خود را

نماز جمعہ ادا کی اور پھر ڈھائی بجے بسوں کا قافلہ واپس روانہ ہو گیا۔ ایک حصہ مکہ کی طرف اور دوسرا جدہ کی طرف۔ میں جدہ جا رہا ہوں۔ مدینۃ الرسول ﷺ کو بس میں بیٹھا الوداع کر رہا ہوں۔ دعا ہے کہ پروردگار پھر یہاں لائے اور جلدی لائے۔

میرے سامنے اونچے اونچے مینار اور ان کے اندر سبز گنبد ہے۔ اے پروردگار اس شہر کو امن سے رکھ۔ اس کی برکت سے دنیا میں پھر اسلام کی تحریک برسرعروج آئے۔ سلام اے رحمت عالم سلام۔

خلیل احمد حامدی

یہاں پلکوں سے دیتے ہیں درِ سرکار ﷺ پہ دستک

دور سے گنبد خضرا نظر آیا، تو دل کی دھڑکن دفعتہً تیز ہوگئی۔ پتلیاں جم کر رہ گئیں اور لبوں پر نغمہ درود جاری ہو گیا۔ صدیوں کے ذہنی رُوحانی سفر کا حاصل آنکھوں کے سامنے تھا، مغرب کے وقت دربار نبوت میں حاضری دی، سرزمین مدینہ پر قدم رکھتے ہی پہلا احساس یہ ہوا کہ یہ محض خطہ زمین نہیں، سجدہ گاہ عشاق ہے۔ یہی وہ شہر ہے جس کے ذرے ذرے میں عشق و مستی کے خزینے مستور ہیں۔ اس شہر کو مکہ معظّمہ کے بعد دُنیا کے تمام شہروں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس شہر کا اصل مکین وہ ہے جس کی پابوسی کا شرف عرش بریں بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ شہر اپنے مقدر پر جتنا بھی ناز کرے اتنا کم ہے کہ اس کی آغوش میں تا قیامت رسول خدا ﷺ آرام فرما رہیں گے۔ یہ شہر اس سے پہلے یثرب تھا، بیماریوں اور وباؤں کا مرکز، لیکن پیغمبر امن و سلامتی اور نبی رحمت ﷺ نے اسے مدینہ طیبہ بنا دیا اور اس شہر کا ایک گوشہ وہ ہے جہاں درگاہ نبی ﷺ ہے۔

جہاں گنبد خضرا ہے اور جہاں روضہ رسول ﷺ ہے۔ اس دربار میں کتنے کج کلاہ حاضر ہوئے مگر گدا بن کر اور کتنے صلحا آئے مگر خاک پا ہوکر، یہاں تعظیم کی خاطر آنکھیں بے اختیار جھک اور گردنیں بے ساختہ خم ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ دربار ہے جس کے حاضر باشوں میں کبھی ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ تھے۔ وہ کیا منظر ہوتا ہوگا جب اس شہر کے در و دیوار آواز رسالت سے گونجتے اور کوچہ و بازار خوشبوئے کائنات ﷺ بھرے ہوں گے۔

مقتدیوں میں خلفا راشدین بلالؓ، خالدؓ عثمان بن فطعونؓ اور عبدالرحمان بن عوفؓ شامل ہوتے ہوں گے۔ جب میں دربار مصطفیٰ ﷺ میں حاضر ہوا تو یقین جانیے

سانس گھٹ کر اور دل کی دھڑکن بے نام ہو کر رہ گئی۔ میں نے ایوان صدر بھی دیکھا ہے، وزیر اعظم ہاؤس بھی گیا ہوں، گورنر ہاؤس میں چائے بھی پی، وزیر اعلیٰ ہاؤس میں بیٹھ کر گپ شپ بھی کی ہے، رضا شاہ پہلوی کے قصر سعد آباد (تہران) میں بھی گھوما پھرا ہوں، لندن کا بکنگھم پیلس بھی وزٹ کیا ہے، مجھے ظاہر شاہ (افغانستان) کا محل دیکھنے کا موقع بھی ملا ہے۔ مگر ان تمام جگہوں کو حیرت سے تو دیکھا ہے عقیدت سے نہیں، حسرت سے تو دیکھا ہے محبت سے نہیں۔ یہ بہت عالیشان سہی لیکن ان کی عظمت اس جگہ جتنی بھی نہیں جہاں حضور ﷺ اپنے مبارک نعلین اتارا کرتے تھے۔ ان محلات کے بیش قیمت قالین اس بوسیدہ چٹائی کے ایک تنکے کے برابر بھی نہیں جس پر والئ کونین ﷺ تشریف رکھتے تھے۔ ان شاہی بنگلوں میں آویزاں فانوسوں میں وہ چمک کہاں جو جاروب کشی کے دوران جمع ہونے والے صحن حرم نبوی ﷺ کے ذرات خاک میں دکھائی دیتی ہے۔ سلاطین کی ان حویلیوں کی نظافت ونفاست اپنی جگہ لیکن ان میں وہ پاکیزگی کہاں جو نعلین نبی ﷺ کے تلوؤں پر لگی ہوئی خاک میں تھی۔ مواجہہ شریف میں حاضری کے وقت میری آنکھوں کے سامنے امام مالکؒ گھوم رہے تھے جنھوں نے بیس برس روضہ اقدس کی چھاؤں میں بیٹھ کر درس حدیث دیا مگر کتاب کا ورق اس آہستگی سے پلٹتے تھے کہ آواز نہ آتی مبادا کہ حضور ﷺ کے آرام میں خلل آجائے۔

میں جتنی بار مواجہہ شریف میں حاضر ہوا، اس وقت بھی اور آج تک یہی احساس ہے کہ ایک سہانا خواب تھا جو میں نے دیکھا، مجھے اپنے آپ پر اپنے وجود پر اپنی حاضری پر اعتبار نہیں آرہا تھا کہ فی الواقع میں اس وقت وہاں حاضر ہوں جہاں مجھ جیسا روسیاہ حاضری کی آرزو تو کر سکتا ہے لیکن وہاں کی موجودگی پر یقین نہیں کر سکتا، کہاں میں اور کہاں در نبوت؟ یہی تو وہ جگہ ہے جو عرش سے نازک تر ہے اور جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ دم کشیدہ حاضر ہوتے ہیں۔ میں جتنی دیر وہاں رہا گم رہا نہ اپنی خبر نہ گردو پیش کی خبر، ایک سکتے کا عالم تھا جو طاری رہا۔ رویا اس لیے نہیں مبادہ سسکی نکل جائے اور آواز اُٹھ جائے

اور کیا دھرا اکارت چلا جائے۔ جھولی بھی نہیں پھیلائی کہ یہاں بن مانگے سب کچھ مل جاتا ہے۔ صدا بھی نہیں لگائی اس لیے کہ در حضور ﷺ پر پلکوں سے دستک دے رہا تھا۔ یہ کیفیت کتنی دیر رہی؟ لمحوں کا حساب تو نہیں رکھا البتہ زندگانی کا حاصل ضرور سمجھا ہے۔

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

یہ جنت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

مسجد میں داخل ہوتے ہی رُوح جیسے نور کے دریا میں غوطہ زن ہوگئی۔ مسجد کے ظاہری ماحول کو برقی روشنی نے جگمگا رکھا تھا جبکہ اندر کی آنکھیں یہاں پھیلی ہوئی انوار وتجلیات کے مناظر کا مشاہدہ کر رہی تھیں، سعید ہمیں باب صدیق کی طرف لے گیا، جہاں سے ہم مختلف راہداریوں میں سے گزرتے ہوئے اس منزل پر پہنچ گئے جس کے بعد، اہل دل کے لیے کوئی اور منزل باقی نہیں رہ جاتی۔ منبر رسول ﷺ اور آپ ﷺ کی سجدہ گاہ محراب کے پیچھے عاشقوں کا ہجوم تھا جو قطار کی صورت میں آہستہ آہستہ اس طرف بڑھ رہا تھا جہاں اللہ کے محبوب اپنے حجرے میں آرام فرما ہیں، وارفتگان شوق اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اپنی ذات میں اس طرح سمٹے ہوئے تھے گویا اپنے وجود کو وہاں موجود فضا میں تحلیل کر چکے ہوں۔ فضا میں ایک گہری سنجیدگی اور مودب خاموشی پھیلی ہوئی تھی کہ دل کی دھڑکنیں کانوں سے سنی جاسکتی تھیں۔ ہونٹوں پر درود وسلام کے نغمے کلیوں کی طرح چٹک رہے تھے۔ اس وارفتگی کے باوجود احتیاط کا عالم یہ تھا کہ آتی جاتی سانسیں نظم وضبط کی پابند تھیں، خود کو بے ہنگم ہونے سے روکے ہوئی تھیں۔ ہم روضہ انور سے ابھی کچھ پہلے ہی قطار میں تھے کہ آنکھوں نے اپنی زبان میں صلوٰۃ وسلام کی محفل منعقد کر دی، بار بار عینک کے عدسے صاف کرتا کہ اس وقت نظریں بھی تو اپنی پیاس بجھانا چاہتی تھیں، وہ مناظر جو مدت سے صرف خیال وتصور میں دیکھا کرتا تھا، آج اس وقت حقیقت میں آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہیں۔ جیسے جیسے حجرہ شریف قریب آ رہا تھا، دل کی رفتار میں اضافہ ہونے لگا، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دل سینے میں دھڑک رہا ہے یا میں خود ہی سراپا دل بن گیا ہوں۔ پھر وہ لمحہ آ گیا جب مواجہہ شریفہ پیش نگاہ تھا۔ مجھے واضح طور پر یاد نہیں

کہ میں مواجہہ شریفہ کے سامنے سے کس طرح اور کتنی دیر میں گزر سکا، کچھ ہوش نے ساتھ دیا اور دل قابو میں آیا تو خود کو ابا جی اور سعید کے قریب پایا، یہاں قبلہ رخ ہو کر جو دُعا مانگنی تھی مانگی، پھر پلٹ کر روضہ مبارک کی طرف رخ کر کے مودب کھڑا ہو گیا۔ شرطے اپنا فرض ادا کر رہے تھے اور میں اپنے اندر کے ''شرطے'' سے مجبور تھا، میرے دل نے میری رُوح کو بھی اپنے آقا و مولا کے آگے سجدۂ شوق پر ابھار رکھا تھا۔ حیرت اپنی جگہ آئینہ دکھا رہی تھی، نہیں معلوم وہ کون سی عقل تھی، کیسا ادراک تھا جو مجھے یقین دلا رہا تھا کہ ''ہاں ہاں، اے کم تر سے کم تر، اے حقیر و بدتر، اے سراپا گناہگار، اے کم مایہ و بے شعور، تو واقعی در رسالت پر حاضر ہے، یہ سامنے حجرہ مبارک ہے، یہ روضہ رسول ﷺ ہے، یہاں اللہ کے محبوب آرام فرما ہیں، یہ وہ سنہری جالیاں ہیں، جس کے تصور نے تجھے مس خام سے کندن کی سی حیثیت دے رکھی ہے اور یہ جالیوں کے درمیان سے نظر آنے والی قبر انور......

''تشکراً یا رسول اللہ، آپ ﷺ کا احسان عظیم ہے کہ آپ نے اس بے حقیقت کو شرف باریابی بخشا!'' سر جھکا کر عرض کیا اور سلام نیاز پیش کرتے ہوئے سعید کی راہنمائی میں روضے کی عمارت سے باہر نکل آئے۔

پروفیسر خیال آفاقی

ہر ذرہ یہاں عزت تقدیس حرم ہے

حرم سے باہر آئے، مدینہ کی گلیوں میں گھومنے کا شوق ہر طرف لیے پھرا۔ ہواؤں میں آپ ﷺ کے سانسوں کی مہک ضرور ہوگی، اس لیے لمبے لمبے سانس لیے کہ وہ ہوا میرے وجود میں بھی چلی جائے۔

تہجد کی اذان کے ساتھ حرم کے دروازے کھل گئے۔ بے تاب لوگ دیوانہ وار اندر بھاگے۔ میری خوش نصیبی کہ جگہ ریاض الجنۃ میں نفل پڑھنے کو ملی۔ میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ہوں۔ سر سجدہ سے اٹھانے کی کس میں ہمت ہوسکتی تھی۔ وہ تو خادم میری عبادت میں مخل ہوا اور اذان فجر سے پہلے پیچھے عورتوں والے حصے میں بھیج دیا۔ دالان تو مسجد نبویؐ کا ہی حصہ ہے۔ میرے لیے یہ بات ہی قابل فخر ہے۔

نماز اشراق کے بعد خواتین کو روضہ اطہر پر حاضری کی اجازت ملی۔ آپ ﷺ کو خواتین کا بے پردہ ہونا پسند نہیں ہے۔ آپؐ کے در پر جاتے ہوئے میں نے اپنا سراپا اچھی طرح چہرہ سمیت ڈھانپ لیا۔ پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ مبادا کوئی غلطی نہ ہو جائے، کوئی بے ادبی نہ ہو۔ یہاں آ کر بہت ہی سکون ملا۔ ایسا سکون جس پر ہزاروں زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔ مجھے یوں لگا جیسے میں بہت ہی مہربان اور شفقت کرنے والے باپ کے سائے میں آ گئی ہوں۔ اس کی چوکھٹ پر اپنے دکھ درد بیان کر سکتی ہوں۔ دل بلک بلک کر رو رہا تھا۔

تقدس بھری خاموشی، درود وسلام کی ہر طرف سے گنگناہٹ، ایک مسحور کن خوشبو ہر طرف پھیلی تھی۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں بندے کا تعلق دنیا سے ٹوٹ کر رشتہ صرف اللہ اور رسولؐ سے رہ جاتا ہے۔

ذکیہ ارشد حمید
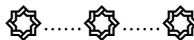
تمنا ہے کہ فوراً جاں بحق تسلیم ہو جاؤں

معاً مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی آمد کا منظر نگاہوں میں گھوم گیا۔ جوں جوں منزل قریب آ رہی تھی، اس میں تیزی بڑھتی جا رہی تھی۔ ہر کوئی پوچھ رہا تھا کہ دیارِ حبیب ؐ کتنی دور ہے۔ اتنے میں بس ایک چیکنگ پوسٹ پر رک گئی۔ پاسپورٹ چیک ہوئے اور معلوم ہوا کہ ہم مدینہ منورہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ شہر میں داخل ہوتے ہیں دعائیں شروع کر دیں اور درود شریف میں کثرت کر دی۔ بس سے اترے تو سامنے گنبد خضرا اور مسجد نبویؐ پر نظر پڑی۔ روح میں جیسے تازگی آ گئی ہو۔ اپنی خوش بختی پر ناز تھا۔ طبیعت کو سکون و قرار مل رہا تھا۔ اقامت گاہ میں گئے، سامان رکھا، غسل کیا اور باوضو ہو کر مسجد نبویؐ میں جانے کے لیے تیاری کرنے لگے۔ شام کے ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اذان کی مسحور کن آواز آئی، ہم تیزی سے مسجد نبویؐ پہنچے۔ کوئی تین چار منٹ کا فاصلہ ہو گا۔ مرکزی دروازہ باب السلام سے داخل ہوئے۔ نماز ادا کرنے کے بعد درود شریف کا ورد کرتے ہوئے سیدھے ہاتھ چل دیے۔ نظر روضہ اطہر پر پڑی تو آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بہنے لگا۔ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضری ایک خواب سی لگ رہی تھی۔ حد ادب سے جسم پر لرزہ اور دل پر ہیبت طاری ہو گئی۔

میں روضہ مبارک کے سامنے مؤدب کھڑا تھا۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو جالیوں سے جھانکا۔ غلاف مزار کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ یہ میرے آقا کا روضہ تھا۔ جی چاہا کہ اس سے لپٹ جاؤں، لیکن یہاں ادب و احترام ملحوظ رکھنا شرط اولین تھی۔ جذبات عقائد پر غالب آ رہے تھے۔ یہ بڑا سخت مقام تھا۔ مجھ میں وہاں کھڑے ہونے کی سکت نہ رہی اور ہجوم عشاق میں سے نکل کر روضہ اطہر کے پہلو میں اصحاب صفہ کے چبوترے پر چلا آیا۔

حکیم راحت نسیم سوہدروی

کہ جلتے رہتے ہیں یہاں رحمت و کرم کے چراغ

جانے کتنا وقت گزر گیا۔ پلکیں بھیگ گئیں۔ ندامت کے آنسو بہتے رہے۔ دل کا میل دھلتا رہا۔ پھر اللہ رب العزت کے حضور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ میں نے محسوس کیا میرے آس پاس بہت سے لوگ ہاتھ باندھے کھڑے ہیں اور دھیمی دھیمی آواز میں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ میں آگے بڑھتا اور چلتا رہا۔ حتیٰ کہ باب سلام اور باب جبرئیل کے درمیان کی صفوں میں مجھے جگہ مل گئی۔ نماز ختم ہوئی تو عشاق کے قافلے دیوانہ وار روضہ رسول ﷺ پر سلام پیش کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ زائرین کی وارفتگی کا وہی عالم تھا جو سنگ اسود پر بوسہ دیتے وقت ہوتا ہے۔ ہزاروں عاشقوں کا اژدھام، مگر یہاں حدِّ ادب، صبر و تحمل، بے ترتیب قطاروں میں بھی ایک نظم و ضبط، دیوانگی پر فرزانگی کا اثر، عجلت پر احتیاط کی گرفت، بے چینی کے اندر ایک نامحسوس قرار، جلد پہنچنے کی خواہش میں ضبط کا پہلو، حاضری کی آرزو پر ادب کی پکڑ۔ وہ زور آزمائی، دھینگا مشتی، لپاڈگی، طاقت کا استعمال، زور آوری کا اظہار، قوت بازو پر انحصار، دوسروں کو دھکا دے کر آگے بڑھنے کی کوشش جو سنگ اسود کو بوسہ دیتے وقت دیکھنے میں آتی ہے، یہاں وہ کیفیت نہیں تھی۔ شور و غل بھی نہ تھا۔ کسی کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ سب لب بستہ، دست بستہ، ہاں ہونٹوں پر درود و سلام کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ ہونٹوں کے دریچوں سے ندامت اور شرمندگی کے الفاظ سرگوشی کے لہجہ میں طلوع ہو رہے تھے۔ کس کی مجال کہ آواز نکالے، صدا لگائے، کس کو یارا کہ زور سے بولے کہ یہاں تو صحابہ کرامؓ کو بھی اونچی آواز میں بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم کس شمار و قطار میں؟ ان بزرگوں کے قدموں کی خاک بھی نہیں، ہم تو ان کے غلاموں کے غلاموں کے

ابن غلام ہیں۔ بادشاہوں کے بادشاہ، شہنشاہوں کے شہنشاہ، رسولوں کے امام اور خالقِ کائنات کے سب سے محبوب بندےﷺ کی بارگاہ ہے۔ اس ہجوم عاشقاں میں شامل ہر عاشق کو پتہ ہے کہ انھی کی شفاعت نصیب ہو گی تو انجام بخیر ہو گا۔ لوائے مصطفیٰ ﷺ کا سایہ نصیب ہو گا تو اعمال نامہ کھلنے سے بچ جائے گا۔ ردائے رسول کی چھاؤں میسّر آئے گی تو فردِ جرم کو چھپا لیا جائے گا۔ اعمال کی بنیاد پر کتنے لوگ جنت میں جا سکیں گے؟ جنت میں داخلہ کا پروانہ تو یہیں سے ملے گا۔ بہشت میں داخلہ کی پرچی تو یہیں سے نصیب ہو گی۔ نگاہِ کرم پڑ گئی تو بیڑا پار، نظرِ عنایت نصیب ہو گئی تو سفر آسان۔ ہم سب سفارش کروانے آئے ہیں۔ ہم سب تو N.O.C کے طلب گار ہیں۔ روز قیامت شفاعت کے آرزومند ہیں۔ روز حشر نظر کرم کے محتاج۔

میں بھی اس قافلہ میں شامل ہو سکتا تھا کہ بہت قریب تیسری صف میں نماز ادا کی تھی۔ بہت کوشش کی، دل و دماغ میں کشمکش رہی کہ جاؤں یا نہ جاؤں لیکن سچی بات ہے کہ آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ کوئی خوف نہیں تھا بس ندامت تھی............ شرمندگی تھی، حیا آتی تھی سامنے جاتے ہوئے۔ کیونکہ چار سال پہلے میں جب یہاں حاضر ہوا تھا تو بہت معافی تلافی کی تھی۔ بہت سے وعدے کیے تھے۔ اسی دربار میں............ اسی بارگاہ میں، یہیں مواجہہ شریف کے سامنے، روضہ اطہر کی جالیوں کے پاس کھڑے ہو کر۔ سرکارﷺ نے اس کے باوجود دوبارہ اذنِ باریابی عطا کی، زادِ سفر مہیا کیا، حاضری کا موقعہ عنایت کیا لیکن میں خالی ہاتھ تھا، تہی دامن تھا، اب کس منہ سے جاؤں۔ آپ ﷺ تو سب کچھ جانتے ہیں، اس بارگاہِ اقدس میں جھوٹی گواہی کی شنوائی نہیں ہوتی۔ یہاں تاویلات اور وضاحتیں بے معنی ہیں۔ بس یہی شرمندگی آگے قدم اُٹھنے نہیں دیتی تھی۔ سنہری جالیوں کے سامنے جانے کی ہمت نہ ہوئی، اس لیے میں ریاض الجنّہ پہنچ گیا۔

رضوان صدیقی

لبیک یا رسول اللہ ﷺ لبیک

مسجد نبوی ﷺ کے جوار میں واقع ایک ہوٹل میں، میں نے غسل کیا، نئے کپڑے زیب تن کیے، میری ہمشیرہ نے مجھے خوشبوؤں میں بسا دیا اس لیے کہ اس کا بھائی، حضور ﷺ کا ایک ادنیٰ سا شاعر، اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دینے جا رہا تھا۔ تمناؤں، آرزوؤں اور خواہشوں کا ایک لشکر اس کے ہمراہ تھا۔ آنسوؤں، ہچکیوں اور سسکیوں کا سیل بے پناہ اس کے ساتھ روانہ ہو رہا تھا۔ میرا چھوٹا بھائی اظہر مجھے اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور کہنے لگا، بھائی جان! میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ جب آپ اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں تو آپ پر کیا گزرتی ہے؟ یہ سن کر میں کانپ اٹھا، اب میں اسے کیا بتاتا کہ ایک مجرم اپنے آقا ﷺ کی عدالت میں حاضر ہو رہا ہے۔ رسوائیوں اور ندامتوں کے سوا اس کے دامن میں کچھ بھی نہیں، کیا تم میری رسوائیوں کا تماشا دیکھنا چاہتے ہو؟ نہیں، اظہر نہیں اور اقبال کی یہ رباعی میرے ہونٹوں پر مچلنے لگی۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہے مصطفیٰ پنہاں بگیر

میں نے جلدی سے اظہر اور زاہد غنی (اپنے بہنوئی) سے ہاتھ ملایا اور تیز تیز قدموں سے سیڑھیوں کے ذریعہ نیچے اترنے لگا۔ **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** ہر موئے بدن پکار اٹھا۔ ہوٹل اور مسجد نبوی ﷺ کا درمیانی فاصلہ چند قدموں پر محیط تھا لیکن مجھے یوں لگا جیسے یہ فاصلہ صدیوں پر پھیل گیا ہو۔ مجھے یوں لگا جیسے میں

صدیوں سے اس سفر پر رواں ہوں، راستے گزر رہے ہیں لیکن منزل قریب نہیں آ رہی۔

18 جون 1985ء ان گنت تمناؤں، آرزوؤں، حسرتوں اور خواہشوں کی خلعت فاخرہ میں لپٹا ہوا ایک روشن اور منور دن، کلیوں کی نرماہٹ کا تابندہ احساس لیے ہوئے ایک جھلملاتا ہوا دن، میری حیات مستعار کے ناقابل فراموش اور یادگار لمحات کا حامل دن، بیان سے قاصر قلبی کیفیات میں ڈوبا ہوا ایک شگفتہ اور گداز دن، ایک عجیب سا کیف، ایک عجیب سا سرور اور ایک عجیب سا نشہ رگ و پے میں سرایت کر رہا تھا، حد نظر تک پھیلا ہوا ایک دلنواز اور دل آویز منظر جس پر نئے دن کا مسکراتا ہوا سورج اپنی روپہلی کرنیں بکھیر رہا تھا، میرے سامنے تھا۔ یہ دلنواز اور دل آویز منظر مجھے، میرے ہونے کا احساس دلا رہا تھا اور میری کائنات شعور کو لمس اثبات سے ہمکنار کر رہا تھا۔ چاروں طرف انوار سرمدی کی بارش ہو رہی تھی، نور کا باڑا بٹ رہا تھا، عمرہ کی ادائیگی اور حرم کی سرزمین پر سجدہ بندگی ادا کرنے کے بعد میں مدینۃ النبی کی خاک شفا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کی سعادت حاصل کر رہا تھا، ایک دیوانہ، اپنے سرہانے غلامی کی زنجیر رکھ کر سونے والا دیوانہ، اپنی آنکھوں میں حیرتوں کے سمندر چھپائے، ہونٹوں پر درود و سلام کے گجرے سجائے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں پر عشق مصطفیٰ ﷺ کے چراغ جلائے دیوانہ وار شہر حضور ﷺ کی معطر، معتبر اور مقدس گلیوں میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے ڈگمگاتے ہوئے قدم آہستہ آہستہ مسجد نبوی ﷺ کی جانب اٹھ رہے تھے، احساس ندامت قدم قدم پر دامن گیر تھا، ماتھے پر عرق انفعال کے چمکتے ہوئے قطرے خطاؤں اور گناہوں کی ایک طویل داستان بیان کر رہے تھے، یہ روز، روز عید تھا۔ پلکوں پر اشکوں کا میلہ سا لگا ہوا تھا، پس مژگاں رتجگے کا سا سماں تھا۔ یہ عید میرے لیے اربوں، کروڑوں عیدوں سے بڑھ کر ایک ایسی عید تھی جس کے دامن میں روز اول سے میرے سلگتے ہوئے آنسو جذب ہو رہے تھے اور میں نے وادی خیال میں پیدا ہونے والی جلال و جمال کی تمام تر رعنائیاں جس عید کے انتظار میں پلکوں کی دہلیز پر نثار کر دی تھیں، آنکھوں نے پلکوں پر آنسوؤں کی کناری سی لگا دی تھی، حریم دیدہ و دل میں چراغاں ہو رہا تھا۔ سارا منظر اپنی دائمی تابانیوں

کے باوجود دھندلا دھندلا سا لگ رہا تھا، میں کبھی اپنے آپ کو دیکھتا، من کے اندر تاریکیوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا اور کبھی نگاہیں شہرِ پیغمبر ﷺ کے در و دیوار کو چومتیں جہاں اجالے ہی اجالے بکھرے ہوئے تھے، جہاں دھنک کے ساتوں رنگ ادب و احترام کی قندیل تھامے آہستہ آہستہ اتر رہے تھے، اندر کا موسم خوش گوار سے خوشگوار تر ہوتا چلا جا رہا تھا، کشتِ آرزو میں بادِ بہاری چل رہی تھی، شمیم خلدِ مدینہ چاروں طرف محوِ خرام تھی، قریہ جاں کے کسی دور دراز گوشے سے ایک کمزور سی آواز ابھری، اس کمزور سی آواز نے میرے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ مجھے میری اوقات یاد دلا دی، اندر کی ساری ندامت پیشانی پر اُمڈ آئی، ریاض! تمہارے نامہ اعمال میں رسوائیوں اور بداعمالیوں کے سوا کچھ بھی نہیں، تیری فردِ جرم بڑی طویل ہے، تیری دونوں ہتھیلیوں پر اس فردِ جرم کے اوراق دھرے ہوئے ہیں۔ ان اوراق پر تیرے ایک ایک جرم کی تفصیل درج ہے ریاض! تیرا سینہ منافق ساعتوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، تیرے من میں نفرتوں کا لاوا کھول رہا ہے، تیرے ظاہر و باطن میں ہر طرف کثافت اور غلاظت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، تمہاری یہ جرات کہ والی کون و مکاں ﷺ کے دربارِ گہر بار میں چلے آئے ہو، کیا منہ لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں جا رہے ہو؟ بندہ گستاخ رک جا! خبردار ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا، ضمیر کی عدالت سے فیصلہ صادر ہو رہا تھا، میں سہم گیا، قدم رک گئے، کم مائیگی اور تر دامنی پاؤں کی زنجیر بن گئی، جسم شرمساری کے پسینے میں ڈوب گیا۔ میں عالمِ تحیر میں گم، جوارِ مسجد نبوی ﷺ میں کھڑا تھا۔ قدم تھے کہ اٹھائے نہ اٹھتے تھے، نظریں تھیں کہ زمین میں گڑی جا رہی تھیں، اس عالمِ بے بسی میں میرے سرکار ﷺ کی رحمت دستگیری کے لیے آگے بڑھی، میرے ہاتھ میں میری بیاضِ نعت تھی۔ میرے رتجگوں کا حاصل، حصارِ ہجر میں نوائے بردہ، میری دعائے نیم شبی کا ارمغان، میرے آنسوؤں، ہچکیوں اور سسکیوں کا آئینہ، میری عقیدتوں، محبتوں اور خود سپردگیوں کا سرنامہ، دل کو قدرے دلاسہ ہوا۔ عالمِ وجد میں قریہ جان و دل میں جود و عطا کی سبز بوندیں اترنے لگیں، ایک عجیب سا احساس جاگ اٹھا، چلو سوت کی انٹی ہی سہی، شاید میرا نام بھی یوسفؑ کے خریداروں میں شامل ہو جائے،

روح اور دل پشیمان ہو کر سلگ اٹھے۔

تھوڑا سا اعتماد بحال ہوا تو سنبھل کر کھڑا ہو گیا، ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح کوند گیا کہ میں لاکھ برا سہی، لاکھ خطا کار سہی، چہرہ زمانے بھر کی سیاہی سے آلودہ سہی، لیکن پھر بھی اپنے شفیق اور مہربان نبی ﷺ کا امتی تو ہوں۔ دعویٰ لاکھ جھوٹا سہی ان ﷺ کی محبت کا دم تو بھرتا ہوں، میرے آقا ﷺ پیکر عفو و کرم ہیں۔ انؐ کی رحمت کی کوئی حد نہیں، انؐ کے در سے کوئی سوالی خالی ہاتھ نہیں لوٹا، سب کا بھرم رکھنے والے آقا ﷺ مجھ روسیاہ کا بھرم بھی رکھیں گے۔ سب کے زخموں پر مرہم رکھنے والے رسول آخر ﷺ مجھے بھی رحمت کی شال عطا کریں گے، وہ کہاں کسی کا نام و نسب اور کب کسی کا ہنر دیکھتے ہیں مجھ سے بے ہنر کے برہنہ سر پر بھی دست شفقت رکھیں گے، وہ تو کرم ہی کرم ہیں، رحمت ہی رحمت ہیں، عطا ہی عطا ہیں، کیا عجب مجھ ایسے روسیاہ کو بھی اپنی کملی کے اجالوں میں چھپا لیں، کیا عجب ایک اچٹتی سی نگاہ مجھ جیسے پر تقصیر پر بھی ڈال لیں اور میرے مقدر کا ستارہ چمک اٹھے، کیا عجب...... کیا عجب...... اور میری آواز رندھ گئی، ہچکی بندھ گئی...... یا رسول ﷺ! ایک دیوانہ اذن باریابی کا منتظر ہے، یا حبیب اللہ ﷺ! اپنے شاعر کو حاضری کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ یا رسول اللہ ﷺ! اس بھری دنیا میں کوئی اس کا پرسان حال نہیں، کوئی اس کے آنسو پونچھنے والا نہیں، کوئی اس پر نگاہ التفات ڈالنے والا نہیں، کوئی اس کے زخموں پر مرہم رکھنے والا نہیں، آقا حضور ﷺ! یہ پریشان بھی ہے اور پشیمان بھی، یہ آرزوؤں اور تمناؤں کا ایک طوفان دل میں چھپائے چشم کرم کا منتظر ہے، حضور ﷺ چشمان مبارک اٹھایئے، آقا ﷺ نگاہ کرم کیجیے، ضبط کا بندھن بار بار ٹوٹ رہا تھا۔ تمام آرزوئیں اور تمنائیں سیل اشک میں خس و خاشاک کی طرح بہنے لگیں، **یا رسول اللہ انظر حالنا، یا رسول اللہ انظر حالنا.**

دل نے ایک بار پھر ٹوکا، ریاض! ذرا سنبھل کر قدم رکھ، یہ سرزمین محبوب خدا ہے۔ یہاں کے ذرے ذرے میں عشاق مصطفیٰ کے دل دھڑک رہے ہیں۔ یہ خطہ دلنواز آج بھی میرے حضور ﷺ کے نقش کف پا سے پھوٹنے والی شعاعوں سے جگمگا رہا ہے۔

دیارِ دل کا ہر منظر، کشورِ روح کا ہر پیکر، کیفِ حضوری میں ڈوب گیا۔ ہر موئے بدن حرفِ سپاس بن گیا۔ نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور ہاتھ دعا کے لیے پھیل گئے اے قادرِ مطلق! اے بنجر زمینوں کی طرف کالی گھٹاؤں کو حکم سفر دینے والے رب! میری پلکوں پر جھلملانے والے تشکر کے آنسو قبول فرما۔ یا باری تعالیٰ! تو نے اپنے ایک گناہ گار بندے کو اس کی تمام تر رسوائیوں کے باوجود شہر حبیب ﷺ کی زیارت کا شرف بخشا ہے تو اب اپنے محبوب ﷺ کے ایک ادنیٰ سے شاعر کی حاضری کو لمحات حضوری میں بھی بدل دے۔ اے میری سانسوں کے مالک اے رحیم و کریم رب! میں تیرے محبوب ﷺ کے دربار میں حاضری کے آداب سے واقف نہیں ہوں۔ میرے ذوق اور میرے شوق کو حدادب میں رکھ، میرے اضطراب کو حرف تحمل عطا کر، دل نے آہستہ سے سرگوشی کی، یہاں سانس بھی آہستہ لے، یہ شہر نبی ﷺ ہے دیکھ، حضور ﷺ انہی فضاؤں میں سانس لیا کرتے تھے۔ انؐ کی مقدس سانسوں کی خوشبو آج بھی ان فضاؤں میں رچی بسی ہے۔ چشم تصور انگلی پکڑ کر مجھے میرے بچپن میں لے جاتی ہے، سردیوں کے دن ہیں، نماز عشاء کے بعد ہم سب بچے اپنے دادا جان کے بستر میں گھس جاتے ہیں۔ ایک ساتھ تقاضا ہوتا ہے کہ دادا جی! کوئی کہانی سنائیں، وہ چند لمحے توقف فرماتے ہیں اور مدینے کی گلیوں کا ذکر چھیڑ دیتے ہیں، حضور ﷺ کی کہانی سناتے ہیں، وہ ہمیں اپنے ساتھ طائف کے بازاروں میں لے جاتے ہیں، پہاڑوں کا فرشتہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے یا رسول اللہ! اگر حکم ہو تو اس بستی کو ان دو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں لیکن حضور ﷺ جو سرتاپا رحمت ہیں، پہاڑوں کے فرشتے کو ایسا کرنے سے روک دیتے ہیں۔ حضور ﷺ کے مقدس ٹخنوں سے خون بہہ رہا ہے، آپ ﷺ ایک باغ میں تشریف لاتے ہیں، دادا جان ہمیں حضور ﷺ کے بچپن کے واقعات سنایا کرتے، دائی حلیمہ کی قسمت پر رشک کیا کرتے، دائی حلیمہ جب حضور ﷺ کو لے کر چلی تو اس کی مریل سی سواری سب تیز رفتار سواریوں سے آگے نکل گئی۔ جب وہ حضور ﷺ کو اپنی گود میں لیے اپنی کٹیا میں داخل ہوئی تو کٹیا میں ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ حضور ﷺ پالنے میں ہوتے تو چاند حضور ﷺ کی انگلی

کے اشارے پر کبھی دائیں طرف جھک جاتا اور کبھی بائیں جانب، کبھی دادا جان ہمیں بتاتے کہ حضور ﷺ مہمان عرش بن کر آسمانوں کی سیر کو گئے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے کہ اسلام قبول کرنے پر انہیں ریت پر گھسیٹا جاتا، غار حرا کا ذکر آتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ سناتے، دادا جان کی آواز بھرا جاتی! آنکھیں چھلک پڑتیں، ہم بچے حیران ہوتے کہ یہ کہانی سناتے سناتے دادا جان کو کیا ہو جاتا ہے۔ وہ کہانی سناتے سناتے چند لمحوں کے لیے رک کیوں جاتے ہیں، حضور ﷺ کا نام زبان پر آتے ہی ان کی آنکھیں کیوں چھلک پڑتی ہیں اور یہ حضور ﷺ کون ہیں کہ ان کے نام پر لہو کی گردش تیز ہو جاتی ہے، یہ مدینہ کس بستی کا نام ہے، یہاں کے ذرے ذرے کو آنکھوں کا سرمہ بنانے کی تمنا کیوں دلوں کو بے تاب رکھتی ہے۔ جب شعور ذرا پختہ ہوا اور معلوم ہوا کہ ہمارا تو سب کچھ ہمارے حضور ﷺ ہی ہیں۔ حضور ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں، اللہ کے سب سے برگزیدہ پیغمبر ہیں، یہ کائنات ارض وسماوات آپ ﷺ کے قدموں کا تصدق ہے، حضور ﷺ ہمارے آقا ہیں، ہمارے سردار ہیں، ہمارے ماویٰ و ملجیٰ ہیں اور کائنات کی سب سے محترم شخصیت ہیں اور اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک حضور ﷺ ہمیں ہماری جان، مال، اولاد غرض یہ کہ ہر شے سے عزیز تر نہ ہو جائیں تو میری آنکھیں بھی حضور ﷺ کا نام سنتے ہی بھیگنے لگتیں، حضور ﷺ کی محبت رگ و پے میں اترتی محسوس ہوتی، اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کا سلام سنتا تو حالت غیر ہو جاتی۔ میں آنکھیں بند کر لیتا، درود شریف پڑھتا اور چشم تصور میں گنبد خضرا کی چھاؤں میں پہنچ جاتا، بارگاہ نبوی ﷺ میں پہنچ کر سلام عرض کرتا، اپنی گزارشات بارگاہِ نبوی ﷺ میں پیش کرتا اور درود پڑھتے پڑھتے پھر اپنی دنیا میں واپس پہنچ جاتا، جب کسی کتاب یا رسالے میں گنبد خضرا کی تصویر دیکھتا تو دونوں ہاتھ اٹھا کر سلام کرتا، حضور ﷺ کے بارے میں کہیں کوئی تحریر پڑھتا یا اخبار میں حضور ﷺ کا اسم گرامی دیکھتا تو بے اختیار حضور ﷺ کے اسم گرامی کو چوم لیتا، اس اخبار یا رسالے کو کبھی آنکھوں سے اور کبھی سینے سے لگاتا، سینے میں ایک ٹھنڈک سی محسوس ہوتی، لطف وراحت کا ایک عجیب سا موسم دل ونظر پر محیط

ہو جاتا، واقعہ ہجرت پڑھ کر عجیب سی حالت ہو جاتی، مکہ مکرمہ سے حضور ﷺ کے سفر ہجرت کے آغاز، غار ثور سے قبا تک کا سفر، اہل مدینہ کا والہانہ استقبال، بنونجار کی بچیوں کا خیر مقدمی گیت گانا، اکثر مجھے تڑپا دیتا، جب میں نے پہلی بار اس مکان کی تصویر دیکھی جہاں یثرب کی بچیوں نے دف بجا کر حضور ﷺ کو خوش آمدید کہا تھا تو میں دیر تک وہ تصویر آنکھوں سے لگا کر روتا رہا تھا۔ میں اکثر سوچتا کاش میں بھی یثرب کی ان بچیوں میں شامل ہوتا۔ حضور ﷺ کی راہوں میں اپنی آنکھیں بچھاتا۔ حضور ﷺ کی ناقہ کی مہار تھام کر عرض کرتا، حضور ﷺ میرے گھر چلیے ہم سب گھر والے آپ کی خدمت کیا کریں گے، حضور ﷺ میرے قریب آ کر پوچھتے کیا تم مجھے چاہتے ہو تو میں بے ساختہ پکار اٹھتا ''دل و جان سے یا رسول اللہ ﷺ'' اور پھر دیوانہ وار اپنے آقا ﷺ کے قدموں سے لپٹ جاتا۔

خیالات کی وادی دلکشا میں پھول کھل رہے تھے۔ تصورات کی دنیا سے باہر آیا تو سر پر سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ میں فضائے مدینہ میں سانس لے رہا تھا۔ ہوائے مدینہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو رہا تھا۔ میں نے اضطراری کیفیت میں نیلے آسمان کی طرف دیکھا۔ کیا میرے آقا ﷺ بھی اسی آسمان کو دیکھا کرتے تھے، جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہوگئی، ان پہاڑوں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہوگا۔ ان ہواؤں نے انؐ کے گیسوئے تابدار کے بوسے لیے ہوں گے۔ اس خاک نے قدوم مصطفیٰ ﷺ کو چومنے کا اعزاز حاصل کیا ہوگا۔ میں دیر تک کھلے آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ میں نے جدھر دیکھا مجھے میرے حضور ﷺ ہی نظر آئے، آسمان کی وسعتیں انوار محمدی ﷺ سے بھر گئیں، میرے زندہ نبی کا وجود ایک زندہ و پائندہ حقیقت بن کر ہر طرف جلوہ افروز تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے دھند کا پردہ کچھ اور بھی گہرا ہوگیا۔ آنسوؤں کے رقص میں تیزی آ گئی، مجھے کچھ خبر نہیں تھی کہ میرے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ روضہ اقدس کی زیارت سے مشرف ہونے والے عشاق کس حال میں ہیں، ان کے دلوں پر کیا گزر رہی ہے۔ میں ہمت کر کے آگے بڑھا۔ یوں لگا جیسے باد بہاری سڑک کے دونوں طرف

مودب کھڑی ہے، تمناؤں کے ان گنت آنچل قدم قدم پر بچھے ہوئے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کائنات کا ذرہ ذرہ میرے ساتھ چل رہا ہے۔ ہر چیز روضہ اقدس کی جانب رواں دواں ہے، مجھے یوں لگا جیسے وقت کی رفتار تھم گئی ہو، ہواؤں نے دم سادھ لیا ہو، چراغ بدست خوشبو کے قدم رک گئے ہوں اور پھر اوج ثریا نے میری آنکھوں کو چوم لیا، نگاہ اٹھائی تو ہر اشک آئینہ خانہ بن گیا، پلکیں بھیگ گئیں۔ سامنے گنبد خضرا اپنی جملہ تابانیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھا، میں ایک لمحے کے لیے ڈگمگا گیا، پوری کائنات کا مرکز نگاہ جس کے تصور دل پذیر سے کشور جاں میں باد بہاری چلتی ہے، جس کے تصدق میں موسموں کو شاداب ساعتوں کی خلعت عطا ہوتی ہے، رعنائی خیال جس کے دامن کی اترن ہے جو ہر زبان کی ہر لغت میں امن، سلامتی سکون اور عافیت کا سب سے بلیغ استعارہ ہے، میں اس شہر انتخاب میں تھا اور میں اپنے تصورات میں گم صم گنبد خضرا کی طرف دیکھ رہا تھا، نگاہیں بہر سلامی اوپر اٹھیں اور اٹھی ہی رہیں، کسے آنکھ جھپکنے کا یارا تھا۔ پھر احترام سے جھک گئیں اور جھکتی ہی چلی گئیں، دل کی ہر دھڑکن آنکھوں میں سمٹ آئی تھی، دیار ہجر میں عمر عزیز کی کتنی راہیں اور کتنے دن گنبد خضرا کے تصور میں گزار دیئے تھے، آج میں اسی گنبد خضرا کی ٹھنڈی چھاؤں میں کھڑا تھا، لہو کی ایک ایک بوند ناچ اٹھی، پورا عالم رقص میں آ گیا، فضائیں جھوم اٹھیں، ساعتیں درود پڑھنے لگیں، فضائیں **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** کے سرمدی الفاظ سے معمور ہو گئیں۔ میں نے اپنے منتشر خیالات کو سمیٹا۔ دل نے ایک بار پھر ٹوکا، ریاض! سنبھل کر چل، ہوش کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ، اپنے بخت رسا کی بلائیں لے۔ چند لمحے بعد تو حضور ﷺ کی عدالت عظمیٰ میں پیش ہونے والا ہے، اے مجرم اپنی صفائی میں کیا کہو گے؟ دیکھو! سر جھکا کر اپنے جرائم کا اعتراف کر لینا، وہ دلوں کے پوشیدہ مناظر بھی دیکھ لیتے ہیں۔ تمام آرزوؤں کو دامن دل میں سمیٹ لے اور پھر چند ثانیے بعد باب جبریل کے سامنے کھڑا تھا۔ دہلیز مصطفیٰ کو نظروں نے بوسہ دیا، نگاہوں سے خود بخود سجدے ٹپک پڑے۔ جی چاہا سرکار ﷺ کی چوکھٹ سے دیوانہ وار لپٹ جاؤں، عشاق مصطفیٰ کے قدموں کو چوم لوں، کچھ سمجھ میں نہیں

آ رہا تھا کہ اپنے جذبات کا اظہار کس طرح کروں، رقص کروں کہ جھوم جاؤں، گمان گزرتا کہیں یہ خواب تو نہیں۔ کیا میں حالت بیداری میں ہوں، پھر میں اپنے آنسوؤں کے ان گجروں کو تلاش کرنے لگا جو میں نے عمر بھر شب کے پچھلے پہر سپرد بادِ صبا، اس التماس کے ساتھ کیے تھے کہ اے مدینے کی طرف جاتی ہوئی ہواؤ! میرے ان آنسوؤں کو دہلیز مصطفیٰ پر رکھ کر عرض کرنا کہ آقا ﷺ آپ کا شاعر بے حد اداس ہے۔ حضور ﷺ چاروں طرف سے اسے غموں نے گھیر رکھا ہے، حضور ﷺ بلاوے کا منتظر ہے، مجھے کچھ خبر نہیں کہ میں نے کب اور کیسے دہلیز مصطفیٰ کو عبور کیا، ہوش آیا تو حضور ﷺ کے قدمین مبارک میں کھڑا تھا۔ سامنے سبز جالیاں تھیں، چشم پرنم نے جھک کر حضور ﷺ کے قدموں کو بوسہ دیا۔ یا رسول اللہ! ہماری جنت تو آپ ﷺ کے قدموں میں ہے۔ یادِ مصطفیٰ ﷺ میں پہروں مچلنے والا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ آنسوؤں، ہچکیوں اور سسکیوں کا ایک طوفان امڈ آیا، میرے وجدان نے ہمیشہ حضور ﷺ کے قدموں پر سجدے لٹانے کی آرزو کی ہے۔ سرکار ﷺ کے قدموں میں گر کر مر جانے کی تمنا کی ہے۔ آج میں اپنے آقا ﷺ کے قدموں میں کھڑا تھا۔ لبوں پر درود و سلام کے زمزمے مچل رہے تھے، عشاق مصطفیٰ بارگاہ حضور ﷺ میں ہدیہ سلام پیش کرنے کے بعد سامنے سے آ رہے تھے، میں بڑے ادب اور احترام کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ دل کی رفتار یقیناً قدموں سے تیز تھی اور پھر وہ لمحہ بھی آ گیا جسے حاصل زندگی بھی کہوں تو کم، یوں لگا جیسے انوار کی چادر سی میرے سامنے تان دی گئی ہو، شاداب ساعتوں کے موسم نے مجھے اپنی بانہوں میں لے لیا ہو، آہستہ آہستہ نظریں اٹھائیں۔ سامنے رنگ و نور کا ایک سمندر موجزن تھا۔ چند لمحوں کے لیے نجانے کہاں کھو گیا، روضہ اطہر کی سنہری جالیاں سامنے تھیں، وہ جالیاں جنہیں میں نے چشم تصور میں بارہا بوسہ دینے کی سعادت حاصل کی تھی۔ سینے سے ایک طوفان اٹھا، میں دیوانہ وار پکار اٹھا **لبیک یا رسول اللہ، لبیک**، میں بے ساختہ پکار رہا تھا۔ حضور ﷺ آپ کا ایک ادنیٰ سا شاعر، آپ ﷺ کے گھرانے کا نوکر، آپ ﷺ کے غلاموں کا غلام حاضر ہے، آقا آپ ﷺ کا مجرم سر جھکائے آپ کی عدالت میں کھڑا

ہے۔ میں نے چشم تصور میں دیکھا، حضور ﷺ فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ سر، بارگاہِ خداوندی میں جھکا ہوا ہے۔ کفار ومشرکین بھی مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے ہیں لیکن حضور ﷺ کی طرف سے اعلان ہو رہا ہے کہ آج جو شخص ابوسفیان کے گھر میں آ جائے گا، اسے بھی پناہ دی جائے گی جو اپنے گھر کو اندر سے بند کر لے گا، وہ بھی امان پائے گا، یہ سوچ کر مجھے حوصلہ ہوا۔ ایک مجرم کے اوسان بحال ہوئے۔ حضور ﷺ اپنے شاعر کا سلام قبول کیجیے **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** ساری عمر ارادے باندھتا رہا کہ حضور کی بارگاہ بے کس پناہ میں پہنچ کر اپنی ساری تمنائیں طشت دیدہ و دل میں سجا کر پیش کر دوں گا۔ یہ عرض کروں گا، وہ عرض کروں گا۔ اپنے ٹوٹے ہوئے وطن کی داستان کہوں گا۔ عرض کروں گا کہ آقا ﷺ آپ کے غلاموں کے وطن کا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے۔ حضور ﷺ میرا مشرقی پاکستان سازشوں کے بھنور میں ڈوب گیا ہے۔ آقا ﷺ غلاموں کا آشیانہ شاخ نازک پر لرز رہا ہے۔ حضور ﷺ شرمسار ہوں کہ اب میرے وطن سے آپ ﷺ کو ٹھنڈی ہوا نہیں آتی، ہم آپ ﷺ کی تعلیمات کو بھول چکے ہیں، تارک قرآن ہو کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، ہم نے ہر اخلاقی قدر کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ اپنی ثقافتی اقدار کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے بجائے انہیں ہم نے عجائب گھروں کے شفاف شوکیسوں میں سجا رکھا ہے، حضور ﷺ ہم اپنی تاریخ ہی نہیں، اپنے جغرافیے کے بھی قاتل ہیں۔ صنم خانے ہمارے سوچوں کے نگر میں آباد ہیں، کشور دیدہ و دل میں دھول اڑ رہی ہے۔ ہر زاویہ نگاہ تشکیک کی گرد میں لپٹا ہوا ہے۔ ہم نے اپنے دین میں اپنی جھوٹی انا کی گمراہیوں کی مسند بچا رکھی ہے، ہم نے تاج ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والے غاصبوں کو اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے، ہم وہ بدبخت ہیں جو فلسطین، بوسنیا اور کشمیر کی بیٹی کے سر پر تحفظ کی ردا نہ دے سکے۔ ان کی عصمتیں سر بازار لٹتی رہیں لیکن ہماری غیرت ایمانی پر مسلسل برف گرتی رہی۔ آقا ﷺ ٹوٹ جائیں ہمارے دونوں ہاتھ، ٹوٹ جائیں ہمارے دونوں ہاتھ، حضور ﷺ ہم آپ کے مجرم ہیں، حضور ﷺ ہم آپ کے مجرم ہیں۔ سوچا تھا حضور ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں وطن کی ہواؤں

کا سلام پیش کرنے کے بعد گھر کے ایک ایک فرد کا نام لے کر سلام عرض کروں گا کہ یا رسول اللہ! میرے گھرانے کا ایک ایک بچہ دونوں ہاتھ اٹھا کر سلام کہہ رہا تھا۔ حضور ﷺ آپ کی کنیزیں گلاب کی سرخ پتیاں لے کر دست بستہ کھڑی تھیں۔ آقا ﷺ غلام زادے سرتاپا حرف سپاس بن کر سلام پیش کر رہے تھے، حضور ﷺ میرے گھر کے در و دیوار بھی سلام کہتے تھے۔ حضور ﷺ میرا قلم، میری تنہائیوں کا ساتھی، حضور ﷺ ہم دونوں مل کر آپ کی محبت کے چراغ جلایا کرتے تھے، حضور ﷺ اس ٹوٹے ہوئے قلم کو بھی اپنے ساتھ لے آیا ہوں، ورق ورق پر سجدے لٹانے والا قلم، حضور ﷺ سلام عرض کرتا ہے لیکن تمام تمنائیں اور آرزوئیں سیل اشک میں بہہ گئیں، ممکن ہے عالم بے خودی میں زبان حال سے یہ سب گزارشات حضور ﷺ کے گوش گزار بھی کر دی ہوں لیکن محسوس یہی ہو رہا تھا جیسے زبان پر تالے پڑ گئے ہیں، لفظ لڑکھڑا رہے ہیں، جذبات کی بیساکھیاں ٹوٹ رہی ہیں، جملے آنسوؤں میں تحلیل ہو رہے ہیں۔ آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی، دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا غلامان رسول ہاشمی کے جذبوں کا ایک سمندر چاروں طرف موجزن تھا، ہر کوئی اپنے دکھ سمیٹے اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں گزارشات پیش کر رہا تھا۔ میرے آگے پیچھے، دائیں بائیں عشاق مصطفیٰ دنیا و مافیہا سے بے نیاز حضور ﷺ کے دربار گہر بار میں درودوں کے گجرے اور سلاموں کی ڈالیاں پیش کر رہے تھے۔ ایک عالم کیف میں ڈوبا ہوا تھا۔ دل نے سرزنش کی کہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اور سیدنا عمر فاروق ؓ کی بارگاہ میں سلام پیش کیے بغیر آگے بڑھ آئے ہو۔ چلو اور جاں نثاران مصطفیٰ سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگو۔ شرمندگی کی چادر میں منہ چھپائے بارگاہ صدیقیت اور بارگاہ فاروقیت میں حاضر ہوا، عرض کی میرے حضور ﷺ کے محترم ساتھیو! حضور ﷺ کا ایک ادنیٰ سا شاعر سلام کے لیے حاضر ہوا ہے اور بصد ادب التماس گزار ہے کہ اس مجرم کی انگلی پکڑ کر اسے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں لے چلیں! میں ایک مجرم کی طرح ستونوں کے پیچھے چھپ رہا تھا، میری روسیاہیاں میری آنکھوں میں سمٹ آئی تھیں۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ سچ مچ مواجہہ شریف میں کھڑا ہوں اور حضور ﷺ مجھے دیکھ

رہے ہیں، کہیں اندر سے آواز آئی، اے دیدۂ شوق میں سلگنے والے آنسوؤ! اے مصحف شعور پر تحریر ہوتی سسکیو! اور اے لوحِ عقیدت پر رقم ہوتی ہوئی ہچکیو! احتراماً جھک جاؤ اور خاکِ انور کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لو، زائرین کے قدموں کی دھول اپنے چہرے پر مل لو۔ آواز آئی ریاض! اپنی اوقات جانتے ہو، یہ تو حضور ﷺ کا کرم ہے کہ تجھ جیسے کمینے کو بھی حاضری کا پروانہ جاری ہو گیا ہے، معلوم ہے کس کے دربارِ اقدس میں کھڑے ہو، ارے نادان! یہ تیرے آقا ﷺ کا دربار ہے۔ سامنے روضہ اطہر کی سنہری جالیاں ہیں، یہ وہی سنہری جالیاں ہیں جنہیں تم ہر شب چشمِ تصور میں بوسہ دیا کرتے تھے، نظریں اٹھا اور اپنی سلگتی ہوئی آنکھوں سے ان معطر جالیوں کو چوم لے، یہ بارگاہ والیِ کون و مکاں ﷺ ہے، یہ محبوبِ رب العالمین ﷺ کا آستانہ ہے، یہ دربارِ شہنشاہ انس و جاں ﷺ ہے یہ درِ یتیم آمنہؓ کے لعل ﷺ کی آرام گاہ ہے، یہاں ذرا سا بھی اضطراب سوءِ ادب میں شمار ہو گا۔ چند لمحوں کے لیے میں بھول چکا تھا کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں، اور کس عظیم پیغمبر کی بارگاہ میں کھڑا ہوں۔ وہ اضطراب و بے قراری جسے ہجر کی ساعتوں میں حرزِ جاں بنایا کرتا تھا، وہ تڑپ جس میں مچل مچل کر دوری میں بھی حضوری کی لذت سے ہمکنار ہوا کرتا تھا، ختم ہو چکی تھی ایک عجیب سا سکون روح پر محیط تھا۔ جیسے بھوک اور پیاس کی شدت سے نڈھال بچہ روتے روتے ماں کی آغوش میں میٹھی نیند سو جاتا ہے۔ کچھ اس قسم کی کیفیت سے روح اور بدن سرشار تھے، اندر سے وہی آواز دوبارہ ابھری، ریاض خوش نوا! اپنے بختِ رسا پر ناز کر، یہ وہی مواجہہ شریف ہے جو تیری سوچوں کا مرکز و محور رہا ہے، یہ اسی سالارِ نسلِ آدم ﷺ کا دربار ہے ہم نسل در نسل جس کی شفقتوں کے مقروض چلے آ رہے ہیں جس کی ثنا ازل سے تیرے مقدر میں لکھ دی گئی تھی۔ یہ اسی نبی محتشم ﷺ کا آستانہ ہے جس کی یاد شب کے پچھلے پہر تیری خلوتوں میں میلہ سا لگایا کرتی تھی، یہ اسی نبی آخر الزماں ﷺ کی دہلیز ہے جس پر سجدہ ریز ہونے کے لیے تیرا قلم مچلتا رہتا تھا۔ تیری سانسیں مضطرب رہتی تھیں، اے میرے مقدر وجد میں آ، اے میری روح ذرا جھوم جا، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے حضور ﷺ کی چادرِ رحمت نے مجھے اپنے دامن کی خنک

چھاؤں میں سمیٹ لیا ہو، قلب ونظر میں اٹھنے والا طوفان تھم چکا تھا۔ جھیل کی مضطرب موجیں سکون آشنا ہو چکی تھیں۔ میں نے اپنی بیاض نعت کو الٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ ''حضور حاضر ہے ایک مجرم'' یہ نعتیہ نظم لبوں پر مچل اٹھی، ایک ایک مصرع میں دل کی ہزار ہزار دھڑکنیں سمٹتی جا رہی تھیں۔ الفاظ کانپ رہے تھے، ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ ہاتھوں پر رعشہ طاری تھا اور میرا سارا وجود احساس ممنونیت کی چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ یوں لگا جیسے صدیاں بیت گئی ہوں، **اللہ اکبر، اللہ اکبر** مؤذن کی آواز گونجی، میں چونک پڑا، جیسے کوئی برسوں کی نیند کے بعد بیدار ہوتا ہے۔ **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ**، چشم پرنم نے جھک کر حروف سپاس کو بوسہ دیا۔ حضور ﷺ اس کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائیے۔ روح اور جسم دونوں آنسوؤں سے وضو کر کے نماز عشق ادا کر رہے تھے، موذن کی آواز گونج رہی تھی۔

اشھدان محمد رسول اللہ

اشھدان محمد رسول اللہ

ریاض حسین چودھری

وہ حریم پاک ہے یہ، جہاں رفعتیں جھکتی ہیں

مدینہ منورہ دائمی شہر امن، راحت قلب و جاں، منزل سکون و عافیت اور عطاؤں اور بخششوں کا مرکز ہے۔ یہ شہر دل نواز آسودہ لمحوں کا مسکن ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت فرما کر شہر مدینہ کو امن کا گہوارہ بنا دیا چونکہ مکان کی فضیلت مکین کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لیے جب نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اس شہر دل نواز کو دُنیا کے تمام شہروں پر فضیلت حاصل ہوگئی۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

''اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نبی اور بڑے مخلص ترین دوست تھے۔ انھوں نے شہر مکہ کے لیے تجھ سے دُعا کی اور تو نے قبول کی۔ یا اللہ! میں تیرا نبی، تیرا رسول، تیرا بندہ اہلِ مدینہ کے لیے دُعا گو ہوں۔''

یہ صرف نبی اکرم ﷺ کی سفارش مبارک کا کرم تھا کہ آج مجھے اپنے نصیبوں پر رشک آ رہا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچتے ہی جسم و جاں خوشی و شادمانی سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ جیسے روٹھے، منہ بسورتے اور روتے بچے کو اس کی پسندیدہ شے ملنے پر بے پایاں مسرت ہوتی ہے، اسی طرح اس شہر میں قدم رکھتے ہی انگ انگ خوشی سے جھوم اُٹھتا ہے۔ لیکن اگر ایک طرف مسرتوں کا احساس تھا تو دوسری طرف شرمساری سے سر بھی جھکا جا رہا تھا کہ ہم آپ ﷺ کے امتی ہونے کے باوجود سنتِ نبوی ﷺ سے کتنی زیادہ روگردانی کر رہے ہیں۔ سفر حجاز میں جہاں وحشتوں کا خاتمہ ہوتا ہے، وہیں ندامتوں کا احساس بھی دوگنا ہو جاتا ہے اور شاید ندامتوں کے یہی احساسات ہمیں راہ حق پر چلنے کی توفیق دیتے ہیں۔

مسجد النبوی کا وسیع و عریض صحن، روشن صبح کا آغاز، جسم و رُوح کے دریچے کھولتی ہوئی ٹھنڈی ہوا، لبوں پر درود پاک کا ورد اور نگاہوں کے سامنے سبز گنبد ہو، تو پھر میری

آنکھیں خشک کیسے رہ سکتی تھیں۔

یا رسول اللہ ترے در کی فضاؤں کو سلام
گنبد خضرا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کو سلام

مدینہ منورہ ''ماں'' ہے جو بچھڑے ہوئے، روتے، سسکتے، تڑپتے ہوئے ''بچوں'' کو بانہوں میں سمیٹ کر آہستہ آہستہ تھپکی دیتے ہوئے خاموش کرواتا ہے۔ بیت اللہ میں بہتے آنسو مغفرت اور بخشش کی دہائی دیتے ہیں، جس میں ڈر اور خوف کا عنصر نمایاں ہوتا ہے، لیکن مدینہ منورہ میں بہتے آنسو ''ملاپ'' کی خوشخبری دیتے ہیں۔ خوشی اور مسرت دل کو عجیب سکون دیتی ہے۔ الصلوٰۃ فجر، ظہر اور عشاء کے بعد خواتین کے نصیب جاگ اُٹھتے ہیں جب انھیں روضہ رسول ﷺ کی زیارت کا موقع ملتا ہے۔ الصلوٰۃ عشاء کے بعد ہم بھی اس ہجوم میں شامل ہو گئے تھے جو زیارت کے لیے بے تاب تھے۔

گنبدِ خضرا اپنی بہار دکھا رہا تھا، سنہری جالیوں سے نظر ہٹ نہیں رہی تھی، لبوں پر درودِ پاک کا وِرد جاری وساری تھا۔ ریاض الجنۃ پر نفل ادا کرنے کی تمنا تھی لیکن بے پناہ ہجوم کی وجہ سے آگے جانے کا راستہ بالکل بند تھا۔ اس لیے نگاہیں روضہ مقدسہ پر جما کر نفل ادا کرنے شروع کیے۔ لبوں پر دُعائیں، التجائیں، صدائیں دم توڑ رہی تھیں، دل صرف اِک دہائی دے رہا تھا۔ ''میری جھولی کو بھر دے، اے خدا صدقے محمد ﷺ کے، ہم گداگر، فقیر، تیرے در کے بھکاری، تیری رحمتوں کے امیدوار، اِک نظر کرم کے منتظر۔

سائرہ ایوب

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

17 ذی الحجہ کی صبح ہم لوگ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔موسم کافی گرم تھا،لیکن گاڑی ایئرکنڈیشنڈ تھی،موسم کا پتہ ہی نہ چلا۔راستہ میں ایک مقام پر ظہر کی نماز پڑھی، کھانا کھایا اور پھر چل پڑے۔عصر سے کچھ ہی پہلے، ہماری گاڑی مدینہ منورہ میں داخل ہوئی۔دلوں میں شوق اور زبانوں پر درود تھا۔

مدینہ منورہ کے راستے اور سڑکیں،گزشتہ چند سالوں میں اس قدر بدل گئے ہیں کہ میں کچھ دیر تک تو راستوں کو پہچان ہی نہ سکا، بالآخر ہماری گاڑی ایک عالیشان عمارت ''قصر الہدیٰ'' کے آگے ٹھہری۔ہمیں بتایا گیا تھا کہ ہمارا قیام یہیں ہوگا۔ہم لوگوں کے لیے کمرے پہلے سے محفوظ تھے۔فوراً اپنا سامان کمروں میں رکھا، وضو کیا اور نماز عصر کے لیے حرم شریف کی طرف لپکے۔الحمد للہ کہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز مل گئی۔نماز کے بعد تھوڑا آرام کر کے اور پھر غسل کر کے،لباس تبدیل کر کے،خوشبو لگا کر،مغرب کی نماز سے کافی پہلے دربار نبوت میں حاضر ہو گئے۔زائرین و عاشقین کا ہجوم تھا مگر اللہ کا کرم ہوا کہ مواجہہ شریف میں بالکل صحیح جگہ پر کھڑے ہو کر عرض صلوٰۃ و سلام کا موقع مل گیا۔نہ پوچھیے کہ دل و دماغ کی اس وقت کیا کیفیت تھی؟ ایک مجرم، ایک گنہگار، ایک کوتاہ، ایک بے عمل، ایک ناشکرا ایک بار پھر وہاں حاضر تھا، جہاں کے بارے میں کہنے والے نے کہا ہے کہ

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

زبان گنگ تھی، ہوش غائب تھے اور حواس باختہ...... بہرحال جس طرح بن پڑا، صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ پیش کیا۔سیدنا صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے حضور میں بھی ہدیہ سلام پیش کیا۔عشاء پڑھ کر ہی قیام گاہ واپسی ہوئی۔**8** دن مدینہ منورہ

میں قیام رہا۔ قیام گاہ کے مسجد نبوی سے بالکل قریب ہونے کی بدولت، سب نمازیں وہیں ادا کرنے کی سعادت ملی۔ چند بار ''روضۃ الجنۃ'' میں بھی دوگانہ ادا کرنے کی توفیق ملی اور بار بار عرض صلوٰۃ وسلام کے لیے ''مواجہہ شریف'' یا اقدام عالیہ کی طرف حاضری کی سعادت بھی ملتی رہی...... ہر حاضری کے موقع پر اپنے اندرون کے کھوکھلے پن کا احساس بھی ہوتا تھا اور اپنی پراگندہ حال ملت کی زبوں حالی بھی یاد رہتی تھی۔ خدا کرے کہ اس عہد وفا کو نبھانے کی توفیق مل جائے تو ہر حاضری کے وقت زبان پر آ جاتا تھا اور وہ دعائیں قبول ہو جائیں جو وہاں بظاہر دل کی گہرائیوں سے بے اختیار نکلتی تھیں۔

25/ذی الحجہ کی شام مدینہ منورہ سے واپسی کا سفر طے تھا۔ **24**/ ہی سے سب کے دلوں پر مدینہ سے رخصت ہونے کا تاثر طاری تھا اور سب کے دل و دماغ پر ایک ہی خیال چھایا ہوا تھا کہ ؎

اور کچھ لطف اٹھا لوں میں جبیں سائی کا
پھر کبھی اس در والا پہ یہ سر ہو کہ نہ ہو
دل بھر آیا ہے تو جی کھول کے رو لینے دو
پھر کبھی جوش پہ یوں دیدۂ تر ہو کہ نہ ہو

سجاد نعمانی ندوی
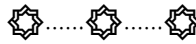
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے

نماز میں کھڑا تھا...... تب بھی گنبد خضرا کا ہی خیال تھا۔ میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اتنے قریب...... یقین ہی نہیں آتا تھا۔ نماز، میں زمین پر نہیں، کہیں اور ہی ادا کر رہا تھا......

نماز سے فارغ ہوا تو میں نے پھر سامنے جی بھر کر نظروں کو پھیلا دیا۔ مسجد نبوی کا سامنے والا حصہ اس کی پیشانی اور اندر والا حصہ نظر آ رہا تھا۔

لوگ تو بے پناہ تھے...... مگر کہیں کوئی شور نہیں تھا۔ جو نظر بھی اٹھتی تھی، ادب سے اٹھتی تھی۔ جو زبان بھی ہلتی تھی، زیر لبی سے آگے نہیں بڑھتی تھی کہ یہ دربار رسالت تھا کہ جہاں نظر اور دل کی گستاخی بھی بار سمجھی جاتی ہے۔

مسجد کی پیشانی اور ستون کلیجی رنگ کے تھے اور بائیں طرف اس حجرۂ مبارک کی جھلک نظر آ رہی تھی، جہاں حضور استراحت فرما تھے۔

اور میں ایک ناچیز وجود دربار رسالت کے اتنا نزدیک برآمدے میں کھڑا تھا۔ سوچ رہا تھا، حیرت زدہ تھا کہ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ مجھے کبھی یہ سعادت، یہ مقام نصیب ہوگا۔ میرا اندر باہر، تشکر کے جذبات سے چھلک رہا تھا...... میں عقیدت میں بھیگا ہوا تھا۔

میرا ہر بن مو آنکھ بنا ہوا تھا...... جو اس سارے نظارے کو اپنے اندر اتار لینا چاہتی تھی۔ میں کہاں تھا، اس دید کے قابل۔ یہ سب اس کی بندہ پروری تھی۔

بار بار میرے دل میں خیال آتا تھا، یہ سب نصیب کی بات تھی، کرم کے فیصلے تھے، میں کیا تھا!

میں کہاں کا تھا! کہاں سے آیا تھا!!!

لوگ زیرلب درود پڑھ رہے تھے،سلام پڑھ رہے تھے۔ان کی آنکھوں میں نمی تھی، وجود میں عاجزی، آنکھوں میں چمک۔ان کے دل کی دیرینہ مرادیں پوری ہورہی تھیں۔انہیں جیتے جی روضہ رسول کا دیدار نصیب ہورہا تھا۔

بلغ العلی بکماله حسنت جمیع خصاله

حسنت جمیع خصاله صلوا علیه وآله

میری زبان پر ہلکے ہلکے سروں میں الاپ جاری تھا:

یا رسول الله انظر حالنا

یا حبیب الله اسمع قالنا

پھرایک اورآ واز اٹھی،لہرسی کہ گہرے پانیوں سے اٹھی اور ساحل سے آ کرلگ گئی:

السلام اے سبز گنبد کے مکین

السلام اے رحمتہ للعالمین

میرے بچپن کی یادوں کوکسی نے ہلا دیا۔

صرف وقت کا فرق کہ جذبے زندہ تھے،محبتوں کو کہاں موت آتی ہے۔عاشقی کب کسی سے مرتی ہے۔محبت تو لامکان ہے۔

اور مجھے لگا میں زمان ومکان کی حد بندیوں سے بالا، پتانہیں کہاں کھڑا ہوں اور میں، میں نہیں،کوئی جذبہ ہوں۔

کوئی لطیف جذبہ،کوئی غیرمرئی احساس جووقت سے بھی اوپراٹھ جاتا ہے۔

حضورﷺ کے روضہ مبارک کے سامنے دیواروں کے ساتھ ساتھ لوگ بیٹھے قرآن مجید کھولے تلاوت کررہے تھے اورکبھی کبھی آنکھیں اٹھا کرحضورﷺ کے روضہ مبارکہ کی جالیوں کو چوم لیتے۔لگتا تھاوہ صدیوں سے یہاں اسی طرح بیٹھے ہوں۔

سعید شیخ

پشیمانم، پشیمانم، پشیماں یارسول اللہ ﷺ

اے مدینہ! اے شہروں کی شہزادی! اے دیوانوں کے دل کی رانی! اے اجڑے ہوؤں کی منتہائے امید! تیری مٹی سونے سے قیمتی، تیری زمین عرش سے بہتر، جب سے تجھے ہمارے آقائے دو عالم ﷺ سے نسبت ٹھہری ہے، تیری ہر چیز ہمیں محبوب ہے، تیری گلیوں میں ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں کی آہٹ ہے، تیری ہواؤں میں ان کے سانسوں کی خوشبو ہے، تیرے ذروں میں ان کی چشم انوار کی تابانی، تیرے بادلوں میں ان کے گیسوئے تابدار کی چمک ہے اور تیرے پانی میں ان کے لبالب عنبریں کی مٹھاس! اے سرزمین طابہ! ہم غلامان مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زندگیوں کا اکثر حصہ اس امید پر گزارا ہے کہ ایک دن، ایک ساعت ایسی بھی آئے گی کہ ہم پریشان حالوں، بے سروسامنوں کو دربار رسالت ﷺ میں حاضری کا موقع ملے گا۔ سالہا سال سے ایک درخواست کا مضمون دل ہی دل میں بن رہا تھا، جس کے پیش کرنے کا وقت قریب آرہا ہے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو چلی ہے، جوش جنوں بڑھ رہا ہے۔ محبوب سبحانی، شاہوں کے شہنشاہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیشی ہے، آداب سے ناواقف ہوں، ہجوم شوق میں عرض مدعا نہ بھول جاؤں۔

اے فخر الانبیا ﷺ کے پڑوسیو! اے شمع رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانو! اس نفس پرور، نااہل کو بھی دربار سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب سکھا دو۔ یہاں تو جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے اولیاء بھی مجسمہ ادب بن کر حاضر ہوتے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

جدہ سے عصر کے وقت روانہ ہوئے۔ 1963ء ماڈل کی ایک نئی ٹیکسی تھی۔ پانچ سواریاں بیٹھیں۔ آسمان ابر آلود تھا اور ہلکی ہلکی بونداباندی ہو رہی تھی۔ شاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری کا سفر تھا۔ اپنی قسمت پر خود رشک آ رہا تھا۔ زندگی میں ایسا حسین سفر تو پہلے کبھی نہ کیا تھا۔ موٹر تھوڑی ہی دیر میں ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ مدینہ جدے سے 264 میل دور ہے۔ پکی اور کشادہ سڑک ہے۔ پہلے دو سو میل سمندر کے ساتھ ساتھ تقریباً دو میل اندر چلتی ہے۔ اس کے بعد بدر کے مقام پر مشرق کا رخ بدل لیتی ہے اور پہاڑوں اور وادیوں کے سلسلوں کو چیرتی ہوئی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں لے جاتی ہے۔ ایک طرف سمندر کی نیلاہٹ تھی اور دوسری طرف چھ سات میل کے فاصلے پر پست قامت سیاہ پہاڑوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔ بیچ میں لق و دق بھورے رنگ کا صحرا، نہ آبادی، نہ سبزہ، نہ درخت، نہ پودا۔ ان عشاق کا کیا ہوتا ہوگا جو چند سال پہلے اونٹوں پر سفر کیا کرتے تھے۔ ایک سو میل پر ایک چھوٹا سا شہر رابغ آیا۔ پکے مکان، بجلی اور پانی دیکھ کر دل خوش ہوا۔ پچیس میل آگے مستورہ گاؤں ہے جو تقریباً نصف منزل پر واقع ہے۔ ایک چھوٹے سے ہوٹل میں اترے اور قہوہ پیا۔ مغرب کی نماز ادا کی اور آگے چل دیے۔ منزل مقصود کا انتظار ہے۔ موٹر چوکڑیاں بھرتی ہوئی خمدار سڑک کے میل پر میل کاٹ رہی تھی۔ ایک خم کاٹ کر موٹر جو بلندی پر آئی تو دور پانچ میل کے فاصلے پر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار مینار جگمگ کرتے دکھائی دیئے۔ سواریاں چوکنا ہو کر بیٹھ گئیں۔ درود شریف کی کثرت شروع ہوگئی۔ دل بلیوں اچھلنے لگا۔ یا اللہ! یہ خواب ہے یا حقیقت۔ ہم کون ہیں اور کہاں ہیں۔ مینار اندھیری فضا میں تیرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ مدینے تک ڈھلوان ہی ڈھلوان تھی۔ آنکھیں جھپکنا بھی بے ادبی تھی۔ ہجوم شوق میں مستغرق، خیالی گفتگو میں گم گشتہ، نیم بسمل، شہر میں قدم رکھا۔ حق تو سر کے بل جانے کا تھا، لیکن عقل نے دل کی نہ مانی۔

مدینہ منورہ چھ گھنٹے میں پہنچے۔ عشاء کی نماز ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہو چکی تھی۔ معلم کے پاس سامان رکھا اور جگہ کی تلاش میں نکلا۔ شاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہمان تھا۔

پاس ہی بھوپال رباط میں ایک آرام دہ کمرہ مل گیا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے سے دوسو فٹ دور۔ مسجد کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ دل کے ارمان دل ہی میں رہ گئے۔ حاضری کچھ گھنٹوں کے لیے ملتوی ہوگئی۔

هزار بار بشویم دهن ز مشک و گلاب
هنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

آج دل کی دنیا بدلی ہوئی ہے۔ مدینہ منورہ کی صبح ہے۔ پیارا سماں ہے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش وتاریک فضا میں جگمگ کررہی ہے۔ پروانے چاروں طرف سے جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔ نماز میں ابھی بہت وقت ہے۔ جمعے کا مبارک دن ہے۔ مکہ مکرمہ میں بھی پہلا دن جمعہ ہی تھا اور مدینہ منورہ میں بھی پہلا دن جمعہ ہی ہے۔ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد ''ریاض الجنتہ'' میں حاضری ہوئی۔ پہلے سر مبارک کی طرف صلوٰۃ وسلام پڑھا، پھر مواجہہ شریف کی طرف گھوم آیا اور صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔ ہجوم میں یکسوئی نصیب نہ ہوئی۔ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا حضرت عمرؓ پر سلام عرض کیا، پھر پائیں مبارک کی طرف آیا۔ یہاں قدرے سکون تھا۔ ارمانوں کے ہجوم نے آ گھیرا۔ آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ ہونٹ تھرتھراتے ہوئے عرض مدعا کرنے لگے۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں یہ نامہ سیاہ بے حس کھڑا تھا۔ موت کا سا سکوت طاری تھا۔ پاؤں میں جنبش کی طاقت نہ تھی۔ کاش یہ عالم جمود دیرپا ہوتا۔ کاش میں وہیں کا ہو رہتا۔ وقت بہت گزر گیا۔ تسلی نہ ہوئی۔ دل وجگر تو وہیں اٹک کر رہ گئے اور خود عالم بے ہوشی میں باہر نکل آیا۔

14/مئی، آج جوش جنوں پھر زوروں پر ہے۔ تیر نیم کش نے مضطرو بےقرار رکھا ہے۔ دیوانگی آپے سے باہر ہو رہی ہے۔ دل وجگر اس بات پر مجبور کر رہے ہیں کہ شاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں جا کر بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہی رہو۔ مواجہہ شریف کے سامنے مسجد کی قبلہ والی دیوار ہے، بیچ میں پچیس فٹ کا فاصلہ ہے۔ دیوار کے ساتھ بیٹھا ہوں اور تین گھنٹے سے بیٹھا ہوں۔ تسلسل نظارہ نے وقت کی رفتار سے بے خبر کر رکھا ہے۔

سامنے سے انسانوں کا سیل بیکراں رواں ہے۔ بوڑھے، جوان، مرد، عورتیں، سیاہ سفید ایک ملا جلا ہجوم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں سلام پیش کرتا ہوا آگے بڑھا جا رہا ہے۔ میں اپنے خیالات میں گم ہوں۔

خیالات کی پرواز محدود ہے۔ نظر مواجہہ شریف کی جالی سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہے۔ نفس زیرِ عتاب ہے۔ معاصی کا استحضار ہے۔ گناہوں کا بے حجابانہ ارتکاب۔ ادھورے اور ناقابل قبول اعمال۔ گریبان میں منہ ڈال رکھا ہے۔ ندامت سے پارہ پارہ ہوں۔

پشیمانم، پشیمانم، پشیماں یا رسول اللہ ﷺ

سلطان داؤد

لے سانس بھی آہستہ یہ دربار نبی ﷺ ہے

لیجیے اب ہم روضہ اطہر کے قریب آ پہنچے ہیں۔ جوں جوں فاصلہ کم ہو رہا ہے، قلب و نظر کی حالت دگرگوں ہوتی جاتی ہے۔ جذبات و محسوسات میں ایک تلاطم برپا ہے۔ بدن کا رواں رواں لرزاں اور ترساں ہے۔ میں اپنے گردوپیش نگاہ کرتا ہوں تو کم و بیش ہر ایک کو اسی کیفیت سے دوچار پاتا ہوں۔ کاندھے جھکے ہوئے، جسم سمٹا سمٹایا، قدم نپے تلے، آنکھیں جھکی جھکی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آدمی تحلیل ہوتا جا رہا ہے۔ قدم آگے بڑھاتا ہے تو کوئی نادیدہ قوت اسے دھکیل کر پیچھے ہٹا دیتی ہے۔ یہ فرط عقیدت ہے یا احساس ندامت کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے پہنچتے پہنچتے جسم و جان ہزار کیفیات سے دوچار ہو گئے ہیں۔ بہرحال اب باادب ہو جایئے اور درود و سلام کا ورد کیجیے اور کرتے ہی چلے جایئے۔

سامنے حجرۂ رسولؐ ہے، جسے جالیوں سے بند کیا گیا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری آرام گاہ بھی ہے۔ یہاں سنہری منقشی جالیوں کے پیچھے امت کے سردار، انسانیت کے محسن اعظم، خیر البشر، حبیب خدا، نبی آخر الزماں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استراحت فرما ہیں۔ آپ کے پہلو میں آپ کے رفیقان کار حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ آسودۂ خاک ہیں۔ جالیوں کے ادھر ایک انبوہ کثیر ہے جو باادب کھڑا ان بزرگان دین کو نذرانہ عقیدت و سپاس پیش کر رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی آنکھوں سے ڈھل ڈھل آنسو بہہ رہے ہیں، ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں اور کانپتے لرزتے ہونٹوں پر درود و سلام کا ورد جاری ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

ضروری نہیں ہے سلام کے یہی الفاظ دہرائے جائیں بلکہ ہر کوئی اپنے خیال و عقیدہ کے مطابق اپنی اپنی زبان، اپنے اپنے لہجہ اور اپنے اپنے انداز میں (بحثیت ایک امتی کے) امت کے سردار ﷺ کے حضور اپنے محسوسات و تاثرات کا نذرانہ پیش کرسکتا ہے۔

روضہ پر تعینات محافظ اور دربان روضہ کی جالیوں کے مقابل کھڑے ہوئے اس ہجوم کو آگے بڑھنے کے لیے کہہ رہے ہیں تاکہ پیچھے آنے والوں کو راستہ مل سکے مگر لوگوں پر اثر نہیں ہوتا۔ جو جہاں کھڑا ہے، کھڑا ہے۔ بے حس و حرکت، جیسے اس کا وجود پتھر کا ہو گیا ہو۔ وہ ٹکٹکی باندھے روضہ کی جالیوں کو تکے جا رہا ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ عاشقان رسولؐ کا یہ انبوہ اس وقت تک روضہ کی جالیوں کے سامنے سے ہٹنے کو آمادہ نہیں جب تک کہ ان میں سے ہر ہر شخص کا دل یہ گواہی نہ دے دے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا سلام محبت قبول کر لیا ہے اور روز قیامت حوض کوثر کے کنارے اپنے دست مبارک سے اس بندہ پر تقصیر کو جام شفاعت مرحمت کرنا منظور فرما لیا ہے۔

حرم سے بہ گریہ و یاس باہر آتے ہوئے ناگاہ نظر گنبد خضرا پر اٹھ گئی۔ وہاں ایک (پاکستانی) رنگ ساز سیڑھی لگائے ہاتھ میں رنگ کی بالٹی تھامے سبز رنگ میں بھیگا ہوا برش گنبد خصرا پر پھیرنے میں مصروف تھا۔ دل میں اک ہوک سی اٹھی کہ اے کاش! یہ میں ہوتا...... مدینہ میں بے شمار پاکستانی آباد ہیں۔ مسجد نبویؐ کے خادمین میں بھی ان کی کثیر تعداد موجود ہے۔ جو مسجد کے قالینوں کی صفائی، در و دیوار کی جھاڑ پونچھ، کھڑکیوں کے شیشوں کو اجالنے اور حرم کے فرش کی دھلائی وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔ اجلی اجلی وردیوں میں ملبوس یہ خادمین حرم رسولؐ بڑے بھلے اور خوش بخت لگے۔ کاش! میں بھی انہی میں شامل ہوتا مگر افسوس کہ انسان کا ہر چاہا پورا نہیں ہوتا۔

سلطان رفیع
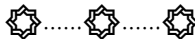
مامور چراغوں کی حفاظت پر ہوا ہے

کہاں تو فوراً اڑ کر پہنچنے کی طلب اور کہاں اب سست رفتاری، یہی تو ادب ہے، لیکن نہیں، یہاں تو سر کے بل آنا چاہیے تھا۔ یہ تو انگلی پر خراش سے لہو بہا کر شہیدوں میں نام لکھوانے والی بات بھی نہیں، درود و سلام کا سلسلہ خود بخود زبان سے جاری ہو گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی ذہن میں یہ خیال در آیا کہ آخر خدا نے اپنا گھر تو مکہ میں رکھا اور اپنے محبوب کو مدینہ میں۔ اگر انھیں اپنے نزدیک ہی رکھتے تو کیا تھا؟ اور پھر اثیری دُنیا سے ایک آواز آئی۔ پاگل!

با خدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار

یہ راز کی باتیں ہیں۔ محبّ اور محبوب میں بھلا دوری ہو سکتی ہے۔ ارے نادان! یہ تو اصل بھید ہے۔ یہی تو اپنے بندوں کی آزمائش ہے، یہ امتحان ہے، جو بڑے بڑے دعوے کیے جاتے ہیں، یہ ان کی پرکھ ہے۔ اگر وہ اپنے محبوب کو اپنے پاس مکے میں رکھتا تو اس کی زیارت لوگ حج کے طفیل کرتے اور رب تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ اس کے محبوب کی طفیلی زیارت کی جائے بلکہ منظور یہ ہے کہ خالص زیارتِ درِ محبوب کے لیے سفر کیا جائے۔ ساڑھے چار سو کلومیٹر کی مسافت کا بار اُٹھاؤ، پیسہ خرچ کرو، صعوبتِ سفر اُٹھاو اور خالص نیت سے جاؤ۔ یہ وہ امتحان ہے تاکہ جو شخص ارادہ نہ رکھے، وہ وہاں پہنچ بھی نہ سکے اور دُنیا کو اس کے دعویِ محبت کا علم ہو جائے۔

شاکر کنڈان

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو

مسجد نبویؐ کا سارا حسن و جمال روضہ اطہر و اقدس کی وجہ سے ہے۔ وہ روضہ اقدس جہاں حضور ﷺ کا جسدِ مبارک آرام فرما ہے اور پھر اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس ساری زمین پر حضور ﷺ کے سجدوں اور قدموں کے نشانات ثبت ہیں۔ ان کی سانسوں کی مہک ان میں آج بھی مشامِ جاں کو معطر رکھتی ہے۔ اُن کا جمالِ جہاں افروز جہاں صورت مہر نیم روز آج بھی نظارہ منور ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرۂ مبارک تھا۔ جہاں حضور نبی کریم ﷺ نے خاصے عرصے تک قیام فرمایا اور جہاں اُن کا وصال بھی ہوا اور یہیں اُن کا جسدِ اطہر لحد میں اُتارا گیا اور یہیں اُن کے قدموں میں اُن کے صحابہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرتِ عمر فاروقؓ بھی آرام فرما ہیں۔ کسی زمانے میں حجرہ عائشہؓ ایک کچی عمارت تھی لیکن اب اس پر روضہ اطہر کی عمارت مستطیل شکل میں تعمیر کی گئی ہے۔ روضہ مبارک کے آس پاس پیتل اور لوہے کی وہ جالی ہے جو ہر زمانے میں زائرین، شعرا اور ادبا کے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہے اور جس کے حُسن و جمال کی شان میں یہ سب رطب اللسان رہے ہیں۔ روضہ اطہر کے آس پاس مضبوط چار دیواری ہے۔ اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ عمارت پر غلاف پڑا ہوا ہے۔ ہر لحہ یہاں عاشقانِ رسولؐ کا ہجوم رہتا ہے اور درود و سلام کی نغمگی کانوں میں رس گھولتی ہے۔ انسان اور فرشتے سب یہاں درود و سلام کا وِرد کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کے روضہ اقدس کی عمارت کے اوپر وہ سبز گنبد ہے جو گنبدِ خضرا کے نام سے مشہور ہے جس کی تعریف توصیف میں ہر دور کے شاعروں اور ادیبوں نے اپنے

قلم توڑ دیے ہیں اور جہاں کہا جاتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے ہر وقت حاضری دیتے ہیں اور اپنے آپ کو درود وسلام کے ورد میں مصروف رکھتے ہیں۔ سبز گنبد کے پیچھے وہ مینار ہے جو دُور دُور سے نظر آتا ہے اور جو روضہ اقدس کی ظاہری پہچان ہے۔ روضہ اقدس کے قریب منبرِ رسول ﷺ ہے۔ حجرۂ عائشہؓ، روضہ رسول ﷺ اور منبر کے درمیان کا حصہ ریاض الجنۃ کہلاتا ہے یعنی جنت کا باغ۔ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ جو جگہ میرے گھر یعنی حجرہ عائشہؓ کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور واقعی جو شخص یہاں پہنچتا ہے، اس پر یہی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ جنت کے باغ کا نظارہ کر رہا ہے۔

ان خیالات میں گُم میں مسجد نبویؐ کے صحنوں اور دالانوں کو عبور کر کے انسانوں کے ایک بحرِ ذخار سے حتی الامکان دامن بچاتا ہوا ایک عالمِ جذب وجنون میں گرتا پڑتا روضہ رسول ﷺ تک پہنچا۔ منبر کی زیارت کی۔ ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر مزار مبارک کا دیدار کیا اور دیر تک ایک عالم کیف ومستی میں خاموش، حیرت زدہ اور سہما ہوا سا کھڑا رہا۔ البتہ درود وسلام کے الفاظ اضطراری طور پر میری زبان سے نکلتے رہے اور میں ان پھولوں کو روضہ حضور ﷺ پر نچھاور کرتا رہا۔ دیر تک خاموشی، حیرت زدگی اور سراسیمگی کی یہی کیفیت رہی، کوئی دُعا، کوئی آیت زبان سے نہ نکل سکی۔ یوں محسوس ہوا جیسے میں عالم خواب میں ہوں، خواب میں کیفیت کچھ ایسی تھی کہ الفاظ اُس کے بیان کے متحمل نہیں ہوسکتے، حیرت اور مسرت نے مجھے ایک عجیب عالم میں پہنچا دیا تھا، آس پاس اور گرد و پیش عاشقان رسول ﷺ کا ایک جم غفیر تھا۔ لیکن مجھے اس ہجوم کی کچھ خبر نہیں تھی، میں تو اس وقت خدا جانے کہاں پہنچا ہوا تھا۔ اس کو نیم مدہوشی کا عالم کہا جائے تو بے جا نہیں۔

حضرت اویس قرنی بہت بڑے صوفی بزرگ اور صفِ اوّل کے عاشق رسول ﷺ تھے، غالباً امام غزالیؒ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ روضہ رسول ﷺ پر زیارت کے لیے حاضر ہوئے، آستانِ حرم تک پہنچے ہی تھے کہ کسی کی آواز آئی، وہ سامنے رسول اللہ ﷺ کا مزار مبارک ہے۔ یہ سُن کر وہ بے ہوش ہوگئے۔ تاب نہ لا سکے، ظاہر ہے کہ

ان کی اس بے ہوشی کا سبب وہ جذب وجنون ہی ہوا ہوگا جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ خدا جانے ایسے کتنے ہی عاشقان رسول اللہ ﷺ روضہ رسول ﷺ پر پہنچ کر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے ہوں گے۔ میں پوری طرح بے ہوش تو نہ ہوا، شاید اس لیے کہ میں گناہگار تھا، خام اور ناپختہ تھا لیکن جذب ومستی کی ایک عجیب وغریب سی کیفیت مجھ پر ضرور طاری ہوئی اور اس کیفیت نے مجھے حضور نبی رحمت ﷺ کے بہت قریب پہنچا دیا۔

یارسول اللہ ﷺ! آپ تو رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں۔ میں آپ سے اپنی شفاعت، اپنے بزرگوں اور اپنے والدین، اپنے عزیزوں اور دوستوں کی شفاعت کی بھیک مانگتا ہوں۔ میں تو قیامت کے دن آپ کے عاشقوں، آپ کے صوفیوں اور آپ کے غلاموں کا دامن پکڑ کر آپ کے پیچھے پیچھے چلنے کا خواہش مند ہوں۔ مجھے اس کی اجازت درکار ہے۔ یا سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین! میرے ملک، میرے وطن پر آپ کی نظر عنایت کی ضرورت ہے۔ آپ کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دُعا ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں اس کو صحیح راستہ دکھائے اور اس کے ہر فرد کو راہِ راست پر گامزن کر دے۔

میں روضہ حضور ﷺ پر ان دُعاؤں میں مصروف تھا، آنکھیں بند تھیں اور میں ان بند آنکھوں سے نہ جانے کیا کیا کچھ دیکھ رہا تھا۔ حضور ﷺ کی شبیہ مبارک، ان کا پیکر نور میرے سامنے تھا، اگرچہ میں احتراماً کچھ فاصلے پر کھڑا تھا لیکن عشق رسول اللہ ﷺ کے جذب وجنوں نے مجھے اُن کی ذاتِ بابرکت اور عظیم شخصیت سے اتنا قریب کر دیا تھا کہ کوئی دوری درمیان میں حائل نہیں رہی تھی اور قرب کی اس کیفیت نے مجھے لُطف وانبساط کی ایک ایسی منزل پر پہنچا دیا تھا جہاں سے واپس لوٹنا ارادی طور پر مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ یہ رُوحانی تجربات کی ایک ایسی منزل تھی جس تک رسائی خوش بختوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔

واقعی میں بہت خوش قسمت تھا کہ رب العالمین اور رحمۃ للعالمین ﷺ نے مجھے رُوحانی تجربے کی اس منزل سے آشنا کیا اور مسرتوں کے دریا میری زندگی میں موج زن

کر دیے۔آج بھی میں اس کیفیت کی لذت کومحسوس کرتا ہوں اور فرطِ مسرت سے حضرت
خواجہ میر دردؒ کا یہ شعر پڑھتا ہوں:

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں میری
جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

شیخ شاہد بلال
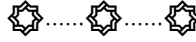
اٹھی نہ پھر نظر مری پہلی نظر کے بعد

میں پرنم آنکھوں اور مضطرب دل کے ساتھ زیر لب درود وسلام پڑھتا ہوا آگے کی طرف سرکتے ہوئے محسوس کر رہا تھا کہ بیت اللہ کے سامنے لوگ بلند آواز سے ہچکیوں کے ساتھ رو رہے تھے۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے تھے۔ اپنے رب کو منا رہے تھے۔ آہ وزاریاں کر رہے تھے۔ مگر یہاں کچھ اور ہی سماں تھا۔ دربارِ رسول ﷺ پہ آنکھیں پرنم تھیں تو آنسو پلکوں سے اتر کر بڑے احترام سے چہروں پہ ڈھلک رہے تھے۔ دلوں میں بے چینی واضطراب تھا تو وہ لفظوں میں ڈھل کر درود وسلام کی صورت ہونٹوں پہ لرزاں تھا۔ یہاں ماحول میں وجد وکیف کے ساتھ ساتھ سکون واطمینان اور ادب واحترام کی نا قابلِ بیاں کیفیت تھی۔ عقیدتوں، رحمتوں، برکتوں اور رفعتوں سے بھرپور اس ماحول میں میرا ہاتھ جالی کے سامنے بنی ہوئی دیوار سے جالگا جس کے سہارے میں چلتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اب روضۂ رسولؐ میری نگاہوں کے عین سامنے تھا، آپ ﷺ کے دونوں جاں نثار ساتھیوں کے مزاراتِ اقدس بھی صاف دکھائی دے رہے تھے مگر کچھ کہنے سننے کی سکت نہ تھی۔ بس نظریں جی بھر کر یہ منظر دیکھنے کے ساتھ اسے ہمیشہ کیلئے اپنے اندر سمونے کی آرزومند تھیں۔ شرطے نے خلاص خلاص کہہ کر آگے نکل جانے کا اشارہ کرتے ہوئے میری اس محویت کو توڑ دیا۔ بابِ بقیع سے نکلتے ہوئے دل یہ کہہ رہا تھا:

یہ سماں دیارِ رسول ﷺ کا، درِ مصطفیٰؐ کی یہ حاضری
ہے سکون روح و وجود کا، یہ شفائے مرض تمام ہے
میرے رنج وغم ہوئے دور سب، میرے درد سارے سمٹ گئے
جونہی چشمِ نم دلِ مضطرب، نے کہا حضور ﷺ سلام ہے

شاہد راحیل خان

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

میری تو نیند ہی اڑ گئی تھی۔ ایسے میں کسے نیند آئے جب معلوم ہو جائے کہ یہ سفر محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ پاک مدینہ منورہ کی جانب ہے۔ مجھے بس کی رفتار سست محسوس ہو رہی تھی، ڈرائیور پر غصہ آ رہا تھا۔ ہوائی جہاز کی طرح اس میں پر کیوں نہیں ہیں، جو آناً فاناً میں محبوب ﷺ کے در اقدس پر پہنچا دے۔ یہ میرے احساسات تھے ورنہ بس تو فراٹے بھر رہی تھی۔ مکہ المکرّمہ سے مدینہ منورہ کا فاصلہ تقریباً 300 میل ہے۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی ہیں، آنکھیں اس گنبد خضرا کو دیکھنے کے لیے ترس رہی ہیں جو مرکز روحانی ہے، رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے، جہاں رحمت برستی ہے، انوار چھنتے ہیں۔ رفیق سفر نے یہ تسلسل توڑ دیا۔ ایک جانب اشارہ کر کے فرمایا، حضرت صاحب وہ دیکھیے سرکارؐ کا گنبد خضرا نظر آ رہا ہے۔ دیوانگی بڑھی، آنکھیں برس پڑیں، جنون پورے شباب پر۔ بس ٹھہر گئی۔ مدینہ منورہ آ گیا۔

ہر طرف مردوں اور خواتین کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے ہیں۔ بائیں جانب خواتین کے لیے ایک کٹہرہ بنا دیا گیا ہے لیکن مردوں کے حصے میں بھی ان کے غول کے غول نظر آ رہے ہیں۔ ہر پروانہ، نثار ہونے کو تیار، ہر گدا، جان ہتھیلی پر لیے ہے۔ قبول کیجیے یا رسول اللہؐ، نگاہیں گنبد خضرا کا طواف کر رہی ہیں، دل فرش راہ ہو رہا ہے، پلکیں جھک جھک کر سلام کر رہی ہیں۔

کرم ان کا ہوا تو مرکز انوار تک آیا
نظر ان کی ہوئی تو جام خود مے خوار تک آیا
بڑے دربار تک قاسم رسائی ہوگئی میری
کہ جس سرکارؐ کا بندہ تھا، اس سرکارؐ تک آیا

روزہ حرم شریف میں افطار کیا۔ سلیم قاسمی کے گھر پر کھانا کھایا، تازہ وضو کیا، حرم شریف میں واپس آ گیا، نماز عشا ادا کی، تراویح پڑھی، وتر ادا کیے، صحن میں گنبد خضرا کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ نظر ہٹنے کا نام نہیں لیتی، اشکوں کے گہر پیش کرنے میں مست، رعب شاہی سے زبان بند، جسم لرزیدہ، ادب کا یہ عالم کہ کوئی کبوتر گنبد خضرا پر نظر ہی نہیں آتا۔ حرم شریف کے صحن میں کبوتر کی بیٹ نہیں ملتی۔ رحمت تامہ کی یہ کیفیت کہ قلب تسکین پا رہا ہے۔ جلوؤں کی وہ تابانی کہ نگاہیں انہی میں کھوگئی ہیں۔ پیشانی پر پشیمانی کا پسینہ، سینے میں آتش محبت کی جلن، فضائیں کیف پرور۔

اب ہم جس جم غفیر میں دیوانوں کی طرح کشاں کشاں بڑھ رہے ہیں، جہاں روضہ اقدس ہے، یہاں پیتل کی جالیاں لگی ہیں، جن پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔ یہاں عاشقان رسول علیہ السلام اپنا سلام و درود، غم کے دکھڑے، داستان الم دھیمی آواز میں پیش کرتے ہیں۔ اس مقام مقدسہ پر عالم جنوں اور دیوانگی کی کیفیت بیان کرنے کے لیے زبان قاصر اور قلم عاجز ہے۔ دھڑکتے ہوئے دل، لرزتے ہوئے ہونٹ، کپکپاتی ہوئی زبان، بھرائی ہوئی آواز اور روتی ہوئی آنکھوں سے بہتے ہوئے اشکوں نے کہا:

حضور سرور عالمؐ غلام حاضر ہے
جو بھیجتا تھا درود و سلام حاضر ہے

نہ جانے کتنی مدت سے آنکھوں میں سمندر بھرا ہوا تھا۔ اشکوں کا سیلاب رکنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ آنسو بہہ رہے تھے، دل دہل رہا تھا، **ویز کیھم** کے حضور تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس ہو رہا تھا، لیکن ذہن اپنی جگہ مسلسل کام کر رہا تھا۔ زبان بند تھی۔ دل ہمکلام تھا۔ سلطان کائنات ﷺ کا وہاں وہ رعب و دبدبہ اور ایسا پروقار دربار ہے کہ آواز بلند کرنا تو درکنار اس بارگاہ اقدس میں تو آواز نکلتی ہی نہیں، ہونٹ سل جاتے ہیں، زبان بند ہو جاتی ہے، بہتے ہوئے اشک کہتے ہیں، جو کچھ یوں کہتے ہیں:

دور سے بلوا لیا ہے قرب میں نے پا لیا ہے

شاہ قاسم جہانگیری

یہ کوچہ حبیب ﷺ ہے، پلکوں سے چل کے آ

گنبد خضرا روبرو تھا............ گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں .... جہاں کبھی حضرت ایوب انصاریؓ کا مکان تھا اور رسول اللہ ﷺ کا ناقہ میزبانی کا شرف بخشنے کے لیے بیٹھ گیا تھا، وہاں جنت البقیع کو جاتی ہوئی سڑک پر سیارہ رک گیا، باب عمر، باب عبدالمجید اور باب عثمان کی سڑک پر قصر الجاز ہوٹل ہے۔ وہاں ہم دو کمرے لے کر ٹھہر گئے، کوئی دس منٹ میں نہا دھو کر کپڑے بدلے، بالکونی سے جھانکا تو نگاہیں گنبد خضرا سے ہم آغوش ہو گئیں اس وقت کبوتروں کی ٹکڑی نے ہالہ باندھ رکھا تھا۔ آرام گاہ نبوت میں کورنش بجالا رہے ہیں اور مجرئی عرض کر رہے تھے۔ مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کیا واقعی **مدینة النبی** ﷺ میں ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اپنے موجود ہونے کا احساس ہو گیا۔

سلام ہو اے **مدینة النبی** ﷺ! .... تُو کائنات کے فکر وناز کی پونجی ہے۔ تیری بنیادیں صبح قیامت تک قائم ودائم ہیں۔ تو نے وہ شرف حاصل کیا جو کرہ ارض کے کسی خطے کو حاصل نہیں اور نہ حشر تک کوئی خطہ اس سعادت سے مشرف ہوگا۔ تیرے آغوش میں ایک ایسا انسان ﷺ سو رہا ہے جو اپنے مولد سے ہجرت کر کے یہاں آیا، تو نے اس کو پناہ دی، اس کی میزبانی کی پھر وہ تیرا ہی ہو گیا۔ تیری مٹی کو اس نے اپنے وجود سے زندہ جاوید کر دیا۔ تیرا نام اسی کا ہو گیا، اسے یہاں تک بالا کیا اور دوام بخشا کہ صدیوں سے انسانوں کے قافلے صبح وشام تیری طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ تیری فضاؤں میں قرن ہا قرن سے درود وسلام کے موتی بکھر رہے ہیں۔ تیرے ہاں حاضر ہونا دنیا کی عظیم سعادتوں میں سے ایک سعادت ہے۔ سب سے بڑی سعادت آج قریب چودہ سو برس ہوئے ہیں، تیری کوئی ساعت کوئی ثانیہ کبھی درود وسلام سے خالی نہیں رہا۔ تیری گلیاں ہم ایسوں کے لیے مصری کی

ڈلیاں اور گلاب کی کلیاں ہیں۔ تیرے ذرے مہر وماہ کو شرماتے اور دل ونگاہ کو چمکاتے ہیں، تیری ہواؤں میں انفاس رسالت ﷺ کی خوشبوئیں بسی ہوئی ہیں۔

تُو کتنا حلیم وکریم ہے کہ ہم ایسوں کو بھی حاضری کی سعادت بخشتا ہے۔ تیری عزت بے پایاں اور تیری عظمت بے کراں ہے۔ تو وہ دریائے کرم ہے کہ ہر ذی روح تیرے یہاں آکر اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ تُو آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔ اے کرۂ ارضی کے سرتاج! اے سرتاجِ الانبیا کی آرام گاہ، ایک انسان کی بدولت کروڑوں انسانوں کو زندگی بخشنے والے، اے کلام الٰہی کے **86430** کلمات اور تین لاکھ تئیس ہزار سات سوساٹھ حروف میں سے مدنی آیتوں کی جائے نزول، اے اس آخری نبی ﷺ کے مدفن مبارک جس کی ذات اقدس پر **22** سال **5** ماہ کے عرصہ میں **6666** آیتیں نازل ہوئیں، اے رحمتوں اور فضیلتوں کے شہر، اے عظیم انسانوں کے ضامن، اے زبان و بیاں کے روح رواں، اے سپہ سالاروں کے دل کی دھڑکن، اے انشاپردازوں کے علوفکر، اے شاعروں کے تخّیل کی معراج، اے خطیبوں کے ولولہ خطابت کی آبرو، اے عالموں کے افکار کی آرزو، اے دانشوروں کے علم وحکمت کی جستجو، اے اہل اللہ کے آستانۂ آخر، اے عابدوں کی جبیں کے ناز، اے زاہدوں کی محبت کے محور، اے جودوسخا کے مخزن، اے جمال دوست کے مسکن، اے گنہگاروں کی بخشش گاہ، اے بلدۂ رسالت پناہ، اے مرکز دل ونگاہ، اے انس وملک کی بوسہ گاہ، اے خطاکاروں کے خطاپوش، اے ہر عہد کے فضلأ کی منزل، اے عاشقان صادق کے محمل۔ ایک ہیچ مداں اور بے سروسامان کا سلام قبول کر۔

اے **مدینۃ النبی** تُو مرکز انوارِ الٰہی ہے، توُ نے سب غایتوں کی غایت اولیٰ کو دیکھا اور جاوداں ہوگیا۔ اللہ نے تجھے ہیشگی بخشی ہے۔ فرشتے اللہ کے عرش سے تیرے فرش پر درودوسلام کے تحفے لاتے ہیں۔ تو نے اسلام کو رونق بخشی اور تاریخ کو عزت دی ہے۔ توُ نے ادب کو درخشاں کیا۔ تو نے قلم کو توانائی، زبان کو رعنائی، بیان کو زیبائی اور فکر کو گہرائی بخشی ہے۔ ہم تیرے اور توُ ہمارا ہے۔ تیری صبحوں میں صحابہؓ کا سوزدروں اور انصارومہاجرین کا جوش جنوں ہے۔ تو شب زندہ داروں کی بلاواسطہ حکایت کا گوہر مکنوں

ہے۔تُو عرش سے نازک تر ہے۔ تیرے آغوش میں نصف اسلام سو رہا ہے۔ تیری مٹی پاتال تک مقدس ہے۔تو سب سے بڑی تاریخ ہے۔ تیرے شمال میں احد ہے جس نے بہ قول ابوالحسن علی ندوی لُغت کو شجاعت کے لئے بے شمار الفاظ دیئے ہیں۔ وہ پہاڑ جو قیامت کے روز جنت میں اٹھایا جائے گا۔ تیرے مشرق میں جنت البقیع ہے جہاں وہ لوگ سو رہے ہیں جو ابدالآباد تک زندہ ہیں۔ جن کے لیے موت نہیں، جن سے موت بھاگتی رہی اور ہمیشہ کے لیے بھاگ گئی۔ جن کے چہروں کی غیرت نے عرش وفرش سے سلام لیے ہیں، جو صرف زندہ رہنے کے لیے پیدا کیے گئے۔ جن کا عقیدہ تھا کہ موت زندگی کی ابتدا ہے اور وہ مر کے زندگی کی ابتدا کر گئے۔ وہی زندگی تب سے اب تک رواں دواں ہے۔

سلام ہو اے **مدینۃ النبی** ﷺ سلام ہو............اے شہروں کے شہنشاہ............ اے انسانوں کی امید گاہ............اے زیر فلک عالم پناہ............سلام ہو۔

میں کیا، میری بساط کیا............ایک مجموعہ فسق وفجور............مجھ میں یہ بال وپر کہاں سے آ گئے کہ اڑ کے یہاں چلا آیا۔ بہت ہمت کی قدم اٹھتے ہی نہیں، ایک سیاہ کار کا رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس پہ حاضر ہونا بہت بڑی جسارت ہے۔ میں اس حد تک تو پہنچ گیا جہاں تک **161** ہجری میں توسیع ہوئی تھی اس سے آگے حوصلہ مفقود تھا۔ ہاتف............ نے آواز دی رکو نہیں، یہاں رک گئے تو کہیں کے نہیں رہو گے............ستون ابولبابہؓ کے پاس کھڑا دیکھ رکھا تھا کہ حضور ﷺ حجرہ عائشہ میں فروکش ہیں............میں نے اپنے تئیں بندھا ہوا پایا............ حضور ﷺ بلائیں تو آگے بڑھوں............ان کی طرف سے بندش ڈھیلی نہ ہوگی تو ہلوں گا کیونکر؟ ....دل نے کہا ''روسیاہوں کے روسیاہ! جب تک اس در پہ کھڑا نہیں ہوگا، یہ روسیاہی نہیں دھلے گی، یہ داغ نہیں مٹیں گے............ پگلے! ان سے مایوس ہوتے ہو جو **لاتقنطو** کا مژدہ لائے............تو چشمہ پر تشنگی مٹانے پہنچا ہے اور لب خشک کیے کھڑا ہے۔ آگے بڑھ اور کھڑا ہو جا ان کے سامنے جو دونوں جہانوں کی رحمت ہیں۔ ان کے فیض کا خزانہ کھلا ہے، دونوں ہاتھوں سے جھولی بھر۔ صبح ومسا بھر یہاں سے ہر شخص کو خلعت فاخرہ ملتی ہے۔ کوئی

روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ یہ رحمۃ اللعالمین ﷺ کا دربار ہے، سورج کالے گوروں پر یکساں چمکتا ہے، ہوا گنہگاروں کے لیے رک نہیں جاتی.......... وہ سب کے لیے مشام جاں ہیں.......... خوشبو پھیلنے کے لیے ہے.......... چشمے کسی کے لیے اپنے سوتے نہیں موڑتے، وہ سب کے لیے رواں دواں رہتے ہیں.......... لوگ آتے ہیں اور تشنگیاں مٹا کر چلے جاتے ہیں.......... آب رواں نے کسی تشنہ لب سے اس کی ذات پات نہیں پوچھی ہمیشہ ظروف بھر دیئے ہیں۔

میں آخر وہاں پہنچ گیا جہاں پہنچنے کے لیے آیا تھا۔ روضہ اقدس ﷺ کے سامنے ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ.......... الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ..........الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ**.......... تین بیضوی جھروکوں میں پہلا جھروکہ حضور سرور کونین ﷺ کا ہے.......... دوسرا سیدنا صدیق اکبرؓ کا تیسرا سیدنا عمر فاروقؓ کا.......... نہ جانے کتنی دیر گم صم کھڑا رہا۔ آنسوؤں کی جھڑی لگی رہی۔ انسانوں کا تانتا بندھا ہوا ہے اور سب اشکبار ہیں۔ اس حد تک تحیّر ہے کہ ایک دوسرے سے کوئی آگاہ نہیں۔ لوگ آرہے ہیں اور جارہے ہیں، پہرے دار کھڑے ہیں راستہ بن رہا ہے، خلقت نکل رہی ہے، دعائیں لٹ رہی ہیں.......... شمع روشن ہے، پروانے جمع ہیں، گھٹتے ہی نہیں بڑھتے چلے جاتے ہیں، دعائیں دہرا دہرا کر ختم ہوگئیں.......... درود و سلام کے نذرانے نذر ہوتے رہے۔ وہ کیف و سرور کا حسیں منظر جو مواجہہ پر تھا، ہر آن بڑھتا گیا ادب.......... کی آخری حد.......... عشق کی منتہا.......... حسن کی جولان گاہ.......... ملائکہ.......... عرش الٰہی سے اتر کر.......... درود و سلام کے موتی نچھاور کر رہے ہیں۔

یہاں کوئی شخص.......... مادی نذرانے لے کر نہیں آتا.......... نذر نہ نیاز، پھول نہ گجرے نہ اگر بتی نہ چادریں، نہ فواکہات نہ مشروبات.......... دل و نگاہ کے سوا کوئی نذرانہ نہیں.......... ادب و توقیر اور عجز وانکسار سب سے بڑے نذرانے ہیں۔ طاقچوں پر چاروں طرف قرآن سجے ہیں۔ لوگ نوافل و فرائض سے فارغ ہو کر قرآن

پڑھتے اور جس پر قرآن نازل ہوا اس کے حجرے کو تکتے اور درود و سلام بھیجتے ہیں............ ہر شخص اس گماں میں ہوتا ہے کہ ابھی بس ابھی اُمیّ لقبی ہاشمی مطلبی............ سراپردہ حرم سے باہر تشریف لائیں گے اور ہم ان کے جمال جہاں آرا کے انوار سے اپنا دامن بھر لیں گے، بڑھ کر قدوم ناز پہ نثار ہو جائیں گے۔

قرآن وہاں پڑھا جا رہا تھا جہاں گنبد خضرا تلے وہ عظیم ہستی ﷺ محو خواب ہے............ جس پر یہ نازل ہوا تھا............ سبحان اللہ! آواز تھی کہ سحر............ قرآن پاک دلوں میں اترتا جا رہا تھا............ اسطوانہ جبرئیل............ روضہ اقدس اور کلام پاک! اندازہ کیجیے کیا سماں ہوگا! یہی وہ لذتیں ہیں جو الفاظ کے حصار میں نہیں آتیں۔ ایسا کوئی آئینہ نہیں جو عکس لے سکے اور کوئی بیاں نہیں کہ احاطہ کر سکے۔ جبین خیال پہ سوچ کا موتی ابھاریئے، وہ کیا چیز ہوگی جو عشق کے ان ایمان افروز لمحوں میں پیدا ہوتی اور دل و دماغ کو مسحور کرتی ہے............ عشق و ارادت اور کیف و مستی کا یہی وہ مقام ہے جہاں الفاظ پیچھے رہ جاتے ہیں، آواز ساکت ہو جاتی ہے اور انسان پر سحر طاری ہو جاتا ہے۔

وہ سامنے ہیں نظام حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

....

اے کرۂ ارضی کے سرتاج! اے سرتاج الانبیا کی آرام گاہ! ایک انسان کی یہ دولت کروڑوں انسانوں کو زندگی بخشنے والے، اے کلام اللہ کے **86430** کلمات اور تین لاکھ **33** ہزار سات سو ساٹھ حروف میں سے مدنی آیتوں کی جائے نزول، اے اس آخری نبی ﷺ کے مدفن مبارک جس کی ذاتِ اقدس پر **22** سال **5** ماہ کے عرصے میں **6666** آیتیں نازل ہوئیں، اے رحمتوں اور فضیلتوں کے شہر، اے عظیم انسانوں کے مامن، اے زبان و بیان کی روح رواں، اے سپہ سالاروں کے دل کی دھڑکن، اے انشا پردازوں کے علو فکر، اے شاعروں کے تخیل کی معراج، اے خطیبوں کے ولولۂ خطابت کی آبرو، اے عالموں کے افکار کی آرزو، اے دانشوروں کے علم و حکمت کی جستجو، اے اہل اللہ کے آستانہ

آخر، اے عابدوں کی جبیں کے ناز، اے زاہدوں کی محبت کے محور، اے جود وسخا کے مخزن، اے جمال دولت کے مسکن، اے گناہ گاروں کی بخشش گاہ، اے بلدۂ رسالت پناہ، اے مرکز دل ونگاہ، اے انس وملک کی بوسہ گاہ، اے خطا کاروں کے خطا پوش، اے ہر عہدہ کے فضلا کی منزل، اے عاشقانِ صادق کے محل، اس ہیچ مداں اور بے سروساماں کا سلام قبول فرما۔

اے مدینۃ النبی! تو مرکز انوارِ الٰہی ہے، تو نے سب غایتوں کی غایت اولیٰ کو دیکھا اور جاوداں ہو گیا۔ اللہ نے تجھے ہمیشگی بخشی ہے۔ فرشتے اللہ کے عرش سے تیرے فرش پر سلام و درود کے تحفے لاتے ہیں۔ تو نے اسلام کو رونق بخشی اور تاریخ کو عزت دی ہے۔ تو نے ادب کو درخشاں کیا، تو نے ظلم کو توانائی، زبان کو رعنائی، بیان کو زیبائی اور فکر کو گہرائی بخشی ہے۔ ہم تیرے اور تو ہمارا ہے۔ تیری صبحوں میں صحابہ کا سوز دروں اور انصار و مہاجرین کا جوش جنوں ہے۔ تو شب زندہ داروں کی بلاواسطہ حکایت کا گہر مکنوں ہے۔ تو عرش سے نازک تر ہے۔ تیرے آغوش میں منصف اسلام سو رہا ہے۔ تیری مٹی پاتال تک مقدس ہے۔ تو سب سے بڑی تاریخ ہے۔ تیرے شمال میں احد ہے جس نے بہ قول ابوالحسن علی ندوی لغت کو شجاعت کے لیے بے شمار الفاظ دیئے ہیں۔ وہ پہاڑ جو قیامت کے روز جنت میں اٹھایا جائے گا۔ تیرے مشرق میں جنت البقیع ہے جہاں وہ لوگ سو رہے ہیں جو ابد الآباد تک زندہ ہیں، جن کے لیے موت نہیں، جن سے موت بھاگتی رہی اور ہمیشہ کے لیے بھاگ گئی، جن کے چہروں کی غیرت نے عرش وفرش سے سلام لیے ہیں، جو صرف زندہ رہنے کے لیے پیدا کیے گئے، جن کا عقیدہ تھا کہ موت زندگی کی ابتدا ہے اور وہ مر کے زندگی کی ابتدا کر گئے، وہی زندگی تب سے اب تک رواں دواں ہے۔

آغا شورش کاشمیری

سبھی بہہ گئے وہ آنسو، مرے شہر ماورا میں

زیارتِ روضہ رسول ﷺ! میں نے مولانا کی طرف دیکھا۔ جذبہ بے اختیار شوق نے سارے وجود کو تپا دیا تھا۔ بولے ''جلدی کریں۔ نصف گھنٹے میں دروازے بند ہو جائیں گے۔'' وہ نصف گھنٹہ کیسے گزرا! جسم و جاں کی تمام حسیات سمٹ کر ایک نکتے پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ جب روضہ کی بیرونی جالی کو تھاما تو اشکوں کی لڑی نے چہرے کو تر کر دیا۔ ''میں حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ!'' عقیدت بھری آواز میرے حلق سے نکلی۔ آہ و بکا، گریہ و زاری، تمام مجمع فریاد کناں، نوافل پڑھنے کا کس کو ہوش تھا۔ مولانا ظفر بھی زار و قطار رو رہے تھے۔ آنسوان کی گھنی داڑھی میں یوں ٹِک گئے تھے جس طرح برسات میں سبز پتوں پر شبنم جم جاتی ہے۔ ہر کوئی اشک بہا رہا تھا، ہر شخص درود شریف کا ورد کر رہا تھا۔ ہر کسی کو یقین تھا کہ رسالت مآب ﷺ اس کی آواز سن رہے ہیں۔ ہر فریاد پر غور فرما رہے ہیں۔ اپنے جان نثاروں کو دیکھ رہے ہیں۔ اپنے غلاموں کے سر پر دست شفقت رکھ رہے ہیں۔ رحمت للعالمین اپنے غلاموں کی نہ صرف عاقبت بلکہ دنیا بھی سنوارتے ہیں۔

لحد شریف کے اردگرد دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ دیواروں کو آہنی جالیوں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ پتنگوں کو شمع سے دور بھی رکھ دیا جائے تو بھی ان کا سوزِ دروں نہیں جاتا۔ شمع رسالت کی روشنی کو کوئی دیوار نہیں روک سکتی۔ روضۂ مبارک کی حدود میں داخل ہوتے ہی ہر اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ وجود روشن ہو جاتے ہیں۔ کثافت کافور ہو جاتی ہے۔ وہ نصف گھنٹہ جو میرا اپنا تھا۔ وہ مختصر گھڑیاں جو تمام عمر پر حاوی تھیں، وہ لمحے جو ماورائے زمان و مکان تھے............

مہِ کامل کا شہر جو ٹھہرا۔ دراصل اس شہر کا مقدر اس دن ہی چمک اٹھا تھا جس دن

حضور ﷺ یہاں تشریف لائے تھے۔ اس دن کے بعد اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ جس قدر طہارت، نفاست اور شرافت اس نگر میں ہے اور کہیں نہیں ملتی۔

بولے...... ''یہی وجہ ہے کہ پیدائش سے لے کر دمِ واپسیں تک ہر مسلمان کے لب پر ایک ہی دعا ہوتی ہے، دل میں ایک ہی خواہش کروٹیں لیتی ہے کہ اسے دیدار مدینہ ہو جائے۔''

میں نے کہا: ''اس کی مٹی میں عجیب سوندھی خوشبو ہے، اس کی ہواؤں میں ایک سندیسہ ہے۔ اس قدر روشن صبح اور مشکبار شامیں ہر شہر کو کہاں نصیب ہوتی ہیں......''

.... آج مسجد اور شہر دیدنی ہیں۔ دراصل جس جگہ رسول ﷺ کے قدم پڑ جائیں، وہ جگہ محض خطۂ زمین نہیں رہتی بلکہ مرجع خلائق بن جاتی ہے۔ خاک شفا بن جاتی ہے۔ اس کی تقدیر بدل جاتی ہے۔ صرف وہ اپنے آپ پر ناز نہیں کرتی بلکہ سارا جہاں اس پر رشک کرتا ہے۔ خاک شفا، جسے محبان رسولؐ آنکھوں سے لگاتے ہیں، چومتے ہیں، باوضو ہو کر اس کا لمس حاصل کرتے ہیں۔

حضور ﷺ کی لحد اطہر کے گرد دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں۔ دیواروں کو آہنی جالیوں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ پروانوں کو شمع سے دور بھی کر دیا جائے تو بھی ان کا سوز و دروں نہیں جاتا۔ شمع رسالت ﷺ کی روشنی کو کوئی دیوار نہیں روک سکتی۔ روضہ اقدس کی حدود میں داخل ہوتے ہی ہر اندھیرا چھٹ جاتا ہے، وجود روشن ہو جاتے ہیں، کثافت کافور ہو جاتی ہے۔ وہ نصف گھنٹہ جو میرا اپنا تھا، وہ مختصر گھڑیاں جو تمام عمر پر حاوی تھیں، وہ لمحے جو ماورائے زمان و مکاں تھے ؎

وہ ایک لمحہ ہے صدیوں کی زندگی پہ محیط
وہ ایک لمحہ جو اُن کے حضور گزرا ہے

شوکت علی شاہ
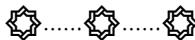
یہ وہ رستہ ہے کہ فردوس سے جا ملتا ہے

میں مسجد میں داخل ہوا تو میری کیفیت اس مجرم سے مختلف نہ تھی جو اپنا پورا ماضی سمیٹے ایک ایسی شفیق، عظیم اور محسن ہستی کے سامنے جا رہا ہو جس کی کرم نوازیوں اور رحمتوں پر یقین کے باوجود اس کی سب سے بڑی خواہش یہ ہو کہ میری داستان جرائم ان سے پوشیدہ رہے۔ میں سر جھکائے سراپا خجالت، مسجد میں داخل ہوا۔ میری نظریں زمین میں گڑی جا رہی تھیں۔ مجھے نہیں معلوم میں نے کتنے دالان عبور کیے۔ اپنے خیالات سے اس وقت باہر آیا، جب میرے ساتھی نے میرے کان میں کہا، یہ **روضتہ من ریاض الجنة** ہے۔ قرب کے اس احساس سے مجھے اپنا سانس رکتا محسوس ہو رہا تھا۔ قدم اس حد تک لڑکھڑا رہے تھے کہ سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ میرے لیے کھڑا رہنا ممکن نہ رہا تو بیٹھ گیا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد حواس بحال ہوئے تو میں نے اٹھ کر دو رکعت نوافل تحیۃ المسجد ادا کیے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے یہ نوافل **روضة الجنة** میں کس جگہ ادا کیے۔ انسانوں کا ایک جم غفیر تھا مگر خاموشی کا یہ عالم تھا کہ سانسوں کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی اور یہ آواز بھی سماعت پر گراں گزرتی تھی۔

میں دیر تک اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا، پھر نہایت خاموشی سے اٹھا اور جانب قبلہ میں تانبے کے جنگلے سے گزر کر مواجہہ شریف کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ چپ چاپ ساکن، صامت اور مبہوت۔ آج اپنی حالت دیکھ کر احساس ہوا کہ واقعی صحابہ کرامؓ جب آپ کے سامنے بیٹھے ہوتے ہوں گے، نہ جانے ان کی کیفیت کیا ہوتی ہوگی۔ واقعی ان کے سروں پر پرندے بیٹھ کر اڑ جاتے ہوں تو کچھ بعید نہ تھا۔ کتب احادیث میں پڑھے آپ کے فضائل ایک ایک کر کے دماغ کے پردے پر ابھر رہے تھے اور ہر فرمان بے

خودی میں کچھ اور اضافہ کر رہا تھا۔ یہ احساس کہ میں محبوب خدا، شافع روز جزاء، امام الانبیا اور شفیع الانبیا کے حضور کھڑا ہوں، ایک ایسی کیفیت پیدا کر رہا تھا جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔کسی نے سچ ہی کہا تھا:

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

مجھے اپنے اور مواجہہ شریف کے درمیان باوردی کھڑے شرطے بہت پیارے لگ رہے تھے۔ جالی کو چھونے کے لیے آگے بڑھنا تو کجا، مواجہہ شریف کی طرف نظر اٹھا کے دیکھنا بھی بے ادبی محسوس ہوتا تھا اور ایسا کرتے لوگوں کو روکتے شرطے بہت بھلے لگتے تھے، یہ میرا پہلے روز کا تاثر تھا۔

کافی دیر کھڑا رہنے کے بعد میں نے آپ کی ذات بابرکت پر درود پڑھنا چاہا تو ذہن بالکل صاف تھا۔ وہ طویل درود جو میں نے بصیغہ حاضر مختلف کتب سے بڑی محنت سے جمع کیا تھا، اس کا ایک لفظ بھی تو یاد نہ تھا۔ آہستہ آہستہ درود مبارک زبان پر روانہ ہوا تو پھر اس کا ایک حرف بھی نہیں بھولا۔ پھر عرض مدعا کے لیے جو کچھ لکھ کر یاد کیا تھا، وہ جیسے دماغ سے دھو کر نکال دیا گیا ہو کہ پھر کبھی یاد نہیں آیا۔ اس احساس محرومی پر آنکھوں کے چشمے ابل پڑے جیسے یہ ساون تھمنے کا نام نہ لیتا تھا، داڑھی بھیگ گئی تھی اور سسکیاں بلند ہو رہی تھیں۔ پھر جیسے دماغ کا کوئی دریچہ خود بخود کھل گیا ہو، بلاارادہ نہایت شستہ عربی میں یہ الفاظ جیسے پھسل گئے ہوں۔

> ''حضور، آپ کا غلام حاضر ہے جس کے دامن میں عصیان کے سوا کچھ بھی نہیں۔ آپ ﷺ پر آپ کے پروردگار نے جو کتاب نازل کی ہے، اس میں لکھا ہے کہ ''جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، وہ اگر آپ کے ہاں حاضر ہوتے اور اپنے پروردگار سے دعا کرتے اور آپ بھی ان کے حق میں دعا کرتے تو اللہ کو تواب الرحیم پاتے۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ نہ سوچے سمجھے تھے، نہ منہ کی زبان انہیں ادا کر رہی

تھی۔ یہ دل کی زبان تھی جسے محض میرے اپنے کان سن رہے تھے۔ پھر وہ گریہ اچانک رک گیا۔ دل پر ایک اطمینان کی کیفیت طاری تھی اور یہی ایک گریہ تھا۔ پھر میں نے یہاں رونا بھی چاہا تو نہ رو سکا۔ میں نے صاحبین کے ہاں سلام کہا اور بعد از نماز ظہر واپس ہوٹل چلا آیا۔ جو سرور اس وقت نصیب ہوا، وہ اسی جگہ کا حصہ تھا، پھر کبھی نصیب نہیں ہوا۔

پروفیسر صفدر علی گوندل

دلوں میں بھی دھڑکن عجیب آ گئی ہے

قدم روضہ پاک کی طرف بڑھائے، جوتے باہر بنے ہوئے خانوں میں رکھے اور باب جبریل کے اندر دایاں قدم رکھا۔ درود پڑھتے ہوئے پاس ادب سے عاجزی کے ساتھ سر جھکائے حضور پاک ﷺ کی حضوری میں حاضری دی۔ روضہ پاک کے پاس جانے اور جالی چومنے کی اجازت نہیں ہے۔ پہرہ دار روضہ پاک کے پاس پہرہ دیتا ہے۔ روضہ اطہر کے دوفٹ کے فاصلے پر رکاوٹ کے لیے جالی رکھی ہوئی ہے۔ مبادا لوگ جوش جذبات سے جالی کو نہ چھوئیں۔ وفور جذبات سے میری اپنی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ نگاہوں میں بے تابی بڑھ گئی تو حضور پاک کے تصور سے مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے آپ ﷺ مسند نبوت پر جلوہ افروز ہیں اور آپ ﷺ کے رخ انور سے نور کی کرنیں چارسو پھیل رہی ہیں۔ پاس ادب سے ایک لمحہ کو میری نگاہیں جھک گئیں اور میں قوت گویائی رکھتے ہوئے بھی گنگ سی ہوگئی۔ قربان جاؤں شان نبوت کے، خلق خدا روضہ اطہر کی زیارت کے لیے کس قدر بے چین و مضطرب تھی۔

حضور نبی کریم ﷺ کی الفت کا دل میں ایک دریا موجزن تھا۔ کچھ لمحہ میری کیفیت حاضری کے شوق میں عجیب سی ہوگئی۔ پھر بڑے عجز و نیاز سے سلام عرض کیا، درود پڑھا، سلام پڑھا، جو دعائیں یاد تھیں، پڑھتی گئی۔ دل کی عجب حالت تھی۔ آنکھوں میں اشک امڈ آئے تھے۔ ہزاروں خواہشوں اور آرزوؤں کے باوجود در مصطفیٰ ﷺ سے سوائے شفاعت کے کچھ نہ مانگ سکی۔ باقی تمنائیں اشکوں کے کشکول میں ڈال دیں۔ میں نے اکثر عورتوں کو دھاڑیں مارتے، روتے دیکھا ہے۔ بے تابی، بے قراری سے دعائیں مانگتے دیکھا ہے، اونچی اونچی آواز میں حضور ﷺ کو پکار کر دعاؤں کی حاجت

روائی کرتے دیکھا ہے۔ یہاں آہستگی سے درود و دعائیں پڑھنی چاہئیں۔ دل حب رسول ﷺ کی محبت سے معمور ہو لیکن ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ چشم تصور سے حضور پاک ﷺ کو اپنے سامنے مجسم نور کی صورت میں دیکھئے کہ آپ ﷺ استراحت فرما ہیں، کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو حدود شرع اور ادب سے باہر ہو۔ آپ ﷺ کے روضہ پاک کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضے ہیں۔ ان کے روضے پر حاضری دے کر درود وسلام اور دعائیں پڑھیں۔ پھر اصحاب صفہ کے چبوترے کے پاس سے ہو کر ریاض الجنۃ میں دو نفل پڑھے، مشکل سے سجدہ کے لیے جگہ ملی۔ ایک گھنٹہ کا وقت پلک جھپکتے گزر گیا، ابھی تو دل مضطرب کو قرار بھی نہ آیا تھا۔

ابھی تو دیدہ بینا میں تشنگی تھی کہ پہرہ داروں نے وقت کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ بادل نخواستہ باہر آ کر مسجد نبوی کے برآمدوں میں سے ہوتے ہوئے باب النساء کے قریب بیٹھ گئی اور ذکر کرنے لگی، لیکن نگاہیں بار بار روضہ مقدس کی طرف اٹھ جاتیں۔

زیارتوں سے فارغ ہو کر مسجد نبویؐ میں ظہر کی نماز ادا کی اور دوبارہ حاضری کی دعا کر کے حسرت و محبت کی نظر سے سبز گنبد کو دیکھا اور جدہ کے لیے ویگن کار میں سوار ہوئے۔ نگاہیں پلٹ پلٹ کر مسجد نبویؐ کے میناروں کو دیکھتی رہیں۔

صفیہ صابری

پھر بھی خبر نہیں مجھے کہاں کھڑا ہوں میں

جب ''باب جبرئیل'' کے قریب پہنچا تو ہیبت جمال نے پاؤں پکڑ لیے اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دبدبہ جمال نے سکتہ سا طاری کر دیا۔ آپ ﷺ کی عظمت و رفعت شان کے مناظر آنکھوں میں گھوم گئے۔ دنیا کے گوشہ گوشہ سے لاکھوں کروڑوں پروانوں کا یوں کھنچے چلے آنا اور دراقدس پر جانثاروں کا یہ جم غفیر اور اس کے مقابل آپ ﷺ کی وہ پہلے پہل مدینہ منورہ تشریف آوری کا منظر، دشمنوں کی ایذا رسانیاں اور مسجد نبوی ﷺ کی وہ سادہ و کچی تعمیر، آپ ﷺ کی سادہ و پاکیزہ زندگی، ہر نقش ابھرتا اور مبہوت بناتا چلا گیا۔ آخر آپ ﷺ کی رافت ومحبت اور اپنے نام لیواؤں سے قلبی لگاؤ کے تصور نے ہمت بندھائی اور آپ ﷺ پر درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے ڈگمگاتے قدموں سے ''باب جبرئیل'' سے داخل ہو کر صفہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے مشرقی دالان سے متصل صحن کے کچے حصے میں آیا۔ اہلیہ کو مستورات کے مجمع میں پہنچا کر اسی صحن میں آ کر بیٹھ گیا۔ یہیں عصر کی نماز ادا کی اور عصر سے مغرب تک گنبد خضرا کے نور سے اپنی گنہگار آنکھوں کی سیاہی کو منور کرتا رہا۔

مغرب کے بعد ''مواجہہ شریف'' کے سامنے مجمع کم ہوا تو سلام وعرض نیاز کے لیے لڑکھڑاتے قدموں سے حاضر ہوا۔ رؤف ورحیم آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دربار میں بقدر ظرف، لطف ومہربانی سے ہر غلام سرفراز کیا جا رہا تھا، اس ذلیل و ناکارہ غلام پر بھی محبت ومہربانی کی بارش ہوئی اور طمانیت وسکون کی دولت سے اس کا دامن مراد بھی بھرا گیا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ!

الحاج شیخ ضمیر الدین احمد

کہ جس سرکار کا بندہ تھا، اسی سرکار تک آیا

گنبد خضرا سے نگاہیں ہم آغوش ہوئیں تو جسم میں جھرجھری محسوس ہوئی۔ میں دم بخود ہو گیا۔ قدم خود بخود رک گئے۔ جیسے زمانہ کی رفتار رک گئی ہو۔ میں اپنی جگہ بے حس و حرکت گنبد خضرا کو ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا۔ میرے اور گنبد خضرا کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ نگاہیں نور بار گنبد خضرا کے بوسے لینے لگیں۔ قلب نے بصد احترام سلام شوق پیش کیا:

جس سرزمین پر گنبد خضرا ہے نور بار
اس سرزمین کو کعبہ دل کا سلام ہے

میں نے ہمت کر کے قدم بڑھانا چاہا۔ خیال نے کہا گنہگار، سیاہ کار اور بداعمال انسان، کس دیدہ دلیری سے آگے جاتے ہو! کس بل بوتے پر جسارت کرتے ہو، تمہارے پاس ہے ہی کیا؟

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

دامن تو تھا، لیکن خالی............ پہلو میں ضمیر تھا لیکن نامطمئن، قبا تھی، لیکن چاک......اعمال نامے کی خدا خبر............ اپنی بے سروسامانی، تہی دامنی پر رونا آیا۔ اشک ندامت بہ نکلے۔ اب آگے جانے کی ہمت جواب دے گئی۔ چلنے کا یارا نہ تھا۔ نہ جانے کتنی دیر اسی خیال میں گم سم کھڑا رہا۔ مجھے اس کی خبر نہیں۔ اچانک ایک بزرگ نے پیچھے سے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

''گھبراؤ نہیں! تم آئے نہیں، لائے گئے ہو، یہاں بلا منظوری کوئی نہیں آتا۔''

امید و یاس کی ان گھڑیوں میں فرشتہ رحمت کا جملہ حوصلہ افزائی کا باعث بن گیا۔ خیال نے کروٹ بدلی اور کہا! ہاں ہاں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

کرم ان کا ہوا تو مرکز انوار تک آیا
نظر ان کی ہوئی تو جام خود میخوار تک آیا
بڑے دربار تک قاسم رسائی ہو گئی میری
کہ جس سرکار ﷺ کا بندہ تھا، اسی سرکار ﷺ تک آیا

سیرت النبی ﷺ کا باب رحمت کھل گیا۔ آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔ شفیع المذنبین ہیں۔ یہاں مایوسی گناہ ہے۔ یہاں مرادوں کے پھول کھلتے ہیں۔ یہاں پکار کی شنوائی ہوتی ہے۔ یہاں دعاؤں کو کرم کا دامن ملتا ہے۔ اس آستانہ جمال سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ یہ رحمت کی گنگا ہے تو بخشش و کرم کا بحر بیکراں ہے۔ تصور میں عفو و درگزر، لطف وعنایت اور اکرام و انعام کے کئی باب کھل گئے۔ یقین نے کہا جو آقا و مولا ﷺ اپنے دشمن کو سینے سے لگا سکتے ہیں، ابوجہل کے بیٹے سے درگزر فرما سکتے ہیں، حمزہؓ کے قاتل کو معاف کر سکتے ہیں، وہ اپنے غلاموں کے غلام اور عاصی و گناہ گار امتی کو بھی دامن رحمت میں چھپا سکتے ہیں۔ معاً محترم حافظ لدھیانوی عالم تصور میں اشکبار چہرے سے یہ کہتے سنائی دیئے۔

احساس ندامت کی بڑی قدر ہے ان کو
عاصی پہ وہ کرتے ہیں کرم اور زیادہ

میں باب جبریل سے مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ اعتکاف کی نیت کی اور دعا مانگی۔

”الٰہی! بارگاہ ادب میں پہلی حاضری کا امتحان ہے۔ میرے مولا اس گناہگار کی آبرو رکھنا اور قدم قدم پہ ادب کو ملحوظ خاطر رکھنے کی توفیق عطا فرمانا۔“

قدم تھے کہ گھٹتے چلے جا رہے تھے۔ نگاہیں اٹھنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ یہ جگہ مقام ادب ہی نہیں...... امتحان ادب بھی ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں جامی، قرنی، حافظ، غزالی، نظیری اور بوصیری اپنے آپ کو بھول گئے۔ یہ ادب کا وہ قطعہ ہے جہاں جنید و بایزید نفس گم کر بیٹھے:

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

یہی وہ مقام ہے جہاں ستر ہزار ملائکہ آسمان دنیا سے نزول کر کے سرکار دو عالم ﷺ کے حضور درود وسلام پیش کرتے ہیں۔ جو فرشتہ روضہ رسول ﷺ پر ایک دفعہ حاضری کی سعادت حاصل کرتا ہے، قیامت تک اس کی باری نہیں آتی۔ خدا تعالیٰ کی مقرب نورانی مخلوق کو باری باری صرف ایک بار حاضری کا موقع ملتا ہے۔ رحمت عالم ﷺ کے غلاموں اور امتیوں پر اللہ تعالیٰ کے کرم اور عنایت کی وسعت کس قدر ہے کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی نظر التفات کے طفیل جب چاہیں، اس چشمہ رحمت سے سیراب ہو جائیں۔ جب چاہیں اس منبع سخاوت سے جھولیاں بھر لیں۔ جب چاہیں اس چشمہ نور کے جلوؤں سے قلب وجگر کی دنیا منور کر لیں۔ جب چاہیں اس وجود وکرم کے خزانے سے انعام واکرام کی دولت سمیٹ لیں۔ جب چاہیں اس نعمت کدہ سے انوارات و برکات حاصل کر لیں۔ سرور کونین ﷺ نے امتی زائرین کو روضہ اقدس کی حاضری اور اپنی قبر مبارک کی زیارت سے متعلق بے شمار بشارتیں دی ہیں۔

مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ میں کہاں سے کہاں آ گیا۔ میرے دائیں جانب سطح زمین سے تھوڑا سا اونچا ایک چبوترا تھا، دل نے شہادت دی، یہ یقیناً اصحاب صفہ ؓ کی یادگار ہے۔ میں یہیں رک گیا۔ عشق نے کہا یہ جگہ فکر ونظر کا پہلا مکتب تھی۔ یہ مقام تعلیم وتربیت کا پہلا دانش کدہ تھا۔ یہ زمین اسلام کی پہلی یونیورسٹی تھی۔ یہ قطعہ خرقہ پوشوں اور فاقہ مستوں کی جائے پناہ تھی۔ عشق نے کہا محبت وعقیدت کا تقاضا ہے کہ آقائے ومولا ﷺ کی نظروں میں سمائے ان درویشوں اور مسکینوں میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کی جائے۔ یہاں دو رکعت نفل ادا کرنے کی سعادت حاصل کی، اور شاگردان رسول ﷺ کی بلندی درجات کے لیے دعا کی۔

برادر مکرم مولانا اللہ وسایا یہیں میرے منتظر تھے جنہیں میں نے پیشگی استدعا کر رکھی تھی کہ میں اکیلا روضہ اقدس پر حاضر ہونے کی ہمت نہیں رکھتا۔ مولانا موصوف میرے ساتھ چل دیئے۔ ہماری بائیں جانب ریاض الجنۃ اور دائیں طرف محراب اور مصلےٰ رسول ﷺ تھا۔ ہم جنت کی کیاری سے گزر کر بائیں جانب مڑے۔ رش بہت کم تھا۔

مولانا نے میرا بازو پکڑا۔ سنہری جالیوں کے قریب مواجہہ شریف کے سامنے کھڑا کر دیا۔ مولانا اللہ وسایا کا انداز ایسے تھا جیسے کوئی مخبر بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر اس کے آقا کے دربار میں پیش کر دے۔ مجھے بالکل ایسے محسوس ہوا جیسے مولانا کہہ رہے ہوں:

''آقا ﷺ! آپ کا مجرم حاضر خدمت ہے''

واردات عشق کے پہلے مرحلے کا آغاز کچھ اس طرح ہوا کہ مجھ پر سکتہ چھا گیا، یہ ایسا مقام ہے جہاں حاضر ہوتے ہی جسم کانپ اٹھتا ہے۔ روح لرزہ براندام ہو جاتی ہے۔ یہاں ہوش وحواس کا نظام معطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ جسم و جان کے رشتے منقطع ہو جاتے ہیں۔ میری حالت ایسی تھی کہ ذہن فکر سے، دماغ سوچ سے، آنکھیں اشکوں سے، جسم جان سے اور دل جذبات سے خالی ہو گیا۔ عقل ماؤف اور زبان گنگ ہو گئی۔ ہوش و حواس جواب دے گئے۔ دیر تک محویت، حیرت زدگی، سراسیمگی، خوف و رجا اور ہیبت کی ایسی کیفیت طاری رہی کہ نذرانہ سلام پیش کرنے کا یارا نہ رہا۔ سوچی سمجھی دعاؤں کے الفاظ بھول گیا۔ مجھے اردگرد کی کوئی خبر نہ رہی۔ خود اپنے آپ کو فراموش کر بیٹھا۔ پھر کیا یکا یکی دل سے لہر اٹھی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ہوش وحواس کا منقطع سلسلہ بحال ہونے کو ہے۔ دل کی ہر دھڑکن دوسری دھڑکن پر بازی لے جانے لگی۔ ہر سانس، دوسری سانس پر سبقت حاصل کرنے لگی۔ دل کے ویرانے پر برکھارت چھا گئی اور آنکھوں سے چھم چھم برسنے لگی۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں آنسو اس طرح بہیں کہ خود ان کو اپنی خبر نہ ہو۔ یہ ایسا نازک مقام ہے جہاں نہ سسکیاں سر اٹھائیں اور نہ رونے کی آواز بلند ہو۔ میرا دل اب جذبات سے لبریز ہو گیا۔ ضبط کے بند ٹوٹنا چاہتے تھے لیکن اچانک ادب نے جھنجوڑا:

اے زائر درگاہ نبی جائے ادب ہے
آئے نہ ترے دل سے دھڑکنے کی صدا بھی

جسم میں جان اور جان میں روح لوٹ آئی۔ پتھرائی آنکھوں کو دعوت نظارہ اور گنگ زبان کو قوت گویائی مل گئی۔ ہوش وحواس کا منجمد نظام بحال ہو گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سبز جالیوں میں چمکتے روزن سے رحمت کی مقناطیسی لہریں قلب و جگر کو ٹھنڈک

پہنچا رہی ہیں، اب ہیبت دور ہوگئی، سراسیمگی چھٹ گئی، خوف جاتا رہا، مخزن لطف وکرم سے رحمت کے جھونکے آنا شروع ہو گئے۔ میرا یقین ایمان میں بدل گیا کہ یہ سارا ظاہری وباطنی انقلاب، یہ لطف وعنایت، عالم پناہ، شفیع عاصیاں ﷺ کی نگاہ کرم کے طفیل ہے۔

کرم کے بادل برس رہے ہیں عطا کے چشمے ابل رہے ہیں

وہ جیسے مجھ ہی کو دیکھتے ہیں میری ہی جانب نظر ہے ان کی

آستانہ جمال پر بے شمار عشاق، نذرانہ سلام پیش کرتے تھے۔ لیکن کسی کو کسی کی خبر نہ تھی، ہر کوئی اپنے حال میں گرفتار تھا، ہر کسی کی اپنی کیفیت تھی۔ یہ جذب وکیف کا مقام ہے۔ یہ قلب ونظر کی ایسی جگہ ہے جہاں آنسو گرتے نہیں، برستے ہیں اور دربار اقدس میں اشکوں سے بڑھ کر اور کوئی نذرانہ عقیدت نہیں۔

چند اشکوں کے سوا دامن دل میں کیا ہے

ہدیہ دربار نبی میں کوئی کیا لے جائے

مواجہہ شریف کے سامنے ادب واحترام اور عجز وانکساری کی ایک دنیا آباد ہے۔ شاہ وگدا، امیر وغریب، محتاج وغنی، چھوٹے بڑے، سبھی اشک بار ہوتے ہیں۔ جب کوئی گناہ گار جالیوں کے سامنے روزن رحمت کے بالمقابل کھڑے ہو کر اس اعتقاد و ایمان کے ساتھ سلام پیش کرتا ہے کہ ہمارے آقا ومولا ﷺ سماعت کے بعد جواب مرحمت فرماتے ہیں، تو یہ احساس سرفرازی اسے اوج ثریا کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔ اس عطائے نوازش پر دنیا کے تمام خزانے، ساری دولت اور تمام نعمتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ یہ اعزاز واکرام ایک عاصی کو معراج فضیلت عطا کرتا ہے۔ شاہ کونین ﷺ کے دربار اقدس میں ایک گناہ گار امتی کے لیے اس سے بڑا انعام اور کیا ہوسکتا ہے؟

صاحبزادہ طارق محمود

شوق و نیاز و عجز کے سانچے میں ڈھل کے آ

بس جوں جوں مدینہ منورہ کے قریب پہنچ رہی تھی، دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں اور جب یہ شہر کے اندر داخل ہوئی تو دل کی بے تابی نے از خود رفتہ کر دیا۔ آنکھیں یکسر وقف انتظار ہو گئیں کہ کب گنبد خضرا نظر آئے اور عمر بھر کی آرزو بر آئے۔ بس نے جونہی ایک موڑ مڑا اور گنبد خضرا پر نظر پڑی تو بس کچھ نہ پوچھئے کیا حال ہوا۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ عالم بیداری ہے یا عالم خواب۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان پر درود و سلام۔ بس اپنے اڈے پر رکی تو چودھری فضل حسین صاحب نے ایک ٹیکسی پکڑی اور سیدھے ایک ہوٹل میں پہنچے۔ وہاں سامان رکھا ہی تھا کہ مسجد نبوی سے نماز جمعہ کی اذان بلند ہوئی۔ ہوٹل سے مسجد نبویؐ کا فاصلہ تقریباً ایک فرلانگ تھا۔ میں نے اور چودھری صاحب نے ہوٹل ہی میں جلد جلد وضو کیا اور خواتین کو وہیں چھوڑ کر تیزی سے مسجد نبویؐ کی طرف روانہ ہوئے۔ الحمد للہ! ہمیں جماعت مل گئی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو چودھری صاحب نے فرمایا، چلئے ہوٹل واپس جا کر کچھ دیر آرام کرتے ہیں، پھر نہا دھو کر اطمینان سے روضۂ اقدس پر حاضری دیں گے۔

چودھری صاحب اس سے پہلے کئی مرتبہ روضۂ اقدس پر حاضری کی سعادت حاصل کر چکے تھے، اس لیے ان کا قلب مطمئن تھا۔ لیکن میرا معاملہ کچھ اور تھا۔ مسجد نبویؐ میں پہنچ کر روضۂ اقدس سے دوری کا ایک ایک لمحہ مجھ پر گراں گزر رہا تھا۔ بس ایک ہی دھن تھی کہ جلد از جلد حاضری کی سعادت حاصل کروں (کہ یہ نعمت مجھے پہلی مرتبہ نصیب ہو رہی تھی)۔

میں نے چودھری صاحب سے عرض کیا کہ آپ مجھے یہیں چھوڑ جائیں۔ میں

روضۂ اقدس پر حاضری دے کر اور **رياض الجنة** میں دو نفل پڑھ کر ہی آؤں گا۔ اس وقت میں یہ بات بالکل بھول گیا کہ جلدی میں نہ میں نے ہوٹل کا نام پڑھا تھا اور نہ میں نے چودھری صاحب کا نام دریافت کیا تھا...... خیر چودھری صاحب کے جانے کے بعد میں بے تابانہ روضۂ اقدس کی طرف بڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے خاص کرم فرمایا کہ **رياض الجنة** میں نفل پڑھنے کے لیے جگہ مل گئی۔ دو نفل پڑھے اور وہاں سے نکل کر مواجہہ شریف میں (روضہ پاک کے سامنے) حاضر ہوگیا۔ اس وقت یوں محسوس ہوا کہ سینے میں ٹھنڈک پڑ گئی ہے اور ساری عمر کی بے قراری کو قرار آ گیا ہے لیکن یہ عجیب قسم کا قرار تھا۔ اس نے مجھے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا...... کتنی ہی دعائیں مجھے یاد تھیں لیکن اس وقت سب میرے ذہن سے نکل گئی تھیں۔ آنکھیں برس رہی تھیں اور زبان پر یہ الفاظ تھے:

الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله

الصلوٰة والسلام عليك يا حبيب الله

ان الفاظ کے سوا (یا درود ابراہیمی کے سوا) اور کوئی لفظ زبان پر آتا ہی نہیں تھا اور اگر کوئی خیال ذہن میں آتا تھا تو وہ یہ تھا کہ مجھ سا غفلت شعار عاصی خطا کار کہاں اور یہ مقدس مقام کہاں۔ یہ سب اس رحیم و کریم ذات بے ہمتا کا فضل ہے کہ اس نے مجھ جیسے روسیا کو اس ''ادب گاہ'' میں اذن باریابی بخشا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت کی کیفیت کو کما حقہ احاطہ تحریر میں لانا ممکن ہی نہیں۔

طالب ہاشمی

یہ نقطہ آخر ہے عروج بشریٰ کا

اللہ کے حضور حاضر ہونے کے بعد محبوب کبریا، ممدوح کائنات، سید المرسلین، خاتم النبیین، وجہ تخلیق آدم و عالم، بہار چمنستان موجودات، ہادی انسانیت اور منزل ہر کاروان ہست و بود، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ رحمت میں حاضری دینے کی ساعت سعید آ پہنچی!

میں کانپتے قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ میرا بدن، میرا دل، میری روح ایک جلال کی گرفت میں تھی۔ ایک دبدبہ، ایک ہیبت، ایک سب سے جلیل القدر ذات گرامی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ڈر، مجھ بے مایہ، کمتر، ہیچ، معدوم شخص پر پوری طرح چھایا ہوا تھا۔ ان کا جلال مجھے سہار رہا تھا لیکن ان کی رحمت میرا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔ اب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین میں استادہ تھا۔ خدا کی قسم میرے ہونٹ خشک تھے۔ میری زبان گنگ ہو چکی تھی۔ الفاظ مجھے سوجھ نہیں رہے تھے۔ اظہار و بیان کے سوتے خشک ہو چکے تھے۔ حافظہ، یادداشت سب مٹ چکے تھے۔ سارا نام نہاد علم، ساری ناکارہ فصاحت و بلاغت، سارے بے سود وسائل اظہار و ابلاغ، سب کے پر، کٹ چکے تھے۔ گائیڈ بکس میں پڑھا تھا، حاضری دو تو یہ پڑھنا، یہ دعا مانگنا، وہ مدعا بیان کرنا، تمام عزیزوں اور دوستوں کے سلام اور مطالبے پیش کر دینا...... لیکن، لیکن، کہاں تھا یہ سب کچھ، ہر شئے محو ہو چکی تھی! میں اس وقت عدم کا ایسا نقطہ تھا جو مٹ رہا تھا، مٹ چکا تھا...... نقطہ بھی معدوم ہو چکا تھا...... ایسے میں کیا کرتا، مجھے کیا کرنا چاہیے تھا، میں کر بھی کیا سکتا تھا، بس میں بے ساختہ درود پڑھنے لگا۔ بے تحاشا رونے لگا۔ میں، ان کے سامنے یا ذرہ تھا جو اڑ گیا، یا موم تھا جو پگھل گیا، یا آنسو تھا جو بہہ گیا۔ بس درود، مسلسل

درود، لگا تار درود۔

زبان سے درود، دل سے درود، پورے وجود سے درود۔

یہ میری پہلی حاضری تھی۔

مسجد میں حاضر ہونے کے بعد (آغاز تا اختتام) ہر دل پر یہ احساس چھایا رہتا ہے کہ یہاں سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تشریف فرما ہیں۔ وہ ہستی، وہ ذات گرامی جو ممدوح کبریا ہے، جو سید الانبیا ہے، جو خیر البشر ہے، خود یہاں تجلی ریز اور جلوہ بار ہے۔ ہم ان کے فرق اقدس کے قریب استادہ ہیں۔ ہم ان کے مواجہہ شریف کے روبرو حاضر ہیں۔ ہم ان کے قدمین شریفین میں نماز ادا کر رہے ہیں! یہ احساس، دلوں کو پگھلا کر اور دماغوں کو تحلیل کر کے رکھ دیتا ہے۔

پھر ماضی کے یہ مناظر بھی بار بار پردۂ تصور پر نمودار ہوتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں مصلیٰ پر تشریف رکھتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ (علیہم) اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار جمال سے فیض یاب ہوتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات مطہر سے دامان سماعت کو معمور اور پرنور کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت میں نماز ادا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہیں صفہ پر تعلیم فرماتے تھے۔ یہیں مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے۔ یہیں سفیروں کو اذن باریابی عطا ہوتا تھا۔ یہیں جیوش اسلامی کی تیاری اور فتح کے بعد حربی فیصلے ہوتے تھے۔ شمع نبوت کے حضور کیسے کیسے جاںنثار پروانے یہیں حاضر ہوتے تھے۔ کائنات انسانی کے عزیز ترین افراد، اسی بارگاہ رشد و ہدایت میں اپنی تربیت اور تشکیک سیرت کے لیے موجود رہتے تھے۔

زہے وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اس کا
زہے وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

آج ہم اسی حرم پاک میں حاضر ہیں، جہاں کا ذرہ ذرہ جواب طور اور جہاں کا چپہ چپہ حامل نور ہے۔ اس مبارک، مقدس، منور، مطہر فضا میں مجھے چالیس نمازیں ادا کرنے کی سعادت عطا ہوئی۔

ہر وہ شخص جس کے سینے میں دل اور دل میں دھڑکنیں ہیں اور دھڑکنوں سے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمزمے چھڑتے اور محبت محبوب خدا (علیہ التحیۃ والثناء) کے نغمے بلند ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در پر حاضر ہونے کی سعید آرزو ضرور رکھتا ہے۔ یہی اس کے عشق کا حاصل، یہی اس کی تمنا کا مقصود اور یہی اس کے سفر حیات کی منزل مراد ہوتی ہے۔ اس کے دن، اسی تپش سے گرم اور اس کی راتیں اسی گداز سے تپاں ہوتی ہیں۔ اس کے نالہ نیم شبی اور اس کی آہ سحر گاہی کا منشا محض اور محض شرف دیدار و زیارت کا حصول ہے۔ یہ متاع مل گئی تو ہر دولت کونین اور ہر نعمت ارض و سما مل گئی۔ میری عمر تیز رو اور حیات سبک رفتار کے ہزاروں روز و شب اسی کرب ہجر، اسی اذیت فراق اور اسی اضطراب عشق کی نذر ہو گئے تھے اور جوں جوں سفر زندگی حیات طبعی کے مراحل سے گزر کر اپنی منازل اخیر سے قریب تر ہو رہا تھا، تپش آرزو کی شعلگی بڑھتی جا رہی تھی۔ کبھی یہ وسوسہ گزرتا کہ کیا در بوسی کے بغیر ناکامی و حرماں نصیبی کی موت نصیب ہو گی۔ کبھی یہ امید بندھتی تھی کہ وہ سراپا رحمت ہیں، ضرور اذن حاضری عطا فرمائیں گے اور ایک گدا، شہنشاہ کونین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں ضرور اپنا سر عجز جھکائے گا اور اپنی چشم خوش طالع سے ان کے مناظر جمال دیکھے گا۔

کبھی جذبہ بے اختیار شوق کی یہ دعا:

میں ان کے در پہ جاؤں، وہ دن خدا دکھائے
دل کی مراد پاؤں، وہ دن خدا دکھائے

کبھی تمنائے بے اماں کا یہ مطالبہ:

عاصی! میں وہ درگاہ جلالت کبھی دیکھوں
صد عظمت جبرئیل جہاں خاک بہ سر ہے

کبھی باب معلیٰ پر جبیں سائی کے لیے یہ اضطراب آمیز پکار:

سر اپنا ترے باب معلیٰ پہ جھکا دے
یہ نقطۂ آخر ہے عروج بشریٰ کا

پھر دعا اثر سے ہم آغوش ہوئی، تمنا شاد کام ہوئی، اذن طلب آیا اور یہ بندۂ عاصی، حاضری کی سعادت سے مالا مال ہوا اور اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہوا۔

میرا یہ مقدر کہ ترے در پہ کھڑا ہوں
ہونٹوں پہ تبسم ہے تو آنکھوں میں نمی ہے

معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا۔ کبھی شروع میں بھی اور آخر میں بھی شرف یاب ہوتا۔ اوقات نماز کے علاوہ بھی جذبہ دل بے اختیارانہ ان کی دہلیز پر لے جاتا۔ دل کی یہ کیفیت کہ ہمہ وقت یہی تمنا رہتی کہ بار بار جاؤں اور زیادہ سے زیادہ دامان آرزو کو دیدار جمال سے معمور کروں۔ اس بے کراں اور بے پناہ سیلاب تمنا کے باوجود پہلی حاضری سے آخری حاضری تک ایک دبدبہ، ایک مرعوبیت، ایک ہیبت، دل پر، پورے اعصاب پر، طاری رہتی۔ لیکن اس ہیبت میں وحشت یا سراسیمگی نہیں تھی بلکہ یہ احساس کا پھیلاؤ اور گرفت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وجلال کا کیا مرتبہ ہے اور میں کہاں کھڑا ہوں...... ذات کبریا، آپ ﷺ کو وجہ تخلیق کائنات بنا کر پیدا کرتی ہے۔ کون و مکاں، زمین و زماں، فرش وعرش اور تمام موجودات عالم کی ہستی، آپ ﷺ کے قدموں کا تصدق ہے۔ آفتاب و ماہتاب، سیارگان فلک، عالم جمادات ونباتات وحیوانات، جن وانس، ملائکہ ہفت زمین وآسمان، خشک وتر، بحر و بر، الغرض ساری بزم تخلیق آپ کے لیے آراستہ کی گئی اور آپ اس کے صدر ہیں۔ اللہ آپ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ معراج پر **او ادنی** کے مقام ومنزل پر آپ متمکن ہوتے ہیں۔ جبرئیلؑ سدرہ پر رک جاتے ہیں۔ مولا! اب آگے آپ تشریف لے جایئے، اس لیے کہ:

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

تمام انبیا و مرسلین کے آپ سید و سردار اور امام و پیشوا ہیں۔ آپ کے فرق اقدس پر رحمت للعالمینی کا تاج ہے۔ یہاں بھی آپ کی رحمت، کارساز بے چارگاں اور

وہاں بھی آپ کی رحمت شفیع المذنبین ہوگی۔ دنیا جہل میں اسیر تھی۔ دل پتھر تھے۔ دماغوں پر جاہلیت کی مہریں ثبت تھیں۔حواس پر بتان باطل چھائے ہوئے تھے۔ ہر نیکی اور خیر سے گریز، ہر بدی اور بدکاری سے رغبت۔ پوری دنیا ایک معصیت کدہ تھی۔ پوری کائنات انسانی، ایک ظلمت خانہ تھی۔عبد اور معبود کا رشتہ صدیوں سے نہ تھا۔مخلوق اپنے خالق کو نہ جانتی تھی، نہ پہچانتی تھی۔ایسے عہد ظلم وظلمت میں، آپ ﷺ نے ظہور فرمایا اور اپنے آفتاب ہدایت سے ضلالت وگمراہی کی تیرگی کو مٹا ڈالا! سرکش گردنیں اپنے خالق کے حضور خم ہوگئیں۔دلوں کے پتھروں سے چشمے جاری ہو گئے اور حیات و کائنات کی فضائیں نغمہ توحید سے معمور ہوگئیں۔آپ محسن بشر ہیں، آپ معلم بشر ہیں، آپ ہادی بشر ہیں اور آپ ہمارے لیے تمام موجودات کے لیے ہدایت ہیں، رحمت ہیں، شفقت ہیں۔

اور......میں اس ہستی کے روبرو حاضر ہوں، جس نے عظمتوں کو معانی عطا کیے، جلالتوں اور رفعتوں کو مفہوم بخشا اور اپنی سیرت جمیلہ کے اسوہ ہائے کامل سے آدمی کو شعور، زندگی کو منشور اور بندگی کو دستور عطا کیا۔

اور......میں اس ہمہ مقتدر ذات کے قدموں میں موجود ہوں کہ ہر تکریم بشری، اس کے دم قدم کا صدقہ ہے۔بس یہ احساس میرے حواس پر پہلی حاضری سے آخری حاضری تک چھایا رہا۔ میں بکثرت حاضر رہا، لیکن صورت یہ تھی کہ زیادہ تر قدمین شریفین کی جانب استادہ رہتا یا پھر جب ریاض الجنۃ میں نماز ادا کرتا تو فرق اقدس کے رخ حاضری دیتا۔لیکن مواجہہ شریف کی طرف جانے کا حوصلہ نہ ہوتا۔کبھی جاتا تو دل زور زور سے دھڑکتا، رقت طاری ہوجاتی، آنکھوں سے اشک ندامت کی لڑیاں بہنے لگتیں، حواس بکھرنے لگتے، چہرے کا رنگ اڑ جاتا اور جسم سے روح تک ایسا لرزہ طاری ہوتا جس کی حالت لفظوں میں ادا ہونا ممکن نہیں۔مقصورہ شریف میں کہیں بھی حاضر ہوتا اور کچھ بھی اظہار مدعا کرنا چاہتا تو خیالات ساتھ نہ دیتے، الفاظ بے ربط ہو جاتے، اظہار و بیان کی قوتیں دم توڑ دیتیں اور گریہ طاری ہوجاتا۔

ان کے دربار میں، ان کی سرکار میں
ہر گزارش ہوئی آنسوؤں سے بیاں

یا پھر بس ہاتھ پھیلے ہوئے ہیں اور ہونٹوں پر مہر سکوت لگی ہوئی ہے۔

ترے ہی سامنے پھیلا ہوا ہے دست سوال
بس ایک در ہے جہاں عزت گدائی ہے

اظہار مدعا کی نہ ہمت تھی، نہ ضرورت! اس لیے کہ ان کی شان غریب نوازی اور ادائے گداپروری پر بھروسہ تھا۔ ایسا سلطان گداپرور، جو بے مانگے عطا کرے۔

اس آستان کرم کا فقیر ہوں کہ جہاں
نہیں ضرورت اظہار مدعا مجھ کو
جلال قیصر و کسریٰ تھا میرے زیر قدم
کوئی رئیس ترے در پہ دیکھتا مجھ کو

عاصی کرنالی

جھکتا ہے میرا دل بھی میرے سر کے ساتھ ساتھ

ہم لوگ اپنے خوابوں کے شہر مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں تھے اور ہم لوگ ان خیالات کے سائے میں سفر کر رہے تھے کہ اس سرزمین کا ذرہ ذرہ مقدس ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ بھی انہی راستوں سے گزرے ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی ان راستوں پر سفر کیا ہوگا۔ بڑے بڑے اولیاء اللہ نے بھی ان راستوں پر اپنے قدموں کے نشانات ثبت کیے ہوں گے۔ اب پختہ سڑکیں ضرور بن گئی ہیں، سفر بھی بہت آسان اور خوشگوار ہو گیا ہے، لیکن جس زمانے میں ان بزرگوں نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک اپنے اپنے زمانوں میں سفر کیے، وہ راستہ تو یہی تھا، راستے کی فضا تو یہی تھی، تقدس اور پاکیزگی کا ماحول تو یہی تھا۔

ان خیالات کے جھرمٹ میں کھوئے ہوئے ہم لوگ مدینے کی طرف جا رہے تھے۔ کوچ میں مکمل خاموشی تھی، کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ کچھ لوگ غنودگی کے عالم میں تھے۔ میں جاگ رہا تھا۔ میں نے کوچ کی کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیئے تھے اور باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پہاڑ خشک تھے۔ تیز دھوپ انہیں مزید خشک کر رہی تھی۔ زمین دور دور تک بے آب و گیاہ تھی۔ حد نظر تک کوئی درخت نظر نہیں آتا تھا۔ دھوپ کی تیزی اور گرمی کی شدت نے ہر چیز کو جھلسا دیا تھا۔ اس کے باوجود یہ مناظر مجھے اچھے لگ رہے تھے۔ کیونکہ دیار حبیب ﷺ کے مناظر تھے۔ یہ احساس بار بار جاگ رہا تھا کہ ان میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی سانسوں کی خوشبو بسی ہوئی ہے اور شمع رسالت ﷺ کے ان گنت پروانوں کے قدموں کے نشانات ان مناظر پر ثبت ہیں۔ ہماری کوچ مدینے میں داخل ہوئی اور چند منٹ میں، اپنے اڈے پر پہنچ گئی۔

کچھ دیر اپنے کمرے میں آرام کیا اور مغرب کی نماز مسجد نبوی ﷺ میں جا کر ادا کی۔ کیف و سرور کا عجب عالم تھا۔ الفاظ اس کیفیت کو بیان کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ مسجد نبویؐ بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ انسان کی بنائی ہوئی روشنی کی یہاں اندر اور باہر فراوانی تھی، لیکن اس مصنوعی روشنی کے ساتھ ساتھ یہاں ویسے بھی نور برس رہا تھا۔ آسمانوں سے رنگا رنگ روشنیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ فرشتے چاروں طرف پر پھیلائے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ در و دیوار سے حسن و جمال کا طوفان اُمڈ رہا تھا اور کیفیت یہ تھی کہ کسی چیز پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ رمضان شریف تھا، اس لیے مسجد نبویؐ میں کچھ زیادہ ہی رونق تھی۔ اس مبارک مہینے میں دور دور سے لوگ یہاں آ کر عبادت و ریاضت میں مصروف ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کے دنوں میں یہاں آ کر عبادت کرنے سے عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ دعائیں بھی جلد قبول ہوتی ہیں اور روحانی اعتبار سے ایک عجب طرح کا کیف و سرور بھی حاصل ہوتا ہے۔

جس مسجد میں حضور ﷺ نے خود عبادت کی ہو، نمازیں پڑھی ہوں اور جہاں ان کے سجدوں کے نشانات موجود ہوں اس کی عظمت و رفعت کا بھلا کیا ٹھکانا ہے۔ ایک زمانے تک یہ عبادت گاہ رسول اللہ ﷺ، دنیاوی شان و شکوہ اور آرائش و زیبائش سے تعلق نہیں رکھتی تھی، لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، خیر الامم کے تاجداروں اور دوسرے پرستاروں نے اس کو ایک عظیم الشان مسجد بنا دیا اور آج یہ حضور پاک ﷺ کی عبادت گاہ کی حیثیت سے مقدس و محترم تو ہے ہی، لیکن اس کی تعمیر و تزئین کو ان کے غلاموں کے جذب اور شوق نے حسن و جمال کا ایک نمونہ بنا دیا ہے اور اب یہاں ہر لمحہ روشنی کی بارش ہوتی ہے، نور کا مینہ برستا ہے اور حسن و جمال کے سمندر موجیں مارتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ اس میں ظاہری آرائش و زیبائش اپنے معراج کمال پر ہے بلکہ اس لیے کہ اس مقام پر حضرت رسالت مآب ﷺ نے عرصہ دراز تک عبادت اور ریاضت کی بلکہ ان کے مخلص دوست اور ہم نشیں صحابہ کرامؓ بڑے بڑے بزرگان دین اور صوفیائے کرام بھی اس سرزمین پاک پر ہر دور میں سجدہ ریز ہوئے اور اس طرح انہوں نے بارگاہ الٰہی میں رسائی حاصل کر

کے ایسا قرب حاصل کیا جو کسی دوسری جگہ بیٹھ کر حاصل نہیں ہوسکتا۔

یہ مسجد صرف عبادت گاہ ہی نہیں تھی، دین اسلام کا اولین مدرسہ بھی تھا، جہاں حضور پاک ﷺ کے درس مبارک سے ہزار ہار انسان فیض یاب ہوئے۔ جہاں حضور پاک ﷺ کے مواعظ حسنہ کی صدائیں گونجیں اوران کے خطبات کی آوازیں فضاؤں میں خوشبوؤں کی طرح بس گئیں۔آج بھی یہاں اس درس کا فیض عام ہےاورآج بھی عقیدت مندوں اورایمان کی دولت سے مالا مال لوگوں کے کانوں میں یہ صدائیں رس گھولتی ہیں۔

میری آنکھوں نے اس مسجد کو نور مجسم ہی دیکھا اور چند روز کے قیام میں، میں نے اس کے نور سے اپنے سینے کو بھرلیا اور اس نور نے میرے دل کی دنیا کو ایک ایسے اجالے سے آشنا کیا، جس کا تجربہ اس سے قبل مجھے کبھی نہیں ہوا تھا۔

حضور پاک ﷺ کے روضہ اقدس کی عمارت کے اوپر، وہ سبز گنبد ہے، جو گنبد خضرا کے نام سے مشہور ہے، جس کی تعریف وتوصیف میں ہر دور کے شاعروں اورادیبوں نے اپنے قلم توڑ دیئے ہیں اور جہاں کہا جاتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے ہر وقت حاضری دیتے ہیں اوراپنے آپ کو درود وسلام کے ورد میں مصروف رکھتے ہیں۔سبز گنبد کے پیچھے مینار ہے، جو دور دور سے نظر آتا ہےاور جو روضہ اقدس کی ظاہری پہچان ہے۔روضہ اقدس کے قریب، منبر رسول ﷺ ہے۔ حجرۂ عائشہؓ، روضہ رسول ﷺ اور منبر کے درمیان کا حصہ ''ریاض الجنۃ'' کہلاتا ہے، یعنی جنت کا باغ۔ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ جو جگہ میرے گھر یعنی حجرۂ عائشہؓ کے درمیان ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور واقعی جو شخص یہاں پہنچتا ہے، اس پر یہی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ جنت کے باغ کا نظارہ کر رہا ہے۔

ان خیالات میں گم، میں مسجد نبوی ﷺ کے صحنوں اور دالانوں کو عبور کر کے انسانوں کے ایک بحر ذخار سے حتی الامکان دامن بچاتا ہوا ایک عالم جذب وجنوں میں گرتا پڑتا روضہ رسول ﷺ تک پہنچا۔منبر کی زیارت کی، ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر مزار مبارک کا دیدار کیا اور دیر تک ایک عالم کیف ومستی میں خاموش حیرت زدہ اور سہما ہوا سا کھڑا رہا۔

البتہ درود وسلام کے الفاظ اضطراری طور پر میری زبان سے نکلتے رہے اور میں ان پھولوں کو روضہ حضور ﷺ پر نچھاور کرتا رہا۔ دیر تک خاموشی، حیرت زدگی اور سراسیمگی کی یہی کیفیت رہی۔ کوئی دعا، کوئی آیت زبان سے نہ نکل سکی۔ یوں محسوس ہوا جیسے میں عالم خواب میں ہوں۔ خواب میں کیفیت کچھ ایسی تھی کہ الفاظ اس کے بیان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ حیرت اور مسرت نے مجھے ایک عجیب عالم میں پہنچا دیا تھا۔ آس پاس اور گردو پیش عاشقان رسول ﷺ کا ایک جم غفیر تھا، لیکن مجھے اس ہجوم کی کچھ خبر نہیں تھی، میں تو اس وقت خدا جانے کہاں پہنچا ہوا تھا۔ اس کو نیم مدہوشی کا عالم کہا جائے تو بے جا نہیں۔

ڈاکٹر سید عبادت بریلوی

نور سے جس کے ملے راز حقیقت کی خبر

ہم سب روضہ نبوی کے سامنے کھڑے تھے!

بالاخر لمحہ ادب آ گیا۔ روضہ اطہر پر پہلی نظر پڑتی ہے تو دل کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ یہ اس سید الانبیا اور امام الابرار ﷺ کا مرقد مقدس ہے، جس کی لوح دل، قرآن مجید کی پہلی رحل بنی۔ یہ وہ عظیم ترین ''بعد از خدا بزرگ توئی'' ہستی ہے، جس پر خود خالق کائنات اور تمام فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

یہاں مواجہہ سعادت کے سامنے اہل ایمان کا بے پناہ ہجوم ہے۔ ہم بھی دلوں میں جذبات کا طوفان اور آنکھوں میں شوق بے تاب لیے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ میرے ہونٹوں پر نعت کا وہ بے مثل مصرعہ سرگوشی بنا ہوا ہے ''لوح بھی تو' قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب'' کچھ حضرات کا ایک گروہ سامنے ہاتھ باندھے بہت مؤدب ہو کر کھڑا ہے۔ ان سب کی آنکھیں نم آلود ہیں۔ ان کے امام نے سیاہ قبا پہن رکھی ہے۔ گروہ کے سب لوگ ان کے دائیں بائیں اور پیچھے ساتھ لگ کر کھڑے ہیں۔ امام صاحب مواجہہ سعادت کی طرف منہ کر کے دعائیں پڑھ رہے ہیں اور سارا گروہ ان کے ساتھ ان دعاؤں کو دہرا رہا ہے:

"یا جمال ملک اللہ، نور عرش اللہ، خلق اللہ، یا شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، مقدم جیش المرسلین"

''میں آپؐ کی بارگاہ میں شفاعت کی امید لے کر حاضر ہوا ہوں۔''

لوگوں کے چہروں پر خوشی اور طمانیت ہے کہ اس لمحے، ان کی زندگی بھر کی تمنا پوری ہو گئی ہے اور وہ اس بارگاہ تک آ پہنچے ہیں، جس کے گرد حریم کائنات بھی گرم طواف

ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ عاقب ہیں، یعنی سب انبیاء کے بعد آنے والے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ ختم المرسلین ہیں، آپ ہر دل میں مکین ہیں، آپ ﷺ ہی افضل ترین ہیں، آپ ﷺ ہی ہماری دنیا و دین ہیں اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے قرآن مبین ہے۔

دل میں جذبات کا آتش فشاں ہے لیکن دربار رسالت ﷺ کی ہیبت چھائی ہوئی ہے۔ اس بارگاہ کو چاروں جانب سے بند اور تاریک رکھا گیا ہے۔ اس سے ہیبت میں مزید اضافہ ہوتا ہے تاہم جہاں ہم کھڑے ہیں، خنک اور بھرپور روشنیوں نے اس قطعہ کو رشک فردوس بنا دیا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ میں مہر جلیل نیم روز کے حضور کھڑا ہوں اور میرا وجود تحلیل ہو کر عدم ہو گیا ہے۔ میں گونگا ہو گیا ہوں۔ ایسے میں ڈاکٹر نصیر احمد ناصر سے حروف والفاظ مستعار لیتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے قلبی احساسات کی ترجمانی کی ہے:

''روضہ اطہر پر نظر پڑی تو مدتوں کی مشتاق آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ دل پر ہیبت طاری ہو گئی۔ حرم کعبہ میں صرف الہ و رب تھا لیکن یہاں اس کے ساتھ اس کے حبیبؐ بھی تھے۔ یہاں شراب محبت دوآتشہ تھی اور اس کا کیف و سرور دوگنا تھا۔ یہاں حسن الٰہی کے ساتھ حسن رسالت مآب ﷺ کے جلوے بھی تھے۔ یہاں خدا کا گھر بھی تھا، جو جنت نگاہ تھا اور اس کے حبیبؐ کا گھر بھی موجود تھا، جو فردوس نگاہ تھے۔ نگاہیں دونوں پر فدا ہو رہی تھیں، اس لیے روح، الحاح و زاری اور دل، آہ و فغاں کرنے لگا۔ وہاں قریب قریب سب حاضرین ہی آہ و زاری کر رہے تھے۔ جذب و مستی کی ایک کیفیت تھی، جو قریب قریب سبھی اہل جذب وشوق پر طاری تھی۔''

ہم بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چپ چاپ اور موؤدب کھڑے ہیں کہ یہی عشق کی منزل ہے۔ وہ سامنے ہیں، نظام حواس برہم ہے۔ نہ آرزو کی سکت ہے، نہ عشق میں دم ہے۔ بہت ہلکے سے کوئی کانوں میں سرگوشی کرتا ہے ''ہم اس بارگاہ کے سامنے کھڑے ہیں، کہ...... آنجا دلبرؐ است...... یہی مقام اقدس تو اس کائنات کا نقطہ نور ہے۔ اس ہستی کے نام سے ہماری پہچان اور آبرو ہے اور یہی ہستی ہمارے درون

دل میں بسی ہوئی ہے۔ درِ دل مسلم مقام مصطفیؐ است، آبروئے ما زنام مصطفیؐ است۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام ومرتبہ کے آگے زمانہ اور وقت حقیر رہ جاتے ہیں۔ ابدالاباداں کے سامنے ایک لمحہ سے بھی کم حیثیت رکھتا ہے۔ ''کمتر از آنے زاو قاتش ابد، کاسب افزایش از ذاتش ابد۔'' جامی نے انہی کے بارے میں معانی سے لبریز شعر کہے ہیں اوران کی مدح میں موتی پروئے ہیں اور فرمایا ہے کہ پوری کتاب کائنات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت کتاب کے حاصل اور دیباچے کی سی ہے۔ہم سبھی اس نظام عالم کے عام کارکن ہیں اور آقا اور قائد صرف وہی ایک ہیں ؎

نسخہ کونین را دیباجہ اوست

جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

میرے روحانی استاد محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب ''فی المنزل الوحی'' میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچنے کے بعد اپنی دلی کیفیات قلمبند کی ہیں:

''ہم حجرۂ مطہرہ اور قبر رسولؐ کے سامنے پہنچ گئے۔ میں اس مقدس ومحترم حجرہ کے سامنے اپنی جگہ مودٔب کھڑا ہوں۔ ڈرتے ہوئے کہ کہیں کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔ کیونکہ میں شہ کونینؐ کے حضور میں ہوں، جو سکون جان بھی ہیں اور قرار دل بھی۔ جو آیہ رحمت بھی ہیں اور حاصل حیات بھی۔ حسن اتم بھی ہیں اور مجسم کرم بھی۔ میں یوں محسوس کرتا ہوں گویا ایک شہنشاہ کے حضور کھڑا ہوں۔نہیں یہ مقام شاہوں کی حاضری سے کہیں بڑا تھا۔ میں نے بادشاہوں سے باتیں کی ہیں، وہاں میرے دل پر یہ رعب طاری نہیں ہوا اور نہ وہاں میرا دل اس عظمت واکبار سے معمور ہوا۔ میں بادشاہوں، فراعنہ اور بزرگوں کی قبروں پر کھڑا ہوا ہوں لیکن وہاں یہ روحانی جلال نہیں دیکھا، جواس وقت میرے ذہن پر طاری تھا۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ جلال روحی کا ایک ہالہ میرے گرد بن گیا ہے، جو میری سوچ پر حاوی ہو گیا ہے۔

السلام وعلیک یا رسول اللہ ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے اللہ کے نبی اور رسول کی حیثیت میں اپنے رب کا پیغام پوری طرح پہنچا دیا اوراس کی راہ

میں جہاد کیا۔حتیٰ کہ اللہ نے اپنی مدد پہنچا دی۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور وہ وحدہ لاشریک ہے۔''

کتاب ''رفیق الحج'' بھی ہمیں ''ادب گاہیست زیر آسماں ایں جا'' کے بارے میں موؤب رہنے کی تلقین کرتی ہے کہ زائر کو چاہیے ''زیارت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان ادب ملحوظ رکھے۔مواجہہ شریف سے ہٹ کر کھڑا ہو اور مقصورہ شریف یا درودیوار کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ ہی کہیں بوسہ دے۔صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور بدعات سے بچے۔''

بدعات سے بچے، بالکل بجا۔لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، اس پر عمل کرنا اس جگہ ہرکس وناکس کے بس کی بات نہیں۔آپ ذرا ان لوگوں کا تصور کریں جو ہزاروں میلوں سے...... جز تو مارا منزلے نیست...... پکارتے آئے ہیں۔وہ قریب سے قریب تر ہونے کی ضرور آرزو کریں گے۔مواجہہ کے سامنے پولیس کے دو شرطے یعنی سپاہی دائیں بائیں کھڑے ہیں تاکہ شمع رسالتؐ کے پروانے مناسب حد تک رہیں۔وہ لوگوں کو سمجھا رہے ہیں کہ دیوار سے ہٹ کر رہیں۔وہ خود بھی لوگوں کو ہٹا رہے ہیں لیکن لوگ پھر بھی دھکم پیل کر کے مواجہہ کی طرف ایک نگاہ ڈالنے کے اشتیاق میں آگے بڑھتے ہیں۔گویا کہہ رہے ہیں ''نگاہے یا رسول اللہؐ نگاہے۔''

شرطے بیچارے لوگوں کے ساتھ زور لگا لگا کے بلکہ ''ہاتھا پائی'' کر کر کے اکتائے ہوئے لگتے ہیں۔ایک طرف ان کی ڈیوٹی ہے کہ وہ لوگوں کو دیوار کے ساتھ لگنے نہ دیں اور لوگ روضہ اقدس کی جالی کو نہ چومیں۔دوسری طرف تقبیل کے شوق میں پروانے دیوانہ وار آگے بڑھتے ہیں۔شرطے فرض اور عشق رسولؐ کے گویا دو پاٹوں کے درمیان پس رہے ہیں۔کبھی کبھار وہ چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے نظر انداز بھی کر دیتے ہیں۔

اچھا تو یہ ہیں وہ دو شرطے اور پہریدار جن کا ذکر بچپن سے بار بار سنا تھا اور ایک نعت میں پروانہائے شمع رسالتؐ کی طرف سے ان کی خدمت میں ترنم سے درخواست

پیش کی گئی تھی کہ ''روضہ اقدس کی جالی کو چومنے کی اجازت دے دو، خدا تمہارا بھلا کرے گا۔'' ''تیری خیر ہووے پہریدارا، روضے دی جالی چم لین دے۔''

اسی جگہ مجھے صادق قریشی صاحب کا واقعہ یاد آتا ہے، جو انہوں نے اپنے سفر حجاز ''پھر سوئے حجاز'' میں لکھا ہے۔ اس واقعے کی یاد نے دل کو ہمیشہ گداز کیا ہے۔ یا اللہ ایسے ایسے عاشق رسولؐ بھی دنیا میں موجود ہیں اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ یا اللہ! اس جذب عاشقانہ کی ایک رمق ہمیں بھی عطا ہو۔

وہ لکھتے ہیں کہ **1960**ء کے لگ بھگ فیصل آباد کے ایک بزرگ نے اپنی زندگی کا سارا اثاثہ بیچا اور جیسے تیسے حجاز پہنچے۔ حج سے فارغ ہوئے تو اس روضے کی جالی چومنے کی تمنا انہیں کشاں کشاں مدینہ منورہ لے آئی۔ دیار حبیبؐ میں پہنچے اور بالآخر یہاں اپنی نگاہوں کی جنت میں پہنچ گئے۔ وہ دل بے قرار کے ساتھ جالی کے سامنے کھڑے رہے۔ آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور ہونٹوں کو الفاظ کا یارا نہ رہا۔ وہ روضے کی جالی سے چمٹ جانا چاہتے تھے لیکن یہ شرطے کسی کو جالی کی طرف بڑھنے نہیں دیتے تھے۔ وہ ہزاروں میلوں کا سفر کر کے اور زندگی بھر کی جمع پونجی داؤ پر لگا کر یہاں پہنچے تھے۔ وہ بس اک جالی کو چومنے کی تمنا کی تکمیل تو چاہتے تھے۔ چنانچہ قلب تپاں کے ساتھ انتظار کرتے رہے اور جب شرطہ ذرا ایک طرف کو ہوا تو انہوں نے تیزی سے آگے بڑھ کر دو زانو ہو کر جالی کے ساتھ سر رکھ دیا۔ قبولیت کا لمحہ تھا۔ انہیں منزل مراد مل گئی تھی۔ خادم نے لپک کر کہا ''او حاج، او حاج'' مگر وہاں کون تھا جو جواب دیتا۔ ''عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام۔'' وہ مہر و ماہ و مشتری بلکہ فلک الافلاک سے بھی آگے جا چکے تھے۔

اب جالی کے ساتھ تو ایک جسد بے روح باقی رہ گیا تھا!

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کھڑے ہوئے پروانوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔

میرا ہمدم، میرا دل کہتا ہے ''یہ مانگنے کی جگہ نہیں ہے یہ تو جھولیاں بھرنے کی جگہ ہے۔ یہ لوٹنے اور خزانے لوٹنے کی جگہ ہے۔ زائر! تم محبت اور رحمت کے سمندر کے

کنارے کھڑے ہو۔ حب رسولؐ علم وحکمت، حسن وعمل اورتزکیہ نفس کے بحر بیکراں کے ساحل پر ہو۔ تم بارگاہِ رسالتؐ میں ہو۔''

میں اس سے کہتا ہوں چلیے دعا نہیں کرتا، التجا کرتا ہوں۔ دونوں ہاتھوں کو ملا کر اوک بناتا ہوں۔ گویا میں صدیوں کا پیاسا ہوں اور تشنہ لبی کے ساتھ ساقی کوثر کے حضور کھڑا ہوں کہ وہ اس میں رحمت کے ڈول انڈیلتے جائیں۔ میں، شراب رحمت پیتا جاؤں، پیتا جاؤں۔ حتیٰ کہ پیاس باقی نہ رہے اور یوں دہلیز بارگاہ پر دعا پیرا ہوں:

''اے ظہور تو شباب زندگی، جلوہ اَت تعبیر خواب زندگی۔ آپؐ کی وجہ سے اس کائنات کا درجہ بلند ہے۔ از تو بالا پایہ ایں کائنات اور آپؐ کی وجہ سے جہاں کا گوشہ گوشہ اور ہر ہر پہلو روشن وتابندہ ہے۔ شش جہت روشن ز تاب روئے تو۔ آپؐ کی محبت سے ہمارے دل و دماغ قوی اور توانا ہیں۔ ہم خاک کے ذرے تھے۔ آپؐ نے ہمیں اٹھا کر فلک نشیں کر دیا۔ ستاروں کی طرح عالی جناب کر دیا۔ دل زعشق تو، توانا می شود، خاک ہمدش ثریا می شود۔

حضور آیہ رحمت! میں بس نور کی ایک کرن کا خواستگار ہوں، جو میرے نہاں خانہ دل کو روشن وتابناک کر دے۔ میرا دل بیم و ریا سے پاک اور ظلم و طاغوت کے مقابلے میں بے باک ہو۔

دیدۂ باطن پہ رازِ نظم قدرت ہو عیاں
ہو شناسائے فلک شمع تخیل کا دھواں
دل میں ہو سوزِ محبت کا وہ چھوٹا سا شرر
نور سے جس کے ملے رازِ حقیقت کی خبر

اے الہ العالمین! یہ میرے ملے ہوئے ہاتھ نہیں ہیں، یہ کشکول دعا ہیں۔ اے اللہ! میرے ہاتھ خالی ہیں تو انہیں اپنی رحمت اور نعمتوں سے بھر دے۔''

اس پر ایک جانی پہچانی ہوئی آواز گونجی ''نہیں......نہیں۔''

اوہ یہ میرے دمساز، میرے دل کی آواز تھی۔ یہ آواز میرے دل سے آئی تھی اور

اس نے ایک خوددار کی سی تاکید سے کہا ”یہ غلط ہے کہ میرے ہاتھ خالی ہیں۔ میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔“

ایک دفعہ بند کھل گیا تو جیسے دل وضمیر ایک سچے انسان کی طرح جھجک کو بالائے طاق رکھے بولے جا رہے ہیں:

”میرے الرحمٰن! میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔ میری جھولی بھری ہوئی ہے تیری عنایتوں سے۔ میرا دامن لبریز ہے تیری رحمتوں اور نوازشوں سے۔ میرا انگ انگ اس ساز کی طرح معمور ہے، جس کے ایک ایک تار سے الحمد للہ کی آواز آ رہی ہے۔ اے مرے خالق و مالک! تو نے ہمیں صحیح سالم اعضاء دے کر فی احسن تقویم پیدا کیا، صحت کاملہ دی ہے، بہن بھائیوں کی خوشیاں دی ہیں، مسرتوں سے معمور گھرانہ اور بیوی بچے دیے ہیں۔ نیک دعاؤں کی چھتری کی صورت میں ماں باپ دیئے ہیں۔ قلب مطمئن، رزق حلال، علم اور ایمان کی بے بہا دولت دی ہے۔ حج کی سعادت اور اس بارگاہ کی حاضری سے سرفراز کیا ہے۔ میری قوم کو آزادی اور میرے ملک کو دنیا اسلام میں سرفرازی دی ہے۔ امت مسلمہ میں احیائے اسلام کی تڑپ اور لہر پیدا ہو گئی ہے۔ غرض میں مانگنے کے لیے نہیں، شکر ادا کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں۔“

میرے ضمیر نے مجھے ٹوکا ”اس شکر گزاری اور ظاہری انکسار کے جام کی تہہ میں دور کہیں دور غرور تو نہیں ہے؟“

میں دل ہی دل میں کہتا ہوں ”نہیں ایسا نہیں ہے۔ پھر بھی، جب بھی میں مانگتا ہوں تو اے میرے الملک القدوس! صرف تجھی سے مانگتا ہوں۔ اس لیے اے میرے اللہ! مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔“

روضہ رسولؐ کی مشرقی سمت میں تین در ہیں۔ ان بند دروازوں پر قدیم طرز کے قفل پڑے ہوئے ہیں۔ درمیان والے در کی جالی میں مٹھی بھر کھلے اور قریباً بیضوی جھروکے ہیں، جن کے اردگرد سنہری پتری کے چکر لگے ہوئے ہیں۔ ہیکل کے الفاظ میں یہ تینوں سوراخ گویا کھلی آنکھیں ہیں جو ہر زائر کو بغور دیکھتی ہیں اور اس کی روح کی

گہرائیوں میں جھانکتی ہیں۔

چند قدم اور چل کر میں پھر اصحاب صفہ کے چبوترے کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔ یوں روضہ اقدس کے گرد میرا چکر مکمل ہو جاتا ہے لیکن میرا دل اس طواف حبیبؐ سے نہیں بھرا۔ اشتیاق دید مجھے مثال گردش پرکار ایک مرتبہ کشاں کشاں بارگاہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لیے چلتا ہے۔

ایک دفعہ پھر بارگاہِ نبیؐ میں حاضر ہوں۔

سر روضہ سرکار دو جہاں کھڑا ہوں میں
پھر بھی خبر نہیں مجھے کہاں کھڑا ہوں میں

ایک دفعہ دل نے بڑے ناز سے کہا تھا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزم خاص ہوگی، مجھے بھی اذن کلام ہوگا'' اور اب یہی دل اس بارگاہ میں جیسے کلام کے لیے بے چین ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے۔ کوئی جانے کہ دل اپنی عضلاتی حرکت میں بند ہو رہا ہے اور کھل رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ تو کیفیتوں کی رستخیز بنا ہوا ہے کہ جسے عربی میں فیما بنی و بین نفسی کے الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جیسے یہ ایک آدمی کا دل نہ ہو، حصوں میں بٹ کر ''دلڑیاں'' بن گیا ہو کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور پلٹ کر خود ہی جواب دیتا ہے۔ شاید اسے خود کلامی کہتے ہیں۔ شاید آپ بھی کبھی اس کیفیت سے گزرے ہوں۔ بہرحال اس وقت یوں لگتا تھا کہ میں جدید ''پکی روٹی'' پڑھ رہا تھا۔

پکی روٹی پنجابی زبان کی ایک مشہور کتاب ہے، جس کے ٹائٹل پر لکھا ہوتا ہے ''حجم میں چھوٹی، مسائل میں موٹی، پکی روٹی۔'' اس میں روزمرہ فقہی مسائل کی سادہ تعلیم دی گئی ہے لیکن اس کی اصل امتیازی خصوصیت اس کے منفرد اسلوب بیان میں ہے۔ سقراط کے طریق تدریس کی طرح سوال و جواب کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے دو ننھے منے فقروں کی تکرار حروف ابجد کی طرح ازبر ہو جاتی ہے اور وہ دو فقرے ہیں ''جے کوئی پچھے'' یعنی اگر آپ سے کوئی یہ مسئلہ دریافت کرے اور پوچھے تو ''تو آکھ جی'' یعنی آپ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ جی......

بارگاہ نبویؐ میں کھڑا ہوں۔ چاروں جانب لوگوں کا ہجوم ہے لیکن میرا ہم نفس دل کی انجمن سجا لیتا ہے۔ گویا آئینہ کے مقابل آئینہ ہے کہ خود ہی سوال کرتا ہے ''جے کوئی پچھے دنیا میں عرش الٰہی کہاں ہے؟''

اور دل کا مقابل خود ہی جواب دیتا ہے ''توں آکھ جی'' مسجد نبویؐ میں روضہ الجنتہ کے بائیں پہلو میں کہ دل ہمیشہ بائیں پہلو میں ہوتا ہے۔ یہی مقام جو کبھی حجرۂ عائشہؓ تھا پھر آنحضور اقدس اور ان کے دست و بازو کی آخری آرام گاہ بنا۔ اب یہ بارگاہِ رسالتؐ ہے اور ابد تک کے لیے دنیا میں انوار الٰہی کا مرکز۔

جے کوئی پچھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب و بازو کون تھے؟ توں آکھ جی، شیخین۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ۔ دیکھ لیجیے صدیق اکبرؓ حضور اقدسؐ کے سینے کے برابر سر رکھ کر ابدی نیند سوئے ہوئے ہیں اور جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بازو جا سکتا ہے، وہاں فاروق اعظمؓ محو خواب ہیں۔

منزل جبریلؑ سے ذرا بڑھ کر مشرقی سمت میں روضہ نبویؐ کا وہ دروازہ ہے جو اکثر مقفل رہتا ہے۔ میں یہاں رکا رہا، اسے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس حجرۂ مقدسہ کے اندر شمال کی جانب اسطوانہ تہجد ہے اور سادہ سے کمرے کی جنوبی سمت میں اس جگہ، جسے قدیم میں حجرۂ عائشہ ہونے کا شرف حاصل تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے دونوں عظیم ساتھیوں کے مرقد مبارک ہیں۔ اس حجرۂ مطہرہ کا یہ بیرونی دروازہ شاذ و نادر ہی کھلتا ہے۔ بہت ہی خاص موقع ہو، سعودی حکومت بہت مہربان ہو اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص نگاہ کرم ہو تو کسی نیک بخت کے لیے یہ دروازہ کھلتا ہے۔ میرا یقین ہے کہ ارض پاکستان پر ''سایۂ خدائے ذوالجلال'' ہے اور بارگاہِ رسالتؐ کی میرے وطن پر خاص نظر عنایت ہے۔ اس لیے عرش سے نازک تر اس حجرۂ مقدسہ کے اندر قدم رکھنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لحد مبارک کے قدموں میں کھڑے ہونے کی سعادت جن سعید روحوں کو حاصل ہوئی، ان ذیشان مہمانوں میں صدر پاکستان محمد ضیاء الحق بھی شامل ہیں جو یہاں پاکستان کی سلامتی اور تعمیر و ترقی اور جہاد افغانستان کی کامیابی کے لیے گڑگڑا

کر دعائیں مانگا کرتے تھے۔

ایک دفعہ انہیں 28/رمضان المبارک (28/جون 84ء) کی شب بھی اس حجرۂ اقدس میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا تو ان کے مبارک ومسعود قافلے میں روزنامہ وفاق کے ایڈیٹر مصطفیٰ صادق بھی تھے۔انہوں نے درون بارگاہ رسالتؐ کے ان قابل صد ہزار رشک لمحات کا، کہ جب ان پر شہ کونین کا در رحمت کھلا، 15/جولائی 84ء کے روزنامہ مشرق میں حال بیان کیا ہے۔ان کے پیچھے پیچھے ہم بھی، گویا ان سے دیدۂ دل مستعار لے کر، بارگاہ رسالت میں ایک نگاہ ڈالنے کی جرأت کرتے ہیں:

''میری سوچ ہمیشہ یہ رہی ہے کہ روضہ اقدس تک رسائی کبھی ممکن بھی ہوئی تو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکوں گا اور اس منظر کی تاب نہیں لاسکوں گا۔اسے احساس مرعوبیت کہہ لیجئے یا اس مقام کی غیر معمولی عظمت قرار دیجیے کہ ہمیشہ یہی احساس غالب رہا لیکن اس وقت آیا تو سب سوچیں دھری کی دھری رہ گئیں اور میں بسم اللہ پڑھ کر، گناہوں کے بوجھ سے شرمسار، انجانے خوف سے لرزتے، کانپتے روضہ اقدس کی داخلی حدود میں جا پہنچا۔دھیمی دھیمی روشنی، نہ دائیں بائیں دیکھنے کی سکت، نہ آگے اور اوپر نیچے نظر اٹھانے کی ہمت، حتیٰ کہ قدموں کی آہٹ بھی ناپید بود۔بس ایک دوسرے کے پیچھے ایسے قدم بقدم چل رہے تھے کہ جسم بالکل بے جان، روح ہلکان اور دل ودماغ پریشان تھے۔

روضہ کی جالی کے باہر کھڑے ہو کر درود وسلام پیش کرنا بھی اگرچہ کوئی معمولی بات نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا جو انعام ہم پر ہوا، اس کی کوئی انتہا ہی نہیں تھی۔یہ بات ہر طرح کے مبالغہ سے پاک ہے کہ جنیدؒ و بایزیدؒ ایسے اولیاء اللہ اور برگزیدہ انسان جب ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں تو کسی دوسرے کے لیے کیوں کر ممکن ہے کہ اپنے آپ میں رہ سکے۔ روضہ اقدس کی جالی کے باہر سے ایک سوراخ میں سے جس چادر یا غلاف پر نظر پڑتی ہے، اس پر عربی میں لکھے ہوئے یہ الفاظ صاف پڑھے جاتے ہیں ''یہ محمد رسول اللہ کی قبر (شریف) ہے'' جو کچھ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جا کر دیکھا، وہ بھی یہی چادر یا غلاف

ہے، جس پر مذکورہ بالا الفاظ درج ہیں۔ جالی سے اس چادر کا فاصلہ تقریباً ایک میٹر ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر شریف سے بس دو چار انچ کے فاصلے پر کھڑے ہو کر نہایت ادب و احترام کے ساتھ ایک خدا رسیدہ بزرگ مزور نے ہمیں سلام پڑھانا شروع کیا۔ بہت ہی ہلکی آواز، بڑا ہی عاجزانہ انداز، بزرگ اور قابل احترام مزور کے ساتھ ساتھ ہم بھی اپنی استطاعت کے مطابق وہی کلمات دہرائے جا رہے تھے۔''

واپسی سے پہلے روضہ رسولؐ اور بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الوداعی نگاہ ڈالی تو میرے ہونٹوں پر حکیم الامت کا یہ نعتیہ شعر تھا۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہ

عبدالرحمٰن عبد

محوطواف رہتے ہیں قدسی جہاں مدام

قلبِ مومن کواس وقت تک تسکین نہیں ہوتی جب تک کہ وہ روضۂ رسول ﷺ کی زیارت سے مشرف نہ ہوجائے۔ کعبۃ اللہ میں اور طرح کی تجلیات وبرکات ہیں جبکہ مسجدِ نبوی اور روضۂ رسول کی کیفیات کا اور رنگ ہے۔ وہاں نور آبشار کی طرح گرتا ہے، یہاں شبنم کی سی کیفیت ہے۔ جو دل کی زمین میں رچتی چلی جاتی ہے۔ آفتاب کی روشنی ماہتاب پر سے ہوکر آتی ہے تو آنکھوں کے لیے ٹھنڈک اور دلوں کے لیے سرور کا باعث بنتی ہے۔ بیت اللہ شریف پر جو آنسو بہتے ہیں ان کی کیفیت اور ہے اور روضہ اقدس پر جو جھڑی لگتی ہے اس کا رنگ اور ہے۔ یہ حضور ﷺ کا شہر ہے۔ اسے حضور ﷺ نے حرم قرار دیا ہے۔ یہاں حضور ﷺ کی مسجد ہے۔ حضور ﷺ کا روضۂ انور اور دونوں کے درمیاں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہاں جو بھی آتا ہے، سرتاپا ادب اور سراپانیاز بن کر آتا ہے اور رحمۃ للعالمین ﷺ رؤف ورحیم کی رحمت درافت سے سیراب ہوکر جاتا ہے۔ اس تصوّر سے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ ہم ان گلیوں سے گزر رہے ہیں جہاں ہمارے حضور ﷺ محوِخرام رہے ہیں ؎

زمین خاک مدینہ پہ ناز کرتی ہے
نصیب ایسے کسی اور سرزمیں کے نہ تھے

میاں عبدالرشید

کعبہ تو دیکھ چکے، اب کعبے کا کعبہ دیکھو

عصر سے پہلے مدینہ طیبہ کے دروازے پر لاری پہنچ گئی۔ طوفان گریہ اُمڈ آیا۔ اللہ اللہ یہی وہ منزل ہے جو کشاں کشاں جسم زار ونزار کو کھینچ کر سرزمین حجاز پر لے آئی ہے۔ اسی پاک سرزمین طیبہ پر سر کے بل چلنے کی آرزو ایک مدت دراز سے دل میں درد بن کے جاگزیں ہو رہی تھی۔ اسی خطہ رشک فردوس میں سانس لینے کی تمنا سانس کی آمد وشد کے ساتھ پرورش پا رہی تھی۔ ولولہ بے اختیار شوق میں کبھی حضرت جامیؒ کا یہ شعر ورد زباں تھا۔

کے شود یا رب کہ او در طیبہ و بطحا کنم
گہ بہ مکہ سرزنم گہ در مدینہ جا کنم
آرزوئے جنت معلیٰ بروں کردم ز سر
گہ بہ باب جبرئیل از شوق واویلا کنم

گاہے اپنے سرکار سلطان السلاطین، سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ محبوب الٰہی کا یہ مبارک شعر گھنٹوں مصروف تواجد رکھتا۔

صبا بہ سوئے مدینہ روکن
ازیں دعا گو پیام بر خواں
بگرد شاہ رسلؐ بہ گردد
بصد تضرع سلام بر خواں

''باب النساء'' کی طرف سے اس جگہ جیتے جی داخلہ نصیب ہوا جو درحقیقت زمین پر ہر اعتبار، ہر نقطۂ نظر، ہر جہت سے خطہ فردوس بریں ہے۔ جو واقعی جنت کا ٹکڑا ہے۔ حرم پاک نبوی علیہ الف الف تحیات والتسلیم میں قدم رکھتے ہیں، ایسا منظر چشم

ناسوتی ظاہری کو نظر آیا جو وہم و خیال و تصور سے بھی بالاتر تھا۔ اس کے کمال احترام اور تقدس کے علاوہ چشم ظاہر کے لیے بھی تمام روئے زمین پر مسجد نبویؐ سے زیادہ حسین و جمیل مسجد کسی جگہ موجود نہیں ہے۔

پہلی بار داخلہ حرم پاک کے بعد عجیب حالت، عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ عقل، حواس، ہوش، سب سلب تھے۔ نیم غشی کی حالت طاری تھی۔ دل تھرا رہا تھا۔ کلیجہ کانپ رہا تھا۔ صحن مسجد کے قریب، بالکل پائیں میں، ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے تھے اور روضہ اطہر کی جالی پر جب نظر جاتی تھی، عجب حالت طاری ہوتی تھی۔ آخر کار مواجہہ اقدس میں پہنچ گئے۔ جی چاہتا تھا کہ بار بار کہیں، ارے کوئی تو طریقہ بتلا دو کہ آنکھ سے کیسے چل سکتے ہیں۔ اللہ اللہ مجھ سیاہ کار، گناہ گار، سگ کوئے نبویؐ، غلام غلاماں کی یہ رسائی کہ آج اس سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حضور میں لے جایا جا رہا ہے، جس کے نام پر عمر بھر تصدق و قربان ہوتا رہا۔ اس کے سامنے جا رہا ہے، جو جسد کونین کی روح ہیں، جو بالمومنین رؤف الرحیم ہیں۔ ان کے ملاحظہ میں آج ایک کمترین غلام، ایک ادنیٰ ترین امتی پیش کیا جا رہا ہے، جن کا ارشاد ہے کہ جو امتی میری زیارت کے لیے میرے بعد آئے گا، اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی اور میری شفاعت اس کے لیے واجب ہوئی۔ اللہ اللہ، میری کیا بساط، میری کیا مجال، کس منہ سے جاؤں، کیوں کر سامنا کروں۔ میرے پاس تو سوائے زنگ آلودہ دل، جنس کا سد گناہ، انبار در انبار، خروار در خروار لغزشوں اور خطاؤں کے اور کیا دھرا ہے۔ کیا کروں، کیسے سامنا کروں۔ کیا تحفہ میرے پاس ہے جس کو نذر گزران سکوں، سوائے ایک ان کی فدا کارانہ محبت و والہانہ جذبہ عشق و محبت کے۔ اسی پس و پیش حیص بیص میں کشاں کشاں بازو پکڑے ہوئے وکیل صاحب نے مواجہہ اقدس کی جالی کے سامنے کھڑا ہی کر دیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں۔ حواس تو پہلے ہی سے گم تھے، اب اس میں اور زیادتی ہو گئی۔ خواب کی سی حالت میں صلوٰۃ وسلام پڑھوایا، پڑھ دیا۔ مگر اس وقت اور اس موقع پر کوئی حضوری میسر نہ ہو سکی۔ وہاں سے ریاض الجنتہ کے مقام پر آ گئے اور

ٹھہر گئے۔نماز عشاء کی رکعت اول میں اس قدر شدید قلبی دورہ پڑا کہ قریب تھا، حرکت قلب رک جاتی مگر موت تو زندگی کی خود محافظ ہے اور وقت معینہ سے ایک لحظہ قبل ممکن نہیں کہ کوئی جامہ ہستی کو اتار سکے، اس لیے بچ گئے۔

حکیم عبدالغنی انصاری خسرو شاہ نظامیؒ

دیر و حرم بھی کوچہ جاناں میں آئے تھے

مدینہ منورہ وہ پاک سرزمین و مبارک شہر ہے، جو خدائے بزرگ و برتر کے بعد سب سے افضل ہستی، پیغمبر آخر الزماں، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دامن آغوش میں لیے ہوئے ہے اور اس جگہ وہ ذات گرامی آرام فرما ہے جو ساری مخلوق سے برتر اور لوح و قلم کی زینت ہے۔ یہی وہ تابناک و دل آویز خطہ ہے جس کی خاک پاک کو حضور سرور دو عالم ﷺ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔ اسی جگہ روز و شب درود و سلام کی نغمہ ریزیاں سامعہ نواز ہوتی رہتی ہیں۔ فرشتے اور انسان سلام و صلوٰۃ کے لیے حاضری کو زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔

حج و زیارت کے دل گداز مناظر سے بہرہ اندوز ہونے کے بعد انسان دیر تک وہی کیفیات محسوس کرتا ہے، مگر میرا تاثر یہ ہے کہ مکے میں جلال و جبروت ہے، عظمت و ہیبت ہے، درد و کرب ہے، حسرت ہے، بے چینی ہے، بے کلی ہے، حیرت اور رقت ہے۔ لیکن مدینہ منورہ میں سر تا سر جمال و رحمت ہے۔ محبت ہے، شفقت ہے۔ یہاں جو کیفیات دل پر طاری ہوتی ہیں، وہ محسوس تو کی جا سکتی ہیں لیکن انہیں الفاظ کا جامہ نہیں پہنچایا جا سکتا اور جو واردات یہاں قلب و دماغ پر گزرتے ہیں، انہیں بیان کرنے کے لیے تاب سخن نہیں۔

مدینہ منورہ پہنچ کر بے اختیار چیخیں نکل جاتی ہیں۔ رو رو کر ہچکی بندھ جاتی ہے۔ آنسوؤں کے سیل رواں کے بعد تمام بے چینی اور بے تابی از خود، ختم ہو جاتی ہے۔ سکون اور اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی حضور انور ﷺ کے قدموں میں پہنچ کر انسان دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔...... میں کیا عرض کروں کہ میں نے حجاز میں کیا کچھ

دیکھا ہے۔ میں ایسی وادیوں میں گھوما ہوں جس کے چپے چپے میں اسلام کی روشن تاریخ بکھری پڑی ہے۔ میں نے ان پتھروں کی سرگوشیاں سنی ہیں جو اللہ کے سچے نبی کو بعثت سے پہلے سلام کرتے تھے۔ میری پیشانی نے ان مساجد میں سجدے کیے ہیں جن کی بنیادیں حضور کریم ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئیں۔ میں نے وہ غار بھی دیکھے ہیں جہاں حضور ﷺ کی جبیں سجدہ ریز ہوئی۔ میں نے ان گل کدوں کی بھی زیارت کی ہے جہاں گلشن آمنہ کا سبد گل مقیم رہا۔ میں اس پتھر کو دیوانوں کی طرح چومتا رہا جسے آقائے دو جہاں ﷺ نے بوسہ دیا تھا۔ میں نے اس چبوترے پر نفل ادا کیے ہیں جہاں معراج کی شب صاحب معراج عرش پہ بلاوے سے پہلے محو آرام تھے۔ میرے قدم ان صحراؤں میں اُٹھتے رہے جہاں آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ میں اس جبل رحمت پر بھی پہنچا ہوں جہاں میرے حضور ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔ میں ان صفا و مروہ کی پہاڑیوں میں دوڑا ہوں جہاں بی بی ہاجرہ علیہ السلام پانی کی تلاش میں سات مرتبہ دوڑیں تھیں۔ میں نے اس شیطان کو بھی کنکریاں ماری ہیں جس نے سیدنا حضرت ابراہیمؑ کو ورغلانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اس مقام پر قربانی دی ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ نے سو اونٹ قربان کیے تھے۔ میں نے اس مقامِ ابراہیم پر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشان بھی دیکھے ہیں۔ میری ان آنکھوں نے اس سبز گنبد کا نظارہ بھی کیا ہے جس کے سامنے گزرتے ہوئے چاند کی روشنی بھی شرما جائے۔ سید الکونین ﷺ کی بارگاہ جمال میں پابرہنہ صلوۃ وسلام کے پھولوں کے گجرے نچھاور کرنے کے لیے حاضر ہوا لیکن قدم باب جبرائیل کے باہر رک گئے کہ ایک مجرم شہنشاہ دو عالم ﷺ کے دربار میں کس منہ سے حاضر ہو۔ آخر اذان ہوئی۔ حضور ﷺ کے قدموں میں شامل نماز ہو گیا۔ احساس بے ضابطگی اور عشق و ادب کی سرمستی میں آنسوؤں کی بے زبانی نے سینکڑوں التجائیں کیں۔ روضہ اطہر سے پھوٹتی ہوئی نور کی شعاعیں میرے قلب سیاہ پر طمانت کے انوار بکھیر رہی تھیں۔ شہنشاہ کون و مکان کو امت کی خطائیں اور فرو گزارشیں نا گوار نہیں گزرتیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین در اقدس پر حاضر ہونے والے خطا کاروں کو دامن

عاطفت میں چھپا لیتی اور کوتاہ دامنوں کو نواز دیتی ہیں، معاف کر دیتی ہیں، بخش دیتی ہیں۔ دراصل خواجہ کونین ﷺ کی عظمت بے حد اور رحمت بے کراں کے سامنے امت کے بے نواؤں کی لغزش کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ہادی برحق کے آستانہ عالیہ پر پہنچ کر بے اختیار چیخیں نکل جاتی ہیں۔ آنسوؤں کے سیل رواں کے بعد تمام بے تابی از خود ختم ہو جاتی ہے۔ سکون اور اطمینان قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی حضور انور ﷺ کے قدم مبارک میں زائر دُنیا و مافیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس بارگاہ عالیہ میں جس قدر کوئی مؤدب ہو، اسی قدر سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ انتہائے شوق و محبت ہوتی ہے۔ انتہائے شوق و محبت اور شیفتگی کی وجہ سے جب رُوح انبساط و اطمینان سے سرشار ہوتی ہے تو بسا اوقات عرض و معروض کا ہوش نہیں رہتا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے حضور صلوۃ وسلام عرض کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات اور ملائکہ کو گواہ بنا کر عہد میثاق کی تجدید ضروری ہے۔ سید الکونین کی یہ رفعت، یہ منزلت، یہ محبوبیت، یہ جلالت اس قدر بلند ہے کہ جس پر اوج ثریا کو بھی رشک آتا ہے۔

روضہ اقدس پہ جب نظر پڑتی ہے تو دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے۔ آنکھیں چھلک پڑتی ہیں اور تعظیم کے لیے احتراماً جھک جاتی ہیں۔ زبان مودب سلام نیاز عرض کرتی ہے اور آخر میں سر بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکرانہ کے لیے جھک جاتا ہے۔ مواجہہ شریف کی جالیوں کا لمس سرور انگیز اور کیف آور ہے۔ پہلے تمنائیں کروٹیں لیتی ہیں پھر دل جاگ اُٹھتا ہے اور زبان محو درود وسلام ہو جاتی ہے۔ اس بارگاہ عالیہ میں پہنچ کر دیدہ ٔنمناک کے سوا انسان کے دامن میں کچھ باقی نہیں رہتا۔ پرنور جالیوں کے جھروکوں سے جمال مصطفوی چھن چھن کر زائرین کو منور کرتا رہتا ہے۔ یہ کاشانہ رسول ہر وقت درود وسلام کی خوشبو سے مہکتا رہتا ہے۔ تربت رسول سے رحمت و بخشش کی خنک شعاعیں ایسے نکلتی محسوس ہوتی ہیں کہ جیسے نور کا دریا، ہلکورے لے رہا ہو۔

مواجہہ شریف کے سامنے مؤدب حاضری اور پست آواز میں صلوۃ سلام پیش کرنا، زیارت حرم نبویؐ کی اصل غرض و غایت ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی دیوار کے

سائے میں عاجزانہ تاسف و ندامت کے جس قدر بھی آنسو بہائے جائیں اور خشوع و خضوع سے جتنی دُعائیں بھی کی جائیں کم ہیں۔ رحمۃ للعالمین کے دربار عالیہ میں نہایت عجز وانکسار ہے۔ خطا کار امتی ہونے کا اقرار کیا جائے، استغفار اور درود شریف پڑھنے کے بعد نصرت الٰہی اور بخشش کی بھیک مانگی جائے۔ خدمت اقدس میں مغفرت اور شفاعت کی درخواست کی جائے کیونکہ اس بارگاہ سے آج تک کوئی مایوس و نامراد نہیں لوٹا۔

جسے خاکِ در تری چھو گئی
وہ برا بھی ہو تو برا نہیں

عبدالکریم ثمر

پلک جھپکتے ہی ہم قدمیں آسمان ہوئے

مسجد نبویؐ کے طول وعرض میں ایک ایسا حسن تھا جو ہر قدم پر ''دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا است'' کا تقاضا کرتا تھا۔ بیت اللہ اگر جلالِ خداوندی کا مظہر تھا، تو بلا شبہ یہاں جمالِ رسالت ﷺ ہر طرف عیاں تھا۔ شمعِ رسالت ﷺ کے متوالے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے خدا کے سامنے سجدہ ریز تھے۔ ہر طرف ایک مقدس خاموشی طاری تھی۔ یہاں ہر چیز پر نکھار اور ہر شے میں حسن تھا۔ واقعی کسی نے حسن کو اگر بے پردہ دیکھنا ہو تو وہ مسجد نبویؐ میں دیکھ سکتا ہے۔ اس دلکش وجاذب نظر ماحول میں اگر کسی کے دل کی دُنیا لُٹ نہ جائے اور آنکھیں اس جلوہ بے پردہ سے خیرہ نہ ہو جائیں تو اسے دل اور آنکھوں کا قصور سمجھنا چاہیے۔ ورنہ ؎

دریں وادی زمانی جاودانی
زخاکش بے صوررویَد معانی
حکیماں باکلیماں، دوش بردوش
کہ ایں جا کس نہ گوئد لن ترانی

جب تہجد سے فارغ ہو کر بیٹھا تو قدم خود بخود روضہ اقدس کی جالیوں کی طرف اُٹھنے لگے۔ جب میں ریاض الجنۃ سے گزر کر جالیوں کے قریب گیا تو دیکھا کہ سینکڑوں زائرین سر جھکائے درود شریف پڑھ رہے ہیں۔ ہر آنکھ میں آنسو تیر رہے ہیں اور ہر دل کی دھڑکن تیز ہو گئی ہے۔ مجھے ایسے محسوس ہونے لگا کہ جیسے رات کی رفتار تھم گئی ہے اور آنکھ سے بہتے ہوئے آنسوؤں نے رات کے پاؤں میں غیر مرئی زنجیریں ڈال دی ہیں۔ باقی دُنیا گہری نیند کے آغوش میں جس صبح کا انتظار کر رہی ہے، وہ صبح تو ابھی اس مقدس

گھر کا طواف کر رہی تھی اور سُورج نے تو ابھی اس دربار سے روشنی حاصل کر کے مشرق تک کی مسافت طے کرنا تھی۔ ابھی تو کائنات میں پھیل جانے والے فرشتے آسمان سے اس درِ اقدس پر حاضری دینے اور درود وسلام پڑھنے کے لیے اُتر رہے تھے۔ بظاہر روضہ اقدس کی جالیاں خاموش اور روشنی میں چمک رہی تھیں۔ مگر ان کے اندر کائنات کے کتنے ہنگامے پیچ وتاب میں تھے۔ یہ اللہ اور اُس کا نبی ﷺ ہی بہتر جانتے تھے۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا تھا کہ ایک نیا دن سلامی کے بعد مشرق کی طرف رواں دواں ہو گیا ہے اور جب مسجد نبویؐ کے میناروں سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہو گی تو مشرقی اُفق مُسکرا اُٹھے گا۔ اُس وقت دُنیا والوں کے لیے ایک نئے دن کا آغاز ہو جائے گا۔ ایک نئے اور روشن دن کا، جسے لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق غلطی سے سورج کے طلوع کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ مگر انھیں کیا معلوم کہ جس خورشید جہانتاب کا انھیں دھوکا لگا ہوا ہے، وہ اسی چشمہ نور سے مستنیر اور اسی کی ضیاء سے منور ہو کر ان کی کائنات میں روشنی بکھیر رہا ہے۔ یہ سب اللہ کے فضل و کرم اور اُس کے رسول ﷺ کی رحمۃ للعالمینی کی وجہ سے ہے کہ کُرّہ ارضی قائم اور سُورج، چاند، ستارے اپنے اپنے محور پر گھوم کر حیاتِ انسانی کے لیے سامان مہیا کر رہے ہیں۔ ورنہ اگر ذرا چشمِ کرم کی توجہ ہٹ جائے تو خدا جانے یہاں کیا سے کیا ہو جائے اور بلا شبہ صبح کے سکون بخش لمحات قیامت کے زلزلوں میں تبدیل ہو جائیں۔

عبداللہ

آں خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

آج کی صبح کتنی مبارک صبح ہے۔ آج کے دن زندگی کا سب سے بڑا ارمان پورا ہونے کو ہے۔ آج ذرہ، آفتاب بن رہا ہے۔ آج بھاگا ہوا غلام اپنے آقا و مولا کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے۔ آج گناہ گار امتی کو شفیق اور شفیع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ عالیہ پر سلام کی عزت حاصل ہو رہی ہے۔ سرزمین طیبہ کے انوار و آثار صبح ہی سے شروع ہو گئے۔ اب گویا نواح مدینہ شروع ہوا۔ کھجور نہایت شاداب و شیریں سامنے رکھے ہوئے، ہوا لطیف و خوشگوار، فضا خوش نظر، سبزی جو راستہ بھر کہیں نظر نہیں آتی تھی، اب ہر طرف دکھائی دے رہی تھی۔ ریت کے میدان اور ریگستان کے بجائے اب ہر طرف پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔

ہر قلب اپنے اپنے حال میں گرفتار، ہر دل اپنی اپنی جگہ مضطر و بے قرار، کسی کی آنکھیں اشکبار اور کسی کا دماغ نشہ لذت و فرحت سے سرشار، اپنی اپنی نسبتیں اور اپنا اپنا اعتبار، کہاں مدینہ کی سرزمین اور کہاں اس ننگ خلائق کی جبیں، کہاں سید الانبیا کا آستانہ اور کہاں روسیاہ کا سر و شانہ، کہاں وہ پاک سرزمین کہ اگر اس پر قدسیوں کو بھی چلنا نصیب ہو تو ان کے فخر و شرف کا نصیبا جاگ جائے اور کہاں ایک آوارہ اور ناکارہ بے تکلف اسے پامال کرنے کی جرأت کر بیٹھے۔

مکہ کے معلموں کی طرح مدینہ میں بھی ایک پیشہ ور جماعت مزور کہلاتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کے ٹھہرنے کا انتظام ریاست حیدر آباد دکن کی طرف سے ہو گیا تھا۔ بزرگوں نے افضل اور مستحب اس کو بتایا ہے کہ مدینہ طیبہ پہنچتے ہی سب سے پہلے روضہ اقدس پر حاضری دی جائے۔ جلدی جلدی غسل کیا، کپڑے بدلے اور حرم شریف کی

حاضری کی فکر ہوئی۔اس وقت اپنے دل کا کیا حال ہو رہا ہے۔کاغذ کے نقوش اور سیاہی کے حروف میں کیوں کر منتقل کیا جائے ؎

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

آج اگر کوئی، کوئے حبیب کا متوالا، حکم رب کی تعمیل میں اپنے آپ کو ہزاروں میل کے فاصلے سے دیار حبیب تک پہنچاتا ہے اور اپنے مظالم نفس کی تلافی اور عذر خواہی کے لیے اپنے ایمان اور اپنی بیعت کی تجدید کے لیے اپنی تباہ کاریوں پر پشیمان ہو کر اشک افشانی کے لیے حبیب تک نہ سہی، آستانہ حبیب تک گرتا پڑتا جا پہنچتا ہے تو کیا اس پر ''بدعت'' و''شرک'' کا فتویٰ لگایا جائے گا؟ جہاں اللہ کے سب سے بڑے پرستار نے نمازوں پر نمازیں پڑھیں، جہاں آج وہ جسد اطہر آرام فرما ہے، جس کے طفیل میں عرش بھی وجود میں آیا اور کرسی بھی، کوثر بھی، سبیل بھی۔اس عظمت و جلالت والی، اس برکت اور نورانیت والی زمین، مقدس مکیں کے مقدس مکان پر بھی جبین نیاز کو خم کرنا، اگر ''شرک'' ہے''بدعت'' ہے تو خدا معلوم کسی مقام اور کسی مکان پر بھی حاضر ہونا کسی آئین ''توحید'' و ''سنت'' کے مطابق ہوسکتا ہے؟

اس کے بعد اب اس بحث میں الجھئے کہ نیت روضہ اقدس کی زیارت کی رکھنی چاہیے یا مسجد نبوی کی؟ مقصود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اب مادی آنکھوں سے دیکھنے کا امکان نہیں۔اس مکان کے جس حصے کو مکین سے جس قدر زیادہ تعلق، جس قدر زیادہ نسبت، جس قدر زیادہ قرب ہوگا، اسی قدر اس کی زیارت اہم تر و محبوب تر ہوگی۔حجرۂ عائشہ صدیقہؓ ہو یا مصلےٰ و منبر، جس شئے کو بھی زیادہ امتیاز و افتخار حاصل ہوا، اسی بنا پر حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے اس کا تعلق تھا اور بعض نے یہ خیال کیا کہ وہ شہیدوں اور صدیقوں کا سردار جب اپنی حیات طیبہ کے ساتھ اس وقت بھی زندہ وقائم ہے تو قدرۃً سب سے زیادہ شرف و احترام مٹی کی اس لحد کو حاصل ہے جس کے اندر جسد اطہر آرام فرما ہے اور اس لیے سفر کا اعلیٰ مقصود اس تربت پاک ہی کی زیارت رہے تو بہتر ہے اور فقہاء حنفیہ نے غایت انصاف و

اصابت رائے کے ساتھ یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ زیارت تربت مبارکہ کے ساتھ ہی ساتھ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیت کو بھی جمع کر لیا جائے۔

اس مسجد کے گوشہ جنوب ومشرق میں دالانوں کے اندر، وہ سبز گنبد والا روضہ اقدس ہے، جس کی زمین بقول محدث جلیل، قاضی عیاض مالکی کے بلانزاع و اختلاف سارے روئے زمین سے بڑھ کر ہے اور بقول ہمارے فقہاء کے زمین، آسمان، کعبہ، عرش، کرسی، سب سے افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بی بی عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں عالم ناسوت سے سفر آخرت اختیار فرمایا تھا۔ آپؐ کا جسد اطہر یہیں سپرد لحد کیا گیا۔ پہلو میں ادب کے ساتھ ذرا بائیں کی طرف ہٹے ہوئے صدیقؓ و فاروقؓ دونوں وزیر بھی یہیں آرام فرما ہیں۔ روضہ مبارک خانہ کعبہ سے ممتاز رکھنے کے لیے اسے بالقصد بجائے مربع کے مستطیل رکھا گیا۔ ایک مضبوط پختہ چار دیواری ہے جو حجرۂ صدیقہ کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے۔ چار دیواری کے اوپر کے حصہ میں خوشنما سبز غلاف ترکوں کے زمانہ کا اب تک پڑا ہوا ہے۔ مدینہ سے کعبہ سمت جنوب میں ہے، اس لیے روضہ اطہر کا، جسے صدر دروازہ سمجھا جاتا ہے، وہ جنوب رخ ہے اور یہی ''مواجہہ شریف'' کہلاتا ہے۔ مدینہ پہنچتے ہی تڑپ تھی تو یہ، بے قراری تھی تو اس کی کہ جس قدر بھی جلد ممکن ہو، اس آستانہ پاک تک پہنچیے لیکن اس ذوق وشوق، اس طلب وتمنا کے باوجود یہ کیا ہے کہ ہمت کے قدم ڈگمگائے جا رہے ہیں اور ارادہ ہے کہ جم جم کر ٹوٹتا ہے اور ٹوٹ ٹوٹ کر جمتا ہے۔ الٰہی یہ آخر کیا اسرار ہے؟

طور کی چوٹیاں جس وقت کسی کی تجلیات جمالی کی جلوہ گاہ بننے لگیں تو باکوں کے باک اور دلیروں کے دلیر موسیٰ کلیمؑ تک تاب نہ لا سکے۔ معراج کی شب جب کسی کا جمال بے نقاب ہونے لگا تو روایات میں آتا ہے کہ اس وقت وہ عبد کامل، جو فرشتوں سے بھی بڑھ کر مضبوط دل اور قوی ارادہ کا پیدا کیا گیا تھا، اپنی تنہائی کو محسوس کرنے لگا اور ضرورت ہوئی کہ ''رفیق غار'' کا تمثل سامنے لا کر آب وگل کے بنے ہوئے پیکر نور کی تسلی کا سامان کیا جائے۔

مغرب کی اذان میں چند منٹ باقی تھے کہ قسمت کی یاوری نے باب النساء کے متصل ایک ہندی بزرگ مولانا سید احمد فیض آبادی مدظلہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ موصوف حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ (جانشین حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ) کے حقیقی بھائی ہیں۔فوراً اذان کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔ایک پرانا مصرع

مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ

ذہن میں پڑا ہوا تھا۔ اس گھڑی ایک ''پارسا'' کی دست گیری و راہنمائی غنیمت نہیں، نعمت تھی۔ دھڑکتا ہوا دل کچھ تھما اور ڈگمگایا، پیر کسی قدر سنبھلے۔ ادھر اذان کی آواز ختم ہوئی۔ مکان سے حرم کے داخلے کا دروازہ ''باب جبرئیل'' اگر چند فٹ نہیں تو چند گز پر ہے۔ اتنا فاصلہ بھی خدا معلوم کتنے منٹ میں طے ہوا۔ اس وقت نہ وقت کا احساس، نہ فاصلہ کا ادراک، نہ ''زمان'' کی خبر، نہ ''مکان'' کی۔ دیکھا کہ نماز کو شروع ہوئے دو چار منٹ ہو چکے ہیں اور امام پہلی رکعت کی قرات ختم کر کے رکوع میں جا رہا ہے، جھپٹ کر جماعت میں شرکت کی اور جوں توں کر کے نماز ختم کی۔ یہ پہلی نماز وہاں ادا ہو رہی ہے، جہاں کی ایک ایک نماز پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

لیجیے نماز ختم ہو گئی، فرض ختم ہو گئے، سنتیں ختم ہو گئیں اور روضہ اطہر کے دروازے پر ہر طرف سے صلوٰۃ وسلام کی آوازیں آنے لگیں۔ جس پر اللہ خود درود بھیجے، اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہیں، اس کے آستانہ پر بندوں کے صلوٰۃ وسلام کی کیا کمی ہو سکتی ہے؟ ہر طرف آوازیں ہیں تو یہی، ہر سمت صدائیں ہیں تو ایسی ہی، جسے دیکھئے مواجہہ شریف کی طرف کھنچا چلا آ رہا ہے۔ اس وقت رخ قبلہ کی جانب نہیں بلکہ اس در اقدس کی جانب ہے جو دلوں کا کعبہ اور روحوں کا قبلہ ہے اور جس کے اردگرد خود پاکیزگی طواف کرتی رہتی ہے اور ہر شخص اپنے اپنے حال میں گرفتار، ہر نفس اپنے اپنے کیف میں سرشار۔ گنہگاروں اور خطا کاروں کی آج بن آئی ہے۔ آستانہ شفیع المذنبین تک رسائی ہے۔

ادھر ایک ننگ امت، حیراں و ششدر، فرط ہیبت و جلال سے گنگ و مضطر، حواس باختہ چپ چاپ سب سے الگ کھڑا ہے۔ نہ زبان پر کوئی دعا، نہ دل میں کوئی

آرزو۔ سر سے پیر تک ایک عالم حیرت طاری! یا الٰہی! یہ خواب ہے یا بیداری۔ کہاں ایک مشت خاک، کہاں یہ عالم پاک۔ جہاں کی حضوری جبرئیل امینؑ کے لیے فخر کا باعث اور شرف کا سبب ہو، آج وہاں عبدالقادر دریابادی کا فرزند عبدالماجد اپنے گندہ دل اور گندہ تر قلب کے ساتھ بے تکلف اور بلا جھجک کھڑا ہوا ہے۔ دماغ حیران، عقل دنگ، زبان گنگ، ناطقہ انگشت بدنداں، نہ زبان یاوری کرتی ہے، نہ لب کسی عرض و معروض پر کھلتے ہیں، نہ دعاؤں کے الفاظ یاد پڑتے ہیں۔ سارے حوصلے اور ولولے یک لخت سخت غائب! لے دے کے جو کچھ یاد پڑ رہا ہے، وہ محض کلام مجید کی بعض سورتیں اور آیتیں ہیں یا پھر یہی عام و معمولی درود شریف اور زبان ہے کہ بے سوچے سمجھے بغیر غور و فکر کے انہیں الفاظ کو رٹے ہوئے سبق کی طرح اضطراراً دہرائے چلی جا رہی ہے۔

زیارت سے فراغت پا کر درود و سلام پڑھتے ہوئے مسجد کے اس حصہ میں آئے جس کی بابت زبان اقدس سے ارشاد ہوا ہے کہ "میرے مکان (یا میری قبر) میرے منبر کے قریب درمیان میں جو کچھ ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔"

نزول رحمت اور حصول سعادت اگر یہاں نہ ہوگا تو اور کہاں ہوگا؟ کوئی اور مانے یا نہ مانے، جن خوش نصیبوں کو اس خطہ بہشتی کی زیارت ہو چکی ہے، ان کا دل تو پکارے گا۔ اتنا حسین، اتنا جمیل، اتنا دل کش، اتنا جاذب نظر، اتنا پرانوار قطعہ اس ناسوتی اور فانی دنیا کا ہو نہیں سکتا! یقیناً اسے "جنت الفردوس" ہی سے اٹھا کر لایا گیا ہے اور دنیا کی بربادی کے وقت اسے ہر قسم کی گزند سے محفوظ رکھ کر ان شاء اللہ بحسنہ وہیں پھر اٹھا لیا جائے گا۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو چکی۔ آستانہ نبوت پر سلام عرض کیا جا چکا۔ صدیقؓ اور فاروقؓ کے دربار میں حاضری کے آداب بجا لائے جا چکے، گھڑیاں اور گھنٹے گزر چکے۔ "بقیع الغرقد" یا عرف عام کے مطابق "جنت البقیع" وہ خاک پاک ہے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے اور لاڈلے، اللہ کے برگزیدہ اور پیارے، ایک دو نہیں، دس نہیں، خدا معلوم کتنے اور کس تعداد میں آرام فرما ہیں۔ آبادی سے الگ ایک نہایت وسیع چار دیواری اور اس احاطہ کے اندر، کیا بتایا جائے کہ

کیسے کیسے گوہر نایاب زیر خاک آسودہ ہیں۔ ایسے ایسے آفتاب اور ایسے ماہتاب جہاں زیر خاک ہوں، اس زمین کی نورانیت پر اگر خود آسمان بھی رشک کرنے لگے تو کس کو حیرت ہوسکتی ہے۔ آستانہ رسولؐ سے فرصت کس کو اور فرصت بھی ہو تو دل کس کا بقیع تک جائے۔ خواہ اس کا فاصلہ چند ہی قدم سہی۔

دن گزرتے دیر نہیں لگتی۔ دیکھتے دیکھتے روانگی کا زمانہ آ گیا۔

عارفوں نے کہا ہے کہ مدینہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مقام عبدیت ہے اور مکہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مقام الوہیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے مدینہ کو آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی آج حج رسول ہی کے اتباع میں مدینہ سے مکہ جا رہے ہیں۔ کیا شان حکومت ہے اور کیا حسن صنعت ہے۔ اللہ خود ہی اپنے بندوں کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتا ہے اور پھر رسول ہی اللہ کے گھر کا راستہ دکھاتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی

باندھتے ہیں پھول بھی گلشن میں احرام حیات

مدینہ منورہ، چمنستان ہستی کا ایک سدا بہار پھول ہے جس کی لطافت سب سے جُدا، جس کے رنگ سب سے منفرد اور جس کی خوشبو سب سے مسحور کن ہے۔ اس کی ہواؤں میں کچھ ایسا جادو اور فضاؤں میں کچھ ایسا حسن ہے کہ کسی بھی خطہ ارضی سے آنے والا انسان اپنے جذبات و احساسات پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ مکہ مکرمہ کے پُر شکوہ جلال کے دائرے سے نکل کر مسجد نبویؐ کے احاطہ جمال میں داخل ہوتے ہی قلب و نظر ایک سراسر مختلف کیفیت سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔ اس کیفیت کی سرشاری اور سرمستی کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو برسوں کوچہ جاناں تک پہنچنے کی آرزو میں سلگتا رہا ہو۔ جس کی زندگی کا ہر لمحہ حضوری و حاضری کی تمنائے بے تاب سے مہکتا رہا ہو۔ جس نے انتظار کی لمبی راتیں اور آتشیں دن گزارے ہوں۔ جو صرف اس لیے جیتا رہا ہو کہ مرنے سے قبل اپنی آنکھوں کو گنبد خضرا کے عکس جمیل سے منور کر لے۔ عشق، محبت اور عقیدت کے والہانہ پن کے جو مظاہر، ہر روز حرم نبوی ﷺ کے در و دیوار اور منقش محرابوں پر رقم ہوتے ہیں، وہ اہل حرم کے دلوں میں موجزن طوفانوں کا محض ایک ہلکا سا ارتعاش ہیں۔ زندگی بھر جلتے بلتے صحراؤں میں پابرہنہ بھٹکنے والا انسان جونہی مدینہ کی آغوش میں قدم رکھتا ہے، اُسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی نخلستاں میں آ گیا ہے جہاں ہری بھری مخملی گھاس اُس کے قدموں تلے بچھی جا رہی ہے۔ جہاں چاروں طرف ایک ممتا بھرا آسودگی رچی بسی ہے۔ جہاں ایک معطر سی پھوار ہمہ وقت گرتی اور دل کی اُجاڑ کھیتیوں کو شاداب کرتی چلی جاتی ہے۔ جہاں عمر بھر کی بے خوابیوں کی ڈسی آنکھیں ایک عجب کیف آگیں آسودگی سے نہال ہو جاتی ہیں جیسے کوئی سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے لوری دے رہا ہو۔ جیسے کوئی

رستے ہوئے زخموں پر مرہم رکھ رہا ہو۔ جیسے کسی نے شکستہ پا نڈھال مسافر کو گرتے گرتے یکا یک سنبھال لیا ہو۔ جیسے کڑی دھوپ میں چلتے چلتے اچانک گھنے بادل کے کسی ٹکڑے نے سر پر سائبان سا تان لیا ہو۔ جیسے کوئی کہہ رہا ہو۔ ''تم نے اتنی دیر کر دی؟ جتنا عرصہ تم یہاں آنے کے جتن کرتے رہے ہو، اتنا ہی عرصہ میں تمھارا انتظار کرتا رہا ہوں۔ آؤ! میرے قریب آؤ۔'' جیسے دلوں کے اندر ہی اندر ایک سرگوشی سی اُٹھ رہی ہو۔ ''تم جو کچھ بھی ہو میں تمھارا ہوں۔'' جیسے کسی مسیحا نفس کے خیال کے لمس نے سارے دُکھ دُور کر دیے ہوں۔ جیسے اُجڑے ہوئے چمن میں یکا یک بہار آ جائے۔ جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے۔

جب میں مکہ مدینہ کے لیے رخت سفر باندھ رہا تھا تو میرے ایک دوست نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ ''بارگاہ نبوی ﷺ میں جاؤ تو کچھ نہیں مانگنا۔ بس دست بستہ کھڑے ہو کر سلام پیش کرنا۔ اپنی حاضری کو سوالوں اور مطالبوں سے بوجھل نہ بنا دینا۔ بس کھڑے رہنا اور............'' اُس کی آواز بھرا گئی تھی اور اُس نے فون بند کر دیا تھا۔ میں نے مسجد نبویؐ میں قدم رکھا تو چند ہی ثانیوں بعد مغرب کی اذان بلند ہوئی۔ نماز ادا کرنے کے بعد میں سلام پیش کرنے کے لیے اُٹھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں کس طرح روضہ رسول ﷺ تک پہنچا۔ کتنی دیر وہاں کھڑا رہا۔ کیا دُعا مانگی۔ کس کس کا سلام پیش کیا۔ کس کس کا سندیسہ پہنچایا۔ اتنا یاد ہے کہ میرا سر جھکا ہوا تھا۔ میرے وجود پر ہلکی سی کپکپی طاری تھی اور میرا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ مجھے کچھ کچھ یاد پڑ رہا ہے کہ میرے آس پاس بیسیوں آدمی کھڑے تھے لیکن چند لمحوں بعد مجھے یوں لگا تھا جیسے میں بالکل اکیلا ہوں اور جب میں نے کچھ کہنے کے لیے لب ہلانے کی کوشش کی تھی تو میری گگھی بندھ گئی تھی اور میں نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھالا تھا۔ میں کہ لفظوں سے کھیلتا رہتا ہوں، اُس گھڑی گونگا بہرا ہو گیا تھا اور عرض تمنا کے لیے مجھے ایک بھی ایسا لفظ نہیں مل رہا تھا جو شہ دو جہاں ﷺ کی بارگاہ کے شایانِ شان ہو۔ مجھے خواب کی طرح یاد پڑتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی بے چارگی کا مداوا چاہا تھا لیکن میری جھولی لفظوں کی سوغات سے محروم رہی تھی۔ میں نے بے بسی کے عالم میں حرم نبوی ﷺ کی چھت کی طرف دیکھا اور میری

اشکبار آنکھوں کے پانیوں پر ایک لوح سی تیرنے لگی جس پہ لکھا تھا:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
ورحسابم تو نہ بینی ناگزیر
از نگاہ مصطفیٰ ﷺ پنہاں بگیر

"اے خدا! تو دونوں جہانوں سے غنی ہے اور میں ایک درماندہ فقیر ہوں۔ تیرا کرم ہوگا کہ قیامت کے دن میری معافی قبول کرلے اور مجھے بخش دے اور اگر تو کسی وجہ سے میرا حساب کتاب کرنا اور میرے اعمال نامے کا جائزہ لینا ضروری خیال کرے تو اتنا کرم کرنا۔ میری فردِ گناہ، آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نگاہوں سے چھپا کر رکھنا۔"

پچیس سال قبل میں اپنے والدین کے ہمراہ جب مکہ سے مدینہ آ رہا تھا تو بس مصری نوجوانوں سے بھری تھی۔ شوخ و شنگ نوجوان جن کے بدن میں پارہ بھرا تھا۔ ایک دوسرے سے چہلیں کرتے، گپیں لگاتے، لطیفے سناتے، شوخیاں کرتے نوجوان جو کسی یونیورسٹی کے طالب علم لگتے تھے۔ اگلے دن مجھے ان نوجوانوں کا قافلہ روضہ رسول ﷺ کے پہلو میں کھڑا نظر آیا۔ دھاڑیں مارتے، آہیں بھرتے اور عشق بلا خیز کی سرمستیوں سے مغلوب نوجوان جنھیں گرد و پیش کا کچھ پتا ہی نہ تھا۔ انھیں شاید اپنے وجود کا احساس بھی نہیں تھا۔ یہ یکا یک انھیں کیا ہوگیا تھا؟ اور اُن سب کو کیا ہو جاتا ہے جو چاہے عمر کے کسی بھی حصے میں ہوں، بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوتے ہی طفل شیر خوار بن جاتے ہیں۔ بلکتے ہوئے، روتے ہوئے، ایڑیاں رگڑتے اور چھوٹی چھوٹی مٹھیاں لہراتے ہوئے اور ان شیر خوار بچوں کے منہ میں زبان نہیں ہوتی لیکن محبتوں، شفقتوں و رعنائیوں میں گندھی ممتا کو سب خبر ہوتی ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ سب جانتی ہے کہ اس کی طلب کیا ہے۔ وہ سب سمجھتی ہے کہ اس کی بے کلی کیا تقاضا کر رہی ہے۔ اللہ سے صرف تڑپنے پھڑکنے کی توفیق مانگتے رہنا چاہیے۔ یہ نہ رہے تو اظہار کا کوئی وسیلہ ہی نہیں رہتا............

ریاض میں میرے دوست مجھے شہر کے خوبصورت مقامات دکھانے لے گئے

تھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد انھوں نے شاہان عالی مقام کے پُرشکوہ محلات کا علاقہ دکھایا۔ سینکڑوں ایکڑ پر محیط بیسیوں محل بغل در بغل تمام تر شان وشوکت وعظمت کے ساتھ کھڑے تھے۔ کچھ کے مکین برسوں پہلے دُنیا سے رُخصت ہو گئے اور اب کسی کو معلوم نہیں کہ ان محلوں میں کون مقیم ہے۔ میں مزے لے لے کر اپنے دل کو بتاتا اور جتاتا رہا کہ دیکھو! اسے کہتے ہیں جاہ وجلال۔ ایسی ہوتی ہیں کامران زندگیاں۔ اس طرح حاصل ہوتی ہے وہ چکا چوند جس سے دُنیا کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ محل عظیم سعودی فرمان روا شاہ فیصل شہید کا مسکن رہا۔ محل کی چار دیواری کئی کلومیٹرز تک پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے اپنے میزبان سے کہا ''کیا ممکن ہے کہ شاہ فیصل کے مزار پر حاضری دی جائے؟'' وہ بولا ''اُن کا کوئی مزار نہیں ہے۔'' میں حیرت زدہ ہو کر اُسے دیکھنے لگا تو اُس نے وضاحت کی ''یہاں کسی شاہ یا شہزادے کا مزار نہیں ہے۔ کوئی الگ شاہی قبرستان بھی نہیں ہے۔ مرنے کے بعد بادشاہوں کو بھی عام قبرستانوں میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ اُن کے سرہانے نہ کوئی لوح مزار ہوتی ہے نہ کوئی تختی نہ کوئی امتیازی نشان۔ نے چراغے نے گلے۔ چند ماہ بعد بادشاہ کی قبر بھی مٹی اور پتھر کی ہزاروں ڈھیریوں میں سے ایک ڈھیری رہ جاتی ہے۔ اب ان ڈھیریوں میں شاہ فیصل کی قبر تلاش کرنا ممکن نہیں۔'' میرے دل نے ایک زور کی چٹکی لی اور میں شرمندہ سا ہو کر محل کے بجائے سامنے سڑک کو دیکھنے لگا اور اب میرا دل مجھے چھوڑ چھاڑ کر نہ جانے مدینہ کی کس گلی میں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ میرا جسم فضا میں معلق تھا اور میری رُوح اُحد پہاڑ کے آس پاس بسی خوشبو کے تعاقب میں دُور نکل گئی تھی۔ جہاز کے پہیوں نے رن وے کو چھوا تو سورج پہاڑوں کی اُوٹ میں ڈوب رہا تھا۔ میں اپنا مختصر سا سامان اُٹھائے باہر آیا۔ پاکستان ہاؤس کی گاڑی کے علاوہ میرا ایک دوست بھی اپنی کار کے ساتھ موجود تھا۔ سامان پاکستان ہاؤس کی گاڑی میں رکھ کر میں دوست کے ساتھ بیٹھ گیا تو وہ کہنے لگا ''تم نے کیوں کہا تھا کہ مدینہ دُور ہے؟ اب دیکھو! تین ماہ کے اندر اندر حضور ﷺ نے تمھیں دوسری بار بلا لیا ہے، بھلا مدینہ بھی کبھی دُور ہوتا ہے۔'' میری آنکھیں بھر آئیں اور ضبط کے باوجود ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ میری منحنی سی

آواز تو اسلام آباد کے ایوانوں تک نہیں پہنچتی، یہ اتنا لمبا سفر طے کر کے مدینہ تک کیسے آ گئی؟ کیا مدینہ اتنا قریب ہے کہ رات کے پچھلے پہر کی سسکیاں اور بے چین رُوحوں کی ہچکیاں تک سن لیتا ہے؟ میرے آنسو تھمنے میں نہیں آ رہے تھے۔ میرے دوست نے گاڑی چلاتے چلاتے اپنا ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور بولا ''ان آنسوؤں سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ یہ کسی کسی کو عطا ہوتے ہیں۔ یہ آنسو نہیں۔ تمھارا دل ہے جو قطرہ قطرہ پگھل رہا ہے۔''۔ یکا یک ایک بار پھر مجھے اپنا دل یاد آ گیا۔ میں اپنے دوست سے پوچھنا چاہتا تھا کہ تم نے یہاں مسجد نبویؐ کے آس پاس کسی کوچے، کسی گلی میں میرا دل تو نہیں دیکھا؟ میں یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ وہ مجھے دیوانہ خیال کرے گا۔ جب میں عشاء کی نماز سے کوئی گھنٹہ بھر قبل مسجد نبویؐ میں داخل ہوا تو یوں لگا جیسے ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے نماز مغرب ادا کر کے باہر گیا تھا۔ کیا مدینہ اتنا قریب ہے؟ بھیڑ کم تھی اور روضہ رسول ﷺ تک پہنچتے زیادہ دیر نہ لگی۔ منبر رسول ﷺ کے پہلو سے گزر کر جب میں نے روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کا رُخ کیا تو ایک بار پھر سب کچھ بھول گیا۔ ذہن کی لوح کورے کاغذ کی طرح سفید ہو گئی۔ مجھے اُن میں سے کسی کا نام یاد نہ رہا جنھوں نے بارگاہ رسول ﷺ میں سلام نیاز پیش کرنے کے لیے کہا تھا۔ دُعاؤں کی وہ گٹھڑی جو میں اسلام آباد سے ساتھ لے کر آیا تھا اچانک کھل گئی اور ساری دُعائیں تتلیوں کی طرح مسجد نبوی ﷺ کی فضاؤں میں بکھر گئیں۔ میں ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور پھر یوں لگا جیسے میں اس ستون کا حصہ بن گیا ہوں۔ میں نے صرف ایک بار نظریں اُٹھا کر سنہری جالیوں کے سوراخوں سے اندر جھانکا اور میری نگاہ سبز رنگ کے ایک غلاف پر پڑی جس پر 'محمد الرسول اللہ ﷺ' کے الفاظ نقش تھے اور پھر برکھا برستی رہی اور میرا بدن گیلی لکڑی کی طرح سلگتا رہا۔ خود فراموشی کے اس عالم میں کسی نے میرے کان میں رس بھری سرگوشی سی کی۔ ''تم تو کہتے تھے مدینہ دُور ہے!'' اور ایک بار پھر میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ ایک مرد بزرگ نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی اور اس کے ساتھ ہی میرے سینے کے بائیں جانب جنبش سی ہوئی۔ میرا ہاتھ بے اختیار اس طرف اُٹھ گیا، میرا دل واپس آ گیا

تھا۔ میں نے روتے روتے پوچھا ''تم کہاں چلے گئے تھے؟'' اور پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کرا تنا روئے اتنا روئے کہ دیوارِ جاں تک لرزنے لگی۔............

میرے حواس بحال ہوئے تو میں روضہ رسول ﷺ کی جالیوں سے ذرا ہٹ کر سامنے والی دیوار کے پاس پڑا سلگ رہا تھا اور میری حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے کوئی کپڑا نچوڑ کر تیز دھوپ میں ڈال دیا گیا ہو اور اس سے بخارات اُٹھ رہے ہوں۔ جسم کی ساری توانائی سمیٹ کر جالیوں کی طرف نگاہ کی تو یکا یک ذہن کا دریچہ کھل سا گیا اور مجھے وہ سارے عزیز، اقربا اور احباب ایک ایک کر کے یاد آنے لگے جنھوں نے حضور ﷺ کے لیے سلام نیاز کا نذرانہ بھیجا تھا۔ اب میرا دل بھی میرے پہلو میں تھا۔ میں ہمت کر کے ایک بار پھر اُٹھا اور جالیوں کے سامنے درود وسلام کی رم جھم سے بھیگتے ہجوم میں گم ہو گیا اور حضور ﷺ کی امانت اُن کے قدموں پر ڈھیر کر دی۔ دُعاؤں کی تتلیاں گھوم گھام کر لوٹ آئیں اور میرے آس پاس منڈلانے لگیں۔ لیکن اس مقام پر دُعاؤں کو لفظوں کی حاجت نہیں ہوتی یہاں تو عشق و مستی اور وجد و کیف کی وہی پرانی لغت کام آتی ہے جس میں نہ کوئی حرف ہے، نہ لفظ، نہ کوئی معنی، نہ مفہوم۔ میرے ہونٹ سوکھے پتوں کی طرح تھر تھراتے رہے اور دل مجھے تھپکیاں دیتا رہا کہ تم چپ رہو یہ تمھارا کام نہیں۔

مسجد نبویؐ میں داخل ہونے کے لیے میں نے باب جبریل میں قدم رکھا تو یکا یک مغرب کی اذان بلند ہوئی۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ میرے دل میں حضرت بلال حبشیؓ کی یاد سرخ گلاب کی کونپل کی طرح پھوٹی اور خوشبو بکھیرتی چلی گئی۔ مجھے لگا کہ مدینہ تو وہی ہے چودہ سو سال پہلے والا شہر خوش جمال۔ اُس وقت بھی عین اِسی مقام سے اذان کی مشکبو گونج بلند ہوتی تھی اور آج بھی یہ عطر بیز صدا اسی انداز میں اپنے نورانی پنکھ پھیلائے پرواز کر رہی ہے اور اب تو یہ آواز کرہ ارضی کے ہر گوشے سے اُٹھ رہی ہے......

جب بھی گرداب بپھرنے لگتا ہے، آنکھیں نامطلوب منظروں کی حدت سے سلگنے لگتی ہیں، دُعائیں زائد المیعاد دواؤں کی طرح بے اثر ہو جاتی ہیں اور بے قابو ہو جانے والے حالات کے سدھار کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو مجھے مدینہ بہت یاد آتا

ہے۔ مجھے ہی کیا ہر اُس شخص کو مدینہ بہت یاد آتا ہے جو کالی آندھی کی طرح محیط ہو جانے والی مایوسیوں میں کسی سائبان، کسی پناہ گاہ کی تلاش میں ہوتا ہے۔ کبھی کبھی مجھے عجیب سا خیال آتا ہے وہ لوگ زندگی کے اعصاب کش آزار کا سامنا کیسے کرتے ہوں گے جن کے پاس کوئی مدینہ نہیں؟ جب روز و شب دشت بے اماں کی طرح دہکنے لگتے ہوں گے اور آگ برساتا سورج سوا نیزے پہ آ کھڑا ہوتا ہوگا، وہ کس خیمہ عافیت کی طرف دیکھتے ہوں گے؟ کون سی چھت اور کون سی چھتری کا تصور انھیں جینے کا سہارا دیتا ہوگا؟ ہم ہزار گناہ گار، عصیاں کار اور راندۂ درگاہ سہی لیکن اپنے دلوں میں ایک چھوٹی سی مخملی ڈبیا ضرور رکھتے ہیں۔ جب بھی دن بھاری اور راتیں کڑی ہونے لگتی ہیں، بڑے بڑے تناور مادی سہارے دیمک زدہ درختوں کی طرح ٹوٹ گرتے ہیں، تلاطم خیز موجوں کے طمانچے کھاتے ہوئے جب کوئی تنکا بھی ہاتھ نہیں آتا تو یہ مخملی ڈبیا خود ہی کھل جاتی ہے۔ مدینہ اپنی تمام تر محبوبیت کے ساتھ پھیلتا چلا جاتا ہے، گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں جگنوؤں کی ایک قطار سی نمودار ہوتی ہے، صحراؤں میں نخلستان سے کھل اُٹھتے ہیں اور مایوسیوں کی ماری بنجر زمین سے اُمید کی سرسوں یوں پھوٹ نکلتی ہے کہ سارے منظر بدل جاتے ہیں۔ جن کے پاس کوئی مدینہ ہی نہیں وہ کیا کرتے ہوں گے؟ زندگی کے دامانِ چاک کی بخیہ گری کس سوزن سے کرتے ہوں گے؟

اور وہ کس حال میں ہوں گے جن کے پاس کوئی محمد ﷺ ہی نہیں؟ اُن کے دلوں میں جب مایوسی، نا اُمیدی اور بے یقینی کی آگ بھڑکتی ہوگی تو کس کا تصور اُس آگ پر ساون بھادوں کی بارش بن کر برستا ہوگا؟ دُکھ کی گھڑی میں کس کی یاد آنسو پونچھتی ہوگی؟ کس کا خیال اُن کے رت جگوں میں خواب بن کر اُبھرتا ہوگا؟ کس کا نام شکستگی کے کرب کی مسیحائی کرتا ہوگا؟ کتنی ویران، بے درو دیوار، بے سروسامان ہوگی اُن کی زندگی ...... نہ مدینہ، نہ محمد ﷺ، نہ رنگ، نہ خوشبو............

کتنے محروم و کم نصیب ہیں وہ جن کے پاس کوئی مدینہ نہیں!
کتنے تہی دامان و قلاش ہیں وہ جن کے پاس کوئی محمد ﷺ نہیں!!

میری نگاہ ایک بار پھر جالیوں پر پڑی۔ تین خواب گاہوں کی نشاندہی کے لیے سبز رنگ کے تین گول کتبے لگے تھے، حضرت محمد ﷺ، ابوبکر صدیقؓ اور عمر بن خطابؓ اور میرے ذہن میں ایک نئے خیال نے کروٹ لی۔ کتنے مفلس اور سوختہ بخت ہیں وہ جن کی تاریخ میں کوئی ابوبکرؓ ہے نہ عمرؓ، کوئی عثمانؓ ہے نہ علیؓ۔ کیا لوگ تھے کہ عظمت انسانی اُن کے جلال و جمال کی دہلیز پہ سر جھکائے کھڑی ہے۔ کیا ارفع مقام ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں درخشاں ستاروں سے تشبیہہ دی۔ شرک کے مارے ہوئے راہ گم کردہ معاشرے سے کیسے بے مثل و بے نظیر افراد نے جنم لیا کہ انسانیت کی پیشانی کا جھومر بن گئے۔ کس کی رفاقت وہم نشینی کا اعجاز تھا کہ کردار وعمل کے سانچے یکسر تبدیل ہو گئے۔ کیا سعادت تھی کہ اُنھوں نے نبی آخرالزماں ﷺ کو اپنے آس پاس دیکھا، چلتے پھرتے، کلام فرماتے، وعظ وتلقین کرتے، نماز کی امامت فرماتے، معمولاتِ حیات بجا لاتے، دشمنانِ اسلام سے لڑتے، بے نواؤں کی دستگیری کرتے اور تاریخ انسانی کے سب سے بڑے انقلاب کی بنیادیں اُستوار کرتے دیکھا اور کیا بے بہا اعزاز تھا اُن کے لیے جنھیں محمد ﷺ کی رفاقت نصیب ہوئی۔ جو ہمدم و ہمراز ٹھہرے۔ محرم ودم ساز قرار پائے اور اُن کی رفعتوں کا تصور کیجیے جو اس جہاں سے گزر جانے کے بعد بھی سرور کائنات ﷺ کے پہلو میں آسودہ خاک ہیں۔ جن کا رشتہ رفاقت موت کے بعد بھی برقرار واُستوار ہے۔ جو اب بھی حاضری اور حضوری کی لذتوں سے سرشار ہیں۔

ابوبکر صدیقؓ کیا دل لے کے آئے تھے کہ نبی کریم ﷺ سے بے پایاں عشق اور لازوال محبت میں کسی اور کو اپنے قریب نہ آنے دیا۔ مردوں میں وہ پہلے تھے جو اسلام لائے۔ حضور ﷺ نے ہجرت کا قصد کیا تو صدیق اکبرؓ ہی کو اپنا رفیق سفر چنا۔ قرآن کریم نے ''دو میں دوسرا'' کا حوالہ دے کر اُن کے مقام بلند پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ''اللہ نے اُس کی مدد کی اور اُس وقت کی جب کافروں نے اُسے اس حال میں گھر سے نکالا تھا کہ وہ دو میں دوسرا تھا اور دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے۔ اُس وقت اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھی سے کہا تھا غم نہ کھا، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

بیماری کی شدت بڑھی تو حضور ﷺ کے لیے مسجد جانا ممکن نہ رہا۔ حضرت بلالؓ حاضر خدمت ہوئے۔ نماز کی امامت کے بارے میں پوچھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''ابوبکرؓ سے کہو نماز پڑھائے۔'' حضرت عائشہؓ بولیں: وہ بہت ہی نرم اور گداز دل رکھتے ہیں۔ اپنے اُوپر قابو نہ رکھ سکیں گے۔ رونے لگیں گے اور نمازیوں کی نماز میں خلل پڑے گا۔ بہتر ہوگا حضرت عمرؓ نماز پڑھا دیں۔ حضور ﷺ نے دوبارہ فرمایا۔ ''ابوبکرؓ سے کہو۔'' حضرت عائشہ اُٹھ کر حضرت حفصہؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ وہ حضور ﷺ سے کہیں۔ حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ کی دلیل دہرائی۔ حضور ﷺ نے پھر فرمایا۔ ''ابوبکرؓ سے کہو۔'' حضرت حفصہؓ پلٹیں اور حضرت عائشہ سے کہنے لگیں۔ تم نے خواہ مخواہ مجھے شرمندہ کرایا اور وہ چاندنی رات تھی جب حضور ﷺ حریم عائشہؓ میں جلوہ افروز تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''ہر نبی کے دو وزیر آسمان کے فرشتوں اور دو زمین والوں میں سے ہوتے ہیں۔ فرشتوں میں میرے وزیر جبرائیل اور میکائیل ہیں اور اہل زمین سے میرے دو وزیر ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں۔'' ارشاد ہوا'' بس کسی کا مجھ پر کوئی احسان نہیں اُس کا بدلہ ہم نے دُنیا میں ہی دے دیا۔ سوائے ابوبکرؓ کے۔ اُس کا بدلہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔''............

ریاض سے مدینہ آتے ہوئے ہمارا بوئنگ جب شہر جاناں کے قریب آنے لگا اور اُس نے ڈھلوان کا سفر شروع کیا تو ایک بار پھر دل و دماغ میں اگر بتیوں کے معطر دھوئیں کی طرح بل کھاتا ہوا وہی غبار سا اُٹھا جس سے میں اچھی طرح مانوس ہوں لیکن اسے کوئی نام نہیں دے سکتا۔ طیارہ اُترنے کو پر تول رہا تھا، میری نگاہیں کبھی دائیں کبھی بائیں کے گہرے سانولے چٹیل پہاڑوں پر پڑ رہی تھیں اور میرا دل چاہ رہا تھا کہ اگلی ہی ساعت میں پلک جھپکوں تو سبز گنبد میرے سامنے ہو اور میں وصل کی مشکبو پھوار سے بھیگتا چلا جاؤں۔ سیدنا انسؓ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ جب بھی سفر سے واپس تشریف لاتے اور دُور سے مدینہ کے در و دیوار پر نظر پڑتی تو مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ سے اپنی اُونٹنی کو تیز چلاتے اور کسی دوسری سواری پہ سوار ہوتے تو اُسے ایڑ لگاتے۔ میں بوئنگ طیارے کو ایڑ نہیں لگا سکتا تھا۔ لیکن دل میرے قابو میں نہ تھا۔ خالقِ ارض و سما نے یقیناً ازل سے ہی

خاک مدینہ کے لیے دائمی عظمتیں اور نعمتیں مقدر کر دی تھیں۔ لاریب اسلام مکہ کی گھاٹیوں پہ اُترا لیکن اس آفتاب جہاں تاب کی کرنیں مدینہ کے اُفق سے پھوٹیں۔ کیا شہر دلبر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دُعاؤں میں رچ بس گیا اور کیا مقام ہے کہ دُنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان دُعاؤں کی پوٹلیاں باندھے دربارِ رسالت مآب ﷺ میں حاضری دیتے اور تسکین قلب و جاں کی جھولیاں بھر بھر کے لے جاتے ہیں۔

مدینہ سنگ وخشت کی بستی نہیں۔ کہنے کو ایک شہر سہی لیکن یہ ایک احساس، ایک رُوح، ایک خیال، ایک جذبہ، ایک محبت اور ایک وارفتگی ہے۔ شرعی ضابطہ بندی کے اعتبار سے مدینہ کی حاضری نہ مناسک حج کا حصہ ہے نہ فرائض عمرہ کا۔ سب کچھ مکہ معظّمہ اور اس کے گردنواح میں تکمیل پا جاتا ہے لیکن دلوں کی دُنیا میں ایک خلا دشت آرزو کی طرح سلگتا رہتا ہے۔ بھرا بھرا ہونے کے باوجود تشنگی کا شدید احساس تیز نوکیلے کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتا رہتا ہے اور جب مسافر مدینہ کا رُخ کرتا ہے تو اپنائیت کی ٹھنڈی ہوا آگے بڑھ کر اُس کے ماتھے پر بوسہ دیتی، اُس کی اُنگلی تھامتی، اُسے شاہ مدینہ ﷺ کے دربار میں لا کھڑا کرتی ہے۔ کوئی کیسا ہی ہو اُس کی دیوار جاں ٹوٹ ٹوٹ جاتی اور وہ پل بھر میں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتا ہے۔ یہ بکھراؤ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بچہ ماں کی گود میں سمٹ کر لامحدود ہو جاتا ہے۔ مدینہ اس کے محسوسات میں سماتا چلا جاتا اور ممتا کی سی شفقت کی ملائمت اُسے تھپکیاں دینے لگتی ہے۔ یہ وہ شہر جاناں ہے جس کا محکمہ موسمیات کے زائچوں اور درجہ حرارت کے پیمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے اپنے موسم، اپنی آب و ہوا ہے۔ خطہ ارض پہ آباد ساری بستیوں، سارے قصبوں، سارے شہروں سے جُدا، یہی آب و ہوا دُور دُور کی بستیوں میں بیٹھے کروڑوں افراد کے دلوں پہ دستک دیتی اور ان کے خوابوں میں تمنا کی نیلم پری بن جاتی ہے۔

وہ شام بھی کیا شام ہو گی جب آپ ﷺ صدیق اکبرؓ کے ہمراہ مدینہ میں اُترے تھے۔ وہ دن اور آج کا دن، مدینۃ النبی ﷺ کی شوکت وعظمت میں کوئی کمی نہ آئی۔ کیسے آسکتی ہے کہ اس بستی کی نسبت محمد عربی ﷺ سے ہے اور کرہ ارض پر کوئی نسبت

اس سے بڑھ کر، اس سے معتبر نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے دُعا فرمائی تھی ''اے اللہ! مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں مکہ سے بھی بڑھا دے۔'' رسالت مآب ﷺ کی یہ دُعا، دُعائے خلیل کی طرح اللہ کے حضور قبول ہوئی۔ اب مکہ کی محبت کے ساتھ ساتھ مدینہ کی محبت بھی ہر مسلمان کا سرمایہ ہے اور دُعائے رسول ﷺ کے عین مطابق بعض حالتوں میں مکہ سے بھی فزوں۔ ایک محبت قاعدوں اور قرینوں کی پابندیوں کے اندر نہر کے آبِ رواں کی طرح ہے اور دوسری دریا کی متلاطم لہروں کے مانند کناروں سے چھلکتی ہوئی۔ ایک حواس خمسہ کے بطن سے پھوٹتی خرد جیسی، دوسری حدِ فہم و ادراک سے گزر جانے والے عشق و جنوں کی طرح۔

ظہر کی نماز سے قبل ہی ہم مسجد نبویؐ پہنچ گئے۔ میں نے محبت کی پوٹلی کو پکی گرہ ڈال رکھی تھی اور ہولے ہولے قدم اُٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ سوئے ادب کے خوف نے مجھے بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ جوں جوں میں روضہ رسول ﷺ کے قریب جا رہا تھا، میری دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں اور میری سانسیں جیسے اُکھڑنے کو تھیں۔ میں جیسے گردوپیش سے کٹ کر کھو سا گیا۔ ہجوم نہ تھا کہ دھکم پیل کی کیفیت ہوتی اور میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتا۔ صرف اوسان بحال نہ تھے اور حواس میں خلل سا پڑ گیا تھا۔ مجھے یہ اندازہ ضرور تھا کہ میں چل رہا ہوں۔

پھر یکا یک مجھے یوں لگا جیسے میں چل نہیں رہا بلکہ کوئی مقناطیسی کشش مجھے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ سنبھالا تو سنہری جالیاں عین میری نگاہوں کے سامنے تھیں اور شفقت کا ایک نورانی ہالہ جیسے میرا حلقہ کیے ہوئے تھا۔ اندر سے کوئی خودکار سسٹم آن ہو گیا اور ہونٹوں سے درود و سلام کی نغمگی پھوٹنے لگی۔ پل بھر میں کوئی اجنبی ہاتھ ساری اجنبیت، ساری جھجک اور سارے تکلفات اُچک لے گیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں برسوں کی جلاوطنی کے بعد اپنے گھر لوٹ آیا ہوں۔ جیسے دشتِ بے اماں کی سلگتی ریت کے لمبے سفر کے بعد یکا یک مخملی گھاس اور گھنے سایہ دار درختوں والے نخلستان نکل آیا ہوں۔ جیسے بے مہر موسموں کی اذیتوں کے بعد آغوشِ مادر کی نرم و گداز ممتا نے نے اپنی بانہوں میں

سمیٹ لیا ہو۔ اپنائیت کی ٹھنڈی معطر فضا سے میں بھیگ رہا تھا۔ عزیزوں اور دوستوں کی عرضیاں میری پوٹلی میں بندھی تھیں۔ میں نے ہولے ہولے اس کی گرہ کھولی۔ سنہری جالیوں کے اندر سے ایک سرگوشی سی آئی۔ ''کیا لائے ہو؟'' ندامت کے احساس سے مجھے پسینہ آنے لگا۔ کیا بتاتا کہ حضور ﷺ ہم افتادگان خاک کے پاس ہے ہی کیا؟ ہم تو بس سوالوں کی گٹھڑیاں ہی لا سکتے ہیں۔ آپ کے لیے، آپ کے رُفقاء صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کے لیے میں کچھ بھی نہ لا سکا۔ فقیر کے پاس کشکول کے سوا ہوتا ہی کیا ہے؟ شرمندگی سے نڈھال میں پوٹلی بند کرنے لگا تو ایک مہکار سی اُٹھی۔ ''تمھارے سوال، تمھاری عرضیاں بھی مجھے بے حد عزیز ہیں۔ بولو! کس کس کا سلام اور کس کس کا پیغام لائے ہو'' میں نے گٹھڑی کی گرہ کھولی اور ایک گردان سی شروع کر دی۔ عرضیاں میرے آنسوؤں سے بھیگ رہی تھیں اور سنہری جالیوں سے آتی مہکار میرے ماتھے کا پسینہ پونچھ رہی تھی۔............

میں سنہری جالیوں کے عین سامنے ایک ستون سے لگا کھڑا تھا۔ ساری عرضیاں پیش کی جا چکی تھیں اور میرا دل اُن دُعاؤں سے معمور تھا جو لفظ و بیاں کے سانچے میں ڈھل ہی نہیں پاتیں۔ جو پھول کے غلاف میں لپٹی خوشبو کی طرح آپ ہی آپ اُٹھتی اور جالیوں کو چھوتی بابِ جبریل سے گزرتی سبز گنبد کی طرف اُڑ جاتی ہیں۔ لفظ، جملے، بیان، چھوٹی چھوٹی آریاں ہیں جو دُعاؤں کے پر کاٹ دیتی ہیں۔ دُعاؤں کے کتابچے، اعزا و اقارب کی التجاؤں والی ڈائریاں اور رنگا رنگ عرضیاں، حضوری کے سرور کو کھا جاتی ہیں اور روضہ رسول ﷺ کے عین سامنے، رحمۃ للعالمین ﷺ سے صرف چند فٹ دُور بھی کوئی بے حضور اور بے سرور رہے تو اس سے بڑھ کر محرومی کیا ہو گی؟ میں اکثر سوچتا ہوں، کیا میرے حضور ﷺ اپنے عین سامنے کھڑے غلام کے جذبہ و احساس سے نا آشنا ہو سکتے ہیں؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ میرے دست طلب کی لکیریں کیا کہہ رہی ہیں؟ کیا رب کریم، اپنے محبوب ﷺ کے سامنے دست بستہ کھڑے بندے کے قرطاس دل کی تحریریں نہیں پڑھ سکتا؟ مانگنا کسے کہتے ہیں؟ کیا دہلیز کے ساتھ لگے کھڑے کاسہ بہ دست فقیر کے لیے صدا لگانا ضروری ہے؟ حرم کعبہ، حرم نبوی ﷺ، عرفات، منیٰ، مزدلفہ کہیں بھی مرصع

لفظوں اور عقیدت میں گندھی دُعاؤں میں کبھی مشکل پیش نہیں آتی، لیکن روضہ رسول ﷺ کی سبز جالیوں کے سامنے پہنچتے ہی ساری دُعائیں جیسے تحلیل ہو جاتی ہیں۔ دل کی کیتلی میں ایک اُبال سا اُٹھتا ہے، حلق میں نمک کی ڈلی سی گھلنے لگتی ہے اور ساری دُعائیں، آنکھوں کے رستے رخساروں پر ڈھلکنے لگتی ہیں۔ کیا میرے حضور ﷺ کو عرضیوں کی ضرورت ہے؟

عرضیاں، حاضری کو حضوری میں نہیں بدلنے دیتیں۔ عشق و مستی کی راہ میں سوسو پردے حائل کر دیتی ہیں۔ حجاب ہی حجاب، نقاب ہی نقاب۔ لیکن ہم کمزور، بے یقین، تھڑدِلے سے لوگ ہیں۔ ہم جل تھل کر دینے والی بارانِ رحمت میں کھڑے ہو کر بھی سیراب نہیں ہوتے۔ عرضی، حاضری، حضوری، میرے ذہن، میں سب کچھ گڈ مڈ سا ہو رہا ہے۔ ایک اطمینان البتہ تھا کہ چلو ساری عرضیاں ختم ہوگئیں۔ میں نے نگاہ اُٹھا کر اُس گول تختی کی طرف دیکھا جو حضور ﷺ کی مرقد مبارک کی نشاندہی کے لیے جالیوں کے باہر لگائی گئی ہے۔ میرا دل زور سے دھڑکا اور یہ خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا کہ ایک عرضی تو رہ ہی گئی۔ میں نے سبز لفافے میں لپٹی یہ عرضی بھی نکالی اور دل گیر لہجے میں کہا، ''حضور ﷺ یہ پاکستان کی عرضی ہے۔ آپ کو بہت یاد کرتا ہے۔ مجھے سلام پیش کرنے کا کہہ رہا تھا۔ وہ زخم زخم ہو رہا ہے۔ حضور ﷺ اس پر کرم کی نگاہ فرمائیے۔''

عرفان صدیقی

ہواپاکیزہ پاکیزہ،فضاسنجیدہ سنجیدہ

ہم جیسے ہی ٹیکسی سے اترے، سامنے گنبد خضرا کے ساتھ والے مینار ایسے جگمگا رہے تھے کہ آنکھیں دیکھنے کی تاب نہیں لا رہی تھیں اور دل کی کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ بقول کسی شاعر کے۔

ہر کوئی فدا ہے بن دیکھے
دیدار کا عالم کیا ہو گا

ہم نے وہیں یعنی دور ہی سے خوب روتے ہوئے **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنا شروع کر دیا اور کیا بتاؤں کہ اس وقت دل کی حالت کیا تھی؟ قلم میں وہ تاب کہاں جو بیان کر سکے۔ اب سردار دو جہاں کے ہاں حاضری کا وقت ہے۔ خاتم النبیین ، رحمتہ للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پیش ہونے کو ہیں۔ قلب تپاں پر دید کی ایسی برق گر رہی تھی، جس سے شوق دید کوفروغ اور دل کشتہ بن رہا تھا۔ ہم جیسے تو کجا جبرئیل جیسے مقرب فرشتے بھی کمال ادب اور دست بستہ حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضور کی عظمت و رفعت اور جلالت اجازت نہیں دیتی تھی کہ آنکھیں کھول کر دیکھوں۔ شرم اور حیا سے آنکھیں بند ہیں مگر کبھی کبھی نظر بھر کر روضہ اطہر کو بھی دیکھ لیتی ہوں۔

دل میں خیال آتا ہے کہ الٰہی یہ نظارہ خواب میں ہے یا بیداری میں......؟ اس خیال میں اسی جگہ پر جا کھڑی ہوئی، جو حضور پرنور کے روئے انور کے سامنے ہے اور جہاں کھڑے ہو کر حضور ﷺ پر سلام کیا جاتا ہے اور روضہ اقدس کی جالی کو گلے سے لگایا جاتا ہے، روضہ اطہر کے اندر جانے سے قبل ہم نے مسجد نبویؐ کے برآمدوں تک پہنچ کر اپنا سامان یعنی

دونوں بیگ گیٹ کے باہر رکھ لیے تھے اور خود اندر چلے گئے اور اذان کے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز باجماعت ادا کی۔

فوراً ہی تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے چل دیے۔ ہم نے پھر دور ہی سے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا اور جیسے ہی گنبد خضرا دور سے نظر آیا تو ہم **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے ہوئے مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے۔ پھر خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ پر سلام عرض کیا۔ پھر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ پر سلام عرض کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جس نے مجھ گناہ گار کو اپنے حبیبؐ کے دربار پہنچا دیا تھا۔ اب احسان صاحب تو فوراً ہی حضور کی خدمت اقدس میں پہنچ گئے لیکن میرے لیے ابھی انتظار کی گھڑیاں باقی تھیں۔ وہ مردانے میں باب جبرئیل سے داخل ہو چکے تھے اور میں ابھی عورتوں میں شامل ہو کر انتظار کی گھڑیاں گن رہی تھی۔ ٹھیک سات بجے عورتوں کو حکم ملا، جو ہزاروں کی تعداد میں جمع تھیں، ہر ایک سب سے پہلے حاضر ہونے کے لیے بے چین تھی۔ اب میں حضور اقدسؐ کی خدمت میں پہنچ چکی تھی۔ اب میرے سامنے بڑے بڑے دروں کی شکل میں سبز جالی والے پانچ در تھے۔ پہلا حضرت فاطمتہ الزہراؓ کا حجرہ مبارک ہے۔ دوسرا اور تیسرا در میرے آقاؐ کی قیام گاہ ہے۔ چوتھا در حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اور پانچواں در حضرت عمر فاروقؓ کا ہے۔

میں اکثر اپنے آقاؐ کے دربار میں آنے جانے والے لوگوں سے پوچھا کرتی تھی کہ یہ تو بتاؤ کہ آقائے نامدار، تاجدار مدینہؐ کے روضے کی جالیوں تک تمہاری رسائی ہو سکی کہ نہیں۔ لیکن جواب یہی ملتا کہ مشکل ہے اور میں دل ہی دل میں سوچتی کہ اگر مجھے بھی قریب جانے کا موقع نہ ملا تو میں اپنے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کروں گی اور کہوں گی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تو بہت دور دراز کا سفر طے کر کے آپؐ کے دیدار کے لیے یہاں پہنچی ہوں اور یہ لوگ مجھے آپؐ کے قریب نہیں آنے دیتے۔ یہ بات دل میں پختہ اور اچھی طرح ذہن نشین کر لی تھی۔ حاضری کا

پہلا دن تھا۔خوب رورو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔حضورؐ سے دل کی باتیں کہیں اور محسوس کیا کہ میری تمام درخواستیں سن لی گئی ہیں اور منظور کر لی گئی ہیں۔

عزیز فاطمہ

اس کوچے سے آگے نہ زماں ہے نہ زمیں ہے

دور سے گنبد خضرا نظر آیا تو دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور زبان سے درود و سلام جاری ہو گیا۔ انسان کی ذہنی کیفیات کے حوالے سے بہت کام ہوا ہے لیکن بہت سی کیفیات ایسی ہیں جنہیں سمجھنا ممکن نہیں۔ گنبد خضرا پر نظر پڑتے ہی مجھ پر جو کیفیت طاری ہوئی نہ میں اپنی گفتگو میں کبھی اسے بیان کر سکا اور نہ تحریر میں یہ کیفیت آ سکتی ہے۔ واپس پاکستان پہنچ کر میں نے ''تحلیل نفسی'' سے بھی ان کیفیات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر میں ان کی اوپر کی سطح تک بھی نہیں پہنچ سکا۔ ایک گناہ گار سے گناہگار مسلمان بھی جب حضور ﷺ کے دربار میں پہنچتا ہے تو اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ میں حضور ﷺ کے روضے کے سامنے کھڑا تھا، ان کے پہلو میں ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ تھے اور میں ایک مجرم کی طرح نظریں جھکائے اپنے خدا سے، اس کے نبی ﷺ کے علاقے میں رحمتوں کا طلب گار تھا۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جس کے آگے بند باندھنا ممکن نہیں تھا۔ ہر طرف سے دبی دبی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں اور رندھے ہوئے گلوں کے ساتھ درود و سلام پڑھا جا رہا تھا۔ عاشقان رسول ﷺ روضے کی جالی کو بوسہ دینا چاہتے تھے، اسے چھونا چاہتے تھے، لیکن شرطے پرے ہٹا دیتے۔ شاید اس نظام میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہے۔ حج کا زمانہ شروع ہو چکا تھا، چنانچہ بے پناہ رش کی وجہ سے حضور ﷺ کے دربار میں زیادہ دیر تک کھڑے رہنے کی خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ کچھ دیر بعد میں، امجد اور شیر بہادر ایک بڑے ریلے کے ساتھ مسجد نبوی ﷺ کے توسیع شدہ حصے میں تھے مگر آنکھیں تھیں کہ بہتی چلی جاتی تھیں۔ کچھ دیر بعد مجھے محسوس ہوا جیسے میرے دل پر ایک عرصے سے جو بوجھ تھا، وہ اتر گیا ہے اور میں تمام فکروں

سے آزاد کسی خوش نوا پرندے کی طرح ہواؤں میں تیر رہا ہوں۔

ہمیں مسجد نبوی ﷺ میں چار نمازیں پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نہیں جانتا کہ مسجد نبوی ﷺ میں ہر نماز کا ثواب کتنا ہے۔لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہر نماز کا لطف ایک لاکھ نمازوں کے لطف سے زیادہ محسوس ہوا۔ میری شدید خواہش تھی کہ میں مدینے کی گلیوں میں برہنہ پا پھروں اور اس دفعہ یہ خواہش بھی پوری ہوئی۔ میں نے شیر بہادر کو اپنے ساتھ لیا اور ہم پرانے مدینے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب پاکستان ہاؤس سے تھوڑے سے فاصلے پر ہمیں اس کے آثار دکھائی دیئے۔جدید عمارتوں کے عقب میں واقع ایک گلی میں داخل ہوئے تو یوں لگا جیسے ہم چودہ سو سال پیچھے چلے گئے ہیں۔ پرانے مکانات اور کچی گلیاں اس چھوٹے سے علاقے کو باقی ساری فضا سے الگ کیے ہوئے تھے۔ یہاں سے چند سو گز کے فاصلے پر وہ مقام تھا جہاں جنگ احد لڑی گئی تھی۔مسجد نبوی ﷺ بھی یہاں سے قریب تھی اور وہ مقام بھی جہاں رسول اکرم ﷺ دوسرے علاقوں میں بھیجے جانے والے جہادی لشکروں کو الوداع کیا کرتے تھے۔اس مقام پر اب ایک انڈر پاس ہے۔سو ہمیں اس امر میں کوئی شبہ نہ رہا کہ جہاں ہم کھڑے ہیں، وہاں سے حضور ﷺ کا گزر ہوتا رہا ہے اور یہ سوچتے ہی میرے پورے جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہوگئی۔

مسجد نبوی ﷺ میں ظہر کی نماز ادا کرنے اور ظہرانے سے فراغت کے بعد ہم واپس جدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ وصال کے بعد ہجر کے لمحے تھے لیکن کیا یہی خوش نصیبی کم ہے کہ ہمیں اس شہر کی دید سعید ہوئی تھی جس کا خواب ہم صدیوں سے دیکھتے چلے آرہے ہیں؟

یہ خواب ہمیشہ سلامت رہیں گے اور ان کی تعبیر بھی کبھی مدہم نہیں ہوگی۔

عطاء الحق قاسمی

امیدِ مہ و خورشید یہاں دامانِ طلب پھیلاتے ہیں

گنبد خضرا اور مسجد نبویؐ نور میں نہائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ چہرے خوشی سے دمک رہے تھے، جسم کا ہر عضو اب اتنا مودٔب ہو گیا تھا کہ پاؤں اُٹھاتے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں کوئی آواز نہ پیدا ہو جائے، جسم کا ہر عضو اپنی اپنی نظریں گنبد خضرا پر گاڑے ہوئے انتہائی مودٔب تھا، جسم ہوا میں اُڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، جوش و ولولہ اتنا اثر کر رہا تھا کہ درود شریف کے ساتھ اب سلام بھی زبان پر خود بخود جاری ہو گیا۔ تصویروں کی مدد سے معلوم تھا کہ باب جبریل کس طرف ہے؟ قدم ویسے بھی خود بخود اسی جانب رواں دواں تھے۔ جیسے جیسے مسجد نبویؐ اور گنبد خضرا قریب ہوتے جا رہے تھے، ویسے ویسے دل کی دھڑکنیں بھی تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔

دل کا حال یہ تھا کہ جیسے وہ جسم سے باہر نکل کر جسم سے بھی پہلے عقیدت و سلام پیش کرنا چاہتا ہو۔ ایک وجد سا طاری تھا۔ جسم کا ہر حصہ دوسرے سے بڑھ کر سلام کرنے کو لپکنا چاہتا تھا۔ ایک عجیب و غریب خوشی، ایک انمٹ سا سرور جسم کے اندر سمایا ہوا تھا، دل و دماغ یہ تقاضا کر رہے تھے کہ یہ جگہ سر کے بل چلنے کے لیے ہے، اس جگہ ہزاروں صحابہ کرامؓ اور اللہ کے ولی ننگے پاؤں آتے جاتے تھے۔ ہم اس مسجد کی طرف رواں تھے جو اپنے اندر جسد پاک ﷺ کی بھی امین ہے جس کی بنیادوں میں نبی پاک کا پسینہ مبارک بھی رچا بسا ہے۔

ہم تمام ساتھی اب اپنی اپنی دھن میں مگن تھے، ہم میں سے کسی کو ہوش نہیں تھا کہ سلام کرنے کے لیے اسے بھی ساتھ لے لوں۔ پھر ایک ہی چیز دل و دماغ میں اٹک گئی کہ مؤدبانہ سلام کہاں سے کیا جائے اور کیسے حاضری ہو؟ اپنے آپ کو لوگوں کے ہجوم میں

لوگوں کی رفتار پر چھوڑ دیا۔ ہلکے ہلکے سے دھکے بھلے محسوس ہو رہے تھے جو منزل کے قریب کر رہے تھے، میرے آگے چلنے والے کچھ زائرین رُکے تو میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا۔ زبان پر درود وسلام جاری تھا۔ اسی بے خودی میں بڑھتا گیا۔ جب ذرا سنبھل کے کھڑا ہوا تو میں صحابہ کرامؓ کے چبوترے کے دائیں طرف تھا وہاں رش بہت زیادہ تھا۔

قطار کی رفتار بہت آہستہ تھی کیونکہ اگلے حضرات کی کوشش تھی کہ روضے کی جالیوں کے پاس ذرا زیادہ دیر کھڑے ہو جائیں اور سلام کہہ لیں۔ دربان اپنی ڈیوٹی نبھا رہے تھے کہ وہ کسی کو چند لمحوں سے زیادہ وقت نہیں دے رہے تھے۔ روضے کی جالیوں کے قریب آیا تو ایک دربان قطار ٹھیک کروا رہا تھا، ایک دربان جالیوں کے اگلی جانب تھا۔ یہ ایک باریش بزرگ تھے اور عربی لباس میں تھے۔ وہ اشارہ کر کے بتا رہے تھے کہ جالی کا یہ حصہ رسول ﷺ کی بارگاہ کی طرف ہے۔ یہاں نبی پاک ﷺ کو سلام کرو! اگلے دو گول سوراخوں کی طرف اشارہ کر کے اُنھوں نے بتایا کہ یہ حصہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا روضہ ہے اور یہ حصہ عمر فاروقؓ کا۔

حضور ﷺ کے مواجہہ شریف کے مقابل تو میرے دل کی دھڑکن کی آواز مجھے صاف سنائی دے رہی تھی، دھڑکتے دل اور بھیگی آنکھوں سے درود وسلام پیش کیا تو دربان نے جلد ہی آگے چلنے کو کہہ دیا۔ ان چند لمحات نے پرسکون کر دیا جسم جیسے روئی کا گالا بن گیا ہو اور وجود کہیں گم ہو گیا ہو۔

ڈاکٹر کیپٹن غلام سرور شیخ

معراج کی سی حاصل سجدوں میں کیفیت

ہماری گاڑی تیزی سے بڑھتی گئی۔ پھر جوں جوں مدینہ کے آثار قریب ہوتے گئے، میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ اندر دگرگوں ہو گیا۔ کہاں یہ عاصی، کہاں شفیع امت کا پاک ترین آشیانہ۔ عقل نے کہا: اس سے آگے جانا مشکل ہے، یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ عشق نے کہا: یہاں سے دل کی بادشاہت شروع ہوتی ہے، یہ اللہ کے محبوب کا گھر ہے۔ پھر یہ سوچ کر مجھے یک لخت سکون نصیب ہو گیا کہ حضور ﷺ گنہگاروں کی شفاعت ہی نہیں کرتے، انہیں اپنے حضور بلاتے بھی ہیں اور ان کے قلوب خفتہ کو جگاتے بھی ہیں۔ اس احساس سے مجھے کامل طمانیت نصیب ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہماری گاڑی مدینہ منورہ شہر میں داخل ہو گئی۔ اس وقت شام کے 4 بجے کا عمل ہو گا۔ میں نے مدینہ منورہ پہنچ کر اس پاک شہر کی مٹی کو ہاتھوں میں لے کر چوما اور اسے آنکھوں سے لگایا۔ یہ مٹی اس سرزمین کی تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت اپنایا جب پوری زمین پر ان کے لیے جائے پناہ نہ تھی۔

ہم لوگ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر یوسف یمانی بلڈنگ کی جانب روانہ ہو گئے جہاں حکومت پاکستان کی جانب سے ہمارے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ہوٹل مسجد نبویؐ سے کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھا۔ میں نے ٹیکسی سے باہر جھانک کر دیکھا تو میری آنکھیں گنبد خضرا سے ہم آغوش ہو گئیں۔ مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کیا واقعی مدینہ النبی میں ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں۔ مجھے اپنے موجود ہونے کا احساس ہو گیا۔

ہم لوگوں نے تھوڑی سی دیر اپنے کمرے میں آرام کیا۔ پھر غسل کرنے اور چائے پینے کے بعد مسجد نبویؐ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مسجد میں قدم رکھتے ہی گھبراہٹ دور

ہوگئی۔ بیت اللہ میں ہمیں جلال کی کیفیات سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ یہاں چارسو جمال ہی جمال دکھائی دیا۔فخر ومسرت کا ایک عجیب احساس طاری ہوگیا۔ہم داخل ہوئے تو مغرب کی صفیں کھڑی ہورہی تھیں اور یہ پہلی نماز تھی جو حرم نبویؐ میں ادا ہورہی تھی۔ میں اس بات پر مطمئن تھا کہ یہاں کی ایک نماز ہزاروں نمازوں کے برابر ہے۔نماز پڑھتے ہوئے مجھے کامل سکون نصیب ہوا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اللہ کے رسول ﷺ ہمیں دیکھ رہے ہوں۔وسیع وعریض مسجد میں سکون کی کیفیت کارفرما تھی۔

نماز سے فارغ ہوکر ہم روضہ اقدس کی جانب آگے بڑھے۔ بہت ہمت کی مگر قدم اٹھتے ہی نہ تھے۔آخر اللہ نے مدد کی اور میں وہاں پہنچ گیا، جہاں پہنچنے کے لیے آیا تھا۔ روضہ مبارک کے روبرو تین بیضوی جھروکوں پر میری نگاہیں مرکوز ہوگئیں۔ پہلا جھروکہ حضور سرور کونین ﷺ، دوسرا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اور تیسرا حضرت عمر فاروقؓ کا ہے۔ان جھروکوں کو دیکھ کر میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور آنسو آنکھوں سے رواں ہوگئے۔سسکیاں اور آہیں بلند ہونے لگیں، ہچکیاں بندھ گئیں۔کلیجہ چاہتا تھا کہ پسلیوں کو پھاڑ کر باہر نکل آئے۔دل کہتا تھا تڑپ کر حضورؐ پر نثار ہوجاؤں۔

کافی دیر بعد میری طبیعت سنبھلی، دل کو قرار نصیب ہوا۔میں رحمتہ للعالمین ﷺ کے دربار میں کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا روضہ رسول کے آس پاس انسانوں کا تانتا بندھا ہوا ہے اور سب اشک بار ہیں۔اس حد تک تحیر ہے کہ ایک دوسرے سے کوئی آگاہ نہیں۔ لوگ آرہے ہیں، پہرے دار کھڑے ہیں اور راستہ بن رہا ہے۔خلقت نکل رہی ہے اور دعائیں لٹ رہی ہیں۔شمع روشن ہے، پتنگے جمع ہیں گھٹتے نہیں، بڑھتے چلے جاتے ہیں اور لو میں گھلے جارہے ہیں۔ ملائیکہ عرش الٰہی سے آرہے اور سلام کے موتی نذر کررہے ہیں۔کیوں نہ ہو، یہ مقام عشق کا منتہیٰ اور حسن کی جولان گاہ ہے۔ہم، مغرب اور عشاء کی نمازیں مسجد نبویؐ میں ادا کرنے کے بعد ہوٹل میں لوٹے۔میری طبیعت ناساز تھی، جلد ہی سوگیا۔اگلی صبح مقررہ وقت سے بہت پہلے ہم لوگ باب الاسلام کے سامنے جا کھڑے ہوئے تاکہ ریاض الجنتہ میں جگہ مل سکے۔اس مقام کی عظمت کا اندازہ لگائیے کہ حضور ﷺ

نے خود فرمایا تھا کہ میرے گھر اور میری مسجد کے درمیان جو قطعہ زمین ہے، یہ جنت کے باغوں میں سے ایک ہے۔ ہم نے دیکھا کہ زائرین کی جماعتیں ریاض الجنۃ میں جگہ حاصل کرنے کے لیے بے قرار تھیں۔ دروازہ کھلنے پر سب لوگ آگے بڑھنے لگے۔ میری ہمت جواب دے گئی۔ میں اپنی باری پر آگے بڑھا۔ اندر پہنچ کر دیکھا کہ قطاروں کی قطاریں انتظار میں کھڑی تھیں۔ ایک شخص نماز پڑھ کر اٹھتا تھا تو دوسرا جگہ لینے کے لیے تیار دکھائی دیتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری باری بھی آ ہی گئی۔ مجھے یہاں نماز ادا کرنے میں جو سرور حاصل ہوا، اسے کیوں کر بیان کروں۔

مدینہ منورہ کے قیام کے دوران میری طبیعت ناساز رہی مگر وفور شوق کشاں کشاں مجھے مسجد نبویؐ لے جاتا۔ میں ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر ایک ستون کے ساتھ پشت لگا کر بیٹھ جاتا۔ میں باب توبہ کی طرف تخلیہ میں نشست جما لیتا اور روضہ اقدس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر درود پڑھتا اور سلام بھیجتا رہتا۔ بیگم بھی نوافل ادا کرنے اور تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہتی۔ مسجد نبویؐ میں بیٹھ کر مجھ میں عجب محویت کا عالم طاری ہو جاتا۔ مناظر کے تسلسل کی ایک تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے یہی وہ مقدس مقام ہے، جہاں آقائے نامدار کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ انصار بڑھ چڑھ کر دعوت دے رہے تھے مگر ناقہ مامور تھی۔ جہاں اللہ کا حکم تھا، وہیں رکی۔ پھر اسی جگہ پر مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ میں سوچتا یہی وہ مسجد ہے جس کی تعمیر میں رسول اکرمؐ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ساتھ مل کر حصہ لیا تھا اور یہی وہ مسجد ہے جس کی چھت بارش میں ٹپکتی تھی تو آقائے نامدار نے کیچڑ میں سجدہ فرمایا تھا۔ اسی کے ساتھ امہات المومنین کے حجرے تھے اور یہی وہ مسکن مبارک ہے، جہاں دو دو ماہ گزر جاتے تھے اور آگ جلانے کی نوبت نہ آتی تھی۔ انہی مبارک حجروں میں رسول اللہ کا قیام تھا۔

کرنل غلام سرور

آئے نہ تیرے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی

روضہ رسول ﷺ کے سامنے مشتاقان زیارت کا ہجوم ہے۔ ہم بھی ہجوم کا ہی حصہ بن گئے۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے گئے حتیٰ کہ روضہ رسول ﷺ کے عین سامنے اس جالی پر پہنچ گئے جہاں سے ہدیہ درود وسلام پیش کیا جاتا ہے **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول الله.** ہماری زبانوں پر درود وسلام ہے۔ عجیب سماں ہے۔ ہر طرف محبت کا زمزم بہہ رہا ہے۔ مشتاقان دید صلوٰۃ و درود پڑھ رہے ہیں۔ ہم نہیں سن سکتے لیکن ان آوازوں میں فرشتوں کی آوازیں بھی شامل ہیں۔ یہ احساس ختم ہو چکا ہے کہ میں روضہ رسول ﷺ پر آیا ہوں۔ صرف یہی احساس باقی ہے کہ میں دربار رسالت ﷺ میں کھڑا ہوں۔ اتنے بڑے دربار میں کہ جہاں سانس کی بے صبری بھی بے ادبی ہے۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے خود ہی تو فرمایا تھا کہ جس شخص نے میری وفات کے بعد میرے روضے کی زیارت کی تو وہ سعادت میں اسی شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا، اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ میں لرز جاتا ہوں، اف کتنے ہی بدنصیب انسان ہیں جو استطاعت رکھنے کے باوجود اس دربار کی حاضری سے محروم رہتے ہیں۔ تیرا شکر ہے میرے مالک! تو نے یہ سعادت نصیب فرمائی۔

درود وسلام پڑھتے ہوئے میری آواز کانپ رہی ہے۔ مجھے یہ احساس شرمندہ کر رہا ہے کہ آقا میری آواز سن رہے ہیں۔ میری حاضری سے باخبر ہیں۔ میرے سلام و کلام کو سماعت فرما رہے ہیں۔ میں آواز پست کر دیتا ہوں مبادا کہ حد ادب سے گزر نہ جاؤں۔ جس ذات بابرکت کے حضور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو بھی یہ حکم خداوندی ملا

لا ترفعوا اصوات کم فوق صوت النبی. وہاں میں کس طرح بلند بول سکتا ہوں۔ سلام پڑھتے پڑھتے ایک عجیب سرور محسوس ہونے لگتا ہے۔ خوشگوار کیف طاری ہو جاتا ہے۔ سکون کی عجیب لذت نصیب ہوتی ہے۔ واقعی یہ ادب گہ محبت ہے۔ ہماری گستاخیوں، بداعمالیوں، ظاہری محبت اور کھوکھلے دعوؤں کے باوجود حضور رسالت مآب ﷺ کا دست شفقت ہم پر ہے وگرنہ ہم تو اپنے اعمال سے غضب خداوندی کو دعوت دینے والے ہیں۔ ہم تو حجت خداوندی کی آخری حدوں کو چھو چکے ہیں۔ میں حضور ﷺ کے روضہ اقدس کے عین سامنے کھڑے ہو کر اس شفقت و محبت کے لطیف جھونکے کو محسوس کر رہا ہوں جو آپ کو اپنی امت سے ہے۔ یہ شفقت نہ ہوتی تو ہم تو جیتے جی مر گئے ہوتے، ہم تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ میرے لب پر ملت اسلامیہ کے لیے دعائیں ہیں۔ حضور رحم فرمایئے کہ آپ کی امت دکھوں کا شکار ہے۔ خدا سے سفارش کیجئے کہ وہ اس امت کے دن پھیر دے۔ اس کو قعر مذلت سے نکال کر بام عروج پر پہنچا دے۔ دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے، اپنے دین کو دنیا میں غلبہ عطا فرمائے۔

فرید احمد پراچہ

کھل نہیں سکتی اب آنکھیں میری

صبح دس بجے کے قریب مدینہ منورہ سے چار پانچ میل اس طرف رک گیا۔ یہاں پر ایک کنواں تھا، جس پر رہٹ چل رہا تھا۔ قافلے والوں نے یہاں اتر کر غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے۔ کچھ عقیدت مند بسوں پر دوبارہ سوار ہونے کے بجائے یہاں سے احتراماً پیدل چلنے لگے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے پیدل روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور چل کر خیال آیا کہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جوتے پہن کر داخل ہونا بھی ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ میں نے فوراً اپنے چپل کھول کر ہاتھ میں اٹھا لیے اور برہنہ پا چلنے لگا۔ دھوپ میں تپتے ہوئے سنگریزوں پر پاؤں پڑتے ہی میرے تلوؤں میں آگ کے شعلے سے لپکے اور حرارت کی لہریں بجلی کے کرنٹ کی طرح میرے جسم میں پھیل کر دماغ سے ٹکرانے لگیں۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر چپکے سے دیکھتے ہوئے اپنے چپل دوبارہ پہن لیے۔ اپنے جذبہ احترام کے اس بودے پن پر مجھے اس قدر جھنجھلاہٹ اور ندامت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنے چپل پھر کھولے اور انہیں اٹھا کر سڑک سے دور جھاڑیوں میں پھینک دیا۔ اب ننگے پاؤں چلنا ایک امر مجبوری تھا لیکن میری خود فریبی اس مجبوری کو احترام کا نام ہی دیتی رہی۔

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ چلنے کے بعد ایک موڑ آیا جس کی گولائی پر چند گاڑیاں رکی ہوئی تھیں اور بہت سے لوگ سڑک پر کھڑے والہانہ انداز میں درود و سلام پڑھ رہے تھے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ ان حضرات کو اپنا گوہرِ مقصود نظر آ گیا ہے۔ میری عمر اس وقت بتیس تینتیس برس تھی۔ اس طویل عرصے میں میری آنکھوں نے زندگی کی کثافت اور رذالت اور رکاکت اور خباثت کے علاوہ اور کچھ بہت کم دیکھا تھا۔ اب جی

چاہتا تھا کہ گنبد خضرا پر نگاہ ڈالنے سے پہلے ان گناہگار آنکھوں کو کسی قدر صاف کرلوں۔ اس مقصد کے لیے شاہراۂ مدینہ کی خاک سے بہتر اور کیا چیز ہوسکتی تھی؟ میں نے اضطراراً چلتی ہوئی سڑک سے خاک کی ایک چٹکی اٹھائی اور اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالیا۔

مسجد نبویؐ تک پہنچتے میری آنکھیں سرخ ہوکر سوج گئیں اور راستہ نظر آنا مشکل ہوگیا۔ قدم قدم پر راہ گیروں سے ٹکر لگتی تھی۔ مجھے اندھا سمجھ کر ایک بھلے آدمی نے میری راہنمائی کی اور مجھے باب جبرئیل تک پہنچا دیا۔

باب جبرئیل پر عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہجوم تھا۔ اندر جانے والوں اور باہر آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ایک نورانی صورت بزرگ چٹائی پر بیٹھے لوگوں کے جوتے سنبھالنے میں مصروف تھے۔ میری آنکھوں میں اب تک دھندسی چھائی ہوئی تھی اور بھیڑ کے ریلے میں پھنس کر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں آگے بڑھ رہا ہوں یا پیچھے جا رہا ہوں۔ ایک مقام پر میں چند لوگوں سے ٹکرا کر بری طرح لڑکھڑایا اور جوتوں کے ڈھیر پر اوندھے منہ گر پڑا۔ جوتوں کی رکھوالی کرنے والے صاحب نے سہارا دے کر مجھے اٹھایا اور اپنے پاس چٹائی پر بٹھالیا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتے تھے۔ میری آنکھیں سوجی ہوئی اور سانس پھول رہی تھی۔ اپنی صراحی سے پانی کا گلاس پلا کر انہوں نے ازراہ ہمدردی دریافت کیا کہ میری آنکھوں کو کیا مرض لاحق ہے۔ میں نے شاہراۂ مدینہ کی خاک کی چٹکی والا واقعہ بے کم و کاست بیان کر دیا۔ اسے سن کر وہ بے اختیار رو پڑے اور مجھے وہیں بیٹھے رہنے کی ہدایت کی۔ عصر کی نماز سے پہلے وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اور جالی مبارک کے سامنے کھڑے ہوکر بڑے سوز و گداز سے درود وسلام پڑھا۔ نماز کے بعد وہ مجھے پھر اپنے پاس چٹائی پر لے آئے۔

یہ صاحب مشرق اور مغرب میں بہت سے ملکوں کی سیاحی کر چکے تھے۔ عربی تو ان کی مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ ترکی، فارسی اور انگریزی خوب جانتے تھے۔ کسی قدر فرانسیسی زبان سے بھی آشنا تھے۔ اٹھارہ انیس برس سے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسجد نبویؐ کی صفائی کے انتظامات کے ساتھ وابستہ تھے۔ حج کے زمانے میں

جب زائرین کا رش بڑھ جاتا تھا تو یہ صاحب رضا کارانہ طور پر باب جبرئیل کے باہر جوتے سنبھالنے کے کام میں بھی ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ انہوں نے میرا پاسپورٹ دیکھا اور ہنس کر بولے: ''تم تو پڑھے لکھے آدمی ہو۔ میری اردو بڑی کمزور ہے، آؤ انگریزی میں گفتگو کریں۔''

جب انہیں معلوم ہوا کہ میرے رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو مغرب کے بعد وہ مجھے اپنے گھر لے گئے، جو مسجد نبویؐ کے بالکل قریب تھا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا، اپنے کپڑوں کا ایک صاف جوڑا عنایت کیا، بازار سے نئے چپل لا کر دیے اور ایک ڈاکٹر کی دکان پر جا کر میری آنکھوں میں دوا ڈلوائی۔ ساتھ ہی انہوں نے فرمایا کہ میں رات بھی ان کے ہاں گزاروں۔ میں نے التماس کی کہ اگر وہ مجھے باب جبرئیل کے باہر اپنی چٹائی پر شب بسری کی اجازت دے دیں تو مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ اس پر وہ کچھ سوچ میں پڑ گئے اور پھر بولے: ''اس کی اجازت تو نہیں، خیر عشاء کے بعد دیکھا جائے گا۔''

عشاء کے بعد جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے بند ہو گئے تو اندر ہی رہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد اپنے سرکاری فرائض سے فارغ ہو کر باہر آئے اور مجھے ایک کاغذ دیا جس پر عربی میں کچھ لکھا ہوا تھا اور نیچے مہر لگی ہوئی تھی۔ فرمایا: ''تم اس چٹائی پر رات گزار سکتے ہو۔ اگر کوئی اعتراض کرے تو یہ اجازت نامہ دکھا دینا۔''

تہجد کی اذان ہونے تک کئی سپاہیوں نے کئی بار آ کر مجھے ٹوکا لیکن اجازت نامہ دیکھ کر وہ خاموش ہو جاتے تھے۔ ایک روز تو جوتے رکھنے والے صاحب نے اپنی کرم فرمائی کی انتہا کر دی۔ عشاء کے بعد جب مسجد نبویؐ کے دروازے بند ہونے لگے تو وہ مجھے اندر لے گئے اور تہجد کی اذان تک اندر ہی رہنے دیا اور تھوڑی دیر کے لیے جالی مبارک کے اندر اس عرش بریں جیسی مقدس زمین پر مجھے اپنی پلکوں سے جاروب کشی کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

اگلے روز انہوں نے مجھے مدینہ منورہ سے رخصت کر دیا۔ میں نے بہت عذر کیا کہ میرا یہاں سے ہلنے کو جی نہیں چاہتا لیکن وہ نہ مانے۔ کہنے لگے: ''پانی کا برتن بہت دیر

تک آگ پر پڑا رہے تو پانی ابل ابل کر ختم ہو جاتا ہے اور برتن خالی رہ جاتا ہے۔ دنیا داروں کا ذوق وشوق وقتی ابال ہوتا ہے۔ کچھ لوگ یہاں رہ کر بعد میں پریشان ہوتے ہیں۔ ان کا جسم تو مدینے میں ہوتا ہے لیکن دل اپنے وطن کی طرف لگا رہتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ انسان رہے تو اپنے وطن میں لیکن دل مدینے میں لگا رہے۔''

وہ مجھے بسوں کے اڈے تک چھوڑ آئے اور جدہ جانے والی ایک بس میں مجھے ڈرائیور کے ساتھ والی اگلی سیٹ دلوا دی۔ نصف راستہ طے کرنے کے بعد ہم نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک سیاہ فام افریقی نوجوان ننگے سر دھوپ میں پیدل چلا آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی تھی۔ بیوی کی گود میں ایک ننھا سا بچہ تھا۔ اس شدید دھوپ میں بھی یہ جوڑا بڑے اطمینان سے پاپیادہ مدینہ شریف کی طرف جا رہا تھا۔ ڈرائیور رحم دل آدمی تھا۔ بس روک کر اس نے ان مسافروں کو اپنی صراحی سے پانی پلایا۔ پانی دیتے ہوئے ڈرائیور نے بتایا کہ یہ پانی مدینے سے آیا ہے۔ یہ سنتے ہی ان کے چہرے خوشی سے جگمگا اٹھے۔ انہوں نے ایک گھونٹ اپنے بچے کے منہ میں بھی ٹپکایا۔ پانی کے کچھ قطرے زمین پر گر گئے تھے۔ میاں بیوی نے جھک کر بھیگی ہوئی ریت اٹھائی اور منہ میں ڈال لی۔...........

فروری 34ء کو علی الصبح ہمارا قافلہ شہر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوا۔ اس کے قریب پہنچتے ہی کسی نے زوردار آواز میں پکارا ''وہ مدینہ آ گیا'' اس مژدۂ جانفزا کے سننے کے لیے عرصے سے کان مشتاق، دل مضطرب اور طبیعت بے قرار تھی۔ یہ مبارک کلمہ سنتے ہی کئی ایک کی آنکھوں نے سیلاب محبت بہانا شروع کر دیا۔ خوشی کی ایک لہر دل میں اتری جاتی تھی۔ پھر جوش میں تسخیر پا کر دماغ پر چھا جاتی تھی۔ ہوش وحواس جسم خاکی کو وداع کہہ رہے تھے۔ فرط مسرت وانبساط کا یہ عالم تھا کہ روح تحلیل ہوتی تھی۔ بدن کے تمام بے تاب رگ وپے، سوز وگداز کے مرحلے طے کر رہے تھے۔ عقل گم تھی، کیف و وجدان کی وہ کیفیت کہ نہ زبان سے بیان ہو سکتی تھی نہ قلم اسے ضبط تحریر میں لا سکتا ہے۔

الحمدللہ! آج ہم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں، جہاں سے دیار مقدس اور گنبد خضرا کا دلکش منظر سامنے ہے۔ شمع معرفت کی تجلیاں خرمن صبر وقرار پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔

وادی ایمن کے وہ بے حجاب جلوے دلوں میں تڑپ پیدا کر رہے ہیں۔ بے چین دل، اشک بار آنکھیں، زرد چہرے، سرخ اور پرداغ سینہ سوختہ اور شکستہ اعضاء آج اپنے مشاغل کے لیے ایک نئی کیفیت محسوس کر رہے ہیں۔ سینے میں جو آگ مشتعل تھی، اب اس سے شعلہ جوالہ نکل نکل کر آہ آتشیں کی صورت اختیار کر رہے ہیں۔ مبارک ہو، تمہاری محبتیں ٹھکانے لگیں، تمہاری دعائیں قبول ہوئیں، تمہاری دیرینہ آرزوئیں برآئیں۔ نخل تمنا بارآور ہوئی۔ منزل مقصود قریب آ گئی ہے۔

شہر مقدس کے پہلے دروازے عنبریہ سے داخل ہوئے تو سعودی فوج کے دستوں نے سلامی سے ہمارے کارواں کا استقبال کیا۔ ہزایکسی لینسی امیر مدینہ مع اپنے سٹاف اور زعماء وعمائدین شہر موجود تھے۔ استقبالیہ رسم سے فارغ ہوکر ریلوے اسٹیشن مدینہ کے عالی شان ایوان میں داخل ہوئے، جسے خاص اہتمام سے سجایا گیا تھا۔ قہوہ، شربت اور آب خور عنبری سے تواضع کے بعد قافلہ مع اپنے سالار کے حرم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور در رسولؐ پر حاضری کے لیے ادب و احترام کے ساتھ پیادہ پا روانہ ہوا۔ حرم پاک کے باب السلام پر پہنچ کر بے تابانہ سلام عرض کیا۔

رمضان المبارک کے کئی دن میں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نمازیں پڑھ کر گزارے اوراد و وظائف اور درود وسلام کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ساتھ ہی روضہ حضورؐ کی سعادت بھی حاصل کی۔ حضور اکرمؐ کا روضہ مبارک مسجد نبویؐ کے آخری سرے پر جنوب کی طرف ہے۔ یہ سبز گنبد والا روضہ اقدس جہاں واقع ہے، وہ قطعہ زمین دنیا کا مقدس ترین قطعہ زمین ہے۔ محدثین وفقہا نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ روئے زمین کے تمام مقامات سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کا مقام ہے۔ جس جگہ حضور ﷺ کا جسد مبارک زمین سے مس ہو رہا ہے، وہ بالاتفاق روئے زمین کا افضل ترین مقام ہے۔ یہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد مبارک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ اور زندہ وتابندہ ہے۔ انسان یہاں پہنچ کر ایک عالم جذب سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں

پہنچ کر دنیا و مافیہا کو بھول جاتے ہیں اور ایک والہانہ جذب و شوق انہیں دنیا کی ہر چیز سے بے خبر کر دیتا ہے۔ بس ایک ہی کیفیت ان کے حواس اور دل و دماغ پر اپنے پر پھیلا دیتی ہے اور وہ کیفیت ہے دنیا کی عظیم ترین شخصیت کے حسن و جمال اور زیبائی و رعنائی کا احساس۔ اس احساس کے پیش نظر ساری دنیا، اس کے تمام تر مقامات، اس کے تمام مناظر، اس کی تمام شخصیات بے معنی نظر آنے لگتی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ایک والہانہ جذب و شوق کا عالم ان سب کی نفی کر کے ان کو دل و دماغ کی آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔

مسجد نبویؐ کا سارا حسن و جمال اس روضہ اقدس و اطہر کی وجہ سے ہے۔ وہ روضہ اقدس جہاں حضورؐ کا جسد مبارک آرام فرما ہے اور پھر اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس ساری زمین پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سجدوں اور قدموں کے نشانات ثبت ہیں۔ ان کی سانسوں کی مہک ان میں آج مشام جان کو معطر رکھتی ہے۔ ان کا جمال جہاں افروز جہاں صورت مہر نیم روز آج بھی نظارۂ منور ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حجرۂ مبارک تھا۔ جہاں حضور نبی کریم ﷺ نے خاصے عرصے تک قیام فرمایا اور جہاں ان کا وصال بھی ہوا اور یہیں ان کا جسد اطہر لحد میں اتارا گیا اور یہیں ان کے قدموں میں ان کے صحابہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ بھی آرام فرما ہیں۔ کسی زمانے میں حجرۂ عائشہ ایک کچی عمارت تھی لیکن اب اس پر روضہ اطہر کی عمارت مستطیل شکل میں تعمیر کی گئی ہے۔ روضہ مبارک کے آس پاس پیتل اور لوہے کی وہ جالی ہے جو ہر زمانے میں زائرین اور شعرا ادبا کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہے اور جس کے حسن و جمال کی شان میں یہ سب رطب اللسان رہے ہیں۔ روضہ اطہر کے آس پاس مضبوط چار دیواری ہے۔ اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ عمارت پر غلاف پڑا ہوا ہے۔ ہر لمحہ یہاں عاشقان رسولؐ کا ہجوم رہتا ہے اور درود و سلام کی **نغمگی** کانوں میں رس گھولتی ہے۔ انسان اور فرشتے سب یہاں درود و سلام کا ورد کرتے ہیں۔

میں روضہ حضور اکرم ﷺ پر دعاؤں میں مصروف تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور میں

ان بند آنکھوں سے نہ جانے کیا کچھ دیکھ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ مبارک، ان کا پیکر نور میرے سامنے تھا۔ اگرچہ میں احتراماً کچھ فاصلے پر کھڑا تھا لیکن عشق رسولؐ کے جذب وجنوں نے مجھے ان کی ذات بابرکت اور عظیم شخصیت سے اتنا قریب کر دیا تھا کہ کوئی دوری درمیان میں حائل نہیں رہی تھی اور قرب کی اس کیفیت نے مجھے لطف وانبساط کی ایک ایسی منزل پر پہنچا دیا تھا، جہاں سے واپس لوٹنا ارادی طور پر مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ یہ روحانی تجربات کی ایک ایسی منزل تھی جس تک رسائی خوش بختوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔

واقعی میں بہت خوش قسمت تھا کہ رب العالمین اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے روحانی تجربے کی اس منزل سے آشنا کیا اور مسرتوں کے دریا میری زندگی میں موجزن کر دیے۔ آج بھی میں اس کیفیت کی لذت کو محسوس کرتا ہوں اور فرط مسرت سے حضرت خواجہ میر دردؒ کا یہ شعر پڑھتا ہوں:

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں میری
جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

قدرت اللہ شہاب

عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوق جمال

مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ رسالت مآب ﷺ کی چوکھٹ کی خاک کو آنکھ کا سرمہ بنایا۔ گنبد خضرا کے دیدار سے قلب و جاں کو شاد کام کیا۔ صبح کی عطر بیز فضا میں درود و سلام کا مسلسل وردِ فضا کو انوار سے معمور کیے ہوئے ہے اور باہر ہر طرف خوشبو ہی خوشبو بکھری ہوئی ہے۔ شمع پروانوں میں گھری ہوئی ہے۔ ایک عجیب سکون وسکنیت کا عالم طاری ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے نور کی بارش ہو رہی ہو۔ ڈر تھا کہ کہیں ہم حضور ﷺ کے آرام میں مخل نہ ہو رہے ہوں اور تسلی بھی تھی کہ خود ہی تو لمحات خلوت میں طلب فرمایا ہے۔ اب کانپتے کانپتے مبارک جالیوں کا رخ کیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی، مبادا کہ یہ خلد نظر منظر دھندلا نہ جائے۔ کعبہ کے اس کعبے کے سامنے کس منہ سے حاضری دوں۔ اس جمال جہاں آرا کی جالیوں کی حدود سے گزر کر ان کو دیکھنے کی ہمت کہاں سے لاؤں۔ ابھی تو انہی جذبات کا سامنا ہے۔ اب آگے دیکھئے کیا ہو، وہ اپنی بارگاہ میں خود ہی اندر بلا بھیجیں، تب تاب ہوگی اور یہ بھی انھی کی عطا ہوگی، ابھی تو میرے لیے جالیوں کی زیارت اور گنبد خضرا کا دیدار ہی بہت ہے۔

میں گنبد خضرا کی طرف دیکھ رہا ہوں
کوثر مرے نزدیک یہ معراج نظر ہے
مدینہ منورہ پہنچ کر کیا کہوں کہ دل کا کیا عالم ہے
وہ سامنے ہیں نظام حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

مجھ پر فتویٰ نہ لگے تو کہوں کہ مکہ کے بعد مدینے کا سفر ایسا ہے جیسے وضو کے بعد

نماز...... امام تیمیہ اور ان کے ہم مسلک اصحاب شریعت اس کو جرم سمجھتے ہیں کہ کوئی زائر گھر سے روضہ رسول ﷺ کا قصد کر کے نکلے مگر اپنا حال تو یہ ہے کہ مکہ اس لیے حاضری دیتے ہیں تا کہ مدینے میں باریابی کے قابل ہوسکیں۔

کوثر نیازی

باخدا دیوانہ باش و با محمد ﷺ ہوشیار

سامان شارع جدید والے مکان کے ''شفہ'' میں رکھنے کے بعد جب حرم شریف کے قریب پہنچے تو کہنے لگے کہ ''باب جبرئیل سے داخلہ افضل ہے''۔ مسجد نبویؐ میں داخل ہونے کے لیے باب جبرئیل سے بہتر دروازہ کون سا ہوسکتا ہے۔ حجرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المومنینؓ کے حجروں میں پیغام کی امانت پہنچانے کے لیے جبرئیل امین کا بھی یہی راستہ ہوتا ہوگا۔ اسی راستے اللہ کا آخری پیغام نبی آخرالزمان سید المرسلین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا کرتا ہوگا۔ قیام گاہ خیر البشر اور مقر شہنشاہ دوراںؐ میں پیغام لانے کے لیے اور حاضری دینے کے لیے اس سے بہتر راستہ کوئی نہیں ہوسکتا۔ اپنے راہنما سے مزید سوال پوچھنے کا مقام نہ تھا۔ اضطراب، اضطرار اور سکون وطمانیت کا ملا جلا احساس قلب و ذہن پر چھایا ہوا تھا۔ مدتوں کی آرزو آج محرم **1313**ھ کو پوری ہو رہی تھی۔ راہنما جس راستے سے باہر لے جاتا، میرے لیے وہی باعث سعادت تھا۔

باب جبرئیل حجرہ عائشہ صدیقہؓ سے قریب ترین دروازہ ہے، جہاں اس وقت حجرہ اقدس کا گلی کی جانب ہونے والا دروازہ تھا۔ وہاں اب ایک کھڑکی ہے۔ یہی جبرئیل امین کے آنے کا راستہ ہوا کرتا تھا اور اوائل میں باب جبرئیل عین اس جگہ تھا۔ اب اس جگہ سے ہٹا کر دروازہ چند گز شمال کی جانب کر دیا گیا ہے۔ جبرئیل کی پرواز اس جگہ پہنچ کر رک جایا کرتی تھی۔ مسافر جب اس دروازہ پر پہنچتا ہے تو وہ بھی اس دروازہ کے سامنے آ کر رک جاتا ہے۔ اس کا سفر اختتام کو پہنچ چکا ہوتا ہے۔ وہ نہایت عجز وانکسار کے سائے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کہہ کر اور پھر درود پڑھتے ہوئے اس دروازے سے شہنشاہ دو عالمؐ کے دربار میں داخل ہوتا ہے۔

اندر ہجوم ہوتا ہے۔ سینکڑوں ہزاروں مسافروں کے منہ سے دبی زبان سے نکلے ہوئے درود وصلوت کے الفاظ کی آواز ایک عجیب سی قلبی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ ہجوم کے باوجود دربار مصطفوی ﷺ کے سامنے پہنچنے کا کوئی راستہ ازخود بنتا جاتا ہے۔ یہ دربار رحمت للعالمین ہے۔ یہاں کوئی کسی سے تعرض نہیں کرتا، کوئی کسی پر خفگی کا اظہار نہیں کرتا۔ یہاں مہر ومحبت کے دریا بہتے ہیں، یہاں جلال کی جگہ حسن و جمال ہے، یہاں ہر مسافر کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہے۔ اس لیے کوئی کسی پر سبقت لے جانے کی کوشش نہیں کرتا اور یہاں یہ دستور ہے کہ ؎

''باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار''

اس لیے یہاں ہر ایک کے لیے ازخود راستہ بنتا جاتا ہے۔

بائیں کو گھوم کر حجرہ فاطمہ الزہراؓ سے گزر کر حجرہ عائشہ صدیقہؓ کے جنوب مشرقی کونے سے گھوم کر دائیں کو مڑتے ہیں۔ مسافر کو محسوس ہوتا ہے کہ پورا عالم اسلام نہایت نظم وضبط کے ساتھ سلام پیش کر رہا ہے۔ اس کے باوجود مواجہہ مبارک کے سامنے جگہ مل ہی جاتی ہے۔ وہ خاموشی سے ساکت وصلابت اسلام کے پہلے سپہ سالار اعظمؐ کے سامنے ایستادہ ہو جاتا ہے۔ غیر شعوری طور پر اس مسافر کے دونوں پاؤں ''خبردار'' حالت میں مل جاتے ہیں اور اس کا بدن یوں تن جاتا ہے جیسے رمل کے لیے تیار ہو رہا ہو۔ جب ایک ثانیہ کے بعد اس کا ذہن بیدار ہوتا ہے تو معاً اسے خیال پیدا ہوا کہ میں نے یہ کیا کیا۔ یہاں تو دست بستہ حاضری دی جاتی ہے مگر ذہن کے ایک خوابیدہ کنارے سے یہ اشارہ ہوا کہ یہ بات نہیں، تمہارے تحت الشعور نے غلطی نہیں کی۔ تم نے سپاہ اسلامیہ کے اولین سپہ سالار اور قائد کے حضورؐ اپنا نذرانہ عقیدت عین سپاہیانہ انداز میں پیش کیا۔ حضور نبی آخر الزمان تھے اور نسل انسانی کی جانب اللہ العالمین کے آخری پیغام رساں تھے مگر ساتھ ہی ملت اسلامیہ کی پہلی ریاست کے سربراہ اور اسلام کی پہلی فوج کے سپہ سالار اعظم بھی تو تھے۔ اس خیال نے نہ معلوم ذہن کے کون کون سے دریچے وا کر دیئے اور مسافر کی آنکھوں کے سامنے سے بدر واحد اور خندق وحنین کے محیر العقول واقعات گزرنا شروع ہوئے۔

خیال کہاں سے کہاں جا پہنچا۔ یہاں ملت اسلامیہ کے اولین سپہ سالار کے اولین سالوں کی صبر آزما لڑائیوں اور مہموں کے منصوبے تیار ہوا کرتے تھے۔ یہاں دفاع ملک وملت کے دفاعی اور معاشرتی امور پر غور ہوا کرتا تھا اور تجاویز زیرِغور آیا کرتی تھیں۔ یہاں پر سالہا سال تک مادی قوتوں پر روحانی برتری کا ثبوت پیش کیا جاتا رہا۔ اسی مقام سے خوف خدا اور خالق ارض وسما پر تقویٰ کرنے کے معنے بتائے جاتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ملت کے ہر فرد کے قلب و ذہن سے ماسوا اللہ کا خوف مٹ گیا تھا۔ یہ بہر معنی دربار شہنشاہی بھی تھا اور بیک وقت مقر قیادت اسلام بھی تھا۔

مگر یہ کیا ہوا۔ یہاں تو اب صرف عالم بالا کے مدارج کے حصول کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہاں ملت کے موجودہ مسائل پر کوئی غور وفکر نہیں کرتا۔ جس مقام سے خیر الوراء مسائل کی دوا کا اہتمام فرماتے تھے، وہاں سے صرف اسلام کی مدد کی دعا کی جاتی ہے۔ اس مقام کو تجویز دوا کے لیے صدیوں سے استعمال نہیں کیا گیا۔ ملت اسلامیہ کے مسائل کو حل کرنے کے لیے صدیوں سے لاتعداد دوسرے مقامات چن لیے گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ملت کی صد پارگی کی بخیہ کاری ناممکن بن گئی ہے اور ملت اپنے خالق کے احکام کی پابندی کے قابل نہیں رہ گئی۔ جب سے امور دنیا کو یہاں سے خارج کر دیا گیا ہے، اسی وقت سے امور دنیوی کو حل کرتے وقت خوف خدا مٹ گیا ہے اور مسلمان اپنے مقصد حیات کو بھول گیا ہے اور شاید اسی لیے مسلمانوں کے امور دنیوی میں اب خیر و برکت کا فقدان پیدا ہو گیا ہے۔

یثرب پہنچ کر شہنشاہ دو جہاںؐ نے جو پہلا کام ہاتھ میں لیا تھا، وہ اپنے صدر مقام مسجد نبویؐ کی تعمیر تھی۔ مسلمانوں نے یہی نکتہ فراموش کر دیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو شہنشاہ معظمؐ کا دربار کہلاتا تھا۔ اس دربار میں صرف ایک سال کے اندر اسّی سے زائد مقامات کے وفود نے اپنی خودمختاری کو شاہ مدینہؐ کے قدموں میں پیش کیا تھا اور اپنی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کی خودمختاری سے سبک دوش ہونے کے صلہ میں آزاد خودمختار مملکت اسلامیہ کی وسیع وعریض ریاست کے کاروبار میں شامل کر لیے گئے تھے۔ وہ حاضر تو اس لیے ہوئے

تھے کہ ان کے پاس جو کچھ تھا، وہ اس عہد کے سب سے بڑے اور کامیاب ترین فاتح کے قدموں میں نچھاور کریں مگر انہیں یہاں سے وہ کچھ ملا، جو ان کے تصور سے بھی بالاتر تھا۔ انہوں نے جب اس دربار سے رخصت ہو کر دنیا کی وسعتوں پر نظر ڈالی تو کرۂ ارض کی وسعت انہیں سمٹتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ اس کی تسخیر پر کمر بستہ ہو گئے۔

یہ مسافر، ہاں یہ گناہ گار اور پرخطا و عصیان آشنا مسافر، اسے یہ سعادت نصیب ہو رہی تھی کہ وہ اس خاک نشین شہنشاہ ؐ کے دربار میں حاضری کے قابل سمجھا گیا تھا، جس کے دربار میں پابجولاں آنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے اس شہنشاہ کے سینکڑوں مسند نشین غلام اپنے عز و جاہ کو قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ خیال کی کڑیاں کہاں سے کہاں جا پہنچیں اور یہ مسافر مواجہہ مبارک ؐ کے عین سامنے آن پہنچا، اس لیے کہ پاس سے راہنما کا اشارہ ہوا۔ ''سلام پڑھیے۔''

مسافر چونک پڑا۔

مسافر کو اپنی بے بضاعتی کا احساس شاید اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے سوچا، میں اور اس دربار شہنشاہیؐ میں سلام پیش کروں۔ کیا میں اس قابل ہوں کہ مواجہہ مبارک کی جانب نظر اٹھا کر دیکھوں اور ''السلام علیکم یا رسول اللہ'' کہہ سکوں۔ اپنی پر عصیاں زندگی کا لامتناہی سلسلہ تحت الشعور سے جھانک جھانک کر ندامت کے آنسوؤں کا سیلاب برپا کر رہا تھا اور زباں گنگ ہو چکی تھی۔ غیر معمولی کوشش و ہمت سے کام لیا اور بمشکل یہ الفاظ کہہ ہی لیے:

''السلام علیکم یا رسول اللہ۔''

اور ہچکی بندھ گئی۔ ذہن نے جواب دے دیا اور وہ کچھ نہ سوچ سکا۔ کچھ یاد ہی نہ آ رہا تھا کہ کس طرح سے سلام پیش کروں۔ لاشعوری طور پر اپنے حافظے کو کوسنے کا خیال آیا اور چلا گیا۔ کتنے ہی ''سلام'' تھے جو سنے اور پڑھے تھے۔ اے کاش حفیظ کا سلام یا اس کے چند بند یاد کر لیے ہوتے۔ آج کچھ بھی تو یاد نہ تھا۔ پھر ذہن کی سطح پر یہ خیال ابھرا کہ اگر حفیظ کا کیا ہوا ''سلام'' یاد ہوتا یا ماہر القادری کے ''سلام'' کے کچھ اشعار یاد ہوتے تو اس

سے کام نہ بنتا، دوسروں کے لکھے ہوئے ''سلام'' پڑھنے سے اپنے دل کی کیفیت کا اظہار نہیں ہوا کرتا...... کسی کا لکھا ہوا ''سلام'' تو اس کے خیالات کا اظہار اور عکس ہوا کرتا ہے۔ اس میں چنے ہوئے الفاظ ہوتے ہیں، اونچے اونچے خیالات ہوتے ہیں، ادیبانہ رنگ ہوتا ہے۔ گوطریق بیاں پیارا اور دلنشین ہوتا ہے، بایں ہمہ وہ کسی اور کے دل کی آواز ہوتی ہے۔

ذہن تو کام کرنے سے جواب دے چکا تھا۔ ہائے یہ بے بسی و بے چارگی۔ حافظہ یوں بھی واجبی سا تھا، گناہ وعصیاں کی میل نے اسے اور بھی زنگ آلود کر دیا تھا۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور گنہگاروں کو عطا نہیں ہوتا۔ اپنی ذہنی بے بسی کا عالم قلب سے نہ دیکھا گیا اور اس نے کمزوروں کا راستہ اختیار کیا۔ تارنگاہ اور بھی نایاب ہو گیا، ذہن کی سطح پر ایک اور خیال نمودار ہوا کہ اس دربار کی حاضری کی تمنا تو اس کے قلب وجگر کو گرمایا کرتی تھی اور جب لوگ پوچھتے تھے، حج کر آئے ہو؟ جواب دیتا ''نہیں''۔ ابھی بلاوا نہیں آیا۔ سائل پوچھتا: ''کس کا بلاوا''؟ عرض ہوتا۔ ''بڑی سرکار ﷺ کا بلاوا'' اور جب بڑی سرکار ﷺ نے اس ناچیز کو اپنے در پر حاضری کی اجازت دے دی بلکہ خادمِ حرم کو حکم صادر فرمایا کہ سرکار ﷺ کے اس غلام کو مدینہ کے قیام کا روزینہ عطا کیا جائے اور یہ اطلاع مسافر کو پہنچائی گئی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ مگر جب یہ غلام اپنے سپہ سالارِ اعظم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو ''السلام علیکم یا رسول اللہ'' کے سوا کچھ نہ کہہ سکا۔ آج ہی تو موقع تھا کہ تقریر وخطابت کے جوہر پیش کرتا اور آج ہی اس کے گناہ آلودہ ذہن نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ہائے محرومی و ناکامی، آنکھیں خلا میں جم چکی تھیں مگر اس خیال نے ان کے ''سیلِ گریاں'' کو اور بھی تیز کر دیا۔

آنکھیں جو اس جالی کو دیکھنے کے لیے یہاں آئی تھیں، آج اس پر جم ہی نہیں رہی تھیں وہ اسے دیکھتے ہوئے بھی دیکھ نہ سکتی تھیں۔ وہ اسے دیکھیں بھی کیسے۔ ساری عمر تو خداوندانِ خودساختہ اور نہ معلوم کون کون سے غیر اللہ کے دروازوں پر مرکوز رہ چکی تھیں۔ آج وحدتِ خداوندی کا سبق دینے والے اور سربلند و آزاد زندگی کی راہنمائی کرنے والے ہادی برحق ﷺ کے سامنے کس طرح اُٹھ سکتی تھیں۔ سُنا تھا کہ ایسے صاف گو محبانِ

رسالت ﷺ بھی ہیں جو یہاں آ کر مہینوں حاضری دیتے ہیں مگر مواجہہ مبارک ﷺ کی جانب آنے کی ہمت نہیں کر پاتے۔ وہ صاف گو اور باایمان ہوتے ہیں۔ اپنی کوتاہیوں اور گمراہیوں کا اعتراف کر کے اپنی نجات کی راہ ڈھونڈتے ہیں۔ معلوم نہیں ایک گز کی مسافت میں کتنا وقت صرف ہوا۔ بھیڑ نے آہستہ آہستہ داہنے کو سرکا دیا۔

بریگیڈیئر گلزار احمد

گر نا ترے حضور میں اس کی نماز ہے

مسجد نبویؐ کے میناروں سے عشاء کی اذان گونجنے لگی۔ اللہ کی کبریائی کی تسبیح فضائے بسیط کو پر بہار بنانے لگی۔ اذان کے الفاظ زبان پر رس گھولنے لگے۔ ''اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' سچائیوں کے پھول چاروں جانب محرم کے ہلال کی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی میں کھل رہے تھے۔ اہل دل کا قافلہ حرم نبویؐ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کشاں کشاں، رواں رواں ہم شارع ابی زر سے گزرتے بیرون مسجد صحن کی مرمریں سلوں پر جذبہ محبت سے لبریز بڑھتے چلے جاتے تھے۔ باب جبریل سے داخل ہوتے محرابوں کے سائے میں، نور و نکہت کی فضاؤں میں پہنچ جاتے۔ آج ہم پہلی توسیع شدہ مسجد نبویؐ کے قریب پہنچے۔ چھتریاں کھلی ہوئی تھیں۔ مسجد کا یہ حصہ اپنی عظمت، جمال اور رعنائی کے لحاظ سے اپنی علیحدہ شان رکھتا ہے۔ باب السلام سے حرم نبوی ﷺ کی جانب جس مقام سے کبھی شاہ مدینہ ﷺ اپنی قصویٰ پر گزرے تھے۔ زائرین کا ہجوم نماز عشاء کی لذت سے فیض یاب ہو رہا تھا۔ تکبیر کے الفاظ بلند ہوئے، صفیں درست ہونے لگیں اور ہم بھی خالق ارضِ وسما کے حضور خشوع و خضوع کا پیکر بنے ان میں شامل ہو گئے۔ نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ دل کا سرور ہے۔ پھر حرم نبویؐ میں لطف اور بھی دوبالا ہو جاتا ہے۔ امام حرم نبویؐ اپنی خوش الحان آواز میں قرأت کے پھول برسا رہے تھے۔ قلب کو گرما رہے تھے۔ آیات کریمہ انسانیت کی عظمت کا اظہار کر رہی تھیں۔ میدان عمل برسر پیکار ہونے اور خدائے واحد کے پیغام کو عام کرنے کا مژدہ سنا رہی تھیں۔ امام حرم نبویؐ نے ایک سماں باندھ دیا۔ مسجد نبویؐ میں صفیں گلشن مدینہ کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

سب نظریں مالک انس و جاں کے سامنے جھکی ہوئی تھیں۔ رکوع و سجود اسی کی بندگی میں ادا ہو رہے تھے۔ کتنا سکون تھا۔ کیسا سکوت تھا۔ دل دھڑک رہے تھے۔ سانسیں چل رہی تھیں۔ تصور معبود حقیقی کے سامنے صراط مستقیم کی التجا کر رہا تھا۔ الٰہ واحد کی عبادت میں کتنی سرفرازی ہے، کیسی طمانیت ہے جہان بھر کے غم، خواہشات، محرومیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

نماز ادا کرنے کے بعد مرکز تجلیات کی جانب بڑھے۔ خطہ فردوس میں داخل ہوئے۔ خوشبو سے لبریز ہوا مشام جاں کو معطر کرنے لگی۔ یہ جگہ آرزوؤں کا مسکن ہے۔ دل کی کیفیت بدلنے لگی۔ احساس کی تاریں جھنجنا اُٹھیں۔ ریاض الجنتہ میں داخلہ نصیب ہوا۔ نصیب جاگ اُٹھا۔ عظمت ابدی کا خزینہ میسر آ گیا، نگاہیں اشک بار ہو اُٹھیں۔ مژگاں پر ستارے چمکنے لگے۔ جمال سرمدی سے نگاہ روشن ہونے لگی۔ دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ اللہ اللہ کیا سماں ہے۔ درود و سلام کی گھٹی گھٹی صدائیں اُٹھ رہی ہیں۔

درود و صلوٰۃ محبت کی زبان میں پڑھتے، سمٹتے، ڈرتے، فخر موجودات کے روضہ کے قریب پہنچ گئے۔ خاتم النبیین، رحمت للعالمین ﷺ کے روضہ اقدس کی سبز جالیاں نگاہوں میں سماتی جا رہی تھیں مگر نظریں تاب نہ لاتی تھیں۔ ایک گھبراہٹ، ایک خوف، ایک دھڑکن اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی۔ اللہ رے قسمت! ہم اس مقام پر آ پہنچے۔ ہجوم بڑھ رہا تھا۔ اب ہم مواجہہ شریف میں تھے۔ بھیڑ میں بھنچے ہوئے ہونٹوں پر درود و سلام کے نغمے، آنکھوں میں شبنمی قطرے، دل کی دھڑکن میں صلی علیٰ کی صدا، اب اس جالی کے سامنے تھے جس میں ایک سوراخ ہے۔ نگاہ اُٹھی، اس کے پار ہوگئی۔ سامنے مرقد رسول ﷺ پر سبز چادر کا غلاف اور اوپر سے سرخ چادر لٹکائی ہوئی۔ آیات کنندہ، اندھیرا تھا۔ پوری طرح آنکھوں میں وہ منظر سمویا نہ جا سکا۔ پھر مژہ پر قطرات بھی دھندسی پھیلا دیتے ہیں، صاف کرتا مگر وہاں موجود پہریدار نے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ صلوٰۃ و سلام پیش کیا۔ کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ شاید محبوب خدا ﷺ جواب دے رہے ہوں۔ دوسرے خانے میں صدیق اکبرؓ یار غارؓ کے حضور سلام پیش کیا۔ پھر آگے بڑھا اور عمر فاروقؓ کو سلام کیا۔ سامنے بڑھا، گیٹ تھا مگر باہر جانے کو دل نہ چاہا۔ مواجہہ شریف

میں واپس ہوا اور روضہ رسول کے سامنے کھڑے ہجوم میں سلام محبت پیش کرنے لگا۔ حفیظ جالندھری، ماہر القادری اور اپنے سلام کے اشعار تڑپنے لگے۔ دھیمے دھیمے پڑھنے لگا۔ اشکوں کی برسات ہونے لگی۔

گوہر ملسیانی

نگاہے یا رسول اللہ ﷺ نگاہے

گنبد خضرا پر نظر پڑتے ہی جنت کی معطر ہوائیں جسم و روح میں رس گھولنے لگیں۔ وہ سبز گنبد جس کو دیکھنے کے لیے زندگی کا طویل عرصہ نشاط انگیز کرب کی حالت میں گزارا، آج نگاہوں کے سامنے تھا۔

ایک عجیب عالم بے خودی میں چلتے چلتے آخر باب السلام کے راستے مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور نماز تہجد کی ادائیگی کے بعد روضہ رسول ﷺ کے قریب پہنچے۔ یہاں آ کر مواجہہ شریف کے اوپر قرآن حکیم کی یہ آیات کندہ نظر آئیں کہ ''اے ایمان والو! اپنی آوازیں اپنے نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور اتنی اونچی آواز میں نہ بولو جس طرح تم آپس میں ہم کلام ہوتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال غارت ہو جائیں...... اور تمہیں کانوں کان خبر نہ ہو۔'' تو دل کانپ اٹھا۔ انتہائی عاجزی اور گناہوں کی شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے دل کے ساتھ اس بارگاہ اقدس کے سامنے حاضری کی لازوال سعادت سے فیض یاب ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور دل تشکر الٰہی میں ڈوب ڈوب گیا جس نے اپنی رحمت سے ہم عاصیوں کو اس انعام عظیم کا مستحق گردانا۔ دل میں کیا کیا حسرتیں پنہاں تھیں کہ بارگاہ جمال ﷺ کے حضور، اپنے لیے اور اعزا، اقربا و احباب کے لیے دنیا بھر کی دعائیں مانگوں گا۔ یہاں پہنچے تو زبان ہی گنگ ہو گئی اور تمام معاملہ دل اور آنکھوں کے راستے طے پانے لگا، بادشاہ کون و مکاں ﷺ کے حضور سلام شوق پیش کرنے سے پہلے خوب جی بھر کر رویا، حافظ مظہر الدینؒ کا شعر یاد آیا ؎

بے وضو عشق کے مذہب میں عبادت ہے حرام
خوب رو لیتا ہوں خواجہ ﷺ کی ثنا سے پہلے

اپنے شکستہ و ریختہ انداز میں نذرانہ عقیدت بحضور شاہ امم ﷺ پیش کرنے کے بعد دعاؤں کی باری آئی تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھتے ہی دل بے ساختہ پکار اٹھا ؎

کوئی دعا ہی نہیں میری اس دعا کے سوا
کہ جو دعا بھی میں مانگوں قبول ہو جائے

اس کے بعد جس طرح بھی بن پڑا، اپنے اور تمام مسلمانانِ عالم کے لیے (جو میری ہی طرح عشق رسول ﷺ کو اپنی متاع بے بہا سمجھتے ہیں) ہمہ قسم کی دعائیں مانگیں اور اسی کیفیت میں فجر کی اذان گونجی اور پھر سب کے سر رب العزت کے حضور جھک گئے۔ روضہ رسول ﷺ پر پہلی حاضری کے دوران دل پر جو احساسات وارد ہوئے، اس کا اندازہ بہت پہلے جناب عاصی کرنالی کی ایک وجد آور نعت میں کر چکا تھا۔ یقیناً آج میری بھی وہی دلی کیفیات تھیں جس کا نقشہ اس عاشق رسول (ﷺ) نے اپنی اس نعت میں کھینچ کر اپنے آپ کو سرور دو عالم ﷺ کی شفاعت کا مستحق ٹھہرالیا ہے۔

ان کے روضے کی پہلی جھلک دیکھ کر، سارے آلام کا رخ بدلنے لگا
آہ رکنے لگی، اشک تھمنے لگے، جی بہلنے لگا، دل سنبھلنے لگا
غم بکھرنے لگے، ہم نکھرنے لگے، نقش ابھرنے لگے، شعر اترنے لگے
طبع کھلنے لگی فکر اڑنے لگی، نعت ہونے لگی ذہن چلنے لگا
صبح طیبہ تو پھر صبح طیبہ ہوئی، شب کا عالم یہاں آ کے دیکھے کوئی
اس قدر دلکشی اس قدر روشنی جیسے راتوں کو سورج نکلنے لگا
ہم گنہگار تھے ہم سیہ کار تھے، اس نے دیکھا تو ہم موج انوار تھے
پردۂ جاں سے کرنیں گزرنے لگیں، دل کے اندر کا منظر بدلنے لگا
کثرت نور سے آنکھ معمور ہے، ذہن شاداب ہے، روح سیراب ہے
عمر بھر کی تمنائیں پوری ہوئیں، زندگی بھر کا ارماں نکلنے لگا
عشق بے تاب کی لہر تھی میں نہ تھا، جذبہ شوق کی برق تھی میں نہ تھا
روح جیسے فضاؤں میں بہنے لگی، جسم جیسے ستاروں میں ڈھلنے لگا

کیوں نہ اس شہر میں مجھ کو موت آ گئی، میں یہ آواز سننے کو زندہ رہا
ساتھیو جلد رخت سفر باندھ لو، قافلہ شہر طیبہ سے چلنے لگا
واپسی ان کی بستی سے آسان نہیں، آہ عاصی یہ لمحات حشر آفریں
پاؤں اٹھتے ہی حالت بدلنے لگی، جان نکلنے لگی دل مچلنے لگا

حافظ لعل محمد قادری
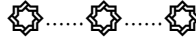
گوش شہ است نازک تاب فغاں ندارد

مزور ساتھ ہے۔ قصد ہے اور کہاں حاضری کا قصد ہے؟ وہاں کا، جہاں کی تمنا اور آرزو نے بزم تصور کو سدا آباد رکھا ہے۔ خوشی کی کوئی انتہا نہیں۔ جسم کے روئیں روئیں سے مسرت کی خوشبو سی نکل رہی ہے۔ خوشی کے ساتھ ساتھ دل پر ایک دوسرا عالم بھی طاری ہے۔ یہ چہرہ جس پر گناہوں کی سیاہی پھری ہوئی ہے، کیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مواجہہ شریف میں لے جانے کے قابل ہے۔ اے آلودۂ گناہ! اے سرتا بقدم معصیت! اے مجسم گندگی! اے غفلت شعار! ان کے حضور جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد پاکی تقدیس، عصمت اور عظمت، بس انہی کو سزاوار ہے، کس منہ سے روضہ اقدس کے سامنے ''السلام علیک یا رسول اللہ'' کہے گا۔ اس زبان سے کیسی کیسی فحش باتیں بکی ہیں۔ ان لبوں کو کتنی بری بری باتوں کے لیے جنبش ہوئی ہے۔ ان آنکھوں نے کیسی کیسی قانون شکنیاں کی ہیں۔ اے نافرمان غلام! اپنے آقاؐ کے دربار میں جانے کی جرات کس برتے پر کر رہا ہے۔ ان کی اطاعت سے کس کس طرح سے گریز کیا ہے۔ ان کے حکم کو کس کس عنوان سے توڑا ہے۔ ان کے اسوۂ حسنہ سے تیری زندگی کو کوئی دور کی بھی نسبت رہی ہے!

اے روسیاہ! تیرے برے اعمال، حضور ﷺ کی روح مقدس کو اذیت ہی پہنچاتے رہے ہیں۔ یہ تو پاکوں اور نیکوں کی سرزمین ہے۔ یہاں تجھ جیسے گندے آدمی کا کیا کام؟ مگر شرم وندامت کے اس احساس کے ساتھ معاً یہ خیال بھی آیا کہ میرے آقا رحمتہ للعالمین اور شفیع المذنبین بھی تو ہیں! گناہگاروں اور سیاہ کاروں کی جائے پناہ اور ہے کہاں؟ ان سے شفاعۃ نہ چاہیں تو اور کس سے چاہیں۔ قیامت کے دن لواء الحمد انہی کے ہاتھ میں ہوگا۔ تمام انبیاء ''نفسی نفسی'' کہتے ہوں گے مگر ''امتی امتی'' صرف ان کی زبان

دہراتی ہوگی۔ ہزار نافرمان اور لاکھ گناہ گار سہی مگر کہلاتے تو انھی کے ہیں۔ یہ کوئی معمولی نسبت ہے؟

ذرۂ آفتاب تابانیم

نیکوں کی تو سبھی جگہ پوچھ ہوتی ہے، بروں کو تو انہی کے دامن رحمت میں پناہ ملتی ہے۔ ہم جیسے گناہ گاروں، سیاہ کاروں اور غفلت شعاروں ہی کے لیے حضور ﷺ راتوں کو رورو کر دعائیں مانگتے تھے۔ رافت ورحمت کے جذبہ کی کوئی انتہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انؐ کو رؤف ورحیم کے خطاب سے سرفراز کیا اور جن کی ذات، جمادات اور چرند وپرند کے لیے رحمت ہے، کیا اپنے غلاموں اور امتیوں کے لیے رحمت نہ ہوگی؟ ہوگی، اور سب کے مقابلے میں بڑھ کر ہوگی۔

ماں باپ اپنی اولاد پر اتنی شفقت نہیں کر سکتے، جتنی شفقت حضور رحمتہ للعالمین ﷺ کی اپنے امتیوں پر رہی ہے۔ کیسے ہی نافرمان اور بدتوفیق سہی مگر نام لیوا تو انھی کے ہیں۔ کلمہ تو انھی کا پڑھتے ہیں۔ درود تو آپ ﷺ ہی پر بھیجتے ہیں۔ ہم لاکھ کمینے، اوچھے، کم ظرف اور نالائق سہی لیکن جن کے غلام ہیں، وہ تو سب کچھ ہیں۔ خدا کے بعد عظمت وبرتری کا کون سا عنوان ہے جو حضور ﷺ کی ذات وصفات میں شامل نہیں ہے۔ جس نے خون کے پیاسے دشمنوں کو معافی دے دی، اس کی وسعت ظرف، مروت، عفو و کرم اور درگزر کی بھلا کوئی حد ونہایت ہے۔ مدینہ کی طرف اپنے کو متقی، نیکوکار اور پرہیز گار سمجھ کر ہم کب چلے تھے! اپنی پارسائی کا دعویٰ کسے ہے، یہاں تو بھاگے ہوئے غلاموں کی طرح حاضر ہوئے ہیں۔ ایک ایک آنسو کی بوند میں پشیمانی اور ندامت کے طوفان بند ہیں!

اسی عالم خیال وتصور میں ''باب السلام'' سے داخل ہوئے اور مسجد نبویؐ میں جا پہنچے۔ یہ سرو قامت ستون، یہ مصفا جھاڑ فانوس، یہ نظر افروز نقش ونگار۔ ایک ایک چیز آنکھوں میں کھبی جا رہی ہے اور اس ظاہری چمک دمک سے بڑھ کر جمال ورحمت کی فراوانی! جیسے مسجد کے در ودیوار سے رحمت کی خنک شعاعیں نکل رہی ہیں!

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد

کی معنویت آج سمجھ میں آئی۔ تجلیوں کا وہ ہجوم کہ آنکھیں جلوے سمیٹتے سمیٹتے تھکی جا رہی ہیں۔ یہاں کے انوار کا کیا پوچھنا۔ یہ آفتاب جہاں تاب بیچارہ اس ''جلوہ گاہ'' کے ذروں کا ادنیٰ غلام ہے! دائیں بائیں، اوپر نیچے، اِدھر اُدھر، روشنی ہی روشنی اور نور ہی نور، مگر لطف یہ کہ آنکھیں خیرہ نہیں ہوتیں۔ یہ آنکھوں کا نہیں خود یہاں کی تجلیوں کا کمال ہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ ''تجلی میں تکرار نہیں'' مگر اس مسئلہ پر غور کرنے کی یہاں فرصت کسے ہے!

جب ہم مسجد نبویؐ میں حاضر ہوئے ہیں تو ظہر کی نماز تیار تھی۔ سنتوں کے بعد جماعت سے نماز ادا کی۔ کہاں مسجد نبویؐ اور سجدہ گاہ مصطفویؐ اور کہاں میں! پیشانی کی اس سے بڑھ کر معراج اور کیا ہوگی؟ نماز کے بعد اب روضہ اقدس کی طرف چلے۔ حاضری کی بے اندازہ مسرت کے ساتھ اپنی تہی دامنی اور بے مائیگی کا احساس بھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ درود کے لیے بلند آواز ہوتے ہوتی بھنچ بھی جاتی ہے۔ قدم کبھی تیز اٹھتے ہیں اور کبھی آہستہ ہو جاتے ہیں۔ مواجہہ شریف میں حاضر ہونے سے پہلے قمیص کے گریبان کے بٹن ٹھیک کیے، ٹوپی کو سنبھالا اور پھر

وہ سامنے ہیں، نظام حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے، نہ عشق میں دم ہے

زائرین بلند آواز سے درود و سلام عرض کر رہے ہیں اور کتنے تو جالی مبارک کے بالکل قریب جا پہنچے ہیں مگر اس کمینہ غلام کے شوق بے پناہ کی یہ مجال کہاں؟ چند گز دور ہی ستون کے قریب کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ باندھے ہوئے مگر نماز کی ہیئت سے مختلف، آہستہ آہستہ صلوٰۃ و سلام عرض کر رہا ہوں...... کہ حضور ﷺ کی محفل کے آداب کا یہی تقاضا ہے اور یہ آداب خود قرآن نے سکھائے ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ!

الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ!

الصلوٰۃ والسلام علیک یا خیر خلق اللہ!

اور

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ للعلمین!

زبان سے یہ لفظ نکلے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے......! صلوۃ وسلام عرض کر رہا ہوں مگر آواز گلوگیر ہوتی جا رہی ہے اور الحمد للہ کہ آنکھیں برس رہی ہیں، ندامت، مسرت اور عقیدت کے ملے جلے آنسو! نگاہیں روضہ مبارک کی جالیوں کو چوم رہی ہیں اور دل آنکھوں کو مبارک باد دے رہا ہے زبان حال سے! آنکھوں کی اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی ہے!

ماہر القادری

تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

اور یہ ہی قلم ہے جس کے سر یر رقم سے محبوب خدا، فخر دو جہاں، خیر الوریٰ، سید کونین، شافع روز جزا، شفیع المذنبین، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان سروری اور شوکت اقدس میں، میں نے سلام اور درود کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت کی ہے۔ نطق زباں ہے کہ جو مدحت رسالت مآب ﷺ کے لیے وقف ہے۔ نام نامی زبان پر آتا ہے تو درود وسلام کا ورد ہے جو جاری ہے۔ کچھ عجیب روحانی کیفیت سے جھومتی فضا ہے کہ ہر سمت طاری ہے۔ جذبہ الفت، حب رسولؐ سے دل سرشار ہے۔ چشم پرنم ہے، اشکبار ہے۔ اظہار ندامت ہے کہ پلکیں جھکی ہیں۔ مسلسل ایک ہوک قلب و جگر کی پنہائیوں سے اٹھتی ہے۔ نوک مژگاں پر لرزتے ہوئے آبگینے اپنی چمک دمک کو زیادہ ہی فروزاں کیے ہوئے ہیں۔ سوز درون محبت، آقائے دو جہاں سے یہ گوہر سیل رواں، یہ بہتے ہوئے بیکراں آنسو، میری چند روزہ زندگی کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ قدرت کے بخشے ہوئے اس خزینے کو سینہ سے لگائے، ہر شر سے بچائے، رموز حیات جو خود میری ذات میں پنہاں ہے، اب گوشہ عافیت کی تلاش میں یہاں دربارگاہ رسول خدا تک آ پہنچا ہوں۔ سر منزل مجھے ذوق جنون جذبہ دروں لے آیا ہے ؎

حضور کے پر تو سے تخلیق عالم نے بقا پائی ہے

جبل احد کی متبرک چٹانوں کی گود میں جنت نگاہ وادیاں ہوں یا باب العوام کے خوشنما رہ گزر یا سرزمین بطحا کی عطر بیز فضا، یہ سب میری توبہ واستغفار کی شاہد ہیں۔

روح بار عصیاں سے چور اور جسم ناتواں نحیف ونزار ہے۔ عمر رسیدہ، مضطرب اور بے چین مسافر مدینہ اشرف میں حاضر، عالیشان اور پر جلال سبز گنبد کی خوبصورت

سنہری جالیوں کے قریب، ریاض الجنت کے کسی مبارک ستون کا سہارا لیے، دربار رسالت مآب ﷺ میں پریشان حال، خجل اورنگوں سر، استادہ ہے۔ باادب، سراپانیاز، در دولت شاہ انبیا پر حاضر ہے۔ پاس ادب اوراحترام و عجز وانکسار کے ساتھ، اپنے ہاتھ، گدایانہ روضہ اقدس کی طرف بڑھا دیئے ہیں۔ کچھ معروضات پیش خدمت آقائے نامدار کر رہا ہے۔ یہاں تو بن مانگے مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ خالی دامن آنے والے، جھولیاں بھربھر کر لے جاتے ہیں۔ عاصی نے تو خود دربار عالی میں حاضر ہوکر رحمت جودو سخاوکرم سے سب کچھ ہی تو مانگ لیا ہے۔ دربار ہی ایسی شان اورعظمت والے کا ہے کہ یہاں شب و روز اللہ کی رحمت برستی ہے۔ یہ بستی میرے حضور، میرے آقا، میرے سرکار کی بستی ہے۔ اس کرۂ خاکی پر خدائے برحق کا اپنا پہلا گھر کعبۃ العتیق ہے۔ اس کی حرمت وعظمت کا قرآن خود شاہد ہے اور پھر مدینہ منورہ

جہاں ہم آکر چوم لیتے ہیں سنگ آستانے کا

بیت اللہ سے دیار نبی ﷺ، مدینہ طیبہ کا سفر، ایک حسین اور دل گداز سفر ہے، جس کے حسن سرور سے روح پرکیف اور جان و دل، جذبہ حب رسول سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ نورمجسم حضور، شافع محشر بہ لطف وکرم سلام و درود کا نذرانہ قبول فرمائیں، تو ایک عاصی کا سفینہ مراد ساحل نصرت سے ہم کنار ہو۔ یہاں دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔

مکہ مکرمہ سے مدینۃ النبی تک کوہسار کی صاف، شفاف اور کشادہ سڑک، وسیع میدانوں اور پتھریلی اور سنگلاخ راستوں پر بل کھاتی، لہراتی دور افق سے سرگوشی کرتی نظر آتی ہے۔ ادھر ہی سے زائرین کے قافلے شب و روز رواں دواں ہیں۔ پروگرام کے مطابق میں، میری اہلیہ اور میرے رفقاء بذریعہ کار بعد نماز عصر مکہ مکرمہ سے زیارت بارگاہِ حبیب ؐ کے لیے روانہ ہوئے۔ وادی بطحا سے گزرے تو سورج ڈھل رہا تھا۔ دوپہر کے بعد شام کے سرمئی سائے بڑھتے ہی گئے۔ عروس شب کو مہتاب عالم نے اپنی چاندنی کی روپہلی چادر سے بقعہ نور بنا دیا۔

ہم وادی فاطمہ سے عفان ہوتے ہوئے تول پہنچے۔ یہاں سے ایک راستہ جدہ کی سمت بھی جاتا ہے۔مغرب کی نماز ادا کر چکے تھے،قفیمہ سے گزر کر رابغ آئے۔نماز عشاء کے لیے یہاں توقف کیا۔مستورہ آئے۔ ہمارے دلوں میں آرزوؤں کا ہجوم اور زبان پراس دعا کا ورد تھا کہ سحر ہونے سے قبل، پو پھٹنے سے پہلے،ہم بارگاہ رسالت مآبؐ پر غلامانہ حاضر ہوں اوراس ارض پاک پر اپنی پہلی نماز،نماز فجر مسجد نبویؐ میں باجماعت ادا کریں اور دربار حبیبؐ میں روضہ اطہر پر ہادی برحقؐ کے سامنے پیش ہونے کی سعادت میں اب ایک لمحہ کی تاخیر بھی گوارا نہ تھی۔ دل جذبہ کیف ایمان سے معمور تھے۔صبح کی خاموش اور پرسکون فضاؤں میں اللہ جل شانہ، کی عظمت اور کبریائی کی صدا بلند ہوئی اور ہم بصد اضطراب وشوق، مسجد نبویؐ کی طرف تیزخرام ہوئے۔ دل کی کلی باغ تمنا میں کھل کر مشکبار ہوئی۔سامنے سرکار دو عالم ﷺ کا روضہ مبارک ہے۔ بڑے نصیب کی بات ہے۔گنبد خضرا کا دل نواز اور حسین جلوہ، آنکھوں سے اترتا ہوا دل ناشکیب پر نقش دوام بن گیا۔

''نفس گم کردہ می آید مسیحا و کلیم ایں جا''

ادب سے سراپا نیاز ہو جائے۔ درود وسلام کا نذرانہ لیے **ریاض الجنۃ** سے گزر کر سنہری جالیوں کے روبرو آئے۔ دیکھئے تو سہی دل سیماب وار کی کیا حالت ہے۔ آنکھوں نے تو عمر بھر کے جمع کیے ہوئے گوہر ہائے نایاب کس طرح برسائے ہیں۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

روضہ اقدس پر حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔سنہری جالیوں کے سامنے سراپا نیاز ہو کر، آپ کا رخ، حضور پرنورؐ، خورشید رسالتؐ کے چہرہ مبارک کی طرف ہوگا۔ حضور، درود وسلام کے نذرانے سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ ورد زباں رکھیے۔ رحمتوں کی گھٹا برستی ہے۔ اب ذرا دائیں جانب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زیارت کریں۔ یہاں ''مواجہہ شریف'' اور ''مقصورہ شریف'' ہیں۔اس متبرک مقام پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا

سر حضور سرور دو عالم کے سینہ اطہر کے برابر ہے اور حضرت عمر فاروق ؓ کا سر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے سینہ کے برابر ہے۔ ان کے علاوہ ایک قبر کی جگہ خالی ہے، جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مختص بتایا جاتا ہے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ پر سلام پڑھنے کے بعد قدرے اور دائیں طرف آئیں تو حضرت عمر فاروقؓ کی زیارت ہوگی۔ یہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں سے ہیں۔ عشرہ مبشرہ کی فضیلت بھی حاصل کی اور بشارت بھی پائی۔

خواجہ مبارک الدین

اس زمین کی خاک پر عرش معلیٰ بھی نثار

برسوں پہلے مولانا محمد علی جوہر کو سوئے حجاز جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جہاز جدہ کی بندرگاہ کے قریب پہنچا تو مسرت و شادمانی نے حال عجیب کر دیا، دیوانہ وار رقص کرنے لگے۔ ہم عصروں نے دیکھا تو تعجب کیا۔ مولانا یہ کیا؟ آپ جیسا ثقہ آدمی اور یہ دیوانگی؟ فرمایا مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میرے خالق کا گھر قریب آ رہا ہے۔ مجھے اس کی زیارت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اب ہوش کی کیا مجال کہ میرے ساتھ رہے۔ اللہ کے گھر تک جھومتے پہنچے۔ دعائیں مقبول ہو چکی تھیں۔ وہ جو دو عالم سے خفا اس کے لیے تھا، اس کے گھر میں تھا۔ دل کی حسرتیں نکال کر جو خوب نکلیں مگر پھر بھی کہاں نکلیں۔ اس شہر کی طرف روانہ ہوئے، جہاں اللہ کا وہ محبوبؐ بندہ محو آرام ہے۔ جس نے اپنے خالق کا نام بلند کیا۔ اس کا پیغام زمانے کو پہنچایا بلکہ پیغامبری کا حق ادا کیا۔ نہ ایک لفظ زائد، نہ ایک لفظ کم۔ جو کہا، اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ قرآن کا عملی نمونہ پیش فرما دیا۔ حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں حضور ﷺ کی سیرت کیا ہے، بس قرآن۔ ایک قرآن الفاظ کے اندر محفوظ، دوسرا قرآن اس پیکر خاکی میں موجود۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا ہے۔ اس لیے الفاظ بھی جوں کے توں موجود اور اس پر عمل کرنے والے کا ایک ایک سانس، ایک ایک لمحہ، ایک ایک ادا بھی محفوظ۔ وقت قرآن غیر ناطق کو دلوں سے نکال سکا نہ قرآن ناطق کو۔

مولانا جوہر نے گنبد خضرا کو آنکھوں سے لگایا تو دل میں اس خواہش نے سر اٹھایا کہ روضے کے اندر جاؤں۔ جالیوں کی نقاب ہٹاؤں، قربتوں کے انوار سے دل کو بھر لاؤں۔ مگر ایسا ہو تو کیوں کر۔ دل کے ہاتھوں مجبور تڑپ رہے تھے۔ قبولیت کا مقام آیا،

کسی نے راستہ دکھایا جو خادم صفائی کرنے اندر جاتے ہیں، ان میں سے کسی کو رام کرو۔ اس کا لباس خود پہن لو، خدام کی صف میں جا بیٹھو اور سعادت حاصل کر لو۔ خادم، خادم کے لباس میں آقاؐ کے پاس پہنچے، اس سے بڑی سعادت اور کون سی ہوگی۔ بات دل کو لگی۔ کسی نہ کسی طرح خدام میں شامل ہو گئے۔ ان کا لباس پہن کر ان کی صفوں میں بیٹھ رہے۔ قربت کا شرف حاصل کر لیا۔ اس کے بعد دل کو چین آیا یا بے چینیاں اور بڑھ گئیں، اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو وہاں پہنچنے کی لذت میں ڈوبا ہو۔ اس معراج کو پہنچا ہو اور پھر وہاں واپس آنے پر خود کو مجبور پائے۔

مجھ جیسے گنہگار کو بھی وہاں حاضری نصیب ہوئی لیکن یہ شان حصے میں نہ آئی کہ لباس اور حلیہ خادموں کا ہو۔ چند ہفتے پہلے جنرل ضیاء الحق کے ساتھ جانے والوں کے لیے روضہ مبارک کا دروازہ کھلا۔ گناہوں کا احساس دل میں لیے ڈرتے ڈرتے، جھجکتے جھجکتے قدم بڑھائے۔ آنکھیں اس قدر گھبرائیں کہ رونا بھی بھول گئیں۔ دل کو اپنا ہوش رہا نہ آنکھوں کو۔ کسی کو کوئی سنبھالنے والا نہیں تھا۔ یہ مقام وہ ہے جہاں سنبھلنے یا سنبھالنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ ہر شخص کا عالم جدا تھا۔ ہر ایک لذتوں کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔ آنکھیں دریا بھی ابل رہی تھیں اور سکتے میں بھی تھیں۔ ہچکیاں بندھ بھی رہی تھیں، ضبط کے بندھن ٹوٹ بھی رہے تھے۔ قرار لٹ بھی رہا تھا اور قرار مل بھی رہا تھا۔

یہ بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ چین نصیب ہو چکا ہے یا بے چینی عطا کر دی گئی ہے۔ برادرم صلاح الدین نے مدینے میں کئی کئی دن گزارے ہیں۔ ان لوگوں سے ملے ہیں جو برصغیر پاکستان و بھارت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ لیکن ایک بار مدینے پہنچے تو پھر واپس آنے سے انکاری ہو گئے۔ ایک صاحب حضرت بلالؓ کا گھر ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں گئے تو اسی جگہ بس گئے۔ انہی کا سا لباس بنوایا اور انہی کی عادات کو اپنا لیا۔ ایک صاحب نے مدینے کی بلیوں کے لیے خوراک جمع کرنے اور انہیں کھلانے کو اپنا شعار بنا لیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی زندگی ان کی زندگی بن گئی۔ مولانا محمد علی جوہر کے سیکریٹری جو ان کے ساتھ آئے تھے، واپس نہ گئے۔ یہیں کے ہو کر رہ گئے لیکن یہ ان دنوں کی باتیں

ہیں جب مدینے کی شہریت کے دروازے کھلے تھے۔اب کوئی چاہے بھی تو وہاں مستقل قیام نہیں کرسکتا۔عشق کا راستہ،اہل ضرورت نے بند کردیا ہے۔

اقبالؒ نے ساٹھ سال کی عمر میں اس سرزمین کا سفر اختیار کیا تھا۔عالم تصور میں یہاں پہنچ کر درود وسلام پیش کیا تھا۔اپنا حال دل بیان کر کے تسکین پائی تھی۔''ارمغان حجاز'' اسی سفر کی روداد ہے۔انہوں نے کہا ہے کہ میں اس پیری میں جب کہ زندگی غروب کی منزل میں ہے، مدینہ منورہ روانہ ہوا ہوں تو اس میں کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔شام کے وقت ہی چڑیاں اپنے آشیانے کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔میں بھی اپنے آشیانے کی طرف جارہا ہوں۔میرا گھر، میرا وطن، میرا آشیانہ مدینہ ہے۔

اقبالؒ کا آشیانہ سب اہل دل کا ٹھکانہ رہا ہے۔حضرت عمر فاروقؓ ہمیشہ دعا فرماتے تھے کہ شہادت نصیب ہو اور جان مدینے میں نکلے۔امام مالکؒ نے صرف ایک بار حج کیا،فریضہ ادا ہوا تو پھر یہاں سے باہر جانے پر تیار نہیں ہوتے تھے۔یہ خوف رہتا تھا کہ موت مدینے سے باہر نہ آجائے۔روایات میں ہے کہ جو یہاں دفن ہوگا، وہ قیامت کے دن حضورؐ کے ساتھ اٹھے گا۔میری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آرہی کہ جو وہاں پہنچ کر واپس آجاتے ہیں، مبارک باد کے قابل ہیں یا ہمدردی کے مستحق۔وہاں جانا زندگی کا حاصل،لیکن زندہ واپس آجانا؟ آخر اسے کیا نام دیا جائے؟

مجیب الرحمٰن شامی

پھر سر ہے مرا اور ترا نقش قدم ہے

ہم باب السلام کے باہر والے دروازے سے اندر داخل ہوئے، دیدار کے طلب گار قطار میں کھڑے تھے۔ ہم بھی ان میں شامل ہو گئے۔ دیکھنے کو مسجد میں اور بھی بہت کچھ تھا مگر ہم پہ تو ان جالیوں کی زیارت کا خبط سوار تھا جنھیں ہم بچپن سے تصویروں میں دیکھتے چلے آئے تھے۔ ہمیں کچھ اور نہیں سوجھ رہا تھا۔ زبان گنگ تھی، جسم ہوا میں تحلیل ہوا لگتا تھا۔ کوئی انجانی قوت آہستہ آہستہ ہمیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ آخر وہ لمحہ آ ہی گیا۔ جب ہم ان سنہری جالیوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔

بڑے سنہری سوراخ کے سامنے فرش پر سرخ نشان گول دائرے کی صورت میں نظر آیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں آپ ﷺ استراحت فرما رہے ہیں۔ جہاں آپ کا کندھا ہے۔ وہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے شانے کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ مدفون ہیں۔ ہمیں اور کچھ نہ سوجھا کہ ہم اپنی عقیدت کا اظہار کس طرح سے کریں بس زبان سے اتنا نکلا۔ **"الصلوۃ السلام علیک یارسول اللہ"**۔ ساتھ ہی خلوص و عقیدت سے بھرا نہایت ادب سے سلوٹ کیا، یارسول اللہ ﷺ دیکھیں آپ ﷺ کا دیوانہ آ گیا ہے، آخر آپ ﷺ نے اسے اپنے پاس بلا ہی لیا ہے۔ اب اسے خالی ہاتھ نہ لوٹانا، اس کی جھولی بھر دینا، یہی سوچتے آگے بڑھتے رہے۔ اب ہم قطار میں چلتے چلتے مشرقی دروازے سے باہر نکل چکے تھے۔ ہم اتنی جلدی سے باہر آ گئے ہیں۔ ابھی تو جی بھر کے دیکھا ہی نہیں تھا، لوگ دوسرے دروازے سے پھر اندر داخل ہو رہے تھے، ہم بھی باب جبریل سے دوبارہ مسجد میں داخل ہو گئے۔ یہاں لوگ بڑے جوش و ولولے سے بیٹھے تھے۔ معلوم ہوا ادھر آپ ﷺ کے قدم ہیں۔ ہم نے یہیں ایک صف میں جگہ بنا لی۔ آہستہ آہستہ کھسکتے ہم

بالکل آپ ﷺ کے قدموں کی طرف جا بیٹھے تھے۔ جونہی یہ تصور ہماری رُوح میں سمایا کہ ہم رسول عربی ﷺ کے قدموں میں بیٹھے ہیں۔ دل پہ عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ روں روں میں بجلی دوڑ گئی تھی۔ ساری تڑپ، وارفتگی دل و دماغ سے ہوتی آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت میں بہہ نکلی، آنسوؤں پہ ہمارا کنٹرول ختم ہو چکا تھا۔ دربان بار بار ہمیں جنوب میں قبلہ کی طرف دیکھنے کو کہہ رہا تھا مگر اس کا حکم آنسوؤں میں ڈھل جاتا تھا۔ بھلا ہمیں آپ ﷺ کی طرف دیکھنے سے کون روک سکتا تھا۔ روکنے والا اس وقت ہمارے عقیدت کے آنسوؤں کے سیلاب میں بہہ چکا تھا۔ ہم حضور ﷺ کے قدموں میں بیٹھے تھے۔ لگتا تھا دُنیا کا سب سے بڑا خزانہ ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔

ڈاکٹر محسن مگھیانہ

سوز دل چاہئیے چشم نم چاہئیے اور شوق طلب معتبر چاہیے
ہوں میسر مدینے کی گلیاں اگر آنکھ کافی نہیں ہے نظر چاہیے
اُن کی محفل کے آداب کچھ اور ہیں لب کشائی کی جرات مناسب نہیں
اُن کی سرکار میں التجا کے لیے جنبش لب نہیں چشمِ تر چاہیے

اک کیف سرمدی ہے رگ و پے میں موجزن

مسجد نبوی ﷺ میں جتنی بار بھی جائیں، ہر بار اس کے حسن کی تجلی کا نیا تاثر ہوتا ہے۔ کشاں کشاں مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو کوئی راستہ بند ملا نہ کسی جگہ داخلے سے روکا گیا، البتہ مناسب جگہ کی طرف راہنمائی کی گئی۔ مسجد نبوی میں ادا کیے جانے والے پہلے سجدے نے **وسجدو قترب** کی کیفیت پیدا کر دی۔ نماز فجر کے کچھ دیر بعد زائرین باب سلام کے سامنے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ زائر اور ساتھی جس وقت پہنچے تو عاشقان رسول ﷺ بڑی تعداد میں باب السلام کھلنے کے منتظر تھے۔ اکثر انتظار عذاب ہوتے ہیں مگر یہ انتظار سراسر ثواب ہے۔ لب درود پڑھ رہے تھے جبکہ دل مچل رہے تھے مگر یہاں سنبھل کر رہنا پڑتا ہے۔ ہیجان جس قدر بھی طاری ہو، کوئی ادب کی حدود سے باہر نہیں نکلتا۔ جہاں اونچی آواز میں بولنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہوں، وہاں بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے نہایت احتیاط کے ساتھ۔ دروازہ کھلتے ہی ہلچل مچ گئی۔ ہر کسی کو جلدی تو ہے مگر تیزی کسی میں نہیں۔ بے صبری صبر کے لباس میں ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی قطار کا حصہ بن گئے۔ ریاض الجنۃ کے سامنے پہنچے تو اس طرف سے آنے والوں نے بھی قطار بنائی ہوئی تھی۔ دونوں قطاریں ارتعاش پیدا کیے بغیر ہمہ ہمی سے آگے کو سرکتی جا رہی تھیں۔ زائر نے جھکی ہوئی نگاہوں کو تھوڑا اٹھا کر دیکھا، اپنے سپہ سالار کے حضور درود و سلام پیش کرنے والے لشکر خیر کے سپاہیوں میں ہر رنگ، قوم اور نسل کے لوگ شامل تھے۔ یہ نظارہ رحمت للعالمین کی رحمت کا پرتو تھا۔ زائر جوں جوں روضۂ رسول ﷺ کے قریب ہو رہا تھا، دل کی دنیا بدلتی جا رہی تھی۔ ارد گرد کا کچھ ہوش تھا نہ اپنے ساتھی یاد، صرف اتنا یاد ہے کہ روضۂ رسول ﷺ کے سامنے وضو کرتی آنکھوں نے درود پڑھتے لبوں

کا بھرپور ساتھ دیا۔ زبان ہل رہی تھی مگر اصل میں دل بول رہا تھا۔ ٹانگیں کانپ رہی تھیں، جسم پر لرزہ طاری تھا۔ اس سے آگے بیان کا یارا نہیں۔ ان احساسات کو منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ خود پر یہ کیفیت طاری کر کے احساس کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھ لیں، سمجھ آجائے گی۔

وکٹورین عہد کے سامراج پسند لہجے میں بات کرنے والے مصنف سر رچرڈ برٹن نے 35 سال کی عمر میں 1853ء میں مکے اور مدینے کا سفر کیا۔ اس کا یہ سفرنامہ 1855ء میں شائع ہونے والی اس کی ذاتی داستان حیات میں شامل ہے۔ اس زمانے میں مغرب کو حج کے بارے میں معلومات اسی سفرنامہ سے ملی تھیں جن کا حوالہ بعد ازاں ہر کسی نے دیا۔ یہ مصنف جب مدینہ منورہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پہلا مغربی بن جاتا ہے جس نے مدینہ منورہ کی سچی، درست اور فضیلت بھری تصویر پیش کی ہے۔ روضۂ رسول ﷺ پر سچے عاشقانِ رسول کی حاضری کی تفصیل وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''متقی اور پرہیز گار مسلمان ایسے موقع پر روضۂ رسول ﷺ پر جا کر کوشش کرتے ہیں کہ اشکوں کا نذرانہ پیش کرسکیں۔ انہیں اس بات کا پورا یقین ہوتا ہے کہ اس موقع پر ان کی آنکھوں سے ٹپکا ہوا ایک آنسو بھی قبولیت پا گیا تو ان کے لیے کافی ہوگا۔ یہ لوگ اپنی اپنی استعداد کے مطابق صدقہ و خیرات کرتے ہیں۔ ریاضت و عبادت کا عہد کرتے ہیں۔ پچھلے گناہوں پر توبہ کرتے ہیں، وفاداری کا عہد کرتے ہیں اور روضۂ مبارک سے دور جانے پر اپنے 'شفیع' حضور نبی کریم ﷺ سے رخصت ہونے پر رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ مدینہ سے رخصت ہوتے وقت حرم میں ایک رسم یہاں کم از کم ایک رات کے لیے شب بیداری بھی ہے اور پڑھے لکھے لوگ اور حفاظ کرام روضۂ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر پورا قرآن پڑھتے ہیں''۔

خوش قسمتی کا وہ لمحہ جس کی یادیں عمر بھر کا سرمایہ ہوتی ہیں۔ ہماری زندگی میں بھی آیا۔ ایک دن قسمت نے یاوری کی اور ہمیں عصر سے عشا تک روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر درود و سلام پڑھنے کا موقع ملا۔ اس دوران نمازیں بھی امام صاحب کے

پیچھے صف اول میں ادا ہوئیں۔ زندگی بھر کے بچائے ہوئے آئینے اس دن شکستہ تر ہو گئے، امید ہے کہ نگاہ آئینہ ساز میں خوب تر ہو گئے ہوں گے۔ زائر کو اس دن ساتھیوں کے چہرے نئی ساخت میں ڈھلے ہوئے لگے۔ اندر طوفان برپا تھا مگر آواز کو باہر نکلنے نہیں دینا تھا۔ سارا وقت ہماری بلبلاہٹ، بھنبھناہٹ میں ڈھلی رہی۔ ہجر میں آنسو نکلتے ہی ہیں مگر وصال کے آنسوؤں کا کیا کہنا۔ آنکھیں، زبان اور دل باری باری اپنی مراد پاتے رہے۔ حفظ مراتب نے حد ادب سے آگے بڑھنے نہ دیا۔

میاں محمد آصف

ادب گاہیست زیرِ آسماں، از عرش نازک تر

اب ہم مدینہ طیبہ میں تھے، مکہ مکرمہ میں تھے تو بات اور تھی، وہاں رب العالمین کا گھر تھا اور یہاں محبوب رب العالمین کا دربار اقدس ہے، ادب اور محبت کے تقاضے اب کچھ سوا ہو گئے تھے، وہاں آہ وزاریاں، واویلا، نالہ وفریاد، ایک دیوانگی، بے پناہ دیوانگی چاہیے تھی، مگر یہاں تو اس میں بھی اِک قرینہ چاہیے تھا، ایک شیفتگی چاہیے تھی، آشفتگی نہیں، سپردگی چاہیے تھی شوریدہ سری نہیں، تہذیب چاہیے تھی وحشت نہیں۔

وہاں طواف کوئے جاناں تھا، کبھی اکڑ کر چلنا اور سعی بھاگم بھاگ کرنا، لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرنا، ملتزم سے چمٹ کر فریاد کرنا، اور یہاں کوئے جانِ جاناں تھا، جس کے آداب یہ ہیں کہ......

آہستہ قدم نیچی نگہ، پست صدا ہو
خوابیدہ یہاں رُوحِ رسول عربی ہے
اے زائر بیتِ نبویؐ یاد رہے یہ
بے قاعدہ یاں جنبشِ لب بے ادبی ہے

یہاں تو اللہ پاک نے خود حکم فرما دیا ہے:

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اوپر نہ کرو۔''

اب کس میں یارا ہے کہ اَدب کے قرینوں کو پامال کر سکے............

آہستہ سانس لے کہ خلافِ ادب نہ ہو
نازک ہے آئینے سے طبیعت حضور کی

مسجد شریف میں پانچوں وقت حاضری ہونے لگی تھی مگر ابھی مواجہہ شریف پر

حاضری کا مرحلہ باقی تھا، ہمت نہیں ہو پا رہی تھی کہ کس منہ سے مواجہہ شریف کے سامنے جایا جائے، ایک ادنیٰ ترین اُمتی دربارِ نبوت میں کیوں کر حاضری دے؟ کوئی تو وجہ جواز ہو، اپنے نامے میں عمل کی کوئی تو سوغات ہو، ہمارے پاس عمل تو ہوتے ہیں مگر من چاہے، اپنی خواہشات کی رسیوں سے بندھے ہوئے، سنت کی خوشبو سے محروم، اوپر سے عشق نبویؐ کے خالی خولی دعوے۔

یہ تیرے عشق کے دعوے، یہ جذبہ بیمار
یہ اپنی گرمی گفتار، پستی کردار

اس حاضری کے بھی تو کچھ آداب ہیں، یہ جلوہ گاہ محبوب خدا اور دربار گوہر بارِ مصطفیٰ ہے، سرکارِ دو عالم رحمۃ للعالمین ﷺ کا حریم ناز ہے، علما نے یہاں کے بہت آداب لکھے ہیں، وارفتگانِ حریم نبوت نے لکھا ہے:

- ❑ جب سلام بحضور سیدالانام ﷺ کا ارادہ ہو تو انتہائی ادب و احترام، خشوع و خضوع کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں داخل ہو۔
- ❑ محشر میں زیارتِ رُخ زیبا سے سرفرازی کی تمنا و آرزو اور تڑپ سے دلِ لبریز ہو۔
- ❑ دل میں یہ خدشہ بھی رہے کہ نہ جانے مجھ ایسے سراپا خطا کار کا مقدر محشر کی ہولنا کیوں میں اس سراجاً منیراً کے دیدار کے لائق بھی ہے یا نہیں؟!
- ❑ مسجد شریف میں داخل ہونے کے بعد عجز و نیاز، اِنکساری اور فروتنی کا بہت اہتمام کیا جائے، مسجد شریف کی زیب و زینت، فرش و فروش، فانوس، قالین اور قمقموں کے نظارے میں مشغول نہ ہو۔
- ❑ ہو سکے تو باب جبریل سے داخل ہوں، ورنہ جس دروازے سے چاہیں، پھر ریاض الجنۃ میں تحیۃ المسجد ادا کرے۔
- ❑ دل کو تمام کدورتوں اور آلائشوں سے پاک کر کے مجسم ادب بن کر حاضری دے، علما نے لکھا ہے کہ جس قلب میں دُنیا کی خواہشات، نفسانی شہوات اور لہو ولعب کا غلبہ ہو، ایسا گندے دل والا آدمی اس مقدس مقام کی برکات سے محروم رہتا ہے، بلکہ رسول

اللہ ﷺ کے اعراض اور غصے کا اندیشہ بھی ہے۔

- ❑ رحمتِ کائنات ﷺ کی شان رحمۃ للعالمینی کے پیش نظر آپ ﷺ سے اللہ رحمٰن ورحیم سے معافی کا طلب گار بن کر حاضری دے۔
- ❑ مواجہہ شریف سے تھوڑے فاصلے پر اس طرح کھڑے ہوں کہ نگاہ نیچی، جسم میں جنبش و حرکت مفقود، سکون و وقار کے ساتھ دست بستہ کھڑے ہوں، حضور نبی کریم ﷺ کی عُلو شان اور عالی مقام کا دل میں پورا استحضار ہو۔
- ❑ نہایت ذوق وشوق اور عجز و نیاز کے ساتھ سلام بہ درگاہِ خیر الانام ﷺ پیش کریں: **اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَ کَاتُه**
- ❑ ذوقِ کامل کے ساتھ عربی کے جو الفاظ بھی یاد ہوں، معنیٰ کا استحضار رکھتے ہوئے ہدیہ درود وسلام پیش کرے، ورنہ کم از کم حضورِ دِل سے ساتھ **اَلصَّلوٰۃ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ الله، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ الْاَ نَام وَمِصْبَاحَ الْاَنَام وَرَسُوْلَ الْمَلِکِ الْاَنَام، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّی اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰه اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہ لَاشَرِیْکَ لَه وَاَشْھَدُ اَنَّکَ عَبْدُہ وَرَسُوْلُه، اَشْھَدُ اَنَّکَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّیْتَ الْاَ مَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَکَشَفْتَ الْغُمَّةَ فَجزَاکَ اللّٰہُ خَیْراً** پڑھے۔

مسجد نبوی شریف کا ''بابِ بقیع'' نظر پڑا، اِدھر ہی چل پڑا کہ مقصود کی منزل یہیں تھی۔ بہت سے لوگ اس دروازے کے باہر نیم دائرہ بنائے کھڑے تھے، اسی دروازے سے زائرین باہر بھی آرہے تھے، سامنے نگاہ اُٹھائی تو سنہری جالیوں کا منظر تھا، دل زور سے دَھڑک اُٹھا، جیسے بجلی سی کوندگئی ہو، آنکھیں تو کچھ دیر کو پلکیں جھپکنا بھول گئیں، دل کی حالت ایسی کہ سینے سے باہر نکل ابھی پابوسی کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔

بے خودی و سرمست دیوانہ بناتی ہیں وہ خود
کس طرح دل میں اُترتی ہیں سنہری جالیاں

انجانے میں قدم آگے بڑھا دیے کہ اچانک ایک کرسی پر براجمان 'حاجب' نے بھانپ لیا اور دور سے پکار اُٹھا، باب السلام، باب السلام، یعنی باب السلام کی طرف سے

آؤ، پکار سنتے ہی غلطی کا احساس ہوا، واپس پلٹا اور مسجد شریف کی عقبی دیوار کی طرف سے ہوتا ہوا باب السلام پہنچ گیا۔ **بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ** پڑھ کر اندر داخل ہوگیا۔ لگا کہ رنگ و نور کے محل میں آ گیا ہوں، مسجد شریف کے دل آویز نقش و نگار، روشنی کے قمقموں اور معطر ماحول نے جیسے بھینچ لیا ہو، نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے لگی تھیں کہ کسی نے ہولے سے کندھے پر ہاتھ رکھ کر خبردار کیا، آہستہ قدم نیچی نگاہ!، ٹھٹکا، رُکا اور سنبھل کر پھر چلنے لگا، دل کو سمجھایا کہ تُو بھی ذرا اپنی بے قراری کو کم کر، یہ وہ جا ہے جہاں:

"آئے نہ ترے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی"

عشاق کا ہجوم آہستہ رَوی کے ساتھ آگے بڑھتا جا رہا تھا، لب پر دُرود اور دِل میں بس خیالِ رسول تھا، چند قدم ہی رہ گئے تھے مواجہہ شریف کا سامنا کرنے میں، سراپا معصیت وجود کے ساتھ اتنے بڑے دربار میں حاضری؟، اپنی جرأت پر ندامت ہو رہی تھی، کس منہ سے یہاں تک آ گیا تھا؟! یہ معمولی مقام نہیں، یہاں تو بڑے بڑے صاحبِ جبروت سر جھکا کے چلتے ہیں، یہ جو گلی ہے باب السلام سے مواجہہ شریف تک، نور کی گلی ہے، قرن ہا قرن سے کتنے ہی قافلے یہاں سے گزر چکے ہیں۔ ان قافلوں میں عامی بھی تھے اور خواص بھی، شاہ بھی گدا بھی، فقیہ و مجتہد بھی اور متکلم و مفسر بھی، سلسلہ ہائے طریقت کے شیوخ اور سالکانِ راہِ طریقت بھی، سب یہاں سے لرزاں و ترساں گزرے، یہ جا ہی ایسی ہے، ادب کا ایسا مقام دُنیا میں کہیں اور نہیں، اقبال یونہی نہیں کہہ گئے۔

اَدَب گاہیست زیرِ آسماں، از عرش نازک تر
نَفَس گم کردہ می آید، جنید و بایزید ایں جا

لوگ دھیرے دھیرے آگے بڑھتے جا رہے تھے، اطراف میں خوش نصیب ذکر و تسبیح، تلاوت اور مناجات میں مشغول تھے، ریاض الجنتہ کا پُر نور ٹکڑا اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ بس اب سنہری جالیوں کا سامنا ہوا ہی چاہتا تھا، کیا کچھ سوچا ہوا تھا کہ سنہری جالیوں پہ جا کے کچھ اپنی بپتا سنائیں گے، اپنا حالِ دل کہیں گے، لیکن موقع آیا تو

الفاظ کہیں دور ہی ساتھ چھوڑ گئے تھے، زبان گنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھی، چند ہاتھ کا تو فاصلہ تھا جہاں سید الانبیا، خاتم المرسلین، نبینا وشفیعنا، آقائے دو جہاں، رسول الرحمہ سیدنا و مولانا حضرت محمد ﷺ (فداہ ابی واُمی وعِرضی واَولادی) آرام فرما تھے، اپنی بساط کے مطابق شاہِ دو عالم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں ہدیہ درود وسلام پیش کیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ وقت کی رفتار تھم جائے اور تا دیر یہاں دست بستہ کھڑے رہ جائیں، مگر شُرطے یہاں رُکنے نہیں دیتے، اچھا ہی کرتے ہیں، ہم جیسے کوجھے لوگ، جن کی نیتیں بھی کوجھی اور عمل بھی کوجھے......، منہ دکھانے کے قابل کہاں......؟! تھوڑی دیر میں نُور کی اس گلی سے باہر نکلا تو لگا کہ برسوں کا سفر تھا جو آج مکمل ہوا ہے......، وہ جو اِک تشنہ کامی تھی سیرابی میں بدل گئی، بس یہ اُس ذات پاک کا کرم تھا جو ہمارا آپ کا پالن ہار ہے:

تیری رحمت، تیری شفقت سے ہوا مجھ کو نصیب
گنبدِ خضرا کا سایا، میں تو اس قابل نہ تھا
میں نے جو دیکھا سو دیکھا جلوہ گاہِ قدس میں
اور جو پایا سو پایا، میں تو اس قابل نہ تھا
بارگاہِ سید کونین میں آکر نفیس
سوچتا ہوں، کیسے آیا؟ میں تو اس قابل نہ تھا

محمد احمد حافظ

محوطواف رہتے ہیں قدسی جہاں مدام

مکہ مکرمہ میں تین دن قیام کے بعد میرے دل میں نبی محترم ﷺ کے در اقدس پر حاضری کی خواہش شدت اختیار کر چکی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ پر لگا کر گنبد خضرا پر پہنچ جاؤں۔ جس ذات گرامی ﷺ نے اپنے سجدوں سے اس گھر کو آباد کیا، ان کے در پر اپنے قلب ونظر بچھا دوں۔ جنہوں نے خدا کے گھر کو بتوں سے پاک کیا تھا، ان کے مزار اطہر پر اپنی پلکوں کے گوہر سجا دوں۔ اگر حرم کعبہ کو دیکھنا عبادت ہے تو روضہ رسول مقبول ﷺ کی زیارت بھی باعث شفاعت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے خود فرمایا ہے:

- **من زار قبری و وجبت له شفاعتی**

”جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔“

اگر صحن کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے تو مسجد نبوی میں ایک نماز کا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اگر یہاں جنت المعلیٰ ہے تو وہاں جنت البقیع ہے۔ یہاں اگر حطیم ہے تو وہاں ریاض الجنت ہے۔ یہاں جلال خداوندی ہے تو وہاں جمال مصطفوی ﷺ ہے۔ یہاں بدن طواف کرتے ہیں، وہاں روح محوِطواف ہوتی ہے۔ یہاں آپؐ کا مولد ہے تو وہاں آپؐ کا مدفن ہے۔ اگر مکہ معظّمہ حرم ہے تو مدینہ منورہ بھی حرم ہے۔ ایک حرم سے دوسرے حرم کا سفر بھی عبادت ہے۔

مکہ سے مدینہ پاک کا سفر یوں تو چارسو پچاس کلومیٹر ہے لیکن میرے لیے یہ فاصلہ پینتالیس برس طویل ہو چکا ہے۔ کیونکہ میرے تصور نے سینکڑوں روز وشب اس سفر کے انتظار میں بسر کیے ہیں۔ میں زندگی کی تاریک راتوں میں آنسوؤں کے دیپ جلائے برسوں ان مقدس راستوں کا متلاشی رہا۔ اس دن بھی یہ آنسو میرے ہمسفر تھے اور

میں سوچ رہا تھا کہ:

نکھر گئیں ہیں شب انتظار کی راہیں
قدم قدم پہ فروزاں ہیں آنسوؤں کے کنول

میں آنکھیں بند کیے ارد گرد کے مناظر سے بے نیاز درود وسلام پڑھتا، دیار حبیب کے تصور میں کھویا ہوا تھا۔ دل میں وفور شوق کی لہریں موجزن تھیں کہ اچانک ؎

اک خاص مہک آنے لگی موج ہوا میں
آثار بتاتے ہیں مدینہ تو یہی ہے

میں اپنی آنکھوں کو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کے لیے تیار کر رہا تھا۔ اپنے جذبات کو حد ادب میں رہنے کی تلقین کر رہا تھا کہ میرے ہم سفر نے مجھے نوید دی کہ یہ سن کر میری کم مائیگی کی کوکھ سے شادمانی کی ایک تیز لہر اٹھی اور میرے پورے بدن میں دوڑ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں سبک اور ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں۔ آج تک میں نے زندگی اور اس کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے عمر کی طویل شاہراہ پر کٹھن سفر طے کیا ہے لیکن اس دن ہر ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر عرش معلیٰ کی طرف گامزن تھا۔ سیارہ رک گیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جس طرح بیت اللہ اور برآمدوں کے اندر درمکنوں کی طرح مستور ہے، روضہ اقدس بھی اسی طرح نگاہوں سے پوشیدہ ہوگا لیکن سڑک پر ٹیکسی میں جب میری نگاہ گنبد خضرا پر پڑی تو محسوس ہوا جیسے **یایھا المدثر قم فانذر** کی آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔ خدا تو ازل سے پردوں میں مستور ہے۔ موسیٰ نے بے پردہ دیکھنے کی خواہش کی تو اس نور ازل کی ایک کرن کا مشاہدہ نہ کر سکے۔ لیکن اس امت مسلم پر خدا کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے وہ وجود اطہر واقدس دنیا میں بھیج دیا، جو کائنات حسن بھی ہے اور حسن کائنات بھی۔ تاکہ دیدار الٰہی کی تمنا ان کی دید سے مشرف ہو کر تسکین پا سکے۔ آج ہماری کوتاہ نظریں ان کے وجود اقدس کو دیکھنے سے قاصر ہیں لیکن ہم درود وسلام کے ذریعے ان سے قلبی تعلق تو قائم رکھ سکتے ہیں۔ ساری کائنات کے انسانوں کی طرف سے بھیجا جانے والا درود وسلام رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش

کیا جاتا ہے۔حضور میرا امم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل بھی زندہ تھے، آج بھی زندہ ہیں لیکن ہم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔ ہم تو شہید کی زندگی کا بھی ادراک نہیں رکھتے۔ نبی کی زندگی کا شعور کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔جس طرح خدا موجود بھی ہے اور مستور بھی۔ اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانی وجود سے آزاد ہو کر مستور و موجود ہو چکے ہیں۔گنبد خضرا آپ کی ہستی مقدس کا ایک خوبصورت پرتو ہے۔ایک زندہ جاوید وجود کی من موہنی صورت ہے۔ترستی ہوئی آنکھوں کے لیے ایک سرسبز وشاداب منظر ہے۔ دل ویران کے لیے چشمہ آب حیات ہے، وفا کا ارمان ہے، عشق کا حاصل ہے اور عقل کی منزل ہے۔ اسے دیکھنے والے نگاہیں ہٹانے کی خواہش ہی نہیں کرتے کیونکہ اسے دیکھنا اور دیکھتے رہنا دید کی معراج ہے۔ میں نے ایک نگاہ گنبد خضرا پر ڈالی تو اپنے آپ کو بھول گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں اسی منظر کا حصہ ہوں یا اسی کہکشاں کا ایک ستارہ ہوں۔گنبد خضرا سبز دستار اوڑھے، جہاں کی پاسبانی اور راہنمائی کے لیے استادہ ہے۔

نہ جانے یہ جنت کس کس کے قیام وسجود کا مرکز ٹھہری ہوگی، کس کس کے سجدوں کی امین ہے، کس کس کی آہوں اور آنسوؤں کی شاہد ہے۔ یہاں فقیر بھی جھولیاں پھیلا کر آتے ہیں اور بادشاہ بھی جاہ وحشم کے باوجود یہاں سر جھکاتے رہے۔ بڑے بڑے آئمہ و فقہا اور صالحین بھی دنیا کی اس جنت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ میں تو اپنی خوش بختی پر جتنا ناز کروں، وہ کم ہے کہ میں ان شخصیتوں کی خوشبو میں، ان پاکیزہ روحوں کے جلو میں، ان مقدس یادوں کے نرغے میں اور اسلام کی تاریخ کے سنہرے ابواب میں بیٹھا ہوا ہوں۔

یہ اس زمین کی خاک کا مقدر ہے کہ اسے، ایسے گوہر نایاب میسر آئے ہیں۔ اس زمین کی سعادتوں کا کیا کہنا ؎

جس زمین کی خاک میں مستور ہیں ماہ تمام
اس زمین کی خاک پہ عرش معلیٰ بھی نثار

نماز سے فارغ ہوتے ہی عشاق نمازیوں کے کندھوں سے گزرتے، اس قطار میں جا کھڑے ہوتے ہیں جو قدم قدم آستانہ نبوتؐ کی جانب بڑھتی ہے۔ جوں جوں

میرے قدم بڑھ رہے تھے، دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ سانسیں اپنی ترتیب بھول رہی تھیں، نظروں کے سامنے آنسوؤں کی چلمن تن رہی تھیں۔ نہ حاضری کا سلیقہ آتا تھا، نہ میں ادب کے کسی قرینے سے واقف تھا۔ بس سن رکھا تھا ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

مجھ جیسے گناہ گار کو اپنے حواس پر بھی قابو نہیں تھا کہ یہاں کائنات کے سب سے افضل ترین انسان آرام فرما ہیں۔ خدا نے جن کے لیے کائنات کو پیدا فرمایا اور پھر دنیا جس کے انتظار میں بنتی اور سنورتی رہی، انبیاء جن کی آمد کی نوید دیتے رہے۔ مجھ جیسے پندرہ سو برس بعد پیدا ہو کر کتابوں کے ذریعے اپنے تصور کو پختہ کرنے والے لوگ جب دیواروں اور جالیوں کو اپنے درمیان حائل پاتے ہیں تو ہمارے دل انہیں چھونے کو مچل اٹھتے ہیں۔ مگر دل سے اٹھنے والے اور پلکوں پر لرزنے والے آنسوؤں کو کون روک سکتا ہے۔ سر جھکانے پر پابندی ہوسکتی ہے مگر سر دینے سے کون سی طاقت روک سکتی ہے۔ یہ تصورات کی دنیا ہے۔ عقیدتوں کا جہاں ہے، محبتوں کی آماجگاہ ہے، عشق کی نگری ہے۔ یہاں دل کے معاملات دھڑکنوں سے بیاں ہوتے ہیں اور کوئی بھی تعلقات کے اس لطیف پیرائے میں حائل نہیں ہوسکتا۔

مکہ مکرمہ اسلام کا دماغ ہے اور مدینہ منورہ اسلام کا دل ہے۔ نظر کی تشنگی ہمیشہ چھونے سے دور ہوتی ہے لیکن یہاں چھونے پر پابندی ہے۔ غور سے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ دل مچلتا ہے، آنسو چھلکتے ہیں اور دھڑکنیں تیز ہوتی ہیں۔ وہ اپنی زبان بے زبانی سے، بہت کچھ کہنا چاہتی ہیں مگر یہاں زیادہ دیر کھڑے رہنے پر قدغن ہے۔ عمر بھر کی پیاس بجھے تو کیسے؟ تصاویر و تصور میں کھویا رہنے والا انسان حقیقت کا مشاہدہ کیوں کر کرے؟ ہزاروں میلوں کا فاصلہ طے کر کے آنے والے یہاں دو فٹ کا فاصلہ طے نہیں کر سکتے۔

ان پیاری سنہری جالیوں میں تین سوراخ ہیں۔ بڑا سوراخ حضور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور کی نشان دہی کرتا ہے۔ ساتھ والا چھوٹا

سوراخ ثانی حضرت صدیق اکبرؓ کے چہرۂ مبارک کے سامنے ہے اور تیسرے سوراخ کے سامنے حضرت عمر فاروق ؓ کا چہرۂ اقدس ہے۔ جالیوں کو غور سے دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے جیسے یہ جالیاں نہیں، حسن ازل کا تبسم ہے۔ مقدس مہمان سرا کی چلمن ہے۔ اندر کے ماہ انجم کی روشنی ہے۔

جالیوں سے چھن رہے ہیں روشنی کے آفتاب

باب السلام سے مسجد نبوی میں داخل ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ اس صراط مستقیم پر چلتے ہوئے بارگاہ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری سے پہلے انسان قدم قدم اپنے حواس مجتمع کرتا چلا جاتا ہے۔ درود وسلام کے نذرانے لیے، آنسوؤں کے چراغ سجائے، دل میں عشق ومحبت کی شمعیں فروزاں کیے، آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔ آج جو راستہ روضہ اقدس کی طرف جاتا ہے، وہ یقیناً آپؐ کی گزرگاہ بھی تھا کیونکہ ؎

جھکتا ہے مرا دل بھی مرے سر کے ساتھ ساتھ
محسوس ہو رہا ہے تریؐ راہ گزر نہ ہو

اس پر چلتے ہوئے دل یہی چاہتا ہے کہ یہ راستہ کبھی ختم نہ ہو اور میں تمام عمر اس پر چلتا رہوں۔ بعض راستے منزلوں کو پانے کے لیے ہوتے ہیں اور بعض صرف سفر کرنے کے لیے، کیونکہ منزلیں سفر اور شوق سفر کا اختتام ہوتی ہیں۔ منزل نہ ملے تو آرزو زندہ رہتی ہے، قدم بڑھتے رہتے ہیں۔ منزل مل جائے تو قدم رک جاتے ہیں اور آرزوئیں مر جاتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا ترجمانی کی ہے:

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگ آرزو، ہجر میں لذت طلب

لیکن یہ رہ گزر بھی تو منزل ہے۔ اس پر چلنا بھی سب کو کہاں نصیب ہوتا ہے۔ یہاں پر اٹھنے والا ہر قدم منزلوں پر پڑتا ہے اور انسان منزل بہ منزل اس آستاں کی طرف بڑھتا ہے، جس کے بارے میں مولانا ظفر علی خاںؒ نے کیا خوب کہا ہے:

سب کچھ تمہارےؐ واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایت اولیٰ تمہیں تو ہو

25/دسمبر 1991ء کو مدینہ منورہ میں میرا آخری دن تھا۔ جدائی کے تصور سے دل بہت پریشان تھا۔ وہ جدائی، جو نہ جانے کب تک کے لیے ہے۔ میری آنکھیں صبح سے کئی بار برس چکی تھیں۔ جب بھی گنبد خضرا پر نظر پڑتی، دل یہی چاہتا کہ میں رنگ و روغن کی پھوار بن کر گنبد خضرا سے لپٹ جاؤں۔ کاش میں بھی پلستر کا وہ ٹکڑا ہوتا جو روضہ اقدس کی دیوار سے پیوست ہے، لیکن نہ بدن تحلیل ہوتے ہیں اور نہ آرزوئیں پوری ہوتی ہیں۔ میں اس دن ساری مسجد میں گھومتا رہا۔ ریاض الجنتہ میں مختلف جگہ، محراب نبوی کے سامنے، اصحاب صفہ کے چبوترے پر اور روضہ اقدس کی پائینتی کی طرف نوافل ادا کرتا رہا۔ مواجہہ شریف کی چلمن کے سامنے حاضری بھر کر درود و سلام پڑھتا رہا۔ یہاں آنسو رکتے ہی نہیں۔ ہچکیاں تھمتی ہی نہیں، لیکن آواز نکالنا سوءادب ہے۔ شہنشاہوں کے شہنشاہ کے دربار میں ؎

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

اسی لیے درود و سلام کے تسلسل، گھٹی گھٹی سسکیوں اور تلاوت کی دھیمی دھیمی آواز میں دعائیں بھی جاری رہتی ہیں۔ کبھی کبھی کسی کے دل میں جالیوں سے لپٹ جانے کی خواہش انگڑائی لے کر بیدار ہوتی ہے لیکن قانون شکنی کا خوف اسے دبا دیتا ہے۔ جدائی کی گھڑیاں قریب آ رہی تھیں۔ میرے دل میں جذبات کا ایک طوفان اُمڈ رہا تھا۔ یہاں سے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا۔ میرا یہ عالم تھا کہ جانے کا تصور گوشت سے ناخن کے جدا ہونے کا تصور تھا۔ نہ نگاہیں ہٹتی تھیں، نہ قدم اٹھتے تھے۔ کاش وقت ہی رک جائے...... لیکن یہ بھی ناممکن ہے...... میں مدینہ پاک سے مکہ مکرمہ کی طرف رواں تھا۔ فراق و وصال کے احساسات سے میرا دل مختلف کیفیات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

محمد اقبال انجم

خورشید بھی گیا تو ادھر سر کے بل گیا

اب ساحل قریب آتا جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن جا پہنچے گا۔ ساحل عرب کے تصور نے جو ذوق وشوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے، اس کی داستاں کیا عرض کروں، بس یہی دل چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کروں:

اللہ رے خاک پاک مدینہ کی آبرو
خورشید بھی گیا تو ادھر سر کے بل گیا

اے عرب کی سرزمین! تجھ کو مبارک ہو! تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا، مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب وتمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔ باغ کے مالک نے ملازموں کو مالیوں کے پاس پھل کا حصہ لینے کو بھیجا لیکن مالیوں نے ہمیشہ ملازموں کو مار پیٹ کے باغ سے باہر نکال دیا اور مالک کے حقوق کی کچھ پروانہ کی۔ پہ آہ! اے پاک سرزمین! تو وہ جگہ ہے جہاں سے باغ کے مالک نے خود ظہور کیا تا کہ گستاخ مالیوں کو باغ سے نکال کر پھولوں کو ان کے نامسعود پنجوں سے آزاد کرے۔ ترے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقش قدم دیکھے ہیں اور تیری کھجوروں کے سائے نے ہزاروں ولیوں اور سلیمانوں کو تمازت آفتاب سے محفوظ رکھا ہے۔ کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیرے ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو! کاش میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروانہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذان بلال کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی۔

علامہ محمد اقبالؒ

لیراں دی گل کفنی پا کے

ٹھیک تین بج کر پینتیس منٹ پر تہجد کے لیے اذان ہوئی اور باب السلام کے پٹ وا ہوئے لیکن میں حیران رہ گیا کہ مسجد کا ریاض الجنتہ والا حصہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے حضرت عثمانؓ کے توسیع شدہ حصے میں نماز تہجد اور نماز فجر با جماعت ادا کی اور سبز جالی کی طرف کھسکنا شروع کیا۔ اس وقت میرے لبوں پر درود وسلام کے ساتھ بے اختیار شیر عالم نون کا بند آ گیا۔ شیر عالم نون محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جذب کے مقام پر پہنچ گیا تھا اور یہ بند ہر وقت ان کے لبوں پر ہوتا تھا۔ وہ اپنی مقامی زبان میں نغمہ سنج ہے۔

نرم زباں تے خلق والا متاں اوس سرکار دا چاک ہووے
چلو دیکھئے خلقاں والڑے نوں متاں لاش اساڈری پاک ہووے
پل وچ گناہ بخشا دیندا سر تے چھتر سایہ لولاک ہووے
سرمہ اکھیاں میریاں دا شیر عالم شالا تیریاں قدماں دی خاک ہووے

اس بند نے فوری اثر کیا۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ آنسوؤں کے چناب بہہ نکلے، آہیں، سسکیاں بلند ہونے لگیں۔ ادھر پاس ادب روک رہا تھا اور ادھر مدتوں کے دبے ہوئے جذبات کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہوتے ہوئے کن پستیوں میں ڈوب گئے۔ اسلام کے اجلے دامن پر دھبہ بن کر رہ گئے۔ آج کس منہ سے حاضری دیں لیکن اگر یہاں حاضری نہ دیں تو کہاں جائیں۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

جب بھڑاس نکل گئی تو آہستہ آہستہ دل کو قرار آنے لگا۔ ایک ٹھنڈک سی، مجرم

ضمیر نے محسوس کرنی شروع کی۔ یہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دربار ہے۔ مسجد نبویؐ کے حضرت عثمانؓ والے توسیع شدہ حصے میں بجانب جنوب مواجہہ شریف ہے۔ اس طرف کی جالی اور مرقوم قرآنی آیات کسی چمکیلی دھات کی ہیں اور اس جانب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور انؐ کے ہر دو رفقاء حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا چہرہ مبارک ہے۔ وہاں سے گزرتے ہوئے میں نے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کا زمزمہ آنسوؤں سے وضو کر کے پیش کیا۔ میری لرزتی آواز قلب کی گہرائیوں سے نکل رہی تھی۔ دل کا تقاضا یہ تھا کہ چیخ چیخ کر سلام پڑھو لیکن جگہ وہ تھی کہ ؎

نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

جب میں نے توجہ مبذول کی تو حیران رہ گیا۔ امت مسلمہ کے مرد و زن، پیر و جوان، امیر و غریب، قطار در قطار، ہجوم در ہجوم، آنسوؤں کی برکھا برسا رہے ہیں۔ ہر کوئی چیخ چیخ کر رونا چاہتا ہے لیکن پاس ادب کے تقاضے دھاروں کو سسکیوں میں بدل رہے ہیں۔

میں روضہ اطہر کا چکر کاٹ کر باب جبرئیل کے سامنے سے ہوتا ہوا پھر ریاض الجنتہ میں داخل ہوا اور نفلیں پڑھیں۔ پھر ستون ابولبابہؓ کے قریب نفلیں پڑھ کر گناہوں سے توبہ کی اور خدا سے دعا مانگی کہ مجھے آئندہ زندگی میں ایک لمحے کے لیے بھی نفس امارہ کے حوالے نہ کرنا۔ پھر ستون عائشہؓ کے پاس بھی نفلیں پڑھیں۔ محراب رسولؐ میں بہت انتظار اور جدوجہد کے بعد جگہ ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک جہاں امامت کے وقت ہوتے تھے، وہاں سجدہ کرنے کی سعادت ملی۔ اس جگہ کو چوما بھی اور آنکھیں بھی لگائیں۔ اس پاک کھجور کے تنے کے مدفن پر بھی نماز نفل ادا کی جو فراق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رویا تھا۔ جب نماز باجماعت کا وقت ہوتا ہے تو چوکیدار جالی مبارک سے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی لمحے ایک ساٹھ سالہ حبشی بزرگ میرے آگے سے ہو کر روضہ شریف کی جالی اور ستون وفود سے لپٹ گیا اور ایسا لپٹا اور اس کے پیاسے لب جالی مبارک سے یوں پیوست ہوئے اور آنسو رواں ہوئے کہ اذان مغرب کی آواز ہی اسے وہاں سے جدا کر سکی۔ میں حضرت بلالؓ کے اس ہم نسل کو قدر و عقیدت کی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

آج 19 ستمبر 1981ء کی فجر آ گئی ہے۔ نماز صبح ادا کر کے میں نے روضہ مبارک کی جالی کی طرف کھسکنا شروع کیا۔ الوداعی سلام کے لیے میرے منہ سے بار بار یہ الفاظ نکل رہے تھے ؎

گیاوت نہ وطن بلالؓ حبشی جداں
لکیاں تدھؐ دی جہات دیاں

''غلام بلالؓ کو آزادی ملی لیکن اس نے اپنی غلامی کو ابدی غلامی میں بدل لیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے در رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھا رہ گیا۔''

آج میں دس روز بعد ہی واپس جا رہا تھا۔ مجھے وطن بلا رہا تھا۔ بال بچے، کاشتکاری کے تقاضے اور وکالتی مخمصے آوازیں دے رہے تھے اور میں ان آوازوں پر لبیک کہنے کو مجبور تھا۔ تاہم میرے قلب کی گہرائیوں میں طوفان اٹھ رہے تھے۔ مجھے اپنی بدنصیبی اور سیدنا بلالؓ کی خوش نصیبی کا احساس تھا اور اسی لیے میں موازنہ کر رہا تھا ؎

گیاوت نہ وطن بلالؓ حبشی جداں
لکیاں تدھؐ دی جہات دیاں

اس سے آگے سسکیاں تھیں، آنسو تھے۔

واپسی کے لیے سامان سیارہ میں رکھا۔ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر سرگودھا کے ایک صالح نابینا نوجوان حافظ صالح محمد بیٹھے تھے۔ روضہ پاک کے قریب سے گزرے تو نابینا آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ حافظ صاحب نے آہستہ آہستہ گنگنانا شروع کیا ؎

اینھاں رونیاں تے کرلاندیاں تے
سو سو وار صدقڑے جاندیاں تے
شالا اوہو آون وت گھڑیاں

حافظ صاحب کی پرسوز آواز مدینہ منورہ کی معطر ہواؤں میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔

محمد اکرم رانجھا

روبرو ان کے لایا ہے ان کا کرم، مواجہہ پر ہم

میں نے نظر دوڑائی، ہر شخص مواجہہ شریف کی طرف کھینچا چلا آ رہا ہے۔ اس وقت مومنین کا رخ قبلہ کی جانب نہیں بلکہ اس کے درِ اقدس کی جانب ہے جو انسانیت کے رُوحوں کا قبلہ اور اللہ کی رضا کے لیے دھڑکتے دلوں کا کعبہ ہے۔ کیا دل ربا منظر ہے، کسی کا نالہ جگر گداز، کسی کے لب پر آہ و فریاد، ہر امتی اپنے اپنے حال میں گرفتار، ہر متنفس اپنے اپنے کیف میں سرشار، مجھ جیسے لاکھوں گناہ گاروں اور خطا کاروں کی آج بن آئی ہے۔ میری بھی پچاس سال بعد آستان رحمت للعالمین تک رسائی ہے۔ دل نے آواز دی کہ دل کا روگ دور کرنے کے لیے، نفس کا تزکیہ کرنے کے لیے، گناہوں کی بخشش کے لیے، تجدید ایمان اور سچی توبہ کے لیے اگر یہ موقعہ بھی گنوا بیٹھے، رؤف و کریم نبی کے در سے بھی فیض نہ پایا تو کہاں جاؤ گے۔ آج بھی گڑگڑا کر آنسو نہ بہائے تو سر کدھر ٹکراؤ گے۔

ادھر میری نظروں کے سامنے روضہ اقدس کے بالمقابل رند و پارسا، فاسق و متقی، عالم و جاہل سب اپنے اپنے حال میں مست ہیں۔ ادھر میں مواجہہ شریف کے سامنے اس خیال میں غرق کہ مجھ جیسا ننگ امت اور یہ مقام۔ حیران و ششدر، فرط ہیبت و جلال سے گنگ و مضطر، حواس باختہ چپ چاپ، نہ زبان پر کوئی دُعا نہ دل میں کوئی آرزو، پورے جسم پر ایک لرزہ طاری، آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری۔ اب رب کو پکارا، یا اللہ تیرا عاصی بندہ، کہاں سے کہاں آ پہنچا ہے۔ تیرے حکم سے تیرے حبیب ﷺ کی اجازت سے۔ کیا یہ خواب ہے یا زندگی بھر دیکھے جانے والے خواب کی حقیقی تعبیر۔ کہاں میں مشت خاک کہاں یہ عالم پاک۔ جل جلالہٗ یہ بلالؓ حبشی کی اذانوں سے گونجنے والی مسجد نبویؐ ہے۔ یہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عثمان غنیؓ جیسے صحابہ کے ایثار کا مظہر ہے جہاں

مصعب بن عمیر، سید الشہد احمزہؓ ابوبکرؓ اور علی المرتضیٰؓ جیسی جنتی ہستیاں حاضر ہوتے ہوئے تھرتھراتی ہوں، جہاں عمر فاروقؓ جیسی قد آور شخصیت بولتے ہوئے لرزتی ہو، جہاں کی حاضری ملائکہ، صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، علما اور اولیاء وصلحا کے لیے فخر وشرف کا باعث ہو، آج وہاں ایک دور افتادہ پہاڑی گاؤں کا ایک یتیم، مسکین، اپنے قلب ونگاہ اور جسم و جان کے گناہوں سمیت بے تکلف اور بلا جھجک کھڑا ہے۔

میری کیفیت اس وقت بالکل عجیب تھی۔ دماغ حیران، عقل دنگ، زبان گنگ، صرف آنکھوں سے آنسو جاری تھے نہ زبان یاوری کرتی نہ لب کسی عرض معروض کے لیے ہلتے۔ نہ دُعاؤں کے الفاظ یاد پڑے، نہ ہی کسی نعت گو کی کوئی نعت خیال میں آئی۔ ائیر پورٹ سے مدینہ طیبہ شہر کی طرف اور ہوٹل سے مسجد نبویؐ کی طرف چلتے وقت دل میں کیا کیا ولولے اور کیسے کیسے حوصلے تھے لیکن یہاں قدم رکھتے ہی سارے منصوبے یک قلم غلط، سارے حوصلے پست اور ولولے یک لخت غائب، میں اس عالم اضطراب و حیرت میں درود ابراہیمی کے ساتھ ساتھ صلوٰۃ وسلام کے معروف کلمات کو بے سوچے سمجھے، بغیر غور وفکر کیے، رٹے ہوئے سبق کی طرح آہستہ آہستہ انتہائی پست آواز میں دوہرائے چلے جا رہا تھا۔

پروفیسر محمد الطاف طاہر اعوان
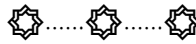
پرمسرت آنسوؤں کا سجدہ

علی الصبح مکہ معظّمہ سے روانہ ہو کر عصر سے قبل دارالقرار شہر پر بہار پہنچا۔ سامان کا بیگ پٹکا اور حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوا۔ موذن نے لحن داؤدی میں اللہ کی عظمت و وحدانیت اور اس کے رسول ﷺ کی اعلانیہ شہادت دینا شروع کر دی۔ برسوں کی خشک زمین پر نزول باراں سے جو تراوت پیدا ہوتی ہے، سالوں کے فراق زدہ دل کی باران رحمت نے اس سے کہیں زیادہ آبیاری کی۔ گناہوں کے سیم اور تھور سے بنجر ہو جانے والا دل خانہ خراب، ریاض الجنت کی کیاری کی طرح لہلہا اٹھا اور دوران نماز بلند و بالا نمازیوں کی موجودگی کا احساس ہوا تو روح مضطر نے قفس کی تیلیوں سے سر پھوڑنا شروع کر دیا ؎

معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت
اک فاسق و فاجر میں، اور ایسی کراماتیں!

نماز ختم ہوئی اور اب دعاؤں کی قبولیت کی باری آئی، انتہائے شوق کا تقاضا تھا کہ قدم بڑھائے ہوئے، حد ادب کا حکم تھا کہ پاؤں دبائے ہوئے، نگاہ جھکائے ہوئے، بار عصیاں پوچھتا تھا کہ کدھر جا رہا ہے، مجھ کو اٹھائے ہوئے تو احساس ندامت سے قدم رک جاتے تھے۔ بوجھ کی گرانی محسوس ہونے لگتی۔ وزن کا ایسا بار معلوم ہوتا تھا جو زمین میں گاڑے دے رہا تھا لیکن جب معاً یہ خیال آیا **وما ارسلنک الا رحمة للعالمین** تو سارے خوف و ہراس نے دم توڑ دیا۔ حزن و ملال نے پیچھا چھوڑ دیا۔ امید کی کرنوں میں صاف نظر آیا کہ پیاسا دریائے رحمت کے کنارے آ پہنچا، جہاں شفق کی لہریں موجزن ہیں۔ تشنہ کام دیرینہ ساقی کوثر کے در پر کھڑا ہے، جہاں جام لطف و کرم گردش

میں ہے۔ مدتوں کے صحرا نورد کو منزل مراد مل گئی تو از سرنو ہمت بندھ گئی۔ مردہ دل میں جان پڑ گئی اور مجھ جیسا بے کس و مجبور، مبتلائے فسق و فجور اپنی فرد عصیاں کھولے، بے بسوں کے والی، بے یاروں کے مددگار، بنی نوع انسان کے سب سے بڑے محسن وغم خوار، نبیوں کے سردار، شہ ابرار کی بارگاہ پر عظمت و وقار میں پیش ہو گیا۔ اس مجرم کی حیثیت سے، جسے عفو تقصیر کی بشارت مل گئی ہو۔ جوں جوں سلام پڑھتا رہا، دل کا بوجھ چھٹتا رہا، گناہوں کی گٹھڑی بے وزن معلوم ہونے لگی۔ دعاؤں کا حسن نکھرنے لگا۔ سوچا اس عالم اور اس طفیل میں بہت کچھ مانگوں، سب کچھ مانگوں، مانگتے ہی جاؤں۔ یہاں تک کہ سب دیکھ لیں کہ منگتا کیسا ہوتا ہے۔ دربانوں کو مجھ سے ہمدردی پیدا ہو جائے۔ ہر گزرنے والا اپنے ساتھ میرے لیے بھی مانگے۔ آخر کسی طرح تو آقائے نامدارؐ کی نظر و کرم کا سزاوار بن سکوں۔

پھر یکدم یہ خیال آیا کہ کہاں ایک ادنیٰ نافرمان اور کہاں وہ ہمیشہ کے مہربان تو مزید ڈھارس بندھ گئی۔ اسی عالم وارفتگی میں اپنے آپ سے زیادہ اپنے عزیز یاد آئے، دوست یاد آئے۔ وہ جو ایسے مبارک اور باسعادت موقعوں پر شریک رہے، وہ تمام محسنین، جنہوں نے اس در پر سلام پہنچائے اور رسائی کی راہ ہموار کی اور وہ دور افتادگان، جن کی جھولیوں کو ابھی یہ دولت میسر نہیں آئی ہے۔ خدا ان کو بھی اس نعمت عظمت سے بہرہ مند ہونے کا موقع دے۔

سلام کا توشہ نذر سرکارؐ کرنے کے بعد جب باہر نکلا تو مجھے اپنی ندامت پر بہت پیار آیا۔ یہی نہیں، اپنی گناہ گاری کی ادا بھی دل کو بھائی۔ چونکہ شرمساری اور احساس گناہ کی شدت نے اس مقام تک پہنچا دیا، جو خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ خداوند کریم ہر معصیت سے دور مگر دولت شرمساری کو بحال رکھے۔ گناہوں سے ہمیشہ بچائے رکھے لیکن احساس گناہ کبھی کم نہ ہو۔ (آمین)

بڑے لطف کا پہلو یہ ہے کہ اتنا کچھ مانگنے کے بعد جب باہر نکلو تو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی مانگا ہی کیا ہے۔ اس طلب آفرینی کا سبب دست سوال دراز کرنے والے کی ضروریات اور مجبوریاں نہیں، بلکہ یہ تو سرتا سر تقاضائے رحمت ہے۔ شیوہ رحمت للعالمین کی

بہت خفی سی جھلک ہے۔

بیت اللہ کی طرح حرم نبویؐ شریف میں بھی پذیرائی کے ایسے مواقع فراہم تھے کہ جدائی کی پیاس بجھ سکے۔ رسا کی ہوس کی شدت کم ہو جائے۔ منبر نبویؐ شریف، استوانہ مبارک بلکہ ریاض الجنتہ کی ہر ہر کیاری سجدہ ریزی کے اشارے کر رہی تھی۔ اپنی حالت کچھ ایسی تھی، جیسے مہینوں کے فاقوں کے مارے کو ایسے دستر خوان پر بٹھا دیا جائے، جہاں ہر قسم کے لذیذ کھانے، فواکہات اور مشروبات چنے ہوں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ غذا کے چند لقمے حلق سے اترتے ہی پیٹ بھرنے لگتا ہے، بھوک گرنے لگتی ہے۔ اس کے برعکس طلب روحانی رکھنے والے کو جب مطلوبہ نعمتیں دستیاب ہوتی ہیں تو پھر اشتہا کم نہیں ہوتی بلکہ خواہش تیز تر ہوتی جاتی ہے۔ جتنی عبادت کرو، جتنے نوافل پڑھو، جتنی دفعہ ستونوں کو گلے لگاؤ، جالیوں کی زیارت سے آنکھیں سجاؤ، دل یہی چاہتا ہے کہ مشاغل و اذکار میں ترقی ہی ہوتی رہے، مدت قیام بڑھتی رہے اور حضوری کے لمحات کبھی ختم نہ ہوں۔ بے یارو مددگار کو محض سہارے کا احساس ہی نہیں ہوتا بلکہ وفور اشتیاق میں بہت کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ دل کی آنکھوں میں بینائی پیدا ہونے لگتی ہے۔ کرم نوازیوں کے ظہور سے ادنیٰ غلام نشہ کیف و سرور میں اس قدر سرشار ہو جاتا ہے کہ حرم سے باہر نکلنے کو آمادہ ہی نہیں ہوتا اور جب باہر آتا ہے، تب بھی انوار کی فراوانی محسوس ہوتی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے حاضری کے بعد بے قراری میں اضافہ لیے لوٹتا ہے۔ دیرینہ ارمان اور التجائیں پوری ہونے کے بعد نئی آرزوئیں، نئی امنگیں بڑی آب و تاب سے نمودار ہو جاتی ہیں، جو فراق کو کیف آفریں بنا دیتی ہیں۔ پھر وہ دن بھی آتا ہے، جب یہ تمنائیں رنگ لاتی ہیں، دعاؤں کے پھول کھلنے لگتے ہیں، گرمی فراق باران رحمت کا موجب بنتی ہے اور یہی بے تابی اور بے قراری، رسائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔............

راز و نیاز کی باتیں زبانی نہیں بلکہ آنکھوں ہی آنکھوں میں دل کی زبان سے ہوا کرتی ہیں اور ان لطافتوں کا مزہ جاننے والے ہی لیا کرتے ہیں۔ کچھ لوگ بڑی بڑی لمبی دُعائیں مانگتے ہیں، بڑی اچھی تقریریں کرتے ہیں اور کچھ بیت اللہ کو گنبدِ خضرا اور

روضہ اقدس کی جالیوں کو محض تکا کرتے ہیں اور پہروں اسی عالم میں محو رہا کرتے ہیں۔ ان کی محویت کا عالم ایسا سرور آفریں ہوتا ہے کہ ان کو تکتے رہنے کو جی چاہتا ہے جس سے خود وجدانی کیفیات طاری ہونے لگتی ہیں۔ اس لیے ان ٹھکانوں کے رسیا جب بھی جاتے ہیں تو مقامات مقدسہ کی زیارت سے ہی فیض یابی پر قناعت نہیں کرتے بلکہ ان متوالوں کو دیکھنے کے بھی آرزومند رہتے ہیں اوران کی صحبت میں بیٹھنے کے متلاشی رہا کرتے ہیں۔ اللہ میاں ڈھونڈھنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتے، اپنے پیارے پیارے بندوں سے خود ہی ملوا دیتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خواب ملواتے ہیں۔ ایسے عاشقانِ کامل کا اگر سایہ میسر آجائے تو زندگیاں بدلتے دیر نہیں لگتی، رُوح بیدار ہو جاتی ہے گویا مقدر چمک اُٹھتا ہے۔ ان سادہ لوح مومنوں کو جب اپنے خالق و مالک یا اپنے آقائے نامدار ﷺ سے کبھی رازدارانہ، کبھی بیباکانہ انداز سے گفتگو کرتے سُنو تب ہی اُن کے تعلق اور مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر یہ گفتگو لوچ دار پوربی زبان میں ہو یا مزیدار پنجابی میں، کڑک دار پشتو میں ہو یا لچھے دار اُردو میں، نغمہ انگیز سندھی میں ہو یا اکھڑ بلوچی میں، یکساں مزہ دیتی ہے اور سمجھنے والے خوب خوب لطف اُٹھاتے ہیں۔ ایسی ہی ایک ملاقات حرم نبوی ﷺ کے درباری سے ہوئی جس کا حال خود بُلبل مدینہ قدوائی صاحب کی زبانی سماعت فرمایئے:

''اب سے پانچ چھے سال پہلے کی بات ہے نماز مغرب کے لیے مسجد نبویؐ میں نمازی بڑی تیزی سے جمع ہو رہے تھے۔ میں بھی کنکریوں پر بیٹھا انتظار کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک دراز قامت حاجی صاحب مجھ سے تین چار صفیں آگے آکر بیٹھ گئے۔ یہ ایک لمبا کرتا جس کے بائیں کاندھے پر نمایاں پیوند لگا تھا، زیب تن کیے ہوئے تھے اوراسی طرح کا ایک پیوند زدہ تہہ بند باندھے تھے۔ نماز کے بعد وہ کچھ ایسے انداز سے سبز گنبد کو دیکھنے لگے جیسے بہت کچھ کہہ رہے ہوں۔ اس عالمِ وارفتگی میں میری نظر یکبارگی ان پر پڑی، سچ تو یہ ہے کہ ان کی اس درویشانہ ہیئت کو دیکھ کر مجھے اپنی اُجل پوشی سے عریانی سی محسوس ہوئی۔ اُن کے وہ پیارے پیوند دیکھ کر دل تلملا اُٹھا اور یہ تمنا ہوئی کہ کاش مجھے بھی سنت نبوی ﷺ ادا کرنے کی توفیق ہوئی ہوتی۔ مجھے اس وضع قطع کو دیکھ کر کچھ یہ گمان سا ہوا کہ

ہو نہ ہو، یہ ہندوستان کی اُس بستی کے باشی ہیں جسے بالعموم پورب کہتے ہیں اور جو یوپی کا مشرقی حصہ ہے۔ وہ اپنے آقا کی خدمت میں کیسا سلامِ سادہ پیش کر رہے تھے۔ اس پیش کش میں کتنا خلوص، کتنی محبت اور کتنی اپنائیت تھی کہ سننے والوں کے دل تڑپ اُٹھیں۔ سلام کے ہزاروں اشعار میں بھی وہ لطف و شیریں بیانی میسر نہیں آسکتی جو اس ایک جملے میں پنہاں ہے، لیجیے سنیئے اور درود پڑھیئے۔ ''او نبی میاں ﷺ ہمرا سلام لے لیو''۔ یہ سن کر میں قریب تر ہو گیا اور پوچھا کہ بھیا کہاں سے آئے ہو؟ جواب ملا، ''بھیّا ہم ہندوستان سے آئے ہیں، پورب ہمرا دیس ہے۔ بس ہمرے دل ماں یُوں کھیال آوا، ہم اپنی مہریا سے کہن آؤ چلو مدینہ چلی اپنے نبی کا سلام کر آئی۔ بھیّا ہمرے دو ہی کھیتو نا رہن، بس ایک کھیتو نا بیچ ڈالن اور اپنے محمد ﷺ میاں کا سلام کرنے آئے ہن۔ ایک کھیتو نا ہمرے گھر کا بہت ہے اور بھیا ہمرے پاس کچھ ہو نہیں رہے بس اللہ کا نام رہے۔ دیکھو بھیّا نبی ﷺ کے دوارے یہاں کھڑے ہن''۔ میں نے کہا۔ ''ارے او بھیّا کچھ ہمری کھا طر دُعا کر یو''۔ اس پر وہ بولے ''ہم کہن بھیّا مورے ہم کا اور ہمری دُعا کا، اچھا چلو تمری کُھسی ہو جائے''۔ یہ کہہ کر اس مرد قلندر نے دونوں ہاتھ اُٹھا لیے، مگر نظریں گنبدِ خضرا کا ہی طواف کرتی رہیں۔ ''او گسّیاں ای بھیّن کا بھلا کر دیو، جتنے آئے ہیں سب کا بھلا کر دیو، سب تمرے دوارے آئے ہن، دیکھو کوئی کھالی جھولی نہ جائے''۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے ''بس بھیّا''۔ میں آہستہ آہستہ مودّب طریقے سے پیچھے ہٹ آیا، مگر کن انکھیوں سے مڑ کر اپنے دُعا گو محسن کو دیکھتا رہا اور ان کو بدستور اُس نظارہ جمال میں محو پایا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ رخصت ہوئے تو اس ادب و احترام کے ساتھ کہ گنبدِ خضرا کو پشت نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد متواتر کئی روز تک میری نظریں معمولی کھیت کے عوض جنت کا سودا کر لینے والے ان بزرگ کو ڈھونڈھتی رہیں مگر پھر ملاقات نہ ہو سکی۔''

مدینہ چھوٹتے وقت جو دلوں پر بیتی ہے، وہ زائرین کرام بخوبی جانتے ہیں۔ چونکہ دراصل اس دردِ مفارقت میں بھی قرب کی ہی لطیف جھلک ہوتی ہے، اس لیے ہر کسک مزہ دیتی ہے۔ کسی اور سے حالِ دل کہنے کو طبیعت میں آمادگی ہی نہیں ہوتی، بس

رونے سے ہی سکون ملتا ہے۔ فی الحقیقت اس مبارک مگر مختصر عرصہ قیام میں عقیدت کیش غلام لذتِ گریہ سے آشنا ہو جاتا ہے جس کے آگے ہر طرح کی خوشی ہیچ اور بے معنی معلوم ہوتی ہے۔ الحاج کبیر قدوائی صاحب جو اکثر رمضان مبارک سے قبل ہی بلا لیے جاتے ہیں، اُن کی حاضری چند سال سے نہیں بلکہ برسہا برس سے ہو رہی ہے۔ مہینوں قیام کا انعام اور سلام کی سعادت کمایا کرتے ہیں لیکن اس قدر نوازے جانے کے بعد بھی دل ان کا مدینے میں ہی پڑے رہنے کو چاہتا ہے۔ چنانچہ 1973ء میں جونہی ذی الحجہ کا چاند نظر آیا تو قدوائی صاحب پر جُدائی کا رنگ چڑھنا شروع ہو گیا اور دیارِ حبیب ﷺ سے رخصت ہونے میں جب صرف ایک دن رہ گیا تو ان کو عجیب عالم میں پایا، یعنی وہی ہمہ وقت مسرور و شاد کام رہنے والے قدوائی صاحب جو صبح و شام پیا کے آنگن میں اٹھکھیلیاں کرتے رہتے اور مٹھو کی طرح 'نبی جی بھیجو مِٹھو ہوں' کی سی میٹھی میٹھی بولیاں سبھوں کو سُناتے رہتے، اب مکمل خاموش نظر آنے لگے حتیٰ کہ سلام کا جواب دیتے وقت بھی روہانسے معلوم ہوتے بلکہ آمنا سامنا ہوتا تو نظریں جھکا کر کترا کر نکل جاتے۔ سچ پوچھئے تو اُن کے اس سوگ نے تمام مقیمانِ اصطفیٰ منزل کو سوگوار بنا دیا اور دل ہی دل میں ہر ایک اس دکھ میں اُن کا شریک تھا۔ اسی روز رات کو بعد نمازِ عشا خط ڈالنے نیچے اُترے اور واپس کچھ زیادہ دیر بعد ہوئے لیکن جونہی داخل ہوئے تو ایسا رنگ پلٹا ہوا تھا جیسے غم کی بدلی چھٹ کر دھوپ کا اجیالا نکل آیا ہو، چہرے پر بشاشت کا اظہار تھا۔ چال میں رندانہ مستی اور باتوں میں وہی والہانہ کیفیت۔ الغرض دُور سے دیکھ کر یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ کسی سے مل کر آئے اور کیا کچھ کما کر لائے ہیں۔ مسرت و انبساط کے اس عالم میں دیکھ کر ان سے وجہ پوچھنی پڑی تو بتلایا کہ ''گو کہ دیر کافی ہو گئی تھی پھر بھی نہ جانے کیوں ڈاکخانے خط ڈالنے کے بعد دل چاہا کہ سلام کر آؤں اور جب مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ زائرین واپس کیے جا چکے ہیں لیکن میرے قدم آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ سرہانے کی جالی مبارک کے قریب پہنچ گیا کہ اتنے میں ایک سپاہی نے میری گردن پکڑ لی۔ ابھی میں کچھ کہہ بھی نہ پایا تھا کہ ایک خادمِ حرم نے ٹوکتے ہوئے کہا انھیں آجانے دو۔ یہ سننا تھا

کہ مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور مواجہہ شریف بالکل خالی ہوتے ہوئے ایسے گھرے بلاوے کے باوجود مجھ میں اتنی سکت اور جرات نہیں تھی کہ تخلیے میں سامنے جا سکوں۔ کہاں میں ناچیز اور کہاں یہ کرم! یہ سوچنے سے سارے جسم میں لرزہ سا محسوس ہونے لگا۔ میں نے وہیں کھڑے رہ کر سلام پڑھا، حال دل سُنایا اور واپس آیا تو ہنستا مسکراتا چہچہاتا۔ واقعی ایسی شنوائی پر کون مسرور نہ ہوگا۔ ان کرم نوازیوں پر اگر کوئی خوشی سے پاگل ہو جائے تو وہ بھی کم ہے۔ پھر دوسرے دن علی الصباح سلامِ وداع کے لیے حاضر ہوا تو اُس وقت سکون کی دولت لیے لوٹا اور یہ نوید مل چکی تھی کہ دوبارہ بلوایا جاؤں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ دادو دہش کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوا اور آقائے نامدار ﷺ نے اپنے اس دیوانے کو پھر رمضان سے پہلے بُلا بھیجا۔ وہاں سے جب لوٹے تو عید میلاد کا نیوتا لیے آئے۔ چنانچہ **12** ربیع الاوّل کو دل کا ارمان نکالنے دیارِ حبیب ﷺ جا پہنچے اور جب سے لوٹے ہیں تو ایسے وارے نیارے ہوئے ہیں کہ کچھ نہ پوچھو۔ مختصر یہ کہ خود اپنے وزیر حج و اوقاف کو اس راز کو فاش کرنا پڑا اور انھوں نے بصد مسرت و احترام یہ اعلان کر دیا کہ اس بندہ خدا غلامِ رسول ﷺ کے لیے حج اور عمرہ کی آمد و رفت پر کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی پابندی نہیں، یہ جب جتنی بار چاہے، جائے۔ ہم تو ٹھہرے ایسوں کی دُعاؤں کے محتاج تو محسنوں کے مقدر پر رشک بھی کریں تو کیوں۔ اس لیے اس رسائی پر ناز کرتے ہیں اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ نے جیسے قدوائی صاحب کی پھیری ہماری بھی پھیر دے اور ہماری طلب میں بھی اتنی سچائی پیدا فرما دے کہ رسائی کا ذریعہ بن سکے۔ اب اپنی سنت کے مطابق جب بھی قدوائی صاحب حاضری سے قبل دُعاؤں کے تحائف دینے آتے ہیں تو میری آنکھوں میں دھوپ چھاؤں کا وہی منظر آ جاتا ہے۔ خدا مقدّر کی اس تابانی کو برقرار رکھے۔ آمین!

محمد ذاکر علی خاں
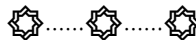
جالیوں سے چھن رہے ہیں روشنی کے آفتاب

مکانات میں قیام کر کے ہم نہائے، کپڑے بدلے، پاک صاف ہو کر مسجد نبویؐ کی جانب جانے کو تیار ہوئے۔اس وقت دل کی عجیب کیفیت تھی۔شوق میں جان وتن مائل پرواز تھے اور روضہ نبوی کی زیارت کی تمنا میں روح کالبد عنصری ہم سے پہلے پہنچ جانے کے لیے بے قرار تھے۔دل و دیدہ میں رقابت سی معلوم ہوتی تھی اور جان وتن میں نفسی نفسی کی حالت نمایاں تھی۔

ہم شہر پناہ کے ''باب مجیدی'' سے داخل ہوئے تو سامنے مسجد نبوی تھی۔ یہ عمارت کسی قدر نشیب میں واقع ہے۔اردگرد کی زمین بلند ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اصلی سطح کو قائم رکھا گیا ہے۔ بلند کرسی کے زینے سے عمارت بہ لحاظ تعمیر فن بے شک زیادہ خوشنما ہو جاتی ہے مگر جو برکت اصلی سطح کی ہے، وہ ضرور مفقود ہو جاتی ہے۔

ہم مسجد میں عجز وخشوع کے ساتھ داخل ہوئے۔تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد روضہ اطہر کی جانب گئے اور وجہ اقدس و انور (ﷺ) کے سامنے کھڑے ہو کر سلام عرض کیا۔ پھر حضور ﷺ کے وزراء ابوبکر صدیقؓ وعمر فاروقؓ پر سلام پڑھا اور پھر نماز ظہر میں شامل ہو گئے۔

اللہ اکبر! اس فرحت وشادمانی کا بیان نہ قلم سے ہو سکتا ہے نہ زبان سے۔ جو اس نعمت عظمیٰ کے حصوں سے ہمیں حاصل ہوئی تھی۔

24/محرم 1340ھ آج ہم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔مسجد نبویؐ میں 69 نمازیں ملیں۔ مدینہ چھوڑتے وقت جو رنج ہم محسوس کرتے تھے، اس کی نسبت میں نے سمجھا کہ یہ بھی ابوالبشر آدم علیہ السلام کا ورثہ ہے کہ جو رنج انہوں نے جنت چھوڑتے

وقت محسوس فرمایا، وہی رنج ان کی اولاد کے افراد مدینہ چھوڑتے وقت ضرور محسوس کریں۔
یہ تشبیہ مکمل ہو جاتی ہے۔

قاضی محمد سلیمان ؒسلمان منصور پوری

چلو میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں

ہم اس خنک شہر کی طرف اڑے جا رہے تھے، جہاں شاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام فرما ہیں۔ جس کی مٹی ہر آنکھ کے لیے خاک شفا اور ہر مرض کے واسطے کیمیا کی خاصیت رکھتی ہے۔ جہاں درد کا علاج ہوتا ہے اور تقدیر انسانی بنتی اور سنورتی ہے...... جہاں عشاق قدموں کے بجائے سر کے بل چل کر جانے کو سعادت اخروی خیال کرتے ہیں...... ہم نے بہ ایں ذوق وشوق رہ طیبہ اختیار کی تھی۔ ہمارا دل گھبرا بھی رہا تھا اور خوشی سے پاگل بھی تھا، گھبرا اس لیے رہا تھا کہ عقیدت ومحبت کے جو پھول ہم شاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں نچھاور کرنے کے لیے اپنی آنکھوں میں آنسوؤں کی صورت چھپا کر لیے جا رہے تھے، وہ اس محترم ومقدس ہستی کی عظمتوں کے قابل نہیں تھے...... اور خوش...... اس لیے تھے کہ خواہ جیسے کیسے بھی تھے، کیسے ہی عاصی و گنہگار تھے...... کتنے ہی خستہ و بے حال تھے، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے تھے اور اپنے آقا ومولاؐ کی قدم بوسی کے لیے جا رہے تھے۔

نمی دانم کہ آخر چون دم دیدار می رقصم
مگر نازم بہ ایں ذوقے کہ پیش یار می رقصم
بہ صد سامان رسوائی سر بازار می رقصم
بگرد مرکز خود صورت پرکار می رقصم

بہر حال جب ہم روضہ اقدس کی جالیوں کے قریب گئے تو عجب سماں تھا۔ ہزاروں لوگ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ گردنیں جھکائے دربار رسالت ﷺ میں کھڑے تھے اور اپنے دلوں کے زخم دکھا رہے تھے۔ ہر آنکھ پرنم تھی اور ہونٹوں پر خاموش

فریادیں تھیں۔ میں اور میری بیوی بھی آگے بڑھ کر اس ہجوم میں شامل ہو گئے، جو دربار نبوت ﷺ میں حاضری دے رہا تھا۔ جونہی جالیوں پر نظر پڑی، فرط عقیدت سے جذبات کا طوفان آنسو بن کر اُمڈ آیا۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ ہمارے لبوں پر درود وسلام کے الفاظ تھے مگر دل اپنے زخموں کو بالترتیب چشم نبوت کے سامنے پیش کر رہا تھا۔ دل کی بے اختیاری کا یہ عالم تھا کہ بار بار جالیوں کو چومنے کو جی چاہتا تھا لیکن محافظوں کی موجودگی ہمارے اور جالیوں کے درمیان ایک دیوار کی صورت کھڑی تھی مگر لوگ پھر بھی دھکے وغیرہ کھا کر جالیوں سے اپنے ہونٹ مس کر آتے تھے۔ ہمیں اگرچہ اس قانون شکنی کی ہمت نہیں تھی، پھر بھی ہم آنسو بھری آنکھوں سے ہی درگاہ عالی کو چوم رہے تھے اور ہر سانس کے ساتھ دلی عقیدتوں کا نذرانہ پیش کر رہے تھے۔ علامہ اقبال مرحوم و مغفور نے ان جذبات کی کیا خوبصورت عکاسی کی ہے ؎

تو ہم آں مے بگیر از ساغر دوست
کہ باشی تا ابد اندر بر دوست
سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں
بروبم از مژہ خاک در دوست

علامہ اقبال نے جس رکاوٹ کا ذکر اس شعر میں کیا ہے، وہ اب بھی موجود تھی اور میرا خیال تھا کہ یہ رکاوٹ نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر چند لمحوں کے لیے بھی گنبد خضرا کے محافظ یہاں سے ہٹ جائیں تو لوگ فرط عقیدت اور والہیت میں نہ صرف جالیوں کے ایک ایک انچ پر بوسے دیں بلکہ تبرکاً جالیاں ہی اکھاڑ کر لے جائیں۔ کیونکہ یہاں سب لوگ جس دیوانگی اور شیفتگی میں کھڑے درود وسلام بھیج رہے تھے اور جو سیلاب عزت و احترام ہمارے دلوں میں حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس کے لیے موجزن تھا، اس کے تقاضوں سے بغیر کسی پابندی کے عہدہ برآ ہونا مشکل تھا۔

راجہ محمد شریف

او پاؤں رکھنے والے! یہ جا چشم و سر کی ہے

ٹیکسی کار نئی تھی اور چلانے والا نوجوان۔ عمارات جدہ سے نکلتے ہی اس نے رفتار تیز کر دی۔ اب ٹیکسی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ بس میری نگاہیں تھیں اور مدینہ منورہ کی مقدس راہیں تھیں۔

ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے! یہ جا چشم و سر کی ہے

جوں جوں مدینہ منورہ قریب آ رہا تھا، بحر قلب میں جذبات عقیدت و محبت، موجوں کی طرح اٹھ رہے تھے اور عجیب و غریب کیفیات طاری ہو رہی تھیں۔ احساس شرم گناہ، دیوانگی عقیدت و محبت، شوق زیارت، مسرت قیام مدینہ، حاضری شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خصوصاً یہ احساس کہ کہاں میں کمینہ اور کہاں وہ مقدس مدینہ، کہاں میں روسیاہ اور کہاں وہ شہنشاہ، کہاں میں بدکار اور کہاں وہ سید ابرار، کہاں میں ناپاک اور کہاں وہ شہ لولاک (ﷺ)۔

نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

الغرض ادب و نیاز، عجز و انکسار کے ساتھ درود شریف پڑھتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک قہوہ خانہ پر ظہر کی نماز ادا کی۔ تقریباً ساڑھے پانچ گھنٹہ کا سفر طے کرنے کے بعد نگاہوں کے سامنے گنبد خضرا، مسجد نبویؐ کے مینار اور مدینہ منورہ کے در و دیوار تھے۔ نگاہیں فرط عقیدت سے جھک کر نذرانہ محبت پیش کرنے لگیں۔ قلب جذبات محبت سے لبریز ہو کر سجدہ ریز ہو گیا۔ زبان وقف صلوٰۃ وسلام ہو گئی۔

سبحان اللہ! کیسا عجیب اور نورانی منظر ہے۔ کیسی مبارک ہوائیں اور فضائیں ہیں۔ کتنا پیارا اور حسین خطہ ہے۔

بلاشبہ مکہ مکرمہ ہر مسلمان کو محبوب ہے لیکن مدینہ منورہ محبوب تر ہے اور کیوں نہ ہو، جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی ہے:

''اے اللہ! تو مدینہ کو ہمارا ایسا محبوب بنا دے جیسا کہ مکہ، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔'' (مسلم شریف)

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

مولانا محمد شفیعؒ اوکاڑوی

اے راہروانِ شوق یہاں سر کے بل چلو

حج کی سعادت سے شرف یاب ہونے کے بعد دل روضہ اطہر کی زیارت کے لیے مضطرب تھا۔

شمار شوق ندانستہ ام کے تاچند است
جز ایں قدر کہ دلم سخت آرزو مند است

روضہ اقدس پر حاضری کا خیال آتے ہی جسم پر ایک کپکپی طاری ہوگئی۔ دل پر بے پناہ افکار کا تلاطم امڈ آیا۔ ایک طرف اپنی کم مائیگی اور تہی دامنی پر نظر پڑتی اور دوسری جانب اس بارگاہ عالی کی رفعت اور عظمت پر۔ ایک طرف مُور بے مایہ اور دوسری جانب شکوہِ سلیمانی۔ آخر شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نے سہارا دیا اور میں سنبھل کر خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے چند قدم آگے بڑھا۔ مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر مودبانہ درود و سلام پیش کیا۔ ان احباب کی طرف سے بھی، جنھوں نے ہدیہ سلام پہنچانے کو کہہ رکھا تھا، یہ خوش گوار خدمت بجا لایا اور لوگ نہایت شوق اور محبت سے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سلام پڑھنے میں مشغول تھے۔ اکثر زائرین عقیدت کے پھول آنسوؤں سے تر کر کے پیش کر رہے تھے۔ پاس ادب کے لیے سب کی آوازیں دھیمی تھیں۔ سامنے کی دیوار پر ایک طغریٰ آویزاں تھا جس پر قرآن حکیم کی یہ آیت ہر زائر کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔

- ❑ ''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ مبادا تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔'' (الحجرات:2)

اس حکم خداوندی کے پیش نظر ہر زائر، خواہ وہ شہنشاہ ہفت اقلیم ہو یا گدائے بے نوا، دم بخود ہو کر سلام عرض کرتا ہے۔ یہاں وہ ذات پاک محو استراحت ہے جو باعث ایجاد عالم ہے۔ رحمتہ للعالمینؐ ہے۔ خلق عظیم کی مالک ہے۔ مخلوق میں سب سے ارفع اور بلند ہے۔ کائنات پر خدا کا سب سے بڑا احسان ہے۔ اس کے ظہور سے کفر و شرک کی تیرہ و تار رات ختم ہوئی اور توحید کی صبح دلنواز کا آغاز ہوا۔ اس ذات اقدس کا نقش پا زندگی کی ہر شاہراہ پر ثبت ہے۔ غرض یہ کہ قلم اس ہادی برحق کے اوصاف لکھنے سے قاصر ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

اس مقام پر عقل سلیم اور عشق و محبت میں تصادم ناگزیر تھا۔ جذب و شوق کی بے پناہ یلغار کے آگے عقل کو ہتھیار ڈالنے کے سوا اور چارۂ کار نہ تھا۔ لیکن اللہ اور رسولؐ کے ان واضح احکام نے دل کو تھامے رکھا اور نذرانہ عقیدت کسی ایسی حرکت سے مملو نہ ہوا، جو شرعی لحاظ سے ممنوع ہو۔

زائرین کا حرم شریف میں غیر معمولی ہجوم رہتا ہے۔ تلاوت کلام پاک، نماز اور درود و سلام سے ایک روحانی کیف طاری رہتا ہے۔ میرے قیام کے دوران خوش قسمتی سے مصر کا مشہور قاری الشیخ محمود المصر ی آیا ہوا تھا۔ وہ عشاء اور فجر کے وقت نہایت خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کلام اللہ کیا کرتا تھا۔ اس کی آواز میں غضب کا سوز و گداز تھا۔ ایک دن عشاء کی نماز سے پہلے سورۂ مزمل کی تلاوت کر رہا تھا۔ صحن مسجد پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ نبض کائنات رکی ہوئی ہے۔ سامعین داد دینے کے لیے بے اختیار ہو جاتے، لیکن پاس ادب سے زبانیں گنگ تھیں۔ پھر بھی دبی دبی داد سے ہوا میں کئی بار خفیف سی سرسراہٹ پیدا ہوتی تھی۔ اچانک ایک شخص پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ وارفتگی کے عالم میں سر کو زمین پر پٹخنے لگا۔ اتنے میں خدام آئے اور اسے اٹھا کر باہر لے گئے۔ مسجد میں پانی پلاتے وقت جب ایک بچے نے مجھے دعا دی کہ **انشاء اللہ عودا** (اللہ نے چاہا پھر بھی آؤ گے) تو آنکھیں فرط جذبات سے نمناک ہو گئیں اور دل

سے دعا نکلی کہ خدا کرے، یہ سعادت پھر حاصل ہو۔

ملک الموت میں حاضر ہوں مگر اتنا کرم
اور اک بار مدینے کا سفر ہو جائے

حاجی میاں محمد شفیع

نہ تابِ نظارہ نہ تاب ثنا ہے

11 فروری **1934**ء کو علی الصبح ہمارا قافلہ شہر نبوی ﷺ میں داخل ہوا۔ اس کے قریب پہنچتے ہی کسی نے زوردار آواز میں پکارا۔ ''وہ مدینہ آ گیا''۔ اس مژدہ جانفزا کے سننے کے لیے عرصے سے کان مشتاق، دل مضطرب اور طبیعت بے قرار تھی۔ یہ مبارک کلمہ سنتے ہی کئی ایک کی آنکھوں نے سیلاب محبت بہانا شروع کر دیا۔ خدا جانے ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی کہ دل سینوں میں اچھلنے لگے۔ کلیجوں میں سے بے ساختہ ایک ہوک سی اُٹھی۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے، بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ پسینے چھوٹنے لگے۔ آنکھوں نے ٹپ ٹپ قطرات اشک گرانے شروع کر دیئے۔ اس پیارے شہر کی ایک ہی جھلک سے آنکھوں میں نور، دل میں سرور پیدا ہو گیا۔ یاد نہیں ہم نے وہ نظارا خواب میں دیکھا یا فی الواقع عالم بیداری میں، محویت طاری تھی۔ دل کی کیفیت نا قابل بیان تھی۔ خبر نہیں ہم اُس وقت کہاں تھے۔ خوشی کی ایک لہر دل میں اتری جاتی تھی۔ پھر جوش میں تبخیر پا کر دماغ پر چھا جاتی تھی۔ ہوش و حواس جسم خاکی کو وداع کہہ رہے تھے۔ فرط مسرت و انبساط کا یہ عالم تھا کہ روح تحلیل ہوتی تھی۔ بدن کے تمام بے تاب، رگ و پے سوز و گداز کے مرحلے طے کر رہے تھے۔ عقل گم تھی، کیف و وجدان کی وہ کیفیت کہ نہ زبان سے بیان ہو سکتی ہے، نہ قلم اسے ضبطِ تحریر میں لا سکتا ہے۔

الحمدللہ! آج ہم ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں، جہاں سے دیارِ مقدس اور گنبد خضرا کا دلکش منظر سامنے ہے۔ شمع معرفت کی تجلیاں خرمن صبر و قرار پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ وادیٔ ایمن کے وہ بے حجاب جلوے دلوں میں تڑپ پیدا کر رہے ہیں۔ بے چین دل، اشکبار آنکھیں، زرد چہرے، سرخ اور پرداغ سینے، کوفتہ اور شکستہ اعضا آج اپنے مشاغل

کے لیے ایک نئی کیفیت محسوس کر رہے ہیں۔ سینے میں جو آگ مشتعل تھی، اب اس سے شعلہ جوالہ نکل نکل کر آہِ آتشیں کی صورت اختیار کر رہے ہیں۔

پہلو میں کچھ میٹھا میٹھا درد اٹھتا ہے اور ٹھنڈے سانس کے ساتھ سیلاب اشک بہاتا ہوا ایک دم بیٹھ جاتا ہے۔ دل خوش ہے کہ اس نے اپنے ارمانوں کا خزانہ پا لیا ہے۔ حسرتیں بے تاب ہیں کہ ان کے مدفون رہنے کا زمانہ ختم ہوا۔ انسانی فطرت جس حقیقی حسن کی تلاش میں سرگرداں تھی، وہ سامنے کی پہاڑیوں کے درمیان سبز نقاب میں جلوہ ریز ہے۔ پاک روحیں جس حیاتِ ابدی کے لیے بے تاب تھیں، اس کا سرچشمہ سامنے چھلک رہا ہے۔ خوش قسمتی کا فرشتہ سامنے آواز دے رہا ہے۔

اے خستہ دل، شکستہ پا مسلمانو! امید و بیم کے صحراو سمندر طے کرنے والے جوانو! شمع حقیقت پر جان فدا کرنے والے پروانو! سفر اور انتظار کی کوفت، بیماری و کمزوری کے مصائب، کم مائیگی اور بے سروسامانی کی مشکلات کو خندہ پیشانی اور استقلال و صبر کے ساتھ برداشت کرنے والے انسانو! آؤ۔ آؤ وہ سامنے حیات ابدی کا پر جوش اور ابلتا ہوا مقدس چشمہ جس کے لیے تم تشنہ لب اور وقف اضطراب ہو، مصروف دعوت ہے اور تمہارا منتظر ہے۔ مبارک ہو، تمہاری محبتیں ٹھکانے لگیں، تمہاری دعائیں قبول ہوئیں، تمہاری دیرینہ آرزوئیں بر آئیں، نخلِ تمنا بارآور ہوئی۔ منزل مقصود قریب آ گئی ہے۔ تم حرم نبوی ﷺ میں آ گئے۔ تم حصار امن میں پہنچ گئے۔ تم رحمۃ للعالمین ﷺ کے سایہ میں ہو۔ تم محبوب خدا ﷺ کے مہمان ہو۔ تم آقائے دوجہاں ﷺ کے پاک آستاں پر آ گئے ہو۔ تم نے اپنا مقصود حاصل کر لیا، دل کی مرادیں پا لیں۔ دردِ دل کی دوا اور بیماریوں سے شفا کامل جانا تم کو مبارک ہو۔ یہ وہ شہر ہے جہاں آشفتہ سری کا علاج ہوتا ہے، وہ مقدس مقام ہے جہاں محبت کے دیوانے شفا پاتے ہیں۔ وہ پاک شہر رسول اللہ ﷺ کا مبارک وطن اور رشک فردوس بریں یہی ہے، جس کی محبت تمہیں کشاں کشاں یہاں لے آئی ہے۔

شہر مقدس کے پہلے دروازے عنبریہ سے اندر داخل ہوئے تو سعودی فوج کے دستوں نے سلامی سے ہمارے کارواں کا استقبال کیا۔ ہز ایکسلنسی امیر مدینہ مع اپنے

سٹاف اور زعما و عمائدین شہر موجود تھے۔ استقبالیہ رسم سے فارغ ہو کر ریلوے اسٹیشن مدینہ کے عالی شان ایوان میں داخل ہوئے جسے خاص اہتمام سے سجایا گیا تھا۔ قہوہ، شربت اور آبِ خورعنبری سے تواضع کے بعد قافلہ مع اپنے سالار کے حرم نبوی ﷺ کی زیارت اور درِ رسول ﷺ پر حاضری کے لیے ادب و احترام کے ساتھ پیادہ پا روانہ ہوا۔ حرم پاک کے باب السلام پر پہنچ کر بے تابانہ سلام عرض کیا۔ ہم ناچیز و ناتواں آستانہ مبارک پر پہنچ گئے۔ دل و دیدہ کی کیفیت عجیب تھی۔ روضۂ نبوی کے پروانے گنبد خضرا کے سائے میں کھڑے ہیں۔ یہاں زائرین کا ہجوم ہے۔ شمع منور پر پروانے متواتر گر رہے ہیں۔ ہر شخص اخلاص و عقیدت کے ساتھ صلوٰۃ و سلام، درود و نماز اور تلاوت و تسبیح میں مصروف ہے۔ صحن حرم خوش نصیب مسلمانوں اور شمع جمال نبوی ﷺ کے پروانوں سے پر ہے۔ مگر کیا مجال جو کوئی آواز بلند ہو۔ ہر دل پر ادب کا سکہ جاری ہے۔ کیف و معرفت کا دور چل رہا ہے، روحانیت کا سمندر موجزن ہے۔ جس کو دیکھو مصروف مجاہدات اور محو تجلیات ہے۔ کسی کو اپنی خبر نہیں۔ سب اسی جالی والے ایوان عظیم الشان کی طرف ٹکٹکی باندھے متحیر اور ازخود رفتہ کھڑے ہیں۔ کوئی درود و سلام پڑھ رہا ہے، کوئی دلائل الخیرات کا ورد کر رہا ہے۔ کسی کی آنکھوں سے سچے موتی ٹپک رہے ہیں۔ کوئی خاموشی میں ٹھنڈے سانس بھر رہا ہے۔ غرضیکہ ہر شخص اپنے اپنے دل کی کیفیت کو اپنی اپنی زبان سے محبوب ﷺ کی جناب میں پیش کر رہا ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ میں ہدیہ ارادت پیش کر کے شیخینؓ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے مزار سیدہ النسا حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے سامنے پہنچے اور وہاں اظہار نیاز مندی ادا کیا۔

مدت کی آرزوئیں پوری ہوئیں۔ دل کے ارمان نکلے۔ نیاز مندانہ سلام سے فراغت پا کر صحن حرم کی شمیم جاں فزا سے معطر ہوتے ہوئے ہم سب اپنے بلند اقبال قافلہ سالار کی معیت میں اپنے کیمپ میں آ گئے۔

سر محمد صادق خامس عباسی

جنبش لب نہیں، چشم تر چاہیے

حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ہماری دوسری منزل مدینہ منورہ تھی۔ بچپن ہی سے زبان پر یہ دعا رہی، میرے مولا بلا لے مدینے مجھے، آج اس دعا کی قبولیت کا دن تھا۔ میں سوچنے لگا کتنے خوش نصیب ہیں ہم کہ جس راستے پر سوئے مدینہ روانہ ہو رہے ہیں، اسے نبی کریم ﷺ کے مبارک قدم چومنے کا اعزاز حاصل ہے۔ چار سو پینسٹھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہماری بس مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہوئی۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر جھلملانے لگا۔ جب یثرب کی معصوم لڑکیوں نے دف بجا کر حضور نبی کریم ﷺ کا استقبال کیا اور ترانہ گایا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا مادعی للہ داع

وہ گا رہی تھیں کہ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے چاند نکل آیا، اب ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ دعا مانگنے والوں نے دعا کی جو قبول ہوگئی۔ اسی دوران کچھ اور لڑکیاں آ گئیں اور جھوم جھوم کر دف بجاتے ہوئے گانے لگیں۔

نحن جوار من بنی نجار

یا حبذا محمد من جار

ہم خاندان بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، محمد ﷺ ہمارے کیا ہی اچھے ہمسایہ ہیں۔

شہر نبی میں داخل ہوتے ہی دل نے چاہا کہ برہنہ پا ہو جاؤں اور مدینے کی خاک کو اپنی پلکوں سے چھولوں۔ اس شہر لاجواب میں تو حضور ﷺ کے نقش پا قدم قدم پر مرتسم ہیں، میں گستاخ کیوں بنوں کہ جوتوں میں پاؤں رکھوں، امام مالکؒ نے بھی تو یہی

کیا تھا، خلیفہ مہدی عباسی نے انہیں دربار خلافت میں طلب کیا اور سواری بھیجی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر اسے لوٹا دیا، میں مدینے میں سوار ہو کر نہیں نکلتا کہ ان ہی گلیوں میں رسالت ماب ﷺ پیدل پھرا کرتے تھے۔ میں نے جوتے ہاتھ میں تھام لیے۔

ہم اس تقدس ماب شہر کی گلیوں سے گزر رہے تھے جس کی فضاؤں میں تاجدار نبوت کے جسم اطہر کی خوشبو رچی بسی ہے، جس پر آسمان سے رحمتوں کی بارش ہوتی ہے، جہاں فرشتے پر باندھے مودب کھڑے رہتے ہیں۔ یہ شہر محبتوں کا شہر ہے، یہاں جمال بکھرا نظر آتا ہے۔ یہ وہ شہر ہے جس کے مکینوں نے نبی کریم ﷺ کو اپنے دامن میں پناہ دی اور ان کی ذات بابرکات پر اپنی جانیں وارفتہ کر دیں۔ راستے میں مجھے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث یاد آ گئی کہ مدینہ کی گھاٹیوں پر فرشتے متعین ہیں تا کہ اس شہر میں طاعون داخل ہو نہ دجال۔ رفیقوں کے ساتھ محو استراحت ہیں۔ میں عالم استغراق میں کھو گیا، ماضی کے دریچے ایک ایک کر کے کھلتے چلے گئے، میرے نبی ﷺ کی یہ آرام گاہ، کبھی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر تھی، اس صدیقہؓ کا گھر جو حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ پیاری تھیں، جن کی شبیہہ خواب میں حضور ﷺ کو دکھائی گئی اور جن کی گود میں نبی کریم ﷺ نے زندگی کی آخری ہچکی لی۔ حضرت عائشہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے تین چاند ٹوٹ کر آئے اور سیدھے ان کی جھولی میں آ گئے۔ اس مدفن میں جو حجرہ عائشہؓ تھا واقعی تین چاند، رسالت ماب ﷺ، صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جلوہ افروز ہیں۔ یہ مسجد جسے رسالت ماب ﷺ نے ایک چھوٹے سے قطعہ اراضی پر کچی اینٹوں سے تعمیر کیا تھا، آج نیلگوں آسمان تلے پوری دنیا میں حسن تعمیر کا انوکھا اور بے مثال مرقع ہے، مصطفیٰ کمال نے یاد دلایا کہ رسالت ماب ﷺ کے دور مبارک کا پورا مدینہ اب اس مسجد میں سما چکا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر اس مسجد کو صنعا (یمن) تک بھی وسیع کر دیا جائے تو یہ میری ہی مسجد رہے گی۔ ڈاکٹر منظور حسین نے جن کے لبوں پر ہر وقت درود رہتا ہے، انتباہ کیا کہ آج کی نماز ظہر کے ساتھ ہی ہماری ان چالیس نمازوں کی گنتی شروع ہو گئی ہے جو مسجد نبوی میں ادا

کرنی ہیں۔ ارشاد نبی ﷺ ہے، جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں اس اہتمام کے ساتھ پڑھے گا کہ درمیان میں کوئی نماز فوت نہ ہو، وہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا اور جو شخص باوضو ہو کر اس مسجد میں ایک نماز ادا کرے گا، اسے حج کے برابر ثواب ملے گا۔

محمد ظفیر ندوی
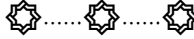
اس کے آگے کوئی جادہ ہے نہ منزل نہ مقام

اس بستی سے لوٹے تو طبیعت بوجھل تھی مگر جب ہوٹل جا کر سامان باندھنا شروع کیا تو اگلی منزل کے تصور ہی سے طبیعت بشاش ہوگئی۔ آج کی رات درِ حبیب میں بسر ہوگی۔ اپنی خوش بختی پر یقین نہیں آتا تھا۔ یہ سفر تو وہ ہے، جس سے بہتر کوئی سفر نہیں اور یہ منزل تو وہ منزل ہے، جس کے لیے اقبال اس طرح دعا کرتے تھے:

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کرے

اب اس در پہ حاضری کا ارادہ تھا، جس کی ناصیہ سائی کے لیے یہ سارا سفر اختیار کیا تھا۔ بچپن میں والد صاحب مرحوم کو اکثر تہجد کی نماز کے بعد بصد رقت یہ التجا کرتے سنا تھا:

نسیما! جانب بطحا گزر کن
ز احوالم محمدؐ را خبر کن

مگر قدرت نے ہم گنہ گاروں کو اس قابل سمجھا تھا کہ حال زار سنانے کے لیے ہوا یا کسی اور واسطے کے بغیر خود ہی روبرو گزارش احوال کر سکیں۔ ڈر یہ تھا کہ اتنے بڑے دربار میں زبان بھی کھل سکے گی یا نہیں۔ کبھی کبھی تو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ ہم جیسے حقیر انسان اتنی مقدس اور متبرک سرزمین پر قدم رکھ سکیں گے اور ان جگہوں کو دیکھ سکیں گے، جنہوں نے ان گنت پیغمبران کرام اور سب سے بڑھ کر صاحب لولاک ﷺ کی زیارت کی ہے اور اس خاک پر ہمارا گزر ہوگا، جسے ان برگزیدہ ہستیوں کی قدم بوسی کا شرف نصیب ہوا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ذہن کام نہیں کرتا تھا اور حالت خواب کا گمان ہوتا تھا۔ پھر اچانک ذات خداوندی کی بے نیازی اور اس کی بے پایاں رحمت کا تصور کر کے، قلب و ذہن، عجز و تشکر کے

جذبات سے بھر جاتے تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دور ہی سے مسجد نبویؐ کے بلند اور نازک مگر باوقار مینار اور روضہ اطہر کا سبز گنبد نظر آنے لگے۔ فضا میں ایک عجب سکون اور آسودگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک مختصر سے شہر کو قدرت نے سکون اور آسودگی سے محیط کر رکھا ہے۔ اس سکون کے باوجود روضہ اطہر کی زیارت کا شوق دل میں طوفان اٹھا رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، جسم میں ارتعاش پیدا ہوا اور آنکھیں اس منظر کو سمو لینے کے لیے بے قرار ہو گئیں۔ زبان پر بے اختیار آ گیا:

بلغ العلی بکمالہ کشف الدجی بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ وآلہ

جب ٹیکسی مسجد کے بڑے دروازے باب عبدالمجید کے سامنے رکی تو مسجد سے ظہر کی اذان کی دلنواز صدا بلند ہوئی۔ نبیؐ کے اپنے شہر میں ان کی نبوت کی تصدیق با آواز بلند ہو رہی تھی۔ ذہن میں فوراً اس منظر کا خیال آ گیا جب بلالؓ حضورؐ کو دیکھتے ہوئے اذان میں ان کی نبوت کی شہادت دیا کرتے تھے۔

کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی اس کی

اب وہ مناظر کہاں؟ ہاں اگر قلب منور ہو جائے تو زمان و مکاں کے فاصلے مٹ سکتے ہیں اور انسان سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔

ہوٹل پہنچ کر غسل کیا اور کپڑے بدل کر دربار نبویؐ میں حاضری کی تیاری کی۔ کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو گنبد خضرا، مینار اور مسجد کا صحن بالکل سامنے تھے۔ چند لمحوں کے لیے نگاہیں وہیں جم گئیں اور یقین نہیں آتا تھا کہ ہم مسجد کے اس قدر قریب ہیں۔ مسجدیں تو لاتعداد ہیں مگر یہ حضورؐ کے جسد اطہر کی امین بھی ہے اور اس کی بنیادوں میں حضورؐ کا پسینہ بھی شامل ہے۔ کچی اینٹوں اور کھجور کے تنوں سے بننے والی یہ دنیا کی عظیم

ترین مسجد تھی۔ ہم اپنی خوش بختی پر نازاں اور درود وسلام بھیجتے ہوئے باب عبدالمجید سے گزر کر حضورؐ کے عظیم دربار میں داخل ہو گئے اور آنکھیں اس منظر کو تلاش کرنے لگیں، جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا

جالیوں کے قریب پہنچے تو عرق انفعال کے قطرے ٹپکنے لگے کہ شاید شان کریمی موتی سمجھ کر چن لے۔ زبان گنگ تھی مگر دل کو جامی نے زبان دے دی:

ز رحمت کن نظر برحال زارم، یا رسول اللہ
غریبم، بے نوائم، خاکسارم، یا رسول اللہ
توئی تسکین دل، آرام جان، صبر و قرار من
رخ پرنور، بہ نما، بے قرارم، یا رسول اللہ

نگاہیں اس بیضوی نشان پر اٹھتی تھیں، جو حضورؐ کے چہرۂ پرنور کی نشان دہی کرتا ہے اور خود بخود جھک جاتی تھیں۔ قرآن نے اسی کو تو ''سراج منیر'' کہہ کر اس کی ضیاء پاشیوں کی تصدیق کی ہے:

حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

عجب منظر تھا۔ بے شمار لوگ دنیا و مافیہا سے بے خبر زار و قطار رو رہے تھے۔ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر رہے تھے اور جھولیاں پھیلا پھیلا کر رحمت عالم سے ہدایت اور شفاعت کی بھیک مانگ رہے تھے۔ ہم نے بھی بادیدۂ تر عرض احوال کی۔ اپنے بے بضاعتی کا اعتراف کیا، عفو اور راہنمائی کے طلب گار ہوئے اور اپنے ملک اور قوم کے لیے حضورؐ کی عنایات کی التجا کی۔ اس کے بعد دو قدم آگے بڑھے تو حضرت صدیق اکبرؓ کے سامنے حاضر ہو گئے، جو زندگی کے بعد موت میں بھی حضورؐ کے قریب ترین ہیں اور جن کی پوری زندگی کا مطمح نظر صرف یہ تھا:

صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

ان کے ساتھ ہی تاریخ اسلام کی عہد آفریں شخصیت حضرت عمرؓ محوخواب ہیں۔

ان کی خدمت میں سلام عاجزانہ پیش کیا۔

مسجد نبویؐ میں گزرے ہوئے وہ چند لمحے ہمیشہ یاد رہیں گے۔ قلب اور ذہن کی عجب کیفیت تھی۔ حضورؐ کی جائے منبر اور محراب سامنے تھی۔ زمین وہ تھی، جہاں تاریخ عالم کے سب سے برگزیدہ انسانوں نے سجدے کیے ہیں۔ چوکھٹ وہ تھی، جہاں سلاطین بھی سر جھکا کر اور عجز و نیاز کے ساتھ آتے ہیں۔ در و دیوار وہ تھے، جہاں ہر وقت انوار الٰہی کی بارش ہوتی ہے۔

ڈاکٹر محمد عارف

ارے سر کا سودا ہے او جانے والے

11 فروری **34**ء کو علی الصبح ہمارا قافلہ شہر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہوا۔ اس کے قریب پہنچتے ہی کسی نے زوردار آواز میں پکارا ''وہ مدینہ آ گیا''۔ اس مژدہ جاں فزا کے سننے کے لیے عرصے سے کان مشتاق، دل مضطرب اور طبیعت بے قرار تھی۔ یہ مبارک کلمہ سنتے ہی کئی ایک کی آنکھوں نے سیلاب محبت بہانا شروع کر دیے۔ خدا جانے ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی کہ دل سینوں میں اچھلنے لگے۔ کلیجوں میں سے بے ساختہ ایک ہوک سی اٹھی۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے، بدن میں لرزہ پیدا ہو گیا، پسینے چھوٹنے لگے۔ آنکھوں نے ٹپ ٹپ قطرات اشک گرانے شروع کر دیے۔ اس پیارے شہر کی ایک ہی جھلک سے آنکھوں میں نور، دل میں سرور پیدا ہو گیا۔ یاد نہیں ہم نے وہ نظارہ خواب میں دیکھا یا فی الواقع عالم بیداری میں، محویت طاری تھی۔ دل کی کیفیت نا قابل بیان تھی۔ خبر نہیں ہم اس وقت کہاں تھے۔ خوشی کی ایک لہر آنکھوں کی راہ سے دل میں اتری جاتی تھی۔ پھر جوش میں تبخیر پا کر دماغ پر چھا جاتی تھی۔ ہوش وحواس جسم خاکی کو الوداع کہہ رہے تھے۔ فرط مسرت وانبساط کا یہ عالم تھا کہ روح تحلیل ہوتی جاتی تھی۔ بدن کے تمام بے تاب رگ و پے سوز و گداز کے مرحلے طے کر رہے تھے۔ عقل گم تھی، کیف و وجدان کی وہ کیفیت کہ نہ زبان سے بیان ہو سکتی ہے، نہ قلم اسے ضبط تحریر میں لا سکتا ہے۔

الحمدللہ! آج ایسے مقام پر پہنچ گئے ہیں، جہاں سے دیار مقدس اور گنبد خضرا کا دلکش منظر سامنے ہے۔ شمع معرفت کی تجلیاں خرمن صبر و قرار پر حملہ آور ہو رہی ہیں۔ وادی ایمن کے وہ بے حجاب جلوے دلوں میں تڑپ پیدا کر رہے ہیں۔ بے چین دل، اشک بار آنکھیں، زرد چہرے، سرخ اور پر داغ سینے، کوفتہ اور شکستہ اعضاء آج اپنے مشاغل کے

لیے ایک نئی کیفیت محسوس کر رہے ہیں۔ سینے میں جو آگ مشتعل تھی، اب اس سے شعلہ جوالا نکل نکل کر آہ آتشیں کی صورت اختیار کر رہے ہیں۔

پہلو میں کچھ میٹھا میٹھا درد اٹھتا ہے اور ٹھنڈے سانس کے ساتھ سیلاب اشک بہاتا ہوا ایک دم بیٹھ جاتا ہے۔ دل خوش ہے کہ اس نے اپنے ارمانوں کا خزانہ پا لیا ہے۔ حسرتیں بے تاب ہیں کہ ان کے مدفون رہنے کا زمانہ ختم ہوا۔ انسانی فطرت جس حقیقی حسن کی تلاش میں سرگرداں تھی، وہ سامنے کی پہاڑیوں کے درمیان سبز نقاب میں جلوہ ریز ہے۔ پاک روحیں جس حیات ابدی کے لیے بے تاب تھیں، اس کا سرچشمہ سامنے چھلک رہا ہے۔ خوش قسمتی کا فرشتہ سامنے آواز دے رہا ہے۔

اے خستہ دل، شکستہ پا مسلمانو! امید و بیم کے صحرا اور سمندر طے کرنے والے جوانو! شمع حقیقت پر سے جان فدا کرنے والے پروانو! سفر اور انتظار کی کوفت، بیماری و کمزوری کے مصائب، کم مائیگی اور بے سروسامانی کی مشکلات کو خندہ پیشانی اور استقلال وصبر کے ساتھ برداشت کرنے والے انسانو! آؤ آؤ! وہ سامنے حیات ابدی کا پر جوش اور ابلتا ہوا مقدس چشمہ، جس کے لیے تم تشنہ لب اور وقف اضطراب ہو، مصروف دعوت ہے اور تمہارا منتظر ہے۔ مبارک ہو تمہیں محبتیں ٹھکانے لگیں، تمہاری دعائیں قبول ہوئیں، تمہاری دیرینہ آرزوئیں برآئیں، نخل تمنا بارآور ہوئی، منزل مقصود قریب آ گئی ہے۔ تم حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامان رحمت میں ہو۔ تم محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان ہو۔ تم آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک آستاں پر آ گئے ہو۔ تم نے اپنا مقصود حاصل کر لیا، دل کی مرادیں پا لیں، درد دل کی دوا اور بیماریوں سے شفا کامل جانا تم کو مبارک ہو۔ یہ وہ شہر ہے جہاں آشفتہ سری کا علاج ہوتا ہے۔ وہ مقدس مقام ہے، جہاں محبت کے دیوانے شفا پاتے ہیں۔ وہ پاک شہر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک وطن اور رشک فردوس مقام یہی ہے، جس کی محبت تمہیں کشاں کشاں یہاں لے آئی ہے۔

ہم ناچیز و ناتواں آستانہ مبارک پر پہنچ گئے۔ دل و دیدہ کی کیفیت عجیب تھی۔

روضہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانے گنبد خضرا کے سایہ میں کھڑے ہیں۔ یہاں زائرین کا ہجوم ہے۔ شمع منور پر پروانے متواتر گر رہے ہیں۔ ہر شخص اخلاص وعقیدت کے ساتھ صلوٰۃ وسلام، درود ونماز اور تلاوت وتسبیح میں مصروف ہے۔ صحن حرم خوش نصیب مسلمانوں اور شمع جمال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلسم کے پروانوں سے پر ہے۔ مگر کیا مجال جو کوئی آواز بلند ہو۔ ہر دل پر ادب کا سکہ جاری ہے۔ کیف ومعرفت کا دور چل رہا ہے، روحانیت کا سمندر موجزن ہے۔ جس کو دیکھو مصروف مجاہدات اور محو تجلیات ہے۔ کسی کو اپنی خبر نہیں۔ سب اسی جالی والے ایوان عظیم کی طرف ٹکٹکی باندھے متحیر اور خود رفتہ کھڑے ہیں۔ کوئی درود وسلام پڑھ رہا ہے، کوئی دلائل الخیرات کا ورد کر رہا ہے، کسی کی آنکھوں سے محبت کے سچے موتی ٹپک رہے ہیں۔ کوئی خاموشی میں ٹھنڈے سانس بھر رہا ہے۔ غرض یہ کہ ہر شخص اپنے اپنے دل کی کیفیت کو اپنی اپنی زبان سے محبوبؐ کردگار کی جناب میں پیش کر رہا ہے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہدیہ ارادت پیش کر کے شیخین کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے دولت خانہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے سامنے پہنچے اور وہاں اظہار نیاز مندی ادا کیا۔ مدت کی آرزوئیں پوری ہوئیں، دل کے ارمان نکلے۔ نیاز مندانہ سلام سے فراغت پا کر صحن حرم کی شمیم جاں فزا سے ہوتے ہوئے ہم سب اپنے بلند اقبال قافلہ سالار کی معیت میں اپنے کیمپ میں آ گئے۔

مولوی محمد عزیز الرحمٰن

نور سے معمور ہو جاتا ہے دامان نظر

میں مسجد نبویؐ میں داخل ہوا لیکن اس برکت والی مسجد کی مرمریں عمارت کے حسن سے بے خبر رہا۔ میری منزل وہ معمورہ حسن، وہ حسن المآب تھی جس میں میرے آقا و مولا ﷺ، میرے ملجا و ماویٰ ﷺ، رسول رحمت و راحت ﷺ، استراحت فرما رہے ہیں۔ میں ڈبڈباتی آنکھوں، دھڑکتے دل، لرزتے بدن، اور بیقرار رُوح کے ساتھ رفتہ رفتہ آگے بڑھتا ہوں۔ فضا نورِ ملکوتی، تجلی الٰہی اور جمالِ مصطفٰی ﷺ کے حسین امتزاج سے کیف آور و سرور آگیں ہے۔ اس فضائے حسن و نور میں گنبدِ خضرا کا حسن اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ میں عالم جذب و شوق میں لرزاں و ترساں اور آگے بڑھتا ہوں۔ نگاہ اُٹھاتا ہوں تو میرے سامنے روضہ رسول ﷺ پوری آب و تاب سے موجود ہے۔ میں سبز جالی کے قریب اپنے آپ کو حضور ﷺ کے قدم مبارک کے سامنے پاتا ہوں۔ میں دست بستہ باادب کھڑا ہو جاتا ہوں۔ دربارِ رسالت میرے سامنے جلوہ گر ہے اور جلالِ رسالت مآب ﷺ فضا پر محیط ہے۔ میرا بدن کانپنے لگتا ہے، رُوح فنا ہو جاتی ہے، میں عالم بے خودی میں پکارتا ہوں:

فداک امی و ابی یا رسول اللہ ﷺ. فداک ذریتی یا رسول اللہ ﷺ

الصلوٰۃ و السلام علیک سیدی مرشدی یا رسول اللہ ﷺ

الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسولِ رحمت و راحت یا رسول اللہ ﷺ

درود شریف کا ورد زبان پر جاری ہے۔ میں با ادب دربارِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوں۔ میں اپنی آلائشوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے سپرد کر دیتا ہوں، زمان و مکاں سے بے خبر، چند لمحے یہ سحر انگیز کیفیت مجھ پر طاری رہی

لیکن یوں محسوس ہوا جیسے صدیاں بیت گئی ہوں۔ میں نے روضہ اقدس کی طرف اپنے ہاتھ بڑھائے، اپنے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگایا۔ انھیں بوسہ دیا اور پھر دل پر رکھ لیا۔ اللہ کے محبوب رسول اللہ ﷺ اور میرے پیارے ہادی علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ ﷺ پر رحمتوں کا نزول ہو۔

میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! میں حاضر ہوں، میری حاضری قبول فرمائیے! کچھ توقف کے بعد میں روضہ اطہر کے دائیں طرف سے ہو کر ریاض الجنۃ میں سے ہوتا ہوا سرکار دو عالم، سید کون و مکاں ﷺ کے رخ تاباں کے حضور حاضر ہوا۔ نہایت ادب سے لیکن رقت آمیز آواز میں درود و سلام کا ورد کرتے ہوئے مواجہہ شریف میں سے قبر نبوی ﷺ کی زیارت سے سرفراز ہوا۔ درود و سلام کے ورد کو مہمیز لگ گئی۔

الصلوة والسلام علیک سیدی یا رسول الله وسلم علیک یا سیدی یا حبیب الله

ایک قدم دائیں کو سرک کر قبر ابی بکر صدیقؓ کی زیارت کرتے ہوئے پکارتا ہوں:

الصلوة و السلام علیک یا سیدی یا ابوبکر صدیقؓ خلیفة الرسول الله.

ایک قدم اور آگے سرک کر قبر عمر فاروقؓ کی زیارت کرتے ہوئے پکارتا ہوں۔

الصلوة و السلام علیک سیدی یا عمر فاروقؓ خلیفة الرسول الله.

آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ دل میں میٹھا میٹھا درد تھا لیکن رُوح سرشار تھی۔ اے اللہ! اے ربِ لاشریک! تیرا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے۔ تو نے اس بندہ عاجز و بے بس کو کتنی عظیم نعمت سے نواز دیا ہے۔ دربارِ رسالت میں میری پہلی حاضری مکمل ہوئی۔

میں دوبارہ قدمین شریفین میں آ کر زانوئے ادب تہہ کرتا ہوں۔ روضہ رسول ﷺ کو چھونے کی دیرینہ خواہش شدید طور پر دل میں اُٹھتی ہے۔ میں عالمِ اضطراب میں بڑھ کر روضہ اطہر کے ستون کو چھو لیتا ہوں۔

محمد قیوم اعوان

جانتے ہیں اہل دل مہر و وفا کی بارگاہ

2004ء کا سال میرے لیے بڑی جانگسل مشکلات اور پریشانیوں کا سبب بنا۔ تمام تر کوششوں کے باوجود یہ کسی سونامی کی طرح بڑھتی ہی جارہی تھیں۔ ان مصائب وآلام سے نکلنے کی بظاہر کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی۔ دوستوں اور رشتہ داروں کی بے اعتنائی نے اعصابی طور پر مزید مضمحل کر دیا۔ دعائیں بے اثر اور زندگی بے مزہ ہوتی جارہی تھی۔ میری حالت بقول شاعر ''دعائیں بے اثر میری صدائیں بے ہنر میری، میں نے بندگی سیکھی نہ رب سے مانگنا آیا'' والی تھی۔ اسی اثنا میں مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے در پر حاضری دوں اور اپنے نامساعد حالات اور الم انگیز روداد سناؤں۔ انہی دنوں حج کی آمد آمد تھی۔ فوری طور پر فریضہ حج کی ادائی کے لیے درخواست جمع کروادی۔ خوش بختی کہ حج ادا کرنے والے خوش نصیبوں میں میرا نام نکل آیا۔ مکہ مکرمہ پہنچا۔ حج کے ابتدائی دن تھے۔ رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ چنانچہ حطیم میں خانہ کعبہ سے لپٹ کر خوب گریہ زاری کی۔ مناجات و استغفار کے ذریعے گڑگڑا کر اپنی مشکلات کے حل کی اللہ رب العزت سے فضل و کرم طلب کرتے ہوئے خوب دعائیں کیں۔

چند دن بعد شام کو معلوم ہوا کہ کل مدینہ طیبہ روانگی ہے تو دل بلیوں اچھلنے لگا۔ فخر وانبساط کا یہ عالم تھا کہ پورا جسم نشاط آور کیف و سرور کی کیفیت میں تھا۔ میرا رواں رواں قسمت پر ناز کرنے لگا۔ دل تشکر الٰہی میں ڈوب گیا۔ درود شریف پڑھتے ہوئے فرحت خیز کرب و وجد کے عالم میں رات آنکھوں میں کٹی۔ جذب و مستی اور سوز و گداز کی ایسی کیفیت طاری ہوئی جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اگلے دن میں نہایت شوق

اشتیاق سے جانب طیبہ روانہ ہوا کہ زندگی کی سب سے بڑی آرزو پوری ہونے والی تھی۔ ''شہر نبی سے کوئی حسین تر نہیں مقام۔'' بس میں بیٹھا ہر شخص ادب و احترام کی تصویر بنا ہوا تھا۔ ہر شخص کے لبوں پر درود شریف کا ورد تھا۔ نصف شب کے قریب مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہوئے۔ اس شہر خوباں اور دیارِ خنک کو ''شہرت عام اور بقائے دوام'' کا درجہ حاصل ہے۔ اپنے جاودانی اور سرمدی نور سے ساری کائنات کو منور کرنے والا گنبد خضرا دور سے دکھائی دیا تو رگ و پے میں مسرتوں کی لہریں گردش کرنے لگیں اور جھرجھری سی محسوس ہوئی۔ ''اجالوں کی بارات اتر آئی تن من میں۔'' وفور جذبات سے آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اپنی آنکھوں سے نور بار گنبد خضرا کا بوسہ لیا۔ روح و جاں معطر اور دل و دماغ مصفا ہونے لگے۔ ''نکہت گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا'' یہ ایمان افروز نظارہ نہایت مسحور کن تھا۔ جنت البقیع کے عقب میں واقع اپنے ہوٹل میں سامان رکھا۔ تھوڑی دیر ستانے کے بعد غسل کیا، نئے کپڑے پہنے، خوشبو لگائی، نہایت مؤدبانہ اور لرزیدہ حالت میں مسجد نبوی ﷺ کی طرف چل دیا۔ شوق مہمیز لگا رہا تھا۔ سوز و گداز کے جذبات میں تلاطم برپا ہو رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ ایک عاصی کو یہ اعزاز کیسے نصیب ہو رہا ہے؟ آنسوؤں کی برسات میں مسجد نبوی میں قدم رکھا جہاں جمال ہی جمال تھا۔ سب سے پہلے دو رکعت نماز نفل تحیۃ المسجد ادا کی، پھر سر جھکائے دو زانو ہو کر دیر تک درود شریف پڑھتا رہا۔ اتنے میں اللہ کی عظمت و کبریائی تہجد کی دل افروز اذان کی صورت میں بلند ہوئی۔ نماز تہجد ادا کرنے کے بعد دوبارہ وظائف میں مشغول ہو گیا۔ اتنے میں موذن نے دوبارہ لحن داؤدی میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول حضور خاتم النبیین ﷺ کی شہادت بلند کی۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ایک مجرم کی طرح مواجہہ شریف کی طرف چل پڑا۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ عالم خواب میں ہوں یا عالم حقیقت میں۔ ایک گنہگار امتی کس ہستی کے دربار میں جا رہا ہے۔ ایسا دربار جو ادب و احترام کے لحاظ سے عرش سے بھی نازک تر ہے، جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ آتے ہوئے اپنے نفس گم کر بیٹھتے ہیں۔ یہ سوچتے ہی جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ پاؤں اٹھانا مشکل ہو گیا تھا۔ ندامت کے

پسینے کی حدت سے میرا جسم موم کی طرح پگھلتا جا رہا تھا۔ ''کہاں میں مشت خاک کہاں یہ عالم پاک''۔ جوں جوں مواجہہ شریف قریب آ رہا تھا، دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ میں دبی زبان سے مسلسل درود شریف پڑھ رہا تھا۔ چند قدم کے فاصلے پر گوہر مقصود نظر آیا تو ادب و احترام کے پیش نظر ہیجان کے باوجود سسکیوں اور ہچکیوں کو بڑی مشکل سے ضبط کیا۔ ''لے سانس بھی آہستہ یہ دربار نبی ﷺ ہے۔'' جونہی سنہری جالیوں کے سامنے آیا تو غلامانہ انداز میں ہاتھ باندھے، شرم کے مارے گردن جھکائے، تھرتھراتے ہونٹوں سے بمشکل **الصلوٰۃ و السلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ** کہہ سکا۔ میں حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا۔ جو یاد تھا، وہ یاد نہ رہا، جو سوچا تھا، وہ بھول گیا۔ دعائیں یاد رہیں نہ التجائیں۔ ساٹھ سے زائد کتابوں کے مصنف کی زبان گنگ ہو چکی تھی۔ ''آنکھوں سے بولتا ہوں دربارِ مصطفیٰ ﷺ میں''۔ پھر اسی عالم سوز و گداز میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا حضرت عمر فاروقؓ پر سلام پڑھا جو اسی مرکز تجلیات میں آرام فرما ہیں۔ مسجد سے باہر آیا تو نور کے مرکز گنبد خضرا کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ ایمان و ایقان کو باغ جناں کی ٹھنڈک نصیب ہوئی۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان میں ایک انتہائی بلند پایہ روحانی شخصیت نے مجھے یہ نصیحت کی تھی کہ ''حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں اپنی گزارشات پیش کرنے سے پہلے سید الشہداء سیدنا حضرت حمزہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے ''سفارشی رقعہ'' ضرور لے لینا، بہت فائدہ ہو گا''۔ چنانچہ ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے سید الشہداء سیدنا حضرت حمزہؓ کے مزار پاک پر حاضر ہوا۔

جن محترم و مقدس شخصیات کی وجہ سے دین اسلام کو ایک ولولۂ تازہ اور جلوہ نور ملا، اِن میں سیدنا حضرت حمزہؓ کی شخصیت سرفہرست ہے۔ آپؓ حضور نبی کریم ﷺ کی نگاہ جوہر شناس کا اولین انتخاب تھے۔ آپؓ سرفروشی و جانبازی کی اقلیم کے سلطان اور بہادری و جاں سپاری، شجاعت و بسالت، عزم و استقلال اور دینی غیرت و حمیت کے پیکر تھے۔ جرأت و جوانمردی آپ کے گھر کی لونڈی تھی۔ شہسوار ایسے کہ جن کے بغیر گھوڑ سواری کا

مقابلہ کوئی اہمیت نہ رکھتا۔ آپؓ کی بے پایاں صلاحیتیں دیکھ کر بڑے بڑے عرب جنگجو ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتے۔ بار بار پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے والے شہسواروں کی تمام خوبیاں آپؓ کی ذات میں جمع تھیں۔ جنگ کے دوران آپ فولادی اعصاب کے مالک نظر آتے تھے۔ سپاہیانہ فضائل کی بنا پر آپ خاکستری اونٹ اور شیر کی طرح دشمن پر حملہ کرنے والے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا گویا آپ نے چیتے سے سپاہ گری کا فن سیکھا ہے۔ چیتے کی سی پھرتی، بہترین دفاعی انداز اور دشمن کو اپنی گرفت میں لانے جیسے سپاہیانہ اوصاف آپ میں نمایاں تھے۔ شیر کے ناموں میں سے ایک نام حمزہؓ بھی ہے، گویا اسی نام کی وجہ سے آپ کو شیر کی بہادری میں سے حصہ ملا تھا۔ آپؓ نے جنگ کے میدان میں قریش کے ان نامور شہ سواروں کو قتل کیا جن کی طاقت اور سپاہ گری پورے عرب میں مشہور تھی۔ مشرکین مکہ کے ہجوم میں اسلام قبول کرنے اور بدر و اُحد کے میدانوں میں داد شجاعت دینے والے اسلام کے مخلص جانباز، مجاہد اور شہید حضرت حمزہؓ پر پوری امت اسلامیہ کو ہمیشہ ہمیشہ ناز رہے گا۔

حب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حمزہؓ کی حیات کا مرکز ومحور تھا۔ آپؓ نے اپنی تمام زندگی حضور پاک ﷺ کے قدموں میں واردی اور ابدی حیات پائی۔ جو محبت آقائے کائنات ﷺ کو حضرت سیدنا حمزہؓ سے تھی، ویسی کسی اور سے نہ تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ ﷺ آپس میں چچا بھتیجا ہونے کے باوجود (حضور نبی کریم ﷺ سے عمر میں چار سال بڑے تھے، اس لیے تقریباً ہم عمر ہونے کی وجہ سے) بہت بے تکلف دوست بھی تھے۔ سیدنا حمزہؓ بھی ان عظیم لوگوں میں سے تھے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی۔ آپؓ کے ایمان لانے سے مشرکین مکہ پر ایک رعب و دبدبہ طاری ہوگیا۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ اب رسول اللہ ﷺ کو قوت وحمایت حاصل ہوگئی ہے۔ اب حمزہؓ ان کی حفاظت کریں گے۔ چنانچہ بے بس اور کمزور مسلمانوں پر ان کی ستم رانیوں میں نمایاں کمی واقع ہوگئی۔

جنگ احد میں حضرت حمزہؓ بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن پر اس طرح حملہ آور

تھے کہ ان کے سامنے بڑے بڑے سورما پیٹھ دکھا رہے تھے۔ مشرکین پر لرزہ طاری تھا کہ کس شیر سے ان کا پالا پڑا ہے۔ حضرت حمزہؓ اس شان سے لڑ رہے تھے کہ دو دستی تلواریں چلاتے جاتے اور کہتے جاتے تھے۔ **انا اسد اللّٰہ و اسد رسولہ** میں اللہ تعالیٰ کا شیر ہوں اور میں رسول اللہ کا شیر ہوں۔ حضرت حمزہؓ میدان جنگ میں چو مکھی لڑائی کے بے حد ماہر تھے۔ آپؓ کے سامنے کوئی مشرک جنگجو دم نہیں مارتا تھا۔ آپ مشرکین کے جنگجوؤں کو اپنے مقابلہ میں یوں چکرا دیتے تھے جیسے ہوا اپنے آگے خشک پتے کو چکر دیتی ہے۔ اس لیے بڑے بڑے سورما آپ کو دیکھتے ہی ہیبت زدہ ہو جاتے۔ غزوہ احد میں مشرکین کے علمبرداروں کو ڈھیر کرنے کے علاوہ بھی آپ نے بڑے زبردست کارنامے انجام دیے۔
جبیر بن مطعم کا حبشی غلام ابو دسمہ وحشی بن حرب ایک چٹان کی اوٹ میں گھات لگائے ان کے انتظار میں بیٹھا تھا کہ کب حضرت حمزہؓ اس کی زد میں آئیں اور وہ اپنا ہتھیار ان پر پھینکے۔ وحشی کو جبیر بن مطعم نے اپنے چچا طیمہ بن عدی کا انتقام لینے کے لیے حضرت حمزہؓ کے قتل پر مامور کیا تھا اور اس کام کے صلے میں اسے آزاد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ طیمہ بن عدی کو حضرت حمزہؓ نے بدر میں قتل کیا تھا۔ وحشی بن حرب فنِ حربہ میں بڑا ماہر اور مشاق تھا۔ وہ اپنے چھوٹے نیزے (جس کو حربہ کہتے ہیں اور یہ حبشیوں کا ایک خاص ہتھیار ہوتا ہے) سے وار کرتا تو شاذ و نادر ہی اس کا شکار بچ پاتا۔ جنگ شروع ہو چکی تھی۔ فریقین ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔ اتفاق سے وحشی کو جلد ہی وار کرنے کا موقع مل گیا۔ حضرت حمزہؓ دیوانہ وار آگے بڑھے جا رہے تھے کہ یکا یک ان کا پاؤں پھسلا اور وہ پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑے۔ اسی وقت وحشی نے تاک کر اپنا چھوٹا سا نیزہ تانا، حبشیوں کی طرح نیزے کو اونچے بازو پر تولا، توازن کیا اور اپنی پوری قوت سے حضرت حمزہؓ کے جسم میں ترازو کر دیا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے شدید زخمی ہونے کے باوجود اٹھ کر اس پر حملہ کرنا چاہا، مگر وہ ایک گڑھے میں لڑکھڑا کر گر پڑے۔ اس کے باوجود آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن دوسرے ہی لمحے حضرت حمزہؓ الرفیق الاعلیٰ سے جا ملے اور شہادت عظمیٰ کے عظیم درجے پر فائز ہو گئے۔ بہادری اور جوانمردی کی انتہا دیکھئے کہ آخری وقت میں بھی آپ

کے قدم آگے ہی بڑھے، پیچھے نہیں ہٹے۔ حضرت حمزہؓ نے بروز ہفتہ 15 شوال 3 ہجری بمطابق 23 مارچ 625ء کو جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت آپؓ کی عمر 57 یا 59 سال تھی۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت حمزہؓ کی دردناک شہادت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے حد غمگین اور غصے کی حالت میں تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ سیدنا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلبؓ پر جس طرح روئے، اس طرح میں نے ان کو کبھی روتے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ اس طرح روئے کہ آواز بلند ہوگئی۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ حضرت حمزہؓ کی لاش پر آکر ٹھہرے تو اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے (بچشم تر) فرمایا ''ایسی مصیبت جیسی حمزہؓ پر پڑی، دنیا میں کسی پر نہ پڑی ہوگی۔'' آپ ﷺ بار بار فرما رہے تھے کہ ارے! مجھے کسی بھی موقع پر اتنا غصہ نہیں آیا جتنا آج آیا ہے۔

یہ بات نہایت اہم اور مستند ہے کہ حضرت حمزہؓ روحانی طور پر مدینہ کے والی اور حاکم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں آج بھی کہیں جھگڑا ہو جائے اور دونوں فریق کسی نتیجہ پر نہ پہنچیں تو اس دوران اگر ایک فریق اپنی صفائی میں حضرت حمزہؓ کا نام لے لے تو دوسرا فریق فوراً حضرت حمزہؓ کے احترام میں اپنے موقف سے دستبردار ہو جاتا ہے اور یوں معاملہ طے پا جاتا ہے۔ اہل مدینہ کا قول ہے: **''من ارادان یستشفع عند رسول اللہ (ﷺ) فلیستشفع بعمہٗ''** جو چاہے کہ رسول اکرم ﷺ کے یہاں کسی کا واسطہ لائے، اسے چاہیے کہ ان ﷺ کے عم اکرمؓ کا واسطہ لائے۔ چنانچہ اہل مدینہ کا قدیم سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب کسی پر کوئی مصیبت پڑتی یا کوئی کسی مشکل میں گِھر جاتا ہے تو وہ سید الشہدا حضرت حمزہؓ کی بارگاہ میں فریاد لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور یوں عرض کرتا ہے ''اے نبی کریم ﷺ کے محبوب چچا! میں اس حالت میں نہایت مشکلات میں گرفتار ہوں، اپنے رؤف و رحیم بھتیجے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں میری سفارش فرمائیں تاکہ میری مصیبت دور اور مشکل حل ہو جائے۔ پھر وہ سیدھا حرم نبوی شریف میں مواجہہ شریف کے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سلام عرض کر کے التجا کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے فضل و کرم سے اس فریادی کی مشکل حل ہو جاتی ہے اور وہ اپنی

مراد حاصل کر لیتا ہے۔

میں نے عالم استغراق میں سیدنا حضرت حمزہ کی پابوسی کی اور عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔ میں آپ سے کذب بیانی کی جسارت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں آپ کے سامنے حلفاً عرض کرتا ہوں کہ جب جنگ احد میں وحشی نے آپ کو قتل کرنے کے لیے اپنا نیزہ پھینکا تھا، اگر میں وہاں موجود ہوتا تو اس نیزہ کو ہر حالت میں اپنے سینے پر روکتا اور آپ کو معمولی زخم بھی نہ آنے دیتا''۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں پاکستان جا کر آپ کی سیرت و فضائل اور شجاعت و شہادت پر ایک مبسوط کتاب لکھنا چاہتا ہوں۔ اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں آپ کی نگاہ التفات کا محتاج ہوں۔ پھر میں نے بصد ادب و احترام اجازت لے کر تفصیل کے ساتھ اپنے تمام گھریلو حالات اور گھمبیر مسائل عرض کیے اور روتے ہوئے دست بستہ عرض کیا کہ آپ اپنے پیارے اور عظیم ترین بھتیجا جان (ﷺ) سے میری سفارش کر دیں۔ پھر میں دیر تک بیٹھا درود شریف پڑھتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے اطمینان قلب کے ساتھ شرح صدر ہوا کہ سید الشہدا سیدنا حضرت حمزہؓ نے میری درخواست قبول کر لی ہے۔ چنانچہ کیف و سرور اور سرشاری کے عالم میں فوراً مسجد نبویؐ پہنچا۔ باب السلام سے داخل ہوا تا کہ بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں حاضری دے سکوں۔ کانپتے لرزتے جسم کے ساتھ مواجہہ شریف کی طرف چلنا شروع کیا۔ کم مائیگی کے پسینے میں تر بتر ہو گیا۔ یقین کی اس دولت کے ساتھ کہ آپ شفیع المذنبین ہیں، منبع جود و سخا ہیں، گنہگاروں کے حاذق ہیں، آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک خیال آیا کہ سلام کرتے ہوئے میں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دیکھ سکتا لیکن آپ ﷺ تو ضرور دیکھیں گے اور سلام کا جواب بھی مرحمت فرمائیں گے۔ دبدبۂ جمال کے اس خیال سے پورا وجود لرز گیا۔ جسم پر سکتہ طاری ہو گیا۔ علامہ اقبالؒ کی شہرہ آفاق رباعی ''از نگاہِ مصطفیٰ ﷺ پنہاں بگیر'' یاد آنے لگی۔ اشکوں کا طوفان اُمڈ آیا۔ ''آنسو ندامتوں کے ہیں چشم تر سے جاری''۔ عطر بیز فضا اور انوار و تجلیات کی بارش میں مواجہہ شریف کے سامنے آیا۔ نہایت عجز و انکساری اور تاسف و ندامت کے ساتھ مواجہہ شریف

کے قریب ایک طرف ستون کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ ''چھپ چھپ کے رو رہا ہوں دربارِ مصطفیٰ ﷺ میں''۔ میرے آنسو التجا کی صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ مسلسل درود شریف پڑھتے ہوئے دیر تک بخشش و کرم کی بھیک مانگتا رہا۔ پھر تحفظ ختم نبوت کے کام کی کارگزاری سنائی اور اس کا واسطہ دے کر اپنے تمام نامساعد حالات و واقعات تفصیل سے عرض کیے۔ ''ہر گزارش ہوئی آنسوؤں سے بیاں''۔ چند لمحوں بعد ایسے محسوس ہوا کہ دل پر سکینت اتر رہی ہے۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو رہا ہے، راحت و آرام کی چادر تان دی گئی ہے۔ سب کلفتیں اور تاریکیاں دور اور سب کثافتیں کافور ہو گئیں۔ کرم کے بادل برسنے لگے۔ طمانیت و سکون کی دولت سے دامن مراد بھر گیا۔ یہ قیمتی لمحات ماورائے زماں و مکاں تھے اور شاید انہیں ساری زندگی نہ بھول سکوں۔ ''خورشید بن گیا ہوں دربارِ مصطفیٰ ﷺ میں''۔ اس موقع پر میں نے معروف نعت گو شاعر جناب حفیظ تائب کا کلام سنانے کی سعادت حاصل کی۔

دے تبسم کی خیرات ماحول کو ہم کو درکار ہے روشنی یا نبیؐ
ایک شیریں جھلک، ایک نوریں ڈلک تلخ و تاریک ہے زندگی یا نبیؐ
اے نوید مسیحا تری قوم کا حال عیسیٰؑ کی بھیڑوں سے ابتر ہوا
اس کے کمزور اور بے ہنر ہاتھ سے چھین لی چرخ نے برتری یا نبیؐ
کام ہم نے رکھا صرف اذکار سے تیری تعلیم اپنائی اغیار نے
حشر میں منہ دکھائیں گے کیسے تجھے ہم سے ناکردہ کار امتی یا نبیؐ
دشمن جاں ہوا میرا اپنا لہو میرے اندر عدو میرے باہر عدو
ماجرائے تحیر ہے پر سیدنی، صورتِ حال ہے دیدنی یا نبیؐ
روح ویران ہے، آنکھ حیران ہے، ایک بحران تھا، ایک بحران ہے
گلشنوں، شہروں، قریوں پہ ہے پرفشاں ایک گھمبیر افسردگی یا نبیؐ
سچ مرے دور میں جرم ہے، عیب ہے، جھوٹ فن عظیم آج لاریب ہے
ایک اعزاز ہے جہل و بے رہ روی، ایک آزار ہے آگہی یا نبیؐ

راز واں اس جہاں میں بتاؤں کسے، روح کے زخم جا کر دکھاؤں کسے
غیر کے سامنے کیوں تماشا بنوں، کیوں کروں دوستوں کو دکھی یا نبیؐ
زیست کے تپتے صحرا پہ شاہِؐ عرب، تیرے اکرام کا ابر برسے گا کب
کب ہری ہو گی شاخِ تمنا مری، کب مٹے گی مری تشنگی یا نبیؐ
یا نبیؐ اب تو آشوبِ حالات نے تیری یادوں کے چہرے بھی دھندلا دیئے
دیکھ لے تیرے تائبؔ کی نغمہ گری، بنتی جاتی ہے نوحہ گری یا نبیؐ

اس کے بعد جتنے روز مدینہ طیبہ میں رہا، زیادہ تر وقت **ریاض الجنۃ** اور اصحاب صفہؓ کے چبوترے پر گزرا۔ نماز فجر اور عشا کے بعد روزانہ مواجہہ شریف پر حاضری دیتا، حضور نبی کریم ﷺ اور حضرات شیخینؓ کی خدمت میں سلام عرض کرتا۔ چند دنوں بعد واپسی کا پروگرام مل گیا۔ یہاں سے جانے کو دل نہ کرتا تھا۔ واپسی کا سن کر طوفان گریہ امڈ آیا۔ گرفتہ خاطر دل اور دیدۂ تر کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر الوداعی سلام عرض کیا اور التجا کی کہ یہ ناکارہ غلام ہر سال آپ کے در کی حاضری کا متمنی ہے، اس کی اجازت مرحمت فرما دیں۔ باہر آ کر حسرت و محبت کی نگاہ سے گنبد خضرا کو سلام کیا۔ اگرچہ مدینہ شریف سے واپس جا رہا تھا لیکن اس لحاظ سے بے حد خوش اور خورسند تھا کہ منگتا خیرات سے خالی جھولی بھر کر لے جا رہا ہے:

منگتے خالی ہاتھ نہ لوٹے، کتنی ملی خیرات نہ پوچھو
انؐ کا کرم پھر ان کا کرم ہے، اُن کے کرم کی بات نہ پوچھو

مجھے میرے ظرف، حیثیت اور بساط سے کہیں زیادہ عطا ہوا تھا۔ میں اس کرم کے قابل نہ تھا، یہ صرف حضور ﷺ کی بندہ پروری تھی۔ درود و سلام کا نغمہ پڑھتا ہوا یہاں سے الوداع ہوا۔ دور تلک گنبد خضرا کو چشم نم کے ساتھ مڑ مڑ کر دیکھتا رہا۔

مکہ مکرمہ آ کر عمرہ اور چند دنوں بعد حج کی سعادت بھی حاصل کی۔ پھر جلد پاکستان واپسی ہوئی۔ جہاز علی الصبح لاہور ایئر پورٹ پر اترا۔ تمام اہل خانہ رشتہ دار اور قریبی احباب ایئر پورٹ پر مجھے لینے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ میں سب کو فرداً فرداً ملا۔

لاؤنج سے باہر آیا تو اچانک اہلیہ محترمہ میرے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلنے لگی اور میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے پوچھنے لگی: ''متین صاحب! اللہ تعالیٰ کو آپ کی کون سی ادا پسند آ گئی ہے''، میں نے پوچھا: کیوں کیا ہوا؟ دلگیر لہجے میں کہنے لگی: ''تقریباً تمام مسائل حل ہو چکے ہیں''۔ یہ سنتے ہی اظہار تشکر کے طور پر میری آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ بڑی مشکل سے اپنے جذبات کو ضبط کیا۔ دل سے آواز نکلنے لگی: یا اللہ! کس طرح ترے احسانات وانعامات کا شکرادا کروں۔ کس ڈکشنری سے ایسے الفاظ تلاش کروں جو اس کرم بے پایاں کے شکریے کے قابل ہوں۔ پھر میں قرآن مجید کی یہ آیات تلاوت کرنے لگا:

- ''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور اے محبوب! تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔'' (النساء:64)

محمد متین خالد

میری نگاہوں نے جھک جھک کر دیئے سجدے

عمرے کی ادائی کے بعد ہماری اگلی منزل رنگ و نور سے منور، مشک و عنبر سے معطر، بے پناہ رحمتوں، بے انتہا عنایات، لامحدود شفقتوں اور لازوال محبتوں سے مہکتا وہ شہر مدینہ تھا کہ جس کے خیال ہی سے جسم و جاں کے انگ انگ سے درود وسلام کے نغمے پھوٹنے لگتے ہیں۔ روح کو فرحت و سرمستی، قلب کو سرور وشادمانی اور ایمان کو وہ تازگی نصیب ہوتی ہے کہ جسے حرف و بیاں کی وسعتوں میں سمیٹا نہیں جا سکتا۔ یہی وہ شہر طیبہ ہے کہ جسے اللہ کے محبوب، امام الانبیا، خاتم النبیّین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دارالہجرت، دارالمسکن اور استراحت گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے جو مسلمانانِ عالم کا دینی و روحانی مرکز، رشد و ہدایت کا گہوارہ، فیوض و برکات کا منبع، انوار وتجلیات کا سرچشمہ، کمالات و جمالیات اور فتوحات کا مبدا ہے۔ یہی وہ ''شہر جاناں'' ہے کہ جس کے لیے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا فرمائی تھی کہ ''اے اللہ! ہمارے دِلوں میں مدینے کی محبت، مکے کی محبت سے بھی بڑھا دے'' (بخاری)۔ اللہ نے اپنے پیارے محبوبؐ کی دُعا قبول فرمائی اور آج روئے زمین پر کوئی بھی صاحب ایمان ایسا نہ ہوگا کہ جس کا دِل اس شہر بے مثال کی محبت سے سرشار نہ ہو، جو سفر مدینہ کی آرزو نہ رکھتا ہو اور جو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے بے تاب نہ ہو۔ اس شہر درخشاں سے محبت و عقیدت، ہر مسلمان کے ایمان کا جزو اور موٴجب تسکین وطمانیت قلبی ہے۔ یہی وہ حرمت و تقدس والا شہر ہے کہ جس کے پہاڑ بھی مقدس، وادیاں بھی مبارک۔ پانی دوا، تو خاک شفا ہے۔ جہاں مسجد نبویؐ بھی ہے اور مسجد قبا بھی۔ ریاض الجنہ ہے، تو گنبد خضرا بھی۔ جنت البقیع ہے اور جنت کا پہاڑ، اُحد بھی۔ یہی وہ شہر مشک بو ہے کہ جس کی ہواؤں میں خوشبو اور

فضاؤں میں پاکیزگی ہے۔ جس کی راتیں نورِ الٰہی سے منور، دن فیضانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشن۔ جہاں جمال بھی ہے اور کمال بھی۔ محبت ہے اور شفقت بھی۔ رحمت بھی ہے اور عافیت بھی، امن ہے اور آشتی بھی۔ یہی وہ شہر فروزاں ہے کہ جس کی حفاظت پر فرشتے مامور ہیں اور جہاں مرضِ طاعون اور دجال کا داخلہ منع ہے۔ یہی وہ شہر خوباں ہے کہ جہاں زندگی بھی اعلیٰ اور موت بھی افضل ہے۔

ہماری بس، آقا ﷺ کے شہر میں داخل ہو رہی ہے، جہاں شہر مقدس کی پاکیزہ، مشک بار ہواؤں کے جھونکے ہمارا استقبال کر رہے ہیں۔ بائیں جانب مسجد نبویؐ کے بلند و بالا، پر شکوہ و پر جمال مینار، اللہ کی کبریائی بیان کر رہے ہیں۔ عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے سرشار بس کے تمام مسافر اِن ایمان افروز مناظر کو آنکھوں میں سمونے کے لیے بے تاب ہیں۔ ابھی بس کچھ ہی دُور چلی تھی کہ گنبد خضرا کی حسین و متبرک جھلک نے جذبات و احساسات میں ہل چل مچا دی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات اور لبوں سے درود و سلام کے تحفے جاری ہو گئے۔ یارسول اللہ ﷺ تیرے دَر کی فضاؤں کو سلام...... گنبد خضرا کی ٹھنڈی چھاؤں کو سلام...... والہانہ جو طواف روضۂ اقدس کریں...... مست و بے خود وجد میں آتی ان ہواؤں کو سلام۔ ہم شہر کے درمیان پہنچ چکے ہیں۔ ہم دُنیا کے حسین ترین شہر میں ہیں، جہاں کی بل کھاتی، لہراتی کشادہ اور شفاف سڑکوں پر دنیا بھر کی جدید ترین ماڈلز کی دیدہ زیب، رنگ برنگی گاڑیاں فراٹے بھر رہی ہیں۔ بلند و بالا، فلک بوس عمارتیں، دنیا جہاں کے نت نئے سامان سے لدے، لشکارے مارتے عالی شان شاپنگ پلازے، سپر اسٹورز۔ دنیا کے جدید ترین ہوٹلز کی قطار در قطار اور ہم ان عالی شان مناظر کے درمیان، چودہ سو برس پرانے اس شہر یثرب کو ڈھونڈ رہے ہیں کہ جس میں آقا ﷺ اپنی اونٹنی پر رونق افروز ہو کر تشریف لائے تھے اور اس خوشیوں بھرے تاریخی دن، شہر کے گلی کوچے تقدیس و تحمید کے کلمات سے گونج رہے تھے۔ انصار کی بچیاں خوشی و مسرت سے دَف بجا بجا کر استقبالیہ اشعار کے نغمے بکھیر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام فرمایا۔ پھر دو یتیم بچوں، سہل اور سہیل سے زمین خرید کر مسجد نبوی ﷺ کی

بنیاد رکھی۔ اُس وقت مدینہ کھجوروں کے باغات کے درمیان ایک مختصر سی بستی تھی، جس کے مکین بیماریوں میں گھرے رہتے، لیکن پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اسے پہلی اسلامی ریاست کا اعزاز بخش کر دنیا بھر کی ریاستوں میں سب سے اعلیٰ و افضل منصب پر فائز فرمادیا۔ ہماری گاڑی، مسجد نبوی ﷺ کے سامنے سے گزر رہی ہے۔ وہی مسجد نبوی ﷺ کہ جس کی تعمیر میں آقا ﷺ نے خود بھی حصہ لیا۔ آپ ﷺ اشعار پڑھتے جاتے اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ بھاری پتھر اٹھا کر لاتے۔ کھجور کے پتوں، تنوں اور پتھروں سے بنا اللہ کا یہ گھر، آج دنیا کی عظیم الشان اور جدید تعمیرات کے شاہ کار کے روپ میں ہمارے سامنے ہے، جس کے بلند و بالا مینار، اللہ کی کبریائی بیان کر رہے ہیں۔ گاڑی باب فہد کے سامنے چند میٹر کے فاصلے پر واقع ہوٹل کے گیٹ پر رک چکی ہے۔ یہ علاقہ ''مرکزیہ'' کہلاتا ہے، جو مسجد نبوی ﷺ کے مشرقی دروازے کے قریب ہے۔ اس علاقے میں اعلیٰ درجے کے نئے ہوٹلز ایک قطار میں باادب کھڑے ہیں۔ ہم کاؤنٹر سے چابی لے کر کمرے میں آئے، جو حسب توقع کشادہ اور صاف ستھرا تھا۔ جلدی جلدی غسل کیا، نئے کپڑے پہنے اور ابھی خوشبو لگا کر تیار ہی ہوئے تھے کہ حرم کے میناروں سے بلند ہوتی اذان کے سحر نے سیدنا بلال حبشیؓ کی یاد تازہ کر دی، جنھیں مولائے کل، سیدالرسول ﷺ نے سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ میں اذان دینے کا اعزاز مرحمت فرمایا۔

نمازِ عصر کے لیے اہلیہ کے ساتھ ہوٹل سے حرم شریف کی جانب روانہ ہوئے۔ بڑی ہم شیرہ کی بیٹی، یعنی ہماری بھانجی کا گھر، مسجدِ نبوی ﷺ کے قریب ہی ہے، لہٰذا وہ بھی ہوٹل آ گئی تھیں۔ اہلیہ تو اُن کے ساتھ ''بابِ علیؓ'' سے خواتین کے حصے میں چلی گئیں اور ہم اگلی صفوں کے شوق میں تیز قدم اٹھاتے آگے بڑھتے چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے کا پورا مدینہ منورہ اب مسجدِ نبوی ﷺ کی حدود میں ضم ہو چکا ہے۔ قدرے طویل فاصلہ طے کر کے ''باب السلام'' پہنچے، تو وہاں سے مسجد میں داخلہ بند ہو چکا تھا۔ مسجد کا یہ راستہ، سیدھا روضہ شریف تک جاتا ہے۔ دروازے پر چند چاق چوبند سپاہی موجود تھے۔ بہرکیف، دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گئے۔ تشنگی سے سلگتی نگاہیں، روضہ شریف کی جانب

جانے والے راستے پر مرکوز تھیں۔ روضہ شریف کی عظمت، اپنی کم مائیگی اور اندر نہ جانے کی اجازت کے احساس سے بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے، جو روکنے اور پلکوں میں قید کرنے کی کوشش کے باوجود، قطار در قطار ڈھلک کر گالوں کو گیلا کرتے، سفید داڑھی میں جذب ہوتے رہے اور یہی وہ لمحہ تھا کہ جب سامنے کھڑے سپاہیوں میں سے ایک تیزی سے ہماری جانب بڑھا، مسکراتے ہوئے بازو پکڑا اور مسجد کے اندر داخل کر دیا۔ خیال گزرا کہ شاید ہمارے بہتے اشکوں نے اُسے متاثر کر دیا ہو، لیکن پھر دِل کے کسی گوشے سے صدا آئی ''بے وقوف......! تو آقا ﷺ کے روضے کے سامنے کھڑا ہے۔ آقا ﷺ تجھے دیکھ رہے ہیں۔ تیرے لبوں پر سجے درود و سلام کے تحفے اُن تک پہنچ رہے ہیں۔ تیری تمام تر حماقتوں اور نادانیوں کے باوجود، روضے شریف کے راستے کی چوکھٹ پر تیرے آنسوؤں کے نذرانے کو آقا ﷺ نے قبول کر لیا ہے اور تجھے اذن باریابی عطا فرما دیا ہے۔ آگے بڑھ اور سبز جالیوں کے سامنے پہنچ کر اپنی عہد شکنی پر معافی مانگ، آئندہ نہ کرنے کا عہد کر۔'' دِل کی بے قابو دھڑکنوں اور اَن جانے خوف سے کانپتے وجود کے ساتھ ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ نمازِ عصر کا خیال آ گیا، جماعت کسی بھی لمحے کھڑی ہونے والی تھی۔ چنانچہ، قدم خود بہ خود ریاض الجنہ کی جانب اٹھ گئے، جس کا دروازہ بائیں جانب تھا۔ وہاں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، اب کیا کروں......؟ کیا پیچھے کی جانب لوٹ جاؤں؟ ریاض الجنہ کے دروازے پر کھڑا واپسی کا سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے، پہلی صف میں بیٹھے ایک مقامی عرب بزرگ نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اپنا ایک گھٹنہ کھڑا کرتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم نے عربی لباس میں ملبوس ان بزرگ کا شکریہ ادا کیا۔ دیارِ نبی ﷺ میں آمد کے بعد پہلی نماز، ریاض الجنہ کی پہلی صف میں ادا کرنے کی سعادت نصیب ہونے پر بے اختیار منہ سے نکلا ''یہ سب تمھارا کرم ہے آقاؐ کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے...... میں اس کرم کے کہاں تھا قابل، حضور (ﷺ) کی بندہ پروری ہے۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میرے گھر اور منبر کا درمیانی ٹکڑا،

جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر، میرے حوض (حوض کوثر) پر ہوگا" (بخاری و مسلم)۔ جب قیامت آئے گی، تو ساری زمین فنا ہو جائے گی، لیکن ریاض الجنہ کا یہ حصہ فنا نہیں ہوگا، بلکہ اِسے جنت کا حصہ بنا دیا جائے گا۔ یوں تو پورا ریاض الجنہ ہی نہایت فضیلت کا حامل ہے، لیکن اس کی تین چیزیں بہت زیادہ قدر و منزلت رکھتی ہیں۔ محرابِ نبوی ﷺ، منبر شریف اور اسطوانات۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجد نبویؐ میں کوئی محراب نہیں تھی۔ سب سے پہلی محراب، 91 ہجری، بمطابق 709 عیسوی میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروائی، جسے "محرابِ نبوی ﷺ" کہا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے سجدۂ مبارک کی جگہ پر رحل رکھ دی گئی ہے اور جہاں آپ ﷺ کے قدم شریف ہوتے تھے، وہاں اب امام صاحب کی پیشانی ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ خطبہ دیتے ہوئے کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ جب نمازیوں کی تعداد بڑھی، تو ایک منبر کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ صحابہؓ نے پہلے مٹی کا منبر بنایا، لیکن پھر حضرت سہل بن سعدؓ نے ایک انصاری عورت کے بڑھئی غلام کے ساتھ مل کر ایک میٹر اونچا اور آدھا میٹر چوڑا لکڑی کا منبر بنا دیا۔ جب جمعے کا دن آیا، تو آپ ﷺ کھجور کے تنے سے ٹیک لگانے کی بجائے منبر پر تشریف لے گئے، جس پر وہ تنا بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ حضور ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے، تنے کو اپنی آغوش میں لے کر سینے سے لگایا، جس سے اسے سکون ملا اور وہ سسکیاں لیتے ہوئے خاموش ہوگیا۔ اس تنے کی جگہ ایک ستون بنا دیا گیا ہے، جسے "اسطوانہ حنانہ" یا "اسطوانہ مخلقہ" کہا جاتا ہے۔ مسجدِ نبوی ﷺ کا موجودہ محراب، 888 ہجری، بمطابق 1483 عیسوی میں سلطان اشرف قایتبائی نے بنوایا تھا، جس کی مرمت اور آرائش و زیبائش 1404 ہجری میں خادم الحرمین الشریفین، شاہ فہد کے دور میں کی گئی۔ ہماری نظروں کے سامنے نہایت حسین و جمیل اور دیدہ زیب منبر شریف ہے، جسے 998 ہجری، بمطابق 1589 عیسوی میں ترک سلطان، مراد عثمانی نے تیار کروا کر بھیجا تھا۔ سنگ مرمر سے بنا، انتہائی نفیس، مینا کاری سے مرصع و مزین یہ منبر، اسلامی طرزِ تعمیر کا ایک نادر شاہ کار ہے۔ اس کے اوپر سنگ مرمر کا گنبد ہے،

جبکہ یہ 12 زینوں پر مشتمل ہے۔اس پر دو پٹ کا نہایت نفیس دروازہ بھی ہے، جو صرف جمعے کے روز امامِ مسجد کے لیے کھلتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مسجد نبویؐ میں 27 اسطوانات (ستون) تھے، جو درحقیقت کھجور کے تنے تھے۔ عہدِ عثمانی تک یہ ستون جوں کے توں رہے۔مختلف ادوار میں مسجد کی توسیع کے دَوران، ان ستونوں میں سے جو تاریخی حیثیت رکھتے تھے، اُن کی نشان دہی کا خاص اہتمام کیا گیا اور انھیں دیگر ستونوں سے منفرد بنا کر ان کی تاریخی حیثیت کے مطابق نام تحریر کردیے گئے، جن کے نام یہ ہیں اسطوانہ مخلقہ، اسطوانہ عائشہؓ، اسطوانہ توبہ، اسطوانہ سریر، اسطوانہ حوس، اسطوانہ وفود۔ ریاض الجنہ کی نشان دہی کے لیے اس پورے حصے میں ہلکے سبز رنگ کے دیدہ زیب قالین بچھائے گئے ہیں، جبکہ پوری مسجد نبوی ﷺ میں سرخ قالین بچھے ہوئے ہیں۔

ابھی ہم ریاض الجنہ ہی میں تھے۔نمازِ مغرب کے بعد حضور ﷺ کے روضے پر حاضری کا ارادہ تھا۔ بائیں ہاتھ پر روضے شریف کی سبز جالیاں ہیں۔نہایت عقیدت و محبت سے ان جالیوں کو دیکھنے میں محو تھے کہ اچانک ذہن کی سلیٹ پر تاریخ کا ایک واقعہ نمودار ہوا، جسے اہلِ سیر نے بہت تفصیل سے تحریر کیا ہے۔مختصراً کچھ یوں ہے کہ 88 ہجری، بمطابق 706 عیسوی میں روضہ شریف کی مشرقی دیوار تیز آندھی اور بارش کے سبب زمین بوس ہوگئی۔ اُس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینے کے گورنر تھے۔ روایت میں ہے کہ روضۂ اطہر سے پھوٹنے والی مسحور کن خوشبوؤں نے پورے مدینے کو معطر کردیا تھا اور وہ خوشبو کئی دنوں تک مدینے کی فضاؤں میں رچی بسی رہی۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فوری طور پر روضۂ اطہر کے چاروں جانب پنج گوشہ دیوار بنوا کر چھت تک بلند کردی۔اس دیوار میں کوئی دروازہ ہے اور نہ کھڑکی۔لہٰذا فیس بک اور دیگر سائٹس پر موجود حضور ﷺ کی قبر اطہر کی تمام تصاویر جعلی ہیں اور ایسے لوگ گناہ کے مرتکب ہورہے ہیں۔ پنج گوشہ دیوار کے اطراف تین میٹر کے فاصلے پر لوہے اور پیتل کی خوبصورت جالیوں سے حدبندی کی گئی ہے، جسے ''مقصورہ شریف'' کہتے ہیں۔ اسے 886 ہجری (1481 عیسوی) میں سلطان اشرف قایتبائی نے بنوایا تھا۔ ان ہی جالیوں میں مرقد

مقدس کے سامنے تین دائرے ہیں۔ پہلا بڑا دائرہ، سرکارِ دوعالم ﷺ کی قبرِ اطہر کے سامنے، دوسرا حضرت صدیقِ اکبرؓ کی اور تیسرا حضرت عمر فاروقؓ کی قبر مبارک کے سامنے ہے، یہ دو دائرے نسبتاً چھوٹے ہیں۔ ان ہی سبز جالیوں اور دائروں کے سامنے کھڑے ہو کر عاشقانِ رسول ﷺ درود وسلام کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اگر ان دائروں سے اندر جھانکیں، تو روضۂ شریف کی پنج گوشہ دیوار پر لٹکا سبز پردہ نظر آتا ہے۔ روضہ شریف کی دیوار میں کوئی دروازہ نہیں، لیکن ''مقصورہ شریف'' میں چار دروازے ہیں، جو عموماً بند رہتے ہیں۔ مشرقی دیوار پر ایک دروازہ ''باب الفاطمہ'' ہے، جسے مسلم سربراہان کے لیے کھولا جاتا ہے۔ یہ دروازہ ''بابِ جبرائیل'' سے داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ پر گلی میں ہے۔ نمازِ مغرب کا وقت ہوگیا۔ ریاض الجنہ دنیا بھر سے آئے مختلف رنگ ونسل، قوم ووطن کے زائرین سے بھر چکا ہے۔ مسجدِ حرام اور مسجد نبوی ﷺ میں ہر جمعرات اور پیر کو اذانِ مغرب سے ذرا پہلے دسترخوان بچھا دیے جاتے ہیں تا کہ روزے دار افطار کر لیں اور جو روزے سے نہ ہوں، چاہیں تو وہ بھی کچھ کھا پی لیں۔ ہمارے سامنے بھی دسترخوان بچھا ہوا ہے، جس پر کھجوریں، آبِ زم زم اور فریش جوسز کے ڈبے موجود ہیں۔ ان دسترخوانوں کا اہتمام مقامی عرب بڑے ذوق وشوق سے کرتے ہیں۔ اذانِ مغرب کے کچھ ہی منٹ بعد پلاسٹک کے ان دسترخوانوں کو نہایت نفاست سے طے کردیا جاتا ہے اور نماز کے لیے صف بندی کرلی جاتی ہے۔ ہمارے عقب میں مچان پر مقامِ اذان سے ''اللہ اکبر'' کی رُوح پرور صداؤں نے مغرب کی نماز کا اعلان کردیا۔ ہم نے بھی اپنے سامنے دسترخوان سے چند عجوہ کھجوریں اٹھا کر کھائیں، آبِ زم زم پیا اور ٹھیک دس منٹ بعد نماز کے لیے صف بندی کرلی۔

نماز کے اختتام پر عاشقانِ رسول ﷺ دیوانہ وار ''مقصورہ شریف'' کی جانب لپکے۔ ہم میں آقا ﷺ کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وعدہ خلافیاں، نادانیاں، حماقتیں پاؤں کی زنجیر بن چکی تھیں۔ جسم احساسِ ندامت اور شرمندگی کے باعث پسینے سے شرابور تھا۔ ابھی اسی کیفیت سے گزر رہا تھا کہ ''نمازِ اوابین'' کا خیال آ گیا۔ دوبارہ کھڑے ہو کر نوافل کی نیت باندھی، پھر اللہ سے خصوصی دعا کی اور نم ناک

آنکھوں کے ساتھ ڈگمگاتے قدموں پر کانپتے وجود کا بوجھ ڈالے، عقیدت مندوں کے ہجوم میں شامل ہو گیا۔ یہاں بھی زائرین کا وہی ازدحام اور وارفتگی کا وہی عالم تھا، جو حجرِ اسود یا ملتزم پر ہوتا ہے، لیکن یہاں عاشقان مصطفیٰ ﷺ ادب واحترام، صبر وتحمل اور نظم وضبط کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔ لبوں پر درود وسلام تھا۔ نگاہیں ندامت وشرمندگی سے جھکی ہوئی ہیں۔ ماحول میں ایک پرسکون خاموشی تھی۔ ہاں کبھی کبھی کسی کی ہچکیوں یا سسکیوں کی صدا فضا میں ارتعاش پیدا کر دیتی۔ یہاں کسی کی مجال نہیں کہ اونچا بولے۔ یہ تو وہ معتبر و محترم جگہ ہے کہ جہاں صحابہ کرامؓ کو بھی اونچا بولنے کی اجازت نہیں تھی۔ اللہ نے قرآن میں فرما دیا کہ ”اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ بلند آواز سے رسول (ﷺ) سے بات کیا کرو، جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو“ (الحجرات)۔ البتہ یہاں ایک بات ایسی ضرور دیکھی، جس سے بہت تکلیف ہوئی، وہ یہ کہ اب موبائل فونز سے روضۂ شریف پر بھی تصاویر بنانے کا رجحان بڑھتا چلا جا رہا ہے، حالانکہ یہ تو وہ قیمتی، انمول لمحات ہیں کہ جن میں آقا ﷺ کو راضی کر کے اپنی شفاعت کی التجا کی جانی چاہیے، نہ کہ ان بیش بہا لمحات کو تصاویر کے فضول شوق میں ضائع کر دیا جائے۔ زائرین کی تین چار قطاریں آگے بڑھ رہی تھیں۔ ہم بھی درود وسلام کی کہکشاں میں آگے بڑھے۔ کچھ ہی دیر بعد سنہری جالیوں کے قریب پہنچ گئے۔ ایک زمانہ تھا کہ عاشقانِ رسول ﷺ ان حسین جالیوں کو چھو کر سکون حاصل کیا کرتے تھے، لیکن اب ان جالیوں کے سامنے ایک میٹر چوڑی دیوار بنا دی گئی ہے، جہاں محافظ موجود رہتے ہیں۔ چنانچہ اب ان جالیوں کو ہاتھ لگانا ممکن نہیں ہے۔ مجھ سا تہی دامن، خالی ہاتھ، شرمندہ ونم دیدہ، نظریں جھکائے، سرکار ﷺ کے دربار کے سامنے کھڑا ہے۔ باطن میں اک عجیب سی ہل چل مچی ہے۔ تیزی سے دھڑکتے دل، لرزتے وجود کے ساتھ اعصاب کی تمام تر قوتیں کو جمع کر کے آنسوؤں کے سمندر میں تیرتی نگاہ اوپر اٹھائی۔ ایک نظر روضۂ اطہر کی جانب ڈالی، جہاں سے پیہم نور کی جہاں تاب کرنیں تا ابد تاریکیوں کا جگر چیر کر دنیا کو ایمان کی روشنی سے منور

کرتی رہیں گی، اُسی لمحے دِل کے کسی کونے سے بے اختیار صدا آئی ''السلام علیک یا نبی اللہ، السلام علیک یا رسول اللہ'' روایت میں ہے کہ جو شخص بارگاہِ رسالت ﷺ میں آ کر سلام کرے، تو حضور ﷺ نہ صرف یہ کہ سلام کا جواب دیتے ہیں، بلکہ اُس کی شفاعت بھی فرماتے ہیں، مگر کیا تیرا نامۂ اعمال اس قابل ہے کہ حضور ﷺ تیری شفاعت فرمائیں؟ اور پھر اس کے ساتھ ہی نگاہوں کے سامنے اپنی کتابِ زندگی کے اوراق کھلتے چلے گئے، جو نافرمانیوں اور بدعہدیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ ان پر نظر پڑی، تو لرزتا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا، لیکن پھر دلِ بے قرار سے صدا آئی ''ان سب کے باوجود حکم ربی ہے، جو تو یہاں آیا، ورنہ کسی کی کیا مجال کہ بغیر بلائے اس در دولت پر آ جائے۔ مجھے یقین ہے کہ آقا ﷺ نے میرے سلام کا جواب بھی دیا ہو گا اور شاید یہی وہ پروانۂ راہ داری ہو کہ جو شفاعت کی ضمانت بن کر محشر میں اس عاصی اور ادنیٰ اُمتی کی بخشش کا ذریعہ بن جائے۔'' ذہن کے دریچوں سے اُمید کی کرن بن کر پھوٹنے والی اس آرزو نے آب دیدہ کر دیا اور بے اختیار پھر سلام کا نذرانہ پیش کیا، تو یوں لگا کہ جیسے مقدس جالیوں کے اندر سبز ریشمی پردوں سے آئی مشکبو اور دِل ربا ہوا کے ایک حسین جھونکے نے پورے وجود کو اپنی آغوش میں لے لیا ہو۔ سرور و کیف کی لذتوں سے سرشار، عالمِ بے خودی میں کھڑا تھا کہ جالیوں کے قریب کھڑے ایک باوردی سپاہی (شرطہ) نے ہمیں بازو سے پکڑ کر آگے کر دیا۔ اب مرقد سیدنا ابوبکر صدیقؓ پر ہوں۔ توحید اور رسالت کی پہلی گواہی، مکہ کا کٹھن ترین دور، واقعۂ معراج کی تصدیق، سفر ہجرت اور پھر لحد سے ابد تک ہر لمحے کے ساتھی۔ اُن کے ساتھ ہی ہیں، فاروقِ اعظمؓ، مُرادِ رسول ﷺ کہ جن کی دہشت سے کفار لرز جائیں، شیطان بھاگ اٹھے اور خشک دریائے نیل جاری ہو جائے۔ دو تہائی کرۂ ارض کا تنہا فقیر منش حکم ران۔ دونوں کو ہم سب کا سلام۔ ''بابِ بقیع'' سے نکلے ہی تھے کہ گنبدِ خضرا سے پھوٹنے والی قوسِ قزح کی پرنور شعاؤں کے سحر نے یوں جکڑا کہ گرد و پیش کا ہوش ہی نہ رہا۔ حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اطہر کی نسبت سے گنبد خضرا کا تصور آتے ہی امت محمدیہ ﷺ کی نظریں عقیدت و احترام سے جھک جاتی ہیں اور روضۂ انور کے دیدار کی

تڑپ، دوچند ہو جاتی ہے۔

آج دیارِ نبیؐ میں آخری دن ہے۔ جدائی کے خیال سے دِل پھٹ رہا ہے۔ رات کا زیادہ پہر ریاض الجنّہ میں گزرا۔ نمازِ فجر کے بعد حضور ﷺ کو الوداعی سلام کرنے، واپسی کی اجازت اور آئندہ کی حاضری کی درخواست کے لیے ہم بھی عاشقانِ مصطفیٰ ﷺ کے ہجومِ بے کراں میں شامل ہیں۔ کیفیت پہلے دن جیسی ہی ہے، زبان پر تو درود وسلام کا ورد ہے، لیکن جذبات کا تلاطم آنکھوں کے رستے اُمڈتا چلا آ رہا ہے۔ بھیگی پلکوں کے پیچھے آنسوؤں کی رِم جھم روکنے کی ناکام کوشش کرتے آگے بڑھ رہے ہیں۔ آج اس چوکھٹ سے جدا ہونا ہے کہ جس کے دیدار کو آنکھیں ترستیں، ہر روز دعا کے لیے ہاتھ اٹھتے ہیں۔ سنہری جالیوں کے سامنے جھکا سر، شرمندہ آنکھیں لیے کھڑے ہیں۔ ندامت کے آنسو، چہرہ تر کر رہے ہیں۔ دِل تیزی سے دھڑک رہا ہے۔ التجاؤں، فریادوں اور معافیوں کے سوا کہنے کو کچھ نہیں۔ اپنی کم مائیگی کے احساس سے روح کانپ رہی ہے۔ مایوسی کی انتہا پر اچانک دل سے صدا آئی ''مایوسی کفر ہے۔ تو، تو آقاؐ کے دربار میں حاضر ہے، جو تجھے دیکھ رہے ہیں۔'' اس احساس نے ڈوبتے دِل کو سہارا دیا۔ ہمت کر کے بے جان نگاہوں کی منوں وزنی، جھکی پلکوں کو اٹھایا، تو نظریں سنہری جالیوں سے جا ملیں اور یوں محسوس ہوا کہ جیسے جالیاں قبولیت کی نوید سنا رہی ہوں۔ اس خوش گوار احساس سے گویا بے جان لاشے میں دوبارہ جان پڑ گئی۔ دِل کی بے قراری کو قرار آ رہا تھا۔ عقیدت ومحبت سے لبریز متشکر نگاہوں سے آقا ﷺ کے روضے کی جانب دیکھا، جہاں سے رنگ ونور میں لپٹی مشک بو ومعطر ہوائیں، چہارسو پھیل رہی تھیں۔ بے اختیار منہ سے نکلا ''مصطفیٰ ﷺ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام۔'' ہماری گاڑی شہر مدینہ سے باہر نکل رہی ہے۔ ہم نے اداس نگاہوں سے حرمِ نبوی ﷺ کے میناروں کو الوداع کہا۔

محمود میاں نجمی

سبز گنبد نگاہوں کے ہے سامنے، آج بینائی کا اعتبار آ گیا

روضہ رسول ﷺ تک پہنچنے کے لیے مسجد سے باہر آنا پڑتا ہے اور باہر آ کر باب السلام سے داخل ہونا ہوتا ہے۔ یہ سلام کرنے والوں کا دروازہ ہے۔ بس خدشہ سا تھا کہ کہیں یہ بند نہ ہو۔ کیسا پرشکوہ، مرصع اور عالی شان بلند دروازہ ہے۔ لوگ ہیجان میں ہوتے ہیں۔ گھبراہٹ میں ہوتے ہیں، اُن کے اعصاب جواب دے رہے ہوتے ہیں، جب وہ باب السلام کی جانب جا رہے ہوتے ہیں لیکن جونہی اندر قدم رکھتے ہیں تو یکدم چپ ہو جاتے ہیں۔ شانت ہو جاتے ہیں۔ ایک گہرے امن میں چلے جاتے ہیں...... کہ اب باری آ جائے گی...... دھیمے ہو جاتے ہیں...... بے آواز ہو جاتے ہیں...... درود شریف جو مدینہ میں داخل ہوتے ہی سانس کے آنے جانے کی لے میں شامل ہو جاتا ہے، یہاں اُس کی گونج میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اندر ہی اندر...... بدن کے اندر، برابر میں چلنے والے کو بھی خبر نہیں ہوتی، یوں بھی ہر کوئی بے خبر ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایک فریاد کی لے بلند بھی کر دے تو بھی خبر نہ ہو، ہرگز نہ ہو۔ ایک طویل راہداری ہے جس میں پہلو سے پہلو ملائے پانچ سات لوگ چل سکتے ہیں بلکہ رُکتے تھمتے پاؤں گھسیٹتے چل سکتے ہیں، نہ آپ آگے چلنے والوں کو دیکھتے ہیں اور نہ جو آپ کے پیچھے ہیں۔ وہ کسی مضطرب کیفیت سے لاچار ہوتے ہیں۔ بائیں ہاتھ پر مسجد نبویؐ کی محرابیں قطار اندر قطار تا حد نظر چلی جاتی ہیں۔ قرآن پاک کے شیلفوں کی ایک قطار اور کچھ جالیاں، چند ستون آپ کو اس وسعت سے الگ کرتے ہیں۔ ان شیلفوں کے برابر میں ریاض الجنہ کا سفید قالین بچھا ہے، منبر رسول ہے جہاں ابھی ہم تھے اور وہاں سے باہر نکل کر باب السلام میں داخل ہو کر پھر اُس کے پہلو میں آ گئے تھے اور دائیں ہاتھ پر مسجد نبویؐ کی آخری دیوار ہے۔

چنانچہ قرآن کے شیلفوں اور جالیوں کی دیواریں ایک جانب اور دوسری طرف مسجد نبویؐ کی دیوار اور ان کے بیچ یہ راہداری جس میں ہجوم میں بھنچے ہوئے آپ سرکتے جاتے آگے ہوتے جاتے ہیں۔ مسجد کی آخری دیوار تُرکوں کی مزین کردہ گل بوٹوں اور مختصر آرائشی محرابوں والی ہے اور چھت سے عثمانی طرز کے فانوس لٹکتے ہیں جن کی روشنی چکا چوند والی نہیں دھیمی اور اثر انگیز ہے۔ جیسے سلام کرنے والے اس راہداری میں داخل ہو کر دھیمے اور اثر انگیز ہو جاتے ہیں، یہ سجاوٹ اور فانوس اُسی بناوٹ میں ہیں جس سے استنبول کی مسجدیں مزین ہیں۔ مسجد نبویؐ کا یہ حصہ ترکوں کا تعمیر کردہ ہے اور اُن کے ذوق جمال کے دھیمے لیکن اثر انگیز ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ سلجوق مجھے بار بار سہارا دیتا تھا کہ میں لاچار سا ہو گیا تھا، یک دم بوڑھا ہو گیا تھا، میں ایک مرتبہ پھر پوچھنا چاہتا تھا کہ یار ہمیں کچھ دکھائی دے جائے گا، جو ہم دیکھنے آئے ہیں، وہ دکھائی دے جائے گا، ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔

جب میں باب السلام میں داخل ہو کر پہلا قدم رکھتا ہوں، اُس ہجوم کا ایک ذرّہ بن جاتا ہوں جو روضہ رسول ﷺ کی جانب سرک رہا ہے تو میں ایک شدید خوف کی لپیٹ میں آ جاتا ہوں، نہ ٹھہراؤ ہے، نہ خوشگواری ہے اور نہ سکون ہے، ڈر جاتا ہوں، جیسے ایک بچہ پہلے دن سکول جانے سے خوفزدہ ہو جاتا ہے کہ پتہ نہیں وہاں کیا ہوگا، امی تو نہیں ہوں گی تو کیا ہوگا، میں نے سکول نہیں جانا، وہ دوہائی مچا دیتا ہے، میں ایسے ڈر جاتا ہوں۔ روضہ رسول ﷺ پہلے دن کا سکول ہے اور میں نے وہاں نہیں جانا، میں فرار ہو جانا چاہتا ہوں، لوگوں کو دھکیلتا یہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہوں، لیکن فرار کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے، آگے تو جانا ہی نہیں چاہتا اور پیچھے زائرین کی ایک دیوار دھیرے دھیرے سرکتی چلی آ رہی ہے۔ کوئی ایک اینٹ سرکے تو میں اُس میں سے راستہ بنا کر نکل جاؤں۔ کوئی ایک اینٹ کیسے سرکے تو میں مجبوری کی حالت میں ہوں اور آگے سرکتا جاتا ہوں۔ میری ٹانگوں میں جان نہیں رہتی، میرے حواس جواب دے چکے ہیں، لیکن کیا کروں، مجبور ہوں، ایک عجیب سی گھبراہٹ

میرا دم گھونٹتی ہے۔ میرے بھی اور ہر شخص کے لب ہل رہے ہیں، مجھ سے چلا نہیں جا رہا، میرے پاؤں ایک بوڑھے خچر کے مانند بوجھل ہو رہے ہیں، اتنے بھاری ہو رہے ہیں جیسے اُن کے گرد لوہے کے من من کے باٹ بندھے ہوں۔ لیکن فرار کا کوئی راستہ نہیں، کوئی صورت نظر نہیں آتی، اگر زائرین کو دھکیلتا چیرتا آگے چلا جاؤں تو وہاں ایک چیک پوسٹ ہے، جس میں سے میں گزرنا نہیں چاہتا کہ پکڑا جاؤں گا، پیچھے چلا جانا بھی امکان سے باہر ہے۔ تو محض مجبور ہو کر آگے بڑھتا جا رہا ہوں۔ لیکن میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ میں اسی لیے فرار ہو جانا چاہتا تھا، پلٹ جانا چاہتا تھا کہ اُس نے میرے لیے کچھ حدود متعین کی تھیں کہ دیکھو حیات کو اس طور بسر کرنا ہے، اپنے شب و روز یوں گزارنے ہیں۔ جہاں بے انت آزادیاں عطا کی تھیں، وہاں کچھ پابندیاں بھی عائد کی تھیں اور میں نے حیات کو اس کے کہنے کے مطابق بسر نہیں کیا تھا۔ اُس کی پابندیوں پر عمل نہیں کیا تھا۔ اپنے شب و روز ویسے نہیں گزارے تھے جیسے اُس نے ہدایت کی تھی اور آج پیشی ہو گئی تھی۔ اُس کے ہاں تو روز حشر پیش ہونا تھا اور اس کے ہاں اسی دُنیا میں پیشی ہو گئی تھی۔ تو کیا جواب دوں گا؟ بے شک وہاں تو میرے ہاتھ میری آنکھیں بدن کے سب حصے گواہی دیں گے لیکن یہاں تو میری خاموشی سب سے بڑی گواہی ہو گی۔ اسی پیشی کا ڈر میری گھبراہٹ کا منبع تھا۔ جو جانتا ہو کہ میں نے جرم کیا ہے، وہی کچہری میں داخل ہوتے ہوئے وہاں سے فرار ہو جانے کے منصوبے بناتا ہے۔ بچپن میں، چوتھی یا پانچویں جماعت میں ماسٹر صاحب گھر کا کام دیا کرتے تھے کہ یہ سوال نکالنے ہیں، یہ جواب مضمون کل لکھ کر لانا ہے، اور میں اکثر کھیل تماشے میں محو ہو کر گھر کا کام بھول جاتا تھا، اور اگلے روز سزا کے ڈر سے اپنی کلاس کے سب سے پچھلے بنچ پر سر جھکائے کبڑا سا ہو کر یوں بیٹھ جاتا تھا کہ شاید ماسٹر صاحب کی نظر مجھ پر نہ پڑے اور اُن کی نظر ہمیشہ مجھی پر پڑتی تھی اور وہ کہتے تھے ''آ جاناں مستنصر اور دکھا مجھے گھر کے کام کی کاپی'' اور میری کاپی کوری ہوتی تھی اور میں اُس کوری کاپی کو سنبھالتا تھا، ایک ہاتھ سے گرتی ہوئی نیکر کو اُڑستا، زرد خوف سے نچڑتے چہرے کے ساتھ پچھلی نشست سے اُٹھ کر تخت پوش پر کھڑے ماسٹر صاحب کی

جانب جاتا تھا تو میرے پاؤں من من کے ہو جاتے تھے، چلنے سے انکاری ہو جاتے تھے اور میں وہاں سے فرار ہو جانا چاہتا تھا، یہاں بھی وہی ماجرا تھا، معاملہ وہی تھا، میری ٹانگوں میں جان نہ رہی تھی کہ آگے چیکنگ ہونی تھی اور میں نے گھر کا کام نہیں کیا تھا، میری کاپی کوری تھی۔

مستنصر حسین تارڑ

مضطرب باغ کے ہر غنچہ میں ہے بوئے نیاز

فجر کی نماز کے چند منٹ بعد ہی سویرا ہو گیا اور نظریں کالی کملی والے ﷺ کے سبز گنبد پر پڑ گئیں۔ اس وقت تک خاکسار کو اس امر کا احساس بھی نہ ہوا تھا کہ وہ ایسی جگہ بیٹھا ہے جہاں سے حضور ﷺ کی ابدی آرام گاہ اور خدا کی رحمتوں کے مسکن کا گنبد صاف نظر آتا تھا، زبان پر بے اختیار آ گیا:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیکَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ

لیکن سارے الفاظ پوری طرح زبان سے ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ سیلابِ اشک اُمڈ پڑا اور گھگھی بندھ گئی۔

کافی دیر تک روضہ مبارک کے گُنبد پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ چہرہ تمتمایا ہوا، آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئیں، زبانِ خاموش پر درود شریف، دل میں عقیدت کا طوفان، دماغ میں خیالات کا ہجوم، اور پھر میں اُٹھا، ایک بیمارِ عشق کی طرح لرزاں اور ترساں ڈگمگاتے قدموں سے اس شہنشاہ دو عالم کے دربار کی طرف چلا جس کے تصور سے کبر و نخوت میں ڈوبے ہوئے بڑے بڑے فرماں رواؤں کو پسینہ آ جاتا تھا۔ جس کے خیال سے قیصر و کسریٰ کے تخت دہل جاتے تھے۔ جس کے دبدبے سے دشمنانِ دین کے چھکے چھوٹ جاتے تھے۔ میں وہاں کیسے پہنچا۔ مجھے معلوم نہیں لیکن جب حضور کے دربار میں حاضر ہوا تو بدن کا رونگٹا رونگٹا کانپ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلِ رواں جاری تھا۔ حلق خشک تھا اور لب آہستہ آہستہ درود و سلام پڑھ رہے تھے۔

دلِ بے قرار کی اضطراری کیفیت کا یہ عالم تھا کہ روضہ مبارک کی جالی سے چمٹ جانے اور اس پر بوسوں کی بوچھاڑ کر دینے کے لیے مچل رہا تھا۔ لیکن ایک تو پاس ادب مانع

تھا اور دوسرے سعودی حکومت کے تعینات کیے ہوئے خدام کا ڈر تھا جو ہر عاشقِ رسول کو جالی مبارک کو ہاتھ تک لگانے نہ دیتے تھے۔ بہر حال میں کمال ادب سے مرقد اطہر کے سرہانے کی دیوار کے کونے میں ستون کے پیچھے اس طرح کھڑا ہو گیا کہ حضور ﷺ کی طرف اپنا منہ کر لیا اور قبلہ کی طرف پشت ہو گئی اور پھر خشوع و خضوع کے ساتھ آنسوؤں میں بھیگا ہوا سلام پیشِ خدمت کیا:

السلام علیک ایھاالنبی السید الکریم والرسول العظیم الرؤف الرحیم و رحمة الله و برکاته

الصلوة والسلام علیک یا سیدنا و نبینا وحبیبنا وقرة اعیننا یارسول الله.

الصلوة والسلام علیک یا نبی اللّٰہ الصلوة والسلام علیک یاحبیب الله.

میں کتنی دیر تک وہاں سلامِ شوق عرض کرتا رہا۔ مجھے یاد نہیں۔

مفتاح الدین ظفر

زمیں پر جھکنا عبادت ہے آسماں کے لیے

روضہ اطہر پر نظر پڑی تو مدتوں کی مشتاق آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ وہاں دل پر ہیبت طاری ہوگئی۔ میں تو روضہ مبارک کی پائنتی کے سامنے کچھ دیر کھڑی رہی، پھر بیٹھ گئی۔ آج مجھے جالیوں کے سوراخوں میں سے کچھ نظر نہ آیا۔ میں کانپتی رہی، روتی رہی۔ یہاں ادب و احترام شرط اوّلین تھی۔ دل وفورِ جذبات سے قابو میں نہ تھا۔ معصیت کے نامعلوم خوف نے لرزہ براندام کر دیا۔ ہیبت و جلال رسالت سے کپکپی سی طاری ہوگئی۔ دل ڈوبنے لگا۔ ٹانگیں لرزنے لگیں۔ رُوح قفس عنصری سے پرواز کرنے کے لیے پر تولنے لگی۔ درجاناں کے سامنے جان دینا کتنی بڑی خوش قسمتی تھی۔ ساری عمر نزع کے عالم میں دیدار مصطفیٰ کے لیے دُعائیں مانگتی رہی۔ آج وہ خوش نصیبی کا لمحہ آن پہنچا تھا۔ مجھ میں کھڑا رہنے کی تاب نہ تھی۔ شہناز مجھے بار بار اُٹھاتی اور میں بار بار ٹانگوں کا بوجھ نہ سہارتے ہوئے گر جاتی۔ وہ گھوم پھر کر روضہ اطہر کی جالیوں میں سے سبز غلاف کو دیکھ آتی۔ مگر میں تو ہجوم عشاق کے قدموں میں بیٹھ کر ہی طمانیت قلب حاصل کرتی رہی۔ میں سخی کے دروازے پر بھکارن تھی۔ جو معصیت سے پاک ہونے آئی تھی۔ میں جھولی پھیلائے بیٹھی رہی، درود پاک پڑھتی رہی۔

میں چودہ صدیاں قبل کے مناظر سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ عالم نزع میں مجھے اپنا کوئی ہوش تھا نہ قرب و جوار کا۔ اب میری نظروں میں جلوے ہی جلوے رقصاں تھے اور میں دم بخود تھی۔ آپ ﷺ کے حُسن و نور سے محفل منور و نظر افروز تھی۔ یہ نورانی فضا ملکوتی تھی۔ اس میں رُوح پرور ٹھنڈک تھی۔ میں اس حسین و سرور انگیز نظارے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ میں اس نظارے میں ہی کھو کر رہنا چاہتی تھی۔ حرم کعبہ میں صرف اللہ

تھا۔ یہاں اللہ کے ساتھ حبیب الٰہی بھی تھا۔ یہاں کیف وسرور دُگنا تھا۔ یہاں حُسن جہاں سوز کے ساتھ رسالت مآب ﷺ کے جلوے بھی تھے۔ میں دیوانہ وار ان نظاروں پر قربان ہوتی رہی۔قلب وچشم سیر ہوتے رہے اور زبان پر درود شریف جاری رہا۔

پروفیسر ممتاز چٹھہ

پلک پلک پہ سجاؤں مسرتوں کے چراغ

سفر، اجنبی ہونے کے باوجود یوں محسوس ہوا، جیسے یہ راستے شناسا اور مانوس ہیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر بسیں کچھ عرصہ کے لیے روک دی گئیں تا کہ حجاج نماز ظہر ادا کرنے کے ساتھ روٹی کھا سکیں اور اپنا سر دہلیز طیبہ پر رکھ کر، محبوب محترم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آمد کی اطلاع دی سکیں، جس نے آج اس نعمت عظمیٰ سے نوازا ہے۔ جہاں ہم اتر کر پھر رہے تھے، یہ مدینے کی زمین تھی۔ مقدس اور پیاری پیاری۔ کبھی ہم اپنی طرف دیکھتے، کبھی مدینے کے پاکیزہ ذروں کی طرف۔ زمین سے مٹھی بھر ذروں کو اٹھا کر چوم لیا۔ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیس کے ذرے تھے نا۔ کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر، اس احسان مندی کا شکریہ ادا کرنے لگتے، کبھی مدینے کی جانب رخ کر کے درود وسلام کی ڈالیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کرنے لگ جاتے۔ یہاں جی چاہتا، کاش ہم راہ گزر کے ذرے ہوتے اور لوگ ہم پر سے گزر کر مدینہ کی حسین گلیوں میں جاتے، ہم ان کے پاؤں کے ساتھ لگ کر ہمیشہ کے لیے طیبہ کی گلیوں میں بکھر جاتے۔

شہر مدینہ کے درختوں کے پتے تالیاں بجا بجا کر خوش آمدید کہتے دکھائی دیئے۔ مسرتوں کے دریچوں میں نشہ آور احساسات کی لہر دوڑ گئی۔ پژمردگیوں کے بادل یکسر چھٹ گئے۔ آسودگیوں کے لمحات آگے بڑھ کر آغوش میں لینے کی خاطر، اضطراب کا مظہر بنے بیٹھے تھے۔ ساکنان طیبہ کی اجلی اجلی روحوں اور پاکیزہ دلوں نے محبت سے مقدس سرزمین پر قدم رکھنے والوں کی بار بار بلائیں لیں۔ مقدر کو مبارک دی اور آگے بڑھ کر اپنی دیرینہ روایات کے مطابق اپنی آغوش کھول کر استقبال کیا۔ یہ سب کچھ اس گھر

والے کے صدقے ہو رہا تھا، جو ہمیشہ سے عاصیوں کو اپنے دامن رحمت میں پناہ دیتا چلا آ رہا ہے۔ واقعی عظیم بارگاہ کے غلام بھی عظیم اور فراخ دل ہی ہوا کرتے ہیں، مگر ہم آج عظیم بارگاہ کے عظیم غلاموں کے بھی ادنیٰ غلام بننا ساری کائنات کی سرداری سے افضل تصور کرتے ہیں۔ جب کسی سے خیرات لینی ہو تو سائل اس کی خیر مانگتے ہیں، اس کے بچوں کی خیر مانگتے ہیں، اس کے غلاموں کا بھلا چاہتے ہیں۔ ہم بھی آج مدینے والے سے شفاعت کی بھیک مانگتے آئے ہیں۔ ساکنان طیبہ ایسے درخشندہ ستارے ہیں جو رہتی دنیا تک جگمگا کر آنے والے نسلوں کو منزل کی آگاہی کی خبر دیتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ محبتوں کے لافانی دیار میں جس طرف بھی نگاہ کی، جولانیوں نے کرتب دکھائے، فہم وادراک اور عقل ودانش، حیرت کے سمندر میں ڈوب کر گھٹنے ٹیک گئی۔

ہر طرف خوشی کے حسین ولطیف سوتے پھوٹ نکلے۔ دیار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکینوں کے چہروں کی بے پایاں مسکراہٹ اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پناہ شفقتوں اور رحمتوں کی بارشوں نے بے شمار عاصی وجودوں کو دھونے کی خاطر اپنے گھر بلایا ہے۔ فضائیں بے دریغ محبت وچاشنی کی دولت لٹا رہی تھیں۔ الغرض طیبہ پاک کا ذرہ ذرہ بقعہ نور بن کر دلوں کو تابندگی اور ذوق تمنا کو جلا دینے میں ایک اہم کردار ادا کر رہا تھا اور ہمارے لیے نجات اخروی کا ایک جامع اور واضح نشان بن کر سامنے آیا۔

مدینہ منورہ، دیار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حسن ولطافت کا مرقع، انوار وتجلیات کا مخزن، رحمتوں کا خزینہ، پیارا پیارا مدینہ، پرسکون فضاؤں کی آماجگاہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سانسوں سے رچا بسا ماحول، کھلی سڑکوں اور فلک بوس عمارتوں کا مسکن مدینہ المنورہ......قربان جاؤں اس کے ایک ایک ذرے پر جو نور علیٰ نور کا پیکر ہے۔

ممتاز ظافر

باادب باملاحظہ ہوشیار

اس روز 12 مارچ کا دن تھا، 1968ء واں سال تھا۔ مسجد نبویؐ میں ابھی فجر کی اذان نہیں ہوئی تھی۔ اس روز بھی قدرت اللہ نے مجھے صبح کاذب کے منہ اندھیرے میں جگا دیا تھا۔ پھر ہم دونوں باب جبرئیل سے داخل ہو کر حجرۂ پاک میں پہنچے تھے، جہاں قدرت اللہ نفل پڑھنے میں مصروف ہو گئے تھے اور میں ایک کونے میں بیٹھ کر ان کی کیفیت دیکھتا رہا تھا۔ اس وقت قدرت اللہ اس باکسنگ گیند کی طرح تھے، جو رسے سے بندھی ہوئی ہوتی ہے اور جسے باکسنگ کی مشق کرنے والے گھونسے مارتے رہتے ہیں۔ وہ اچھلتی ہے، گھومتی ہے، پھدکتی ہے، جھومتی ہے لیکن رسے کے مرکز پر قائم رہتی ہے۔

حجرے میں لوگوں کا ہجوم قدرت اللہ کو چاروں طرف سے دھکے دے رہا تھا لیکن وہ نماز کے رسے سے بندھے رہے۔ دھکے، ٹھوکریں، قلابازیاں ان کی نیت نہیں توڑ سکتی تھیں۔ حجرے میں نفل ادا کرنے کے بعد وہ باہر سبز جنگلے کے پاس بڑے ادب، عجز اور انہماک سے دعا مانگتے رہے تھے۔ پھر ہم دونوں مسجد کے وسطی صحن میں جا بیٹھے تھے اور نماز فجر ادا کرنے کے لیے اذان کا انتظار کرنے لگے تھے۔ اس وقت مسجد نبویؐ میں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ سو ڈیڑھ سو ہوں گے۔ وہ سب عبادت میں مصروف تھے اور اذان کا انتظار کر رہے تھے۔ دفعتاً سبز گنبد کی طرف سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔

مکہ معظّمہ کی طرح مسجد نبویؐ کی اذان بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ وہ اٹھا کر بٹھا دیتی ہے۔ مسجد نبویؐ کے اکوسٹکس (Acoustics) بھی اس انداز سے قائم کیے گئے ہیں کہ آواز ربڑ کے گنبد کی طرح اچھلتی ہے۔ ایک سے زیادہ موذن اذان میں شریک ہیں۔ ایک آواز اللہ اکبر ختم کر نہیں پاتی کہ دوسری آواز اسے پھر سے اٹھا لیتی ہے۔ یوں

ایک ڈرامائی ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ دلوں پر (Suspense) کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ کچھ ہونے والا ہے۔ جیسے ابھی خطیبوں کے ہوشیار خبردار کے آوازے ختم ہوتے ہی ظل الٰہی داخل ہو جائیں گے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اذان کے بعد اللہ تعالیٰ خود تشریف لا کر نمازیوں کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے تا کہ لوگوں کے سجدے صحیح معنوں میں سجدے بن جائیں۔

ابھی موذن نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا ہی تھا اور مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگ چونکنے کے عالم میں ہی تھے کہ میری نگاہ اوپر کو اٹھ گئی اور وہ سامنے کھڑے تھے۔ وہ مجھ سے بہت دور تھے لیکن میں انہیں اس قدر قریب دیکھ رہا تھا جیسے میری آنکھوں پر زوم لینز (Zoom Lense) فٹ کر دیا گیا ہو۔ مجھے ایسا لگا جیسے مسجد نبویؐ کی چھت کے برابر اونچی ایک کتاب کھڑی ہو گئی ہو اور تاریخ اسلام کی اس کرم خوردہ کتاب کے جہازی اوراق سے نیچے اتر کر وہ مسجد نبویؐ میں داخل ہو گئے ہوں۔ ان کے چہرے اور لباس کی ایک ایک تفصیل واضح تھی۔

میرے سامنے ایک عرب کھڑا تھا جو آج کے جدید عرب سے قطعی طور پر مختلف تھا۔ جس کے خدوخال، طور طریقے، چال ڈھال پر قدامت کی مہر ثبت تھی۔ اس ماحول میں وہ یکسر منفرد تھا۔ منفرد و ممتاز۔ ان کا رنگ سانولا تھا۔ اس حد تک سانولا جیسے لوہے کے بنے ہوئے ہوں۔ بشرہ پر وقار تھا۔ سنجیدگی تھی، مستعدی تھی، خردمندی تھی، ہوشیاری تھی، معاملہ فہمی تھی، خود آگاہی تھی، جنگجوئی تھی، عزم تھا، سپہ سالاری تھی۔ انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ منظّم ہیں، سردار ہیں، حکم دینے کے عادی ہیں۔ ان کا چہرہ نورانی نہیں تھا، جیسے کونے میں بیٹھ کر عبادت کرنا ان کا شعار نہ ہو۔ ان کے بشرے پر علم کی جھلک نہیں تھی، خودستائی نہ تھی، جو عالم کے چہرے پر تمبو کی طرح تنی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ علم کے تخت پر جلوہ افروز نہیں تھے، جیسے علما ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ان کے انداز سے عمل مترشح ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی سپاہی بازوؤں کے بل بوتے پر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو۔ ان کے چہرے پر حوالگی یا سپردگی نہیں تھی۔

ان کے بشرے پر عجیب سی کرختگی پھیلی ہوئی تھی۔ بے نام سا کڑا پن۔ اس کڑے پن میں محافظین مسجد نبویؐ کی جھلک موجود تھی۔

پہلے دن جب میں نے محافظین حرم کو دیکھا تو میں حیران رہ گیا۔ ''ارے یہ کون ہیں؟'' میں نے قدرت اللہ سے پوچھا۔

''یہ مسجد نبویؐ کے محافظ ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''مسجد نبویؐ کے محافظ؟''

''ہاں'' قدرت اللہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لیکن یہ کون سی مخلوق ہیں؟''

''کیا مطلب؟''

''ان کے چہرے پر جذبات کی کوئی رمق نہیں، کوئی حرکت نہیں، جیسے منجمد ہوں، مقفل ہوں، سر بستہ ہوں۔''

''دیکھ لیجئے'' قدرت اللہ نے کہا ''ایسے ہی ہیں۔''

''دیکھ ہی تو رہا ہوں۔ آخر اس کی کوئی وجہ ہوگی؟''

''پتہ نہیں۔'' وہ بولے۔

''کیا انوار کی بارش احساسات کو منجمد کر دیتی ہے۔ کیا قرب کا تسلسل انسان کو مرد آہن بنا دیتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ یہاں تو منجمد لوگ آ کر پگھل جاتے ہیں، مقفل دل اپنے پٹ کھول دیتے ہیں، آہنی قلب بہنے لگتے ہیں، خشک آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ انوار کی موسلا دھار اور مسلسل بارش پھر سے منجمد کر دیتی ہے۔

دیر تک میں سوچ میں کھویا رہا۔ پھر میں نے پوچھا:

''آپ کو یقین ہے کہ لوگ انس ہی ہیں؟''

''کیا مطلب؟'' قدرت اللہ نے پوچھا۔

''شاید جن ہو اور انسان کی شکل میں یہاں گھومتے پھرتے ہوں۔''

''آپ نے باب نسواں پر متعین محافظ کو غور سے دیکھا ہے کیا؟'' قدرت

اللہ نے پوچھا۔

مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کو آتے ہوئے قدرت اللہ نے مجھ سے کہا تھا کہ مدینہ منورہ مکہ شریف سے مختلف ہے۔

''آپ کا مطلب ہے کہ دونوں مسجدوں کی تعمیر میں فرق ہے۔''

''نہیں'' وہ بولے۔ ''تعمیر کی بات نہیں، تاثیر کی بات کر رہا ہوں۔''

''تاثیر؟'' بات میری سمجھ میں نہ آئی تھی۔

''ماحول کے تاثرات مختلف ہیں۔ یوں سمجھ لیجیے کہ مکہ معظّمہ قانون ہی قانون ہے اور مدینہ منورہ رحمت ہی رحمت ہے'' قدرت اللہ نے وضاحت کی۔

میں پھر بھی نہ سمجھا۔ اس پر قدرت اللہ نے مجھے یہ واقعہ سنایا:

''مکہ معظّمہ میں بچوں کو حرم میں داخل ہونے کی اجازت نہیں لیکن مسجد نبویؐ میں بچے کھیلیں یا شور مچائیں تو انہیں کوئی نہیں روکتا۔ پاکستان کا ایک فوجی افسر عمرہ کرنے کے لیے ایک مہینے کی چھٹی پر یہاں آیا تھا۔ مسجد نبویؐ میں اس نے دیکھا کہ بچے شور مچا رہے ہیں۔ اسے بے حد غصہ آیا۔ کہنے لگا ''یہ سراسر بے ادبی ہے'' اس نے بچوں کو ڈانٹا۔ اس پر اس کے ساتھی نے جو مدینہ منورہ کی ڈسپنسری کا ڈاکٹر تھا، اس کو منع کیا کہ بچوں کو نہ ڈانٹے۔ افسر نظم و نسق کا متوالا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کی ان سنی کر دی۔ رات کو اس موضوع پر دونوں میں بحث چھڑ گئی۔ ڈاکٹر نے کہا ''حضورؐ اعلیٰ یہ پسند نہیں کرتے کہ بچوں کو ڈانٹا جائے۔''

اسی رات افسر نے خواب میں دیکھا حضورؐ اعلیٰ خود تشریف لائے۔ خشمگیں لہجے میں فرمایا:

''اگر آپ مسجد میں بچوں کی موجودگی پسند نہیں کرتے تو مدینہ سے چلے جائیے۔''

اگلے روز پاکستان کے فوجی ہیڈ کوارٹرز سے ایک تار موصول ہوا جس میں اس افسر کی چھٹی منسوخ کر دی گئی تھی اور اسے فوراً ڈیوٹی پر حاضر ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔

''آپ کو اس واقعہ کا کیسے پتہ چلا'' میں نے قدرت اللہ سے پوچھا۔

''مجھے ڈسپنسری کے ڈاکٹر نے بتایا جس کے پاس وہ افسر ٹھہرا ہوا تھا۔''

''یہ بتائیے کیا مدینہ منورہ میں بزرگ ہوتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں بہت'' وہ بولے۔

''مکہ معظّمہ سے بھی زیادہ؟''

''ہاں غالباً زیادہ لیکن یہ لوگ ظاہر نہیں ہوتے۔''

''اگر آپ کو کسی بزرگ کا پتہ ہو تو ملوا دیجیے۔ میری بڑی خواہش ہے کہ مدینہ کے کسی بزرگ سے ملوں۔''

''ہاں'' قدرت اللہ نے جواب دیا۔ ''ایک بزرگ کو میں جانتا ہوں۔''

''کون ہیں وہ؟''

''وہ مسجد نبویؐ کے دروازے پر جوتوں کی رکھوالی کرتے ہیں۔ پاکستان کے ہیں لیکن اب مدینہ منورہ میں ہی مقیم ہو گئے ہیں۔''

''آپ کو ان کی بزرگی کا کیسے علم ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''پچھلی مرتبہ جب میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تھا تو میں نے دیکھا کہ باب نسواں سے باہر دہلیز پر ایک آدمی بیٹھا سردی میں ٹھٹھر رہا ہے۔ میں گھر جا کر ایک کوٹ اور ایک سویٹر اٹھا لایا اور آ کر اس آدمی کو پیش کیا۔ اس نے اسے قبول کیا۔ میں نے پوچھا ''آپ کا ٹھکانا کون سا ہے؟'' بولا ''صبح و شام یہیں پڑا رہتا ہوں۔ آج تک مسجد نبویؐ میں داخل ہونے کی ہمت نہیں پڑی۔ جب حضور ﷺ خود بلائیں گے تو حاضری دوں گا۔'' میں نے کہا ''مسجد نبویؐ میں جاتے کیوں نہیں؟'' بولا ''جانے لگتا ہوں تو احساس گناہ اس حد تک طاری ہو جاتا ہے کہ خود کو کتا دیکھنے لگتا ہوں۔ اس حالت میں داخل ہونے کی جرأت کیسے کر سکتا ہوں؟'' میں نے پوچھا ''ٹھکانا تو خیر ہو گیا۔ کھانے کا انتظام کیا ہے؟'' بولا ''یہاں اس کا ذکر نہیں۔ ایک ولی یہاں بلیوں کے لیے کھانا اکٹھا کرنے پر مامور ہے۔ سارا دن سر پر ٹوکری اٹھائے پھرتا ہے۔ جگہ جگہ سے کھانے کے ٹکڑے اکٹھے کرتا رہتا ہے اور پھر جب کھانے کے وقت وہ ٹوکری لے کر آتا ہے تو مدینہ کی ساری بلیاں میاؤں میاؤں کرتی ہوئی اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ جس شہر میں بلیوں کا اتنا انتظام ہے وہاں انسان کیسے بھوکا رہ سکتا ہے۔'' میں نے اس سے پوچھا ''کیا تو اس ولی کو جانتا ہے جو

بلیوں کی خوراک جمع کرنے پر مامور ہے۔'' وہ بولا ''میں نہیں جانتا۔ وہ سامنے باب نسواں میں جو شخص جوتوں کی رکھوالی کرتا ہے، وہ اسے جانتا ہے۔'' تو جوتوں کے رکھوالے سے واقف ہے کیا؟'' میں نے پوچھا۔ ''نہیں'' وہ بولا ''میں یہاں دن رات جو پڑا رہتا ہوں۔ میں نے اسے اکثر احکامات جاری کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ شخص انتظامیہ کا رکن معلوم پڑتا ہے۔''

جب میں پہلے روز مدینہ منورہ میں پہنچا تھا، اس روز قدرت اللہ کی طبیعت ناساز تھی اور میں اکیلا مسجد نبویؐ کا باہر ہی طواف کرتا رہا تھا۔ اس روز میں نے پاپوش چوکیدار کو غور سے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گویا ایٹم پھوٹ رہے تھے۔ اس نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی تھی اور میں نے محسوس کیا تھا جیسے میں ذبح کیا ہوا بکرا تھا جو قصائی کی دکان پر سیخ سے ٹنگا ہوا ہو۔

میں نے قدرت اللہ کو اس ملاقات کی تفصیلات بتائیں تو ہنسنے لگے۔ بولے ''بزرگوں کو یوں دہقانوں کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نہیں دیکھا کرتے۔''

''تو پھر کس طرح دیکھا کرتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کے آداب ہوتے ہیں۔''

''مجھے تو آداب نہیں آتے۔ میں نے جواب دیا۔

''آپ یوں کریں کہ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران جب بھی مسجد نبویؐ میں داخل ہوں تو ہمیشہ باب نسواں میں سے داخل ہوں۔''

''وہ دروازہ تو عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔ اگر میں مسلسل اس دروازے سے داخل ہوتا رہا تو کسی روز پٹ جاؤں گا۔ ممکن ہے پاپوش بابا خود اس بات پر ناراض ہو جائیں۔''

''نہیں، نہیں'' قدرت اللہ نے کہا ''مناسب احترام اور عجز سے باب نسواں سے گزریئے۔ پاپوش بابا کو سلام کیجیے۔ لیکن ٹکٹکی باندھ کر ان کی طرف نہ دیکھئے اور جب آپ مسجد نبویؐ سے باہر آئیں تو ہر بار انہیں ایک ریال پیش کیجئے۔''

اس روز سے میرا یہ معمول ہو گیا کہ باب نسواں سے مسجد نبویؐ میں داخل ہوتا،

آنکھیں جھکا کر پاپوش بابا کو سلام کرتا اور واپسی پر انہیں ایک ریال پیش کرتا۔ چونکہ دن میں کئی ایک بار مسجد نبوی میں جاتا تھا، لہٰذا دوسرے دن ہی پاپوش بابا نے بات بھانپ لی۔ انہوں نے غور سے مجھے دیکھا لیکن میں ان کی نگاہ سے اس قدر...... خائف تھا کہ میں نے اپنی نظریں ان کے قدموں پر مرکوز کیے رکھیں۔

''ہاں'' میں نے کہا ''میں نے باب نسواں کے پاپوش بابا کو ایک نظر دیکھا ہے۔ دوسری نظر ڈالنے کی مجھ میں ہمت نہیں پڑی'' قدرت اللہ ہنس پڑے۔

''کیا محافظان مسجد نبویؐ اور پاپوش بابا میں کوئی مناسبت نظر آئی ؟''

''نہیں'' میں نے کہا ''پاپوش بابا کے چہرے پر کڑا اپن ضرور ہے لیکن جمود نہیں، خشونت ہے لیکن بے حسی نہیں۔''

ممتاز مفتی

نہ آرزو میں سکت ہے، نہ عشق میں دم ہے

بیر درویش کے بعد فاصلہ ختم ہو رہا تھا۔ زندگی کی آرزو، سب سے بڑی آرزو، ایمان والوں کی پوری ہو رہی تھی کہ ہر ایک اپنے خیالات میں گم ہو رہا تھا۔ اچانک اسی حال میں ''مدینۃ النبی'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز سواق (ڈرائیور) کی زبان سے نکلی۔ کلیجے نکل پڑے۔ جانیں قالب کو معلوم ہو رہا تھا کہ چھوڑ دیں گی۔ ہم میں ہر ایک دوسرے کو بھول گیا۔ ''مدینۃ النبی'' (نبی کا شہر) اس کے سوا نہ اندر ہی میں کچھ باقی تھا اور نہ باہر میں۔ جذبات کا طوفان تھا، جو ابل رہا تھا اوروں کا حال معلوم نہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بلال آ رہے ہیں، یہ ابوذر جا رہے ہیں، یہ فاروق اعظم ہیں، ادھر حضرت صدیق ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ ''باب العنبریہ'' کب آیا، لاری سے لوگ کس وقت اترے، کیسے اترے، گھوڑے کی گاڑی، عرابہ میں کب سوار ہوئے۔ ایک سیاہ کار، سیاہ بخت، سیاہ عمل، مطلق تاریکی، صرف سیاہی کو گھسیٹتے ہوئے اس دربار کی طرف لوگ لے جا رہے تھے، جس دربار تک رسائی کا خیال بھی اس سراسر اثم و گندگی کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ آج وہی گھسیٹا جا رہا تھا، بیعت کے بعد عہد کا توڑنے والا مجرم اپنے آقا کے آستانے کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ بس اتنا ہوش تھا کہ ہوش باقی نہیں رہا ہے۔ معلم یا مزور ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ وہ کچھ کہتے جاتے تھے، آنسوؤں کی موسلا دھار بارش سے بند آنکھوں نے اس کا موقع باقی نہ رکھا تھا کہ کہاں ہوں۔ زبان ان ہی فقروں کو دہرا رہی تھی۔ معلم کہتے تھے کہ ''سلام پڑھو'' کن کو سلام کروں، آنکھوں میں اس کی قوت بھی باقی رہی ہے جو کسی طرف اٹھے۔ چیخ تھی، پکار تھی، گریہ تھا، بکا تھا، بے ہوشی تھی، بدحواسی تھی۔ کیا عہد کیا تھا، عہد کرنے والے نے مگر کیا کیا۔ حجاب، شرم، ندامت۔ اے اللہ کے

رسول! اے عالمین کی رحمت! ڈھانک لے اس کی سیاہیوں کو جس میں سیاہی اور تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہے

ہوں سیاہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں
کملی والے مجھے کملی میں چھپا لے آ جا

نماز کا وقت بھی شاید قریب تھا۔ سب جہاں کھڑے ہوئے، وہیں ہوش باختہ میں بھی کھڑا تھا۔ کیا ساتھ لائے۔ صرف پاپ، صرف گندگی، صرف آلودگی، سب باہر ہوئے۔ ان کے ساتھ باہر ہوئے، چوبیس گھنٹوں تک کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں آ رہے ہیں، کہاں جا رہے ہیں۔ مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، سکینت کا نزول قلب پر شروع ہوا۔ خود تو کیا پیدا ہوتی مگر ہمت پیدا کرائی گئی اور اب آنکھ کھلی۔ ہم کھجور کے تنوں پر کھڑی ہوئی اس مسجد کو ڈھونڈ رہے تھے، جس کی چھوپنی کھجور کے پتوں اور شاخوں سے کی گئی تھی، جہاں کے رسول غریبوں کے ملجا، یتیموں کے ماویٰ کا دولت خانہ، وہ کہاں ہے جس کے چھپر سے کھڑے ہونے والا سر چھوا جاتا تھا، جس کی دیوار کھجور کی چھڑیوں پر مٹی لپیٹ کر بنائی گئی تھی۔ ابوایوبؓ انصاری کا وہ مکان کہاں ہے جو ہجرت کے بعد پہلی فرودگاہ اس آبادی میں تھی۔ ڈھونڈتا تھا، ان کے گھروں کو مگر نہ وہ مسجد ہی تھی اور نہ وہ مکانات، نہ ان کے رہنے والے۔ معلوم ہوا کہ انصاری صحابیوں کا کوئی خاندان اب مدینہ میں نہیں پایا جاتا اور نہ مہاجروں کا۔ دیوانہ نئے مدینہ میں پرانے مدینہ کو تلاش کرتا رہتا تھا۔ اپنا دل اس نئی آبادی میں پرانے مدینہ کے پرانے باشندوں کو ڈھونڈتا تھا۔ اتفاقیہ مدینہ کے ایک مورخ بھی مہربان ہو گئے۔ ان کے طفیل میں سقیفہ بنی ساعدہ، بیر بضاعہ، العوالی بنی نضیر و بنی قریظہ کی گڑھیوں کے آثار اور اسی قسم کے بیسیوں مقامات کا پتہ چلا۔

مسجد نبویؐ میں احرام باندھ کر روضہ طیبہ سے رخصت ہونے کے لیے حاضر ہوا۔ حضور کے روضہ سے بچھڑنا قیامت ہو گیا، چیخیں نکل گئیں اور گریہ وزاری میں رات کٹی۔ مدینہ منورہ میں آستانہءنبوت کے سوا دوسرا مقام جہاں زمین پر وہ سب کچھ مل جاتا ہے جو شاید آسمانوں میں بھی نہ ملے۔ وہ جنت البقیع کی خواب گاہیں ہیں۔ اس وقت

مواجہہ شریف میں ہر رنگ ونسل کے مسلمان اپنی محبت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔تو نہ جانے کن نگاہوں سے اس دل آویز منظر کو دیکھتے جاتے تھے کہ اچانک چشم تصور میں حشر کا میدان آجاتا، وہی میداں جہاں پتنگوں کی طرح اولاد آدم ماری ماری پھرے گی، اور اپنے اپنے رسول کو تلاش کرے گی، آج ایک ہلکا سا نقشہ اسی میدان کے سامنے تھا۔ دیر تلک اس نظارے میں محو رہا۔ برق تجلی کی طرح دل پر واردات کرتے چلے گئے۔امر حق تو یہ ہے کہ ہر طرف یہاں روشنیاں ہی روشنیاں اور نور ہی نور ہے۔ تاریکی کا نام نہیں، صرف سکوں ہی سکوں تھا۔ اضطراب والم کی خبر نہ تھی۔صرف محبت تھی۔ محبت ہی محبت جو چشمے کی طرح ابل رہی تھی۔

مولانا مناظر احسن گیلانی

اے کاش حقیقت یہ مرا خواب حسیں ہو
پوری یہ تمنا مری اے سرورِ دیں ہو
دل محوِ زیارت ہو تو سجدے میں جبیں ہو
جب آئے مجھے موت تو مدینے کی زمیں ہو

زرحمت کن نظر برحال زارم یارسول اللہ ﷺ

مومن کے لیے حرم پاک کیا، مدینہ طیبہ کا ایک ایک ذرہ سکون بخش ہے۔
جہاں حرم نبویؐ کی دوسری اشیا باعث جذب وکشش ہیں، وہاں کبوتران حرم بھی ہیں۔
انہیں آستانہ عالیہ سے بے پناہ عقیدت ہے۔

میرا چشم دید واقعہ ہے کہ ریاض الجنتہ میں انسانوں کا انبوہ حضور علیہ السلام کے
سرہانے کی طرف کھڑا صلوٰۃ وسلام کے نذرانے پیش کررہا ہے۔ایک کبوتر دور قدموں پر
چلتا،لوگوں کے پاؤں سے بچتا ہوا، بندوں کی قطار میں جا کر سر جھکائے کھڑا رہا اور پھر
آہستہ آہستہ مقدس جالیوں کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ یہ منظر میں نے ہی نہیں، اور کئی
دوستوں نے بھی دیکھا۔حکیم صاحب بھی عینی شاہد ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں ان کا اڑنا،
اترنا، دانا چگنا، اپنی مخصوص آواز نکالنا، عجیب کشش کا باعث ہے۔حضور علیہ السلام کے
ان عشاق کے لیے، دنیا بھر کے ممالک سے گندم کے نذرانے، حجاج پیش کرتے ہیں۔
شروع شروع میں سعودی حکومت نے کبوتروں کو دانا ڈالنا بند کر دیا مگر کوئی ایک کبوتر بھی
اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ چھوڑ کر نہیں گیا۔بھوک سے کبوتر مرتو رہے
ہیں مگر وفاداری پر دھبہ نہیں آنے دیتے۔ پھر لوگوں نے حکومت کو تار دیے تو یہ رسم جاری
کر دی گئی۔بعض نے کہا کہ یہ کبوتر اس کبوتر کی نسل ہے، جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی
سے آیا اور خشکی کی خبر لایا۔

علامہ علی بن برہان الدین حلبی نے ایک نہیں بلکہ جوڑا بتایا ہے۔بعض نے بتایا،
یہ ان کبوتروں کی نسل ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار مکہ کی نظروں سے
مخفی رکھنے کے لیے غارثور پر جالا تنا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال۔انہیں دانا ڈالنے کے لیے

کنکریوں کے پلاٹ مخصوص ہیں۔ کنکریوں کا اصل، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے ملتا ہے۔ مسجد شریف میں بارش کے سبب سے کیچڑ ہوا تو صحابہ کرامؓ نے کنکریاں بچھائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمایا تو وادی عقیق سے کنکریاں لائی گئیں۔

شہنشاہ کائنات کی حاضری اور اپنی سیاہ کاریوں پر نظر سے ایک عجیب سا سماں بندھ گیا ہے، جسم پر لرزہ طاری ہے، ہونٹوں پر کپکپی سے کچھ عرض بھی نہیں کیا جا سکتا۔ عشاق کا جمگھٹا ہے۔ بس یہ عالم ہے کہ ساقی کوثر پیارے حبیب علیہ السلام مشتاقان جمال کو ان کے ظرفوں کے مطابق پیالے پہ پیالہ، جام پہ جام بھر بھر کے پلائے جا رہے ہیں، اونچی آواز سے اعمال کے ضائع ہو جانے کا ڈر ہے۔ آنسوؤں میں چیخ پکار نہیں۔ درد ہے، آہ و بکا نہیں۔ محبت ہے شور و غوغا نہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

مانگنے والے مانگتے چلے جا رہے ہیں اور دینے والے دیے جا رہے ہیں۔ یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں مانگنے میں بے ادبی کا کوئی شائبہ نہ شامل ہو جائے۔ پھر عجز و انکساری سے یوں عرض کیے دیتے ہیں۔

سرکارؐ ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں
ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

الحاج منظور احمد شاہ

گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں

مدینہ عالیہ کے سفر میں بمقام وادی حمراڈاکوؤں کے حملہ کی پریشانی کی وجہ سے مجبوراً عشاء کی سنتیں مجھ سے رہ گئیں۔ مخلصی فی اللہ مولوی محمد غازی مدرسہ صولتیہ میں مشغل تعلیم و تدریس چھوڑ کر حسن ظن کی بنا پر بغرض خدمت اس مقدس سفر میں شریک ہوئے تھے۔ ان رفقاء کی معیت میں، میں قافلہ کے ایک طرف سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاہ عربی جبہ زیب تن فرمائے تشریف لا کر، اپنے جمال با کمال سے مجھے نئی زندگی عطا فرماتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں بحالت مراقبہ دو زانو بیٹھا ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریب تشریف لا کر ارشاد فرمایا کہ آل رسولؐ کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اس حالت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر دو پنڈلیوں کو جو ریشم سے بھی زیادہ لطیف تھیں، اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر نالہ وفغاں کرتے ہوئے **الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** کہنا شروع کیا اور عالم مدہوشی میں روتے ہوئے عرض کی کہ حضور کون ہیں؟ جواب میں وہی ارشاد ہوا کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنت ترک نہیں کرنا چاہیے۔ تین بار یہی سوال و جواب ہوتے رہے۔ تیسری بار میرے دل میں ڈالا گیا کہ جب آپؐ ندائے رسول اللہ سے منع نہیں فرما رہے تو ظاہر ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اگر کوئی اور بزرگ ہوتے تو اس کلمہ سے منع فرماتے۔ اس حسن و جمال با کمال کے متعلق کیا کہوں، اس ذوق و مستی و فیضان کرم کے بیان سے زبان عاجز ہے اور تحریر لنگ۔

اللھم صل وسلم و بارک دائما علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ

پیر سید مہر علی شاہؒ گولڑوی

سرزمین آرزو سے سرزمین آبرو تک

مغرب کی نماز کے بعد مسجد حرام سے قیام گاہ لوٹے تو زندگی کی ایک اور سب سے بڑی خوش خبری ملی کہ کل مدینے کا قصد ہے۔ پوری رات جسمانی اور روحانی تیاریوں میں بسر ہوگئی۔ کچھ دیر کو آنکھ لگی مگر حسب معمول تہجد کے وقت بیدار ہو گئے اور سیدھے مسجد حرام پہنچے۔ خوش خبری پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ فجر کی اذان تک تہجد کے نوافل پڑھتے رہے اور مسجد نبوی ﷺ کے خواب دیکھتے رہے، وہ خواب جن کی تعبیر ملنے والی تھی۔ خبر کیا سنی، گویا ہلال عید دیکھ لیا ہو اور عید کی خوشیوں کا انتظار ہو، یہ انتظار لحہ لحہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

شہر نبوی ﷺ میں داخل ہوتے وقت مسجد نبوی ﷺ کے مینار تو کل ہی دیکھ لیے تھے۔ مگر دور سے قربت کی تمنا اور بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ علی الصبح تین بجے سے بھی پہلے اٹھ بیٹھا، سفید لباس پہن کر عطر گلاب لگا کر جو بصد اہتمام گھر سے لے گیا تھا۔ سوئے حرم نبوی ﷺ چل دیا۔ راستے بھر درود شریف پڑھتا رہا اور نظریں مسجد کے میناروں پر ہی مرکوز رہیں۔ مسجد میں قدم رکھتے ہوئے دل کی دھڑکنیں مزید تیز ہو گئیں۔ تہجد اور فجر، توسیع شدہ حصے میں ادا کی، بعد ازاں ہجوم عاشقان نبوی ﷺ میں گم ہو گیا۔ عشاق یہاں بھی بپھرے ہوئے تھے بمشکل روضہ اطہر ﷺ تک رسائی ہوئی۔

اولیں دور کا پورا شہر مدینہ آج کل مسجد نبوی ﷺ کے احاطے میں سما گیا ہے۔ گویا شہر کا شہر دامن رحمت للعالمین کے سایہ عاطفت میں آ گیا ہے۔ پورا شہر مسجد نبوی ﷺ کی پہنائیوں میں سما گیا ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کی کشادگی رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر کی کشادگی کی ایک جھلک پیش کرتی ہے۔ ان کے عشاق کتنی بھی تعداد میں ہوں، مسجد میں سب کے سب سما جاتے ہیں، اس شہر کی بہار کی اساس، عشق رسول ﷺ

ہے۔ دنیا بھر کے عشاق، کشاں کشاں سوئے روضہ اطہر چلے آتے ہیں، چہرے پھولوں کی طرح کھلے ہوتے ہیں، لبوں پر درود وسلام کا ورد ہوتا ہے اور نگاہیں روضہ کی طرف لگی ہوتی ہیں۔ یہ ہجوم، ہجوم عاشقاں ہوتا ہے، کسی کو کسی سے شکایت نہیں ہوتی۔ مقامات مقدسہ کی زیارت سب کا نصب العین ہوتا ہے، منبر رسول ﷺ، ریاض الجنہ، میندن بلالؓ، قدمین شریفین، باب جبریلؑ غرض ہر مقام پر عاشقان رسول ﷺ نفلوں میں منہمک ہوتے ہیں اور جونہی روضہ رسول ﷺ پر حاضری دیتے ہیں، درود وسلام پڑھتے ہیں اور روضہ مبارک پر نظریں جماتے ہیں تو ہر فرد کی گویا دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو احساس ہوتا ہے کہ حضور ﷺ اپنے حجرہ میں تشریف فرما ہیں اور ان کے تمام ساتھی صحابہ کرامؓ قطار اندر قطار حضور ﷺ کے دربار میں حاضر ہیں اور وہاں سے دائمی بہار کے پھولوں کی خوشبوؤں کی لپٹیں آ رہی ہیں۔ کبھی لگتا ہے جبریلؑ حضور ﷺ سے ملاقات کر کے ابھی ابھی اس جھروکے سے آسمانوں کی طرف گئے ہیں، کبھی احساس ہوتا ہے گویا صفہ مبارکہ صحابیوں سے پُر ہے اور تمام صحابی حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت کے موتی چن رہے ہیں، کچھ لوگ ریاض الجنۃ میں نفل ادا کر رہے ہیں، کچھ منبر رسول ﷺ کے قرب وجوار میں نفل پڑھنے کی جستجو میں ہیں، اکثر عشاق تو بس مجسم آنکھ بنے روضہ اطہر ﷺ کی زیارت میں گم ہیں، ہونٹ کپکپا رہے ہیں، درود وسلام کا ورد جاری ہے، سانس اٹک اٹک کر آتے ہیں، آنکھیں ٹپ ٹپ آنسو بہا رہی ہیں، آنسوؤں کی آبشاروں میں سے حضور کے روضے ﷺ کی دید ہو رہی ہے، دل جیسے سہم گئے ہیں، بدن لرز رہا ہے، دماغ اور ہوش و حواس گم ہیں، زائرین کی ساری زندگی کی خواہش، حضور ﷺ کے حضور کھڑے ہونے کی تمنا پوری ہو رہی ہے، حضور ﷺ کی حدیث گرامی زائرین کے قلب و ذہن میں گونج رہی ہے کہ ''جو میری زیارت کے لیے میری قبر پر حاضر ہوا، مجھ پر اس کی شفاعت لازم ہوگئ'' زائر جس قدر اطمینان کے ساتھ یہاں سے لوٹتا ہے، کم ہی لوٹتا ہوگا کہیں اور سے، کیونکہ دریائے رحمت وشفقت سے ایک قطرہ بھی میسر آجائے، کافی ہے۔

ناصر قریشی

جہاں نورِ حق کی ہیں بارشیں جہاں برکتیں جہاں رحمتیں

صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہوئے حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوا۔ وفور محبت سے ہوش وحواس بجا نہ تھے۔ باب سلام سے اندر داخل ہوتے ہوئے سبز گنبد والے کی آرامگاہ پر نظر پڑی۔ یہ وہ مقام ہے جو تمام روئے زمین کے متبرک مقامات سے بڑھ کر مقدس ہے اور زمین کے جس پاک ومطہر حصہ سے شاہ لولاک ﷺ کا جسم مبارک مس کر رہا ہے، وہ تو بالاتفاق روئے زمین کا افضل ترین مقام ہے۔ بعض روایتوں میں یہاں تک آیا ہے کہ کعبہ اور عرش سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہی وہ متبرک مقام ہے جو زیارت گاہ ملائکہ اور جن وانس ہے۔ روضہ اقدس پر نظر پڑتے ہی بے اختیار چیخ نکل گئی۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ جس جگہ کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا اور وہیں نوافل اور نماز فجر پڑھی۔ نماز فجر کی جماعت ختم ہوتے ہی صلوٰۃ والسلام کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ لوگ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ پڑھتے ہوئے دیوانہ وار روضہ شریف کی طرف دوڑ پڑے۔ عجیب نظارہ تھا۔ سب والہانہ عقیدت سے روضہ کے سامنے ہاتھ باندھے بآواز بلند الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ کا تحفہ پیش کر رہے تھے۔ یہاں کوئی کسی کو کہنے والا نہیں تھا کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسولؐ اللہ کیوں پڑھتے ہو، اونچی آواز سے کیوں پڑھتے ہو، نیچی آواز سے کیوں نہیں پڑھتے۔ ہر شخص چشم اشکبار سے نہایت عجز وانکساری اور محبت وعشق سے مخمور الصلوٰۃ والسلام کا تحفہ حضور ﷺ کی خدمت میں گزارش کر رہا تھا۔

الحاج کیپٹن شیخ نبی بخش نظامیؒ

یہ اہل دل کی باتیں ہیں، یہ اہل دل سمجھتے ہیں

آپ کو حج سے پہلے زیارت مدینہ منورہ سے سرفراز ہونا ہے یا حج کے بعد، اس امر کی نشان دہی آپ کے کمپیوٹر کارڈ پر کر دی گئی ہوگی جو وزارت حج نے بھیجا ہے۔ مدینہ منورہ میں آپ کی رہائش مقرر ہے۔ آپ نے اس کا کرایہ ادا کر دیا ہے۔ یہ رہائش ایئر کنڈیشنڈ ہوگی۔ آپ کو معلم کی بس لے کر جائے گی۔ اس کا کرایہ بھی ادا کیا جا چکا ہے۔ مدینہ منورہ میں آپ مسجد نبویؐ میں چالیس نمازیں باجماعت ادا کریں۔ روضہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈا کریں۔ دردو و سلام پیش کریں، حضور کے روضے کی جالی کے سامنے کھڑے ہوکر بعد از درود وسلام دعا مانگیں۔ یہ مقبولیت کی جا ہے، جو مانگو گے، ملے گا۔ یہ رحمت للعالمین کا دربار ہے۔ یہ بے سہاروں کے سہارا کی چوکھٹ ہے۔ یہاں سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ آپ بھی جھولیاں بھر لیں۔ اپنے دامن دل کو کشادہ کریں اور مانگیں، مانگتے چلے جائیں۔ آپ تھک جائیں گے، وہ دینے والا نہیں تھکتا۔

مدینہ منورہ میں قیام کے لیے بھی آپ کو پروگرام ابھی سے بنا لینا چاہیے۔ اگر آپ کعبہ اللہ والے پروگرام پر ہی عمل کریں تو نہایت مناسب ہوگا۔ مسجد نبویؐ میں اصحاب صفہ کی جگہ، منبر رسولؐ اور ریاض الجنۃ میں نوافل کی ادائیگی کا بڑا درجہ ہے۔ اگر آپ شام کی نماز کے بعد مسجد کے اندر رہیں تو آپ کو ان تینوں مقامات پر نفل ادا کرنے کی سعادت آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ شام کی نماز کے بعد آپ ذرا سی کوشش سے ریاض الجنتہ کے حصے میں جگہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر و مقدس اور حضورؐ کے منبر کے درمیان واقع ہے۔ مسجد نبویؐ میں

اس علاقے کو سنگ مرمر کے سنہری مینا کاری والے ستونوں سے علیحدہ کیا گیا ہے اور اسی رنگ کی بتیاں بھی لگائی گئی ہیں۔ اس حصے میں آپ شام کی نماز کے بعد جگہ حاصل کر لیں گے۔ نوافل ادا کریں، قرآن پاک کی تلاوت کریں اور پھر نماز عشاء اسی جگہ ادا کریں۔ بعد میں حضور اکرمؐ کے روضہ اقدس پر صلوٰۃ وسلام کے بعد گھر جائیں۔

نماز فجر کے بعد آپ حضور اقدس کے روضے پر سلام کے بعد باہر نکلیں اور مسجد نبویؐ کے مغرب کی طرف جائیں۔ وہاں بسوں کا اڈہ ہے۔ وہاں سے آپ کو قبا ایکسپریس بس مل جائے گی، جو مسجد قبا جاتی ہے۔ اس میں بیٹھ کر مسجد قبا جائیں۔ حضور اکرمؐ **فداہ ابی و امی** کا فرمان مبارک ہے کہ اس مسجد میں دو نفلوں کی ادائیگی کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے۔ آپ روزانہ مسجد قبا جائیں۔ وہاں اشراق ادا کریں اور مزید نفل پڑھیں۔ اپنے مرحوم اعزا کے نام پر نفل پڑھیں اور ان کا ثواب حضور اکرم ﷺ کی وساطت سے ان کو ایصال کریں۔ مسجد قبا سے واپس آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے پر درود وسلام بھیج کر گھر جائیں۔ جاتے ہوئے جنت البقیع کے دروازے پر کھڑے ہو کر فاتحہ خوانی کریں۔ یہاں جلیل القدر صحابہؓ اور حضور اکرم ﷺ کے اہل خاندان محو خواب ہیں۔ خاتون جنت کا مزار مبارک بھی یہیں ہے۔

مدینہ منورہ کا قیام آٹھ نو دن کا ہوگا۔ اس وقت کو محض سونے یا اِدھر اُدھر پھرنے، خریداری کرنے میں ضائع نہ کریں۔ زیادہ سے زیادہ وقت مسجد نبویؐ میں درود وسلام، نوافل اور تلاوت قرآن حکیم میں گزاریں۔ یہ دن بار بار نہیں آتے۔ مدینہ منورہ میں کئی مساجد ہیں، جو قابل زیارت ہیں۔ چنانچہ جنت البقیع کے بڑے دروازے کے سامنے زیارت کے لیے بسیں چلتی ہیں۔ یہ بسیں دس ریال یا کم و بیش لیتی ہیں۔ آپ ان میں سے کسی بس میں سوار ہو جائیں۔ وہ آپ کو مسجد قبلتین، جہاں حضور ﷺ کو کعبہ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم ہوا تھا۔ مسجد قبا اور سبعہ مساجد لے جائے گی۔ کوئی دو ڈھائی گھنٹے کا یہ متبرک سفر نہایت خوش کن اور طہارت قلب کا باعث بنتا ہے۔

رسالت مآب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک، پرنور و مقدس

پر حاضری ہر مسلمان کی دلی آرزو ہے اور جو ایک بار حاضری سے سرفراز ہو، اس کا دل وہیں اٹک جاتا ہے اور وہ روضہ رسولؐ کے بار بار دیدار کے لیے تڑپتا رہتا ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانگی کے موقعہ پر غسل اور وضو کر کے چلیں۔ راستے میں کثرت سے درود پاک کا ورد کریں اور روضہ رسول کا تصور آنکھوں کے سامنے رکھیں۔ آپ کو شہر سے کافی دور ہی گنبد خضرا نظر آنے لگا۔ اب درود پاک کا ورد کثرت سے کریں اور مدینہ شریف میں داخلے کے وقت اللہ تعالیٰ سے سلامتی اور برکتوں کی دعا کریں۔

اپنی رہائش گاہ پر پہنچ کر سامان رکھیں۔ ممکن ہو تو غسل کریں، ورنہ وضو کر لیں۔ لباس تبدیل کریں اور خوشبو لگا کر مسجد نبویؐ میں جائیں۔ درود پاک پڑھتے ہوئے مسجد نبویؐ میں داخل ہوں۔ ریاض الجنتہ میں جگہ ملے تو سبحان اللہ ورنہ کسی بھی جگہ دو رکعت تحیۃ المسجد نبویؐ الشریف ادا کریں اور دو نفل شکرانہ ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول کی زیارت نصیب فرمائی۔ پھر باب السلام کی طرف سے روضہ اقدس کی طرف چلیں۔ اپنے گناہوں کا خیال کرتے ہوئے سوچیں ''میں گنہگار کالے منہ والا کس منہ سے حضورؐ کے سامنے جاؤں۔ میری روح کتنی آلودہ ہے، اس کے باوجود کہ میں حد درجہ گنہگار ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے گھر کی زیارت سے سرفراز فرمایا ہے اور اب اپنے محبوبؐ کے روضہ اقدس و مطہر کی زیارت نصیب کی ہے۔'' اپنے گناہوں کو یاد کریں مگر اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں کہ اس کا ارشاد ہے:

❏ ''اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز مغفرت طلب کرتا اُن کے لیے رسول (کریم ﷺ) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور نہایت رحم کرنے والا''۔ (النساء: 64)

قرآن حکیم کے الفاظ پر غور کیجیے۔ یہ سجدہ شکر بجا لانے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں گنہگاروں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل بخشنے اور ان پر رحم فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ حضور اکرمؐ کی ذات ستودہ صفات اقدس و منور، گنہگاروں کے

لیے روشنی کی کرن ہیں اور اس آیہ مبارکہ کا تصور کر کے روضہ اقدس کی طرف بڑھیں۔ آپ دیکھیں گے کہ روضہ اقدس کی عمارت آپ کے بائیں ہاتھ ہوگی۔ جالی اقدس میں آپ کو تین جالیوں میں تین گول سوراخ نظر آئیں گے۔ تینوں سوراخوں کے درمیان والا سوراخ حضور اکرمؐ کے چہرہ مبارک کے سامنے ہے۔ سوراخ سے ذرا ہٹ کر حضور کا سینہ مبارک ہے، جہاں پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا روضہ مبارک ہے اور اس سے ذرا ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سینے کے پاس حضرت عمرؓ کا سر مبارک ہے۔ دونوں خلفائے راشدین کے چہرہ مبارک کے سامنے بھی ایک ایک سوراخ بنا ہوا ہے۔ پہلے سوراخ کے سامنے حضور اکرمؐ کی خدمت اقدس میں سلام بھیجیں۔ آواز نہایت نیچی رکھیں کہ یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ پھر ذرا آگے بڑھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خدمت اقدس میں سلام بھیجیں۔ اب ذرا ہٹ کر دیوار کے سائے میں روضہ رسولؐ کی طرف منہ کر کے مودبانہ کھڑے ہو جائیں اور حضورؐ کے روضہ اقدس کی جالی کی زیارت کر لیں کہ گنہگاروں کی شفاعت کرنے والے یہاں آرام فرما ہیں۔

روضہ رسولؐ پر حاضری آپ کے مدینہ منورہ کے معمولات میں اہم ترین ہونی چاہیے۔ ہر نماز سے پہلے (سوائے مغرب کے) مسجد نبویؐ میں حاضری کے شکرانے کے نفل اور تحیۃ المسجد نبویؐ کے نفل بھی ضرور پڑھیں۔ اگر ہجوم کے باعث مسجد نبویؐ کے اندر جگہ نہ ملے تو مسجد کے مغرب کی طرف بنائے گئے شیڈوں میں بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے، ثواب میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم مسجد کے اندر اور خصوصاً ریاض الجنۃ میں نماز اور نوافل کی ادائیگی سے سرور اور سکون قلب حاصل ہوتا ہے، اس کا بیان ممکن نہیں۔

مدینہ منورہ میں قیام کی مدت مکمل ہونے کے بعد آپ کو واپس مکہ مکرمہ آنا ہے۔ روانگی سے قبل حضور اکرمؐ کے روضہ اقدس پر الوداعی سلام کے لیے ضرور حاضری دیجیے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آتے وقت احرام کی دو چادریں اور قینچی چپل بھی ساتھ ضرور لائیے۔ کیونکہ مدینہ منورہ سے واپسی پر آپ کو عمرہ ادا کرنا واجب ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر بسیں، بیئر علیؓ پر ٹھہرتی ہیں۔ یہ حضرت علیؓ کا کنواں ہے۔ یہاں مسجد،

بنی ہوئی ہے۔اس جگہ آپ وضو کر کے احرام باندھ لیں۔عمرے کی نیت کریں، نفل ادا کریں اور تلبیہ پڑھتے ہوئے بسوں میں سوار ہو جائیں۔مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا کر کے گھر جائیں اور پھر اپنے معمولات دوبارہ شروع کر دیں۔اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

نذیر حق

اے شوق مچل، اے پاؤں ٹھہر، اے دل کی تمنا خوب تڑپ

ہم ایک ہموار اور بے آب و گیاہ میدان سے گزر رہے تھے۔ میرے بائیں ہاتھ بحیرہ احمر تھا اور دائیں ہاتھ پر چند میل دور پہاڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ کبھی کبھی یہ سڑک بحیرۂ احمر کے اس قدر قریب ہو جاتی کہ ہمیں سمندر کا پانی دکھائی دینے لگتا تھا۔ جدہ سے مدینہ منورہ کوئی اڑھائی سو میل ہے۔ ہم قریباً ایک تہائی راستہ طے کرنے کے بعد سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی آبادی میں رک گئے۔ یہاں ایک دکان کے کشادہ چھپر کے نیچے بیٹھ کر ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا، ظہر کی نماز پڑھی اور دوبارہ کار پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر اور چلنے کے بعد یہ سڑک سمندر کے ساحل سے ہٹنے لگی۔ یہاں تک کہ ہم ہموار زمین سے نکل کر ان پہاڑوں میں داخل ہو چکے تھے، جن کی وادیوں کا ایک سلسلہ یثرب کے ساتھ جا ملتا ہے۔ بیشتر راستہ سڑک کی دونوں طرف زندگی کے آثار صرف ببول کے درختوں اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں تک محدود تھے لیکن اچانک کسی وادی میں ہمیں چھوٹے چھوٹے نخلستانوں کے دلکش مناظر دکھائی دینے لگتے۔

مقام بدر کے قریب ہم ایک بستی میں رکے اور وہاں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد آگے چل پڑے۔ اب منزل مقصود ہر آن قریب آ رہی تھی اور میرے دل و دماغ اور روح کی تمام حسیات سمٹ کر نگاہوں میں آ چکی تھیں۔ میرے دائیں بائیں اور سامنے وہ چٹانیں، وہ پہاڑ اور وہ وادیاں تھیں جنھوں نے آفتاب نبوت کی ضیا پاشیاں دیکھی تھیں اور میرے دل میں ہر لحظہ ان کی تقدیس اور عظمت کا احساس بڑھ رہا تھا۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا اور ہمیں مغرب کی نماز کے لیے راستے کی ایک اور بستی میں رکنا پڑا۔ کچھ دیر بعد رات کی تاریکی میں ہمیں مدینہ منورہ کے مضافات کی روشنی دکھائی دینے لگی۔ پھر ایک موڑ

سے آگے ہمیں وہ مینار دکھائی دیئے، جن پر بجلی کے قمقمے لگے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے اچانک ریڈیو بند کر دیا اور صوت العرب کے ہنگامے جنہوں نے، مسلسل سات گھنٹے ہمارے حال سے بے اعتنائی برتی تھی، اچانک خاموش ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی خاتون نے پھر رونا شروع کر دیا۔ دوسری عورت اسے صبر کی تلقین کرنے لگی لیکن اس کی کرب انگیز چیخوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ پھر موٹر ایک پر رونق بازار میں رکی اور وہ اچانک خاموش ہوگئی۔ شاید اس لیے کہ بارگاہ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قربت کا احساس اس پر غالب آ چکا تھا۔

میں نے اپنا سامان ایک مزدور کے حوالے کیا اور مدینہ کے مشہور معلم جناب حیدر الحیدری کے دفتر پہنچا۔ انہیں میری آمد کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ اپنے چند رفقاء کے ساتھ میرا انتظار کر رہے تھے۔ حیدری صاحب سے دو منٹ باتیں کیں تو قریب ہی مسجد نبویؐ سے عشاء کی اذان سنائی دینے لگی۔ حیدری صاحب نے مجھے نماز کے لیے تیار ہونے کو کہا اور میں نے اپنی اچکن اتار کر ایک کرسی پر پھینک دی اور پانی کا کوزہ لے کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اب میری حالت ناقابل بیان تھی۔ میں سارا راستہ یہ سوچتا آیا تھا کہ جب میں مدینہ منورہ میں داخل ہوں گا تو میری ذہنی کیفیت کیا ہوگی؟ جب میں گنبد خضرا کی پہلی جھلک دیکھوں گا تو میرے تاثرات کیا ہوں گے؟ اور یہ سوالات میرے ذہن میں صرف آج ہی پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ شعور کے اس دور سے جب کہ میرے دل میں پہلی بار مدینہ منورہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا تھا۔ میں انہی سوالوں کے جواب سوچا کرتا تھا۔

جدہ سے روانہ ہوتے وقت میرا خیال تھا کہ میں مسجد نبویؐ اور گنبد خضرا کی پہلی جھلک دن کی روشنی میں دیکھ سکوں گا لیکن اب رات ہو چکی تھی۔ میں نے مسجد نبویؐ کے صرف دو مینار دیکھے تھے جن پر بجلی کے قمقمے روشن تھے اور شاید قدرت کو بھی مجھ جیسے دیوانے کو اچانک ایک امتحان میں ڈالنا منظور نہ تھا۔ وضو سے فارغ ہو کر میں حیدری صاحب کے ایک رفیق شاہ دین صاحب کے ہمراہ وہاں سے نکلا۔ وہ مجھ سے بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے۔ آپ جلدی چلیں اور میں ایسا محسوس کرتا تھا

کہ میں میلوں دوڑ چکا ہوں اور میری ہمت جواب دے چکی ہے۔ چند قدم چلنے کے بعد میں بے خیالی کے عالم میں اپنے راہنما کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔ مسجد نبویؐ میں داخل ہوتے وقت میرا ذہن ان دعاؤں اور مناجاتوں سے خالی تھا جو دیارِ حبیبؐ کے تصور سے میری زبان پر آ جایا کرتی تھیں۔ شاہ دین صاحب نے مجھے نمازیوں کی ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں مسجد کے کس حصے میں ہوں۔ نماز کے بعد میں دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ جب شاہ دین صاحب میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے ان سے پوچھا: ''گنبدِ خضرا کس طرف ہے؟''

انہوں نے آہستہ سے جواب دیا: ''اپنے دائیں ہاتھ دیکھو۔ تم اس آقائے مدنی کے پائے مبارک کی طرف بیٹھے ہو۔ میں تمہیں عمداً یہاں لایا تھا'' میں نے اپنے جسم میں کپکپی محسوس کی اور میری نگاہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر کی جالی پر مرکوز ہو گئیں۔ اس کے بعد میں کچھ دیر کے لیے مکمل طور پر خالی الذہن تھا۔ میرے دل میں کوئی آرزو نہ تھی اور میری زبان پر کوئی دعا نہ تھی۔ وہ احساسات جن کے اظہار کے لیے میں کچھ دیر پہلے چیخوں کی ضرورت محسوس کرتا تھا، مکمل طور پر دب چکے تھے۔ میری بہترین دعائیں مستجاب ہو چکی تھیں اور عزیز ترین آرزوئیں پوری ہو چکی تھیں اور میں ایک ایسا اطمینان محسوس کر رہا تھا جس سے میری روح نا آشنا تھی۔ روضہ اطہر کی جالی مجھ سے اتنی قریب تھی کہ میں اسے چھو سکتا تھا لیکن اس دربار میں ادب کے تقاضے کچھ اور تھے۔

اس مقام کی عظمت کا احساس میرے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد میں اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دیر تک سلام اور درود پڑھتا رہا۔ اس کے بعد شاہ دین صاحب مجھے روضہ اطہر کی دوسری جانب مسجد کے اس حصہ میں لے گئے جہاں عہد نبویؐ کی ابتدائی حدود تھیں۔ زائرین اس حصے کے ہر ستون کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ مجھے جو جگہ خالی نظر آتی تھی، وہیں نفل پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ اچانک محراب النبیؐ سے ایک نمازی اٹھا اور میں آگے بڑھ کر وہاں کھڑا ہو گیا۔ نیت کے لیے ہاتھ اٹھانے لگا تو دل نے آواز دی کہ تیری پیشانی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں سے

پیچھے رہنی چاہیے اور میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ نفل پڑھ کر فارغ ہوا تو شاہ دین صاحب نے مجھے بتایا کہ حضورؐ کی سجدہ گاہ کو محراب کی چوڑائی کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے اور اب اگر کوئی محراب کے اندر کھڑا ہو کر بھی سجدہ کرے تو بھی اس کا سر حضورؐ کے قدموں سے آگے نہیں بڑھے گا۔

اب نفل پڑھنے کے سوارات کو میرا کوئی پروگرام نہ تھا لیکن معلوم ہوا کہ مسجد کے دروازے بند ہونے والے ہیں۔ اچانک مجھے حیدر الحید ری صاحب نظر آ گئے اور میں نے ان سے روضہ اطہر پر سلام پڑھوانے کی درخواست کی۔ وہ میرے ساتھ چل دیے۔ اب لوگوں کا ہجوم قدرے کم ہو چکا تھا۔ حیدری صاحب کے لہجے میں ایک عرب کا سوز وگداز تھا۔ بعض احساسات جو ابھی تک میرے دل کی گہرائیوں میں دبے ہوئے تھے، آہستہ آہستہ ابھرنے لگے۔ میں اس آقاؐ کے دربار میں کھڑا تھا، جس کے غلاموں کی عظمت کی داستانیں میری زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھیں۔ دبے ہوئے احساسات آنسو بن کر بہہ نکلے لیکن جذبات کے انتہائی ہیجان میں بھی، میں اس خیال سے اپنی سسکیاں ضبط کر رہا تھا کہ یہاں آواز نکالنا بے ادبی ہے۔ حضور ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کے بعد میں نے باری باری سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کو سلام پڑھا جو اسی روضہ اطہر میں آسودۂ خواب ہیں۔ پھر مقام جبریل پر کھڑے ہو کر دعائیں مانگیں اور مسجد نبویؐ سے باہر نکل آیا۔ میں نے مسجد نبویؐ کے قریب ہی ایک خوبصورت ہوٹل قصر المدینہ میں کمرہ لے لیا اور حیدری صاحب کے دفتر سے اپنا سامان اٹھوا کر وہاں لے آیا، شاہ دین صاحب کچھ دیر میرے پاس بیٹھے رہے۔ یہ بزرگ لاہور کے رہنے والے ہیں اور کوئی دس سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔............

وہ شہر جس کے باشندوں کو سرور کونین ﷺ کی میزبانی کا شرف عطا ہوا ہے اور جس کی سربلندی و خوش حالی کے لیے حضور ﷺ نے دُعائیں مانگی ہیں، کسی تعریف و توصیف کا محتاج نہیں۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں ہر سال اطرافِ عالم سے لاکھوں مسلمان اس شہر کی زیارت کے لیے آتے رہتے ہیں اور عالم اسلام پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جب

ہزاروں انسان بارگاہِ الٰہی میں مدینہ کی زیارت سے مشرف ہونے کی دُعائیں نہیں کرتے۔

یہ احساس کسی نہ کسی حد تک ہر مسلمان کے دل میں موجود رہا ہے کہ اس کی رُوح کی آخری پیاس مدینہ کے سوا کہیں اور نہیں بجھ سکتی، یہ وہ شہر ہے جہاں داخل ہوتے ہی کسی کو اجنبیت کا احساس نہیں رہتا، بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کے بعض مناظر پہلے ہی دیکھ چکا ہے، اس کی گلیوں اور بازاروں میں پھر چکا ہے اور اس کی فضا میں سانس لے چکا ہے۔

''کب اور کیسے؟'' یہ سوالات اسے پریشان نہیں کرتے۔

میں دُنیا کے انتہائی پُر رونق شہر دیکھ چکا ہوں اور اپنی آبادی، اپنے مادی وسائل اور ظاہری شان وشوکت کے لحاظ سے مدینہ غیر معمولی شہر نہیں۔ اگر مکینوں کی آسودگی اور قناعت اور اُن کے دلوں کی وُسعت کسی شہر کو بزرگی اور برتری عطا کر سکتی ہے تو اس لحاظ سے النبی ﷺ روئے زمین کا پہلا اور آخری شہر ہے۔

نسیم حجازی

قافلے دل کے چلے

مسجد نبویؐ میں داخل ہوتے ہی قلب ونگاہ کی حالت بدل گئی۔ روضہ اطہر پر نظر پڑی تو مدتوں کی مشتاق آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ دل پر ہیبت طاری ہو گئی۔ درود وسلام پڑھتے ہم مسجد کے اندر داخل ہوئے تو حسن اتفاق سے مجھے ریاض الجنۃ کے ایک گوشے میں جگہ مل گئی۔ نماز پڑھی اور روضہ اطہر کے سامنے حاضر ہو گئے۔ میرا دل جلالت نبوت کی تاب نہ لا سکا۔ قلب وجسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ روح الحاح وزاری اور دل آہ وفغاں کرنے لگا۔ سلام پڑھتے ہوئے میں بے ساختہ اونچی آواز میں رونے لگا۔ وہاں قریب قریب سب حاضرین ہی آہ وزاری کر رہے تھے کسی کو کسی کا دھیان نہ تھا۔ جذب ومستی کی ایک کیفیت تھی، جو قریب قریب سب اہل جذب وشوق پر طاری تھی۔ میری ہچکی بندھ چکی تھی اور میں زور زور سے رو رہا تھا۔ سلام پڑھنے کے بعد میں نے پہلے حضرت ابوبکر صدیق اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے مزاروں پر حاضری دی اور سلام پڑھا۔

میں روضہ مبارک کے دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جالیوں کے سوراخوں میں سے اندر جھانک کر دیکھا تو غلاف مزار کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ یہ میرے پیارے نبی اور مسیحا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روضہ اطہر تھا۔ دل نے چاہا کہ اس سے لپٹ جاؤں، جی بھر کر روؤں اور فریاد کروں لیکن یہ پیغمبر اعظم آخر اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ مبارک تھا۔ یہاں ادب واحترام شرط اولین تھی۔ فرط عقیدت ومحبت میں شرک کے ارتکاب کا بھی خطرہ تھا۔ شرک نہ خدا اور نہ محبوب کو منظور ہے۔ دل، وفور جذبات محبت و عقیدت سے اپنے ہادی ومسیحاؐ کی قدم بوسی کے لیے سجدہ ریز ہونے کے لیے مچلنے لگا۔ یہ بڑا خطرناک مرحلہ تھا۔ یہ زندگی کا بڑا ہی کٹھن اور صبر آزما امتحان تھا۔ مجھے ایک نامعلوم

خوف نے لرزہ براندام کر دیا اور دل ڈوبنے لگا۔ وہاں کھڑے ہونے کی مجھ میں سکت نہ رہی۔ میں ہجوم عشاق میں سے نکل کر روضہ اطہر کے پہلو میں ریاض الجنۃ کے ایک گوشے میں آ کر بیٹھ گیا اور دیوانہ وار اسے دیکھتا رہا۔ قلب و چشم روتے رہے اور زبان پر درود شریف جاری رہا۔

تقریباً چار سال پہلے جب میں رویائے صادقہ میں یہاں حاضر ہوا تھا تو مسجد مبارک کی ہیئت اور تھی۔ وہ چودہ سو برس پہلے کی مسجد تھی۔ روضہ اطہر کی عمارت بھی اور تھی۔ وہ نقشہ بالکل مختلف تھا۔ پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ روضہ اطہر، روضہ جنت تھا، جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ آپؐ کے حسن و نور سے محفل منور و نظر افروز تھی۔ وہ نورانی فضا ملکوتی تھی۔ اس میں روح پرور ٹھنڈک تھی۔ میں حضور رسالت مآبؐ کی اسی بزم کو دیکھنے کا آرزومند تھا۔ یہ آرزو شدت اختیار کر گئی اور دل بے قرار ہو گیا۔ میں تڑپ کر اٹھا اور پھر روضہ اطہر کے سامنے حاضر ہو گیا۔ نگاہ مزار مبارک کے نظارے کی حریف ہو سکتی تھی، نہ ہوئی۔ ہیبت و جلال رسالتؐ سے کپکپی طاری ہو گئی، ٹانگیں لرزنے لگیں اور دل جلالت پیغمبریؐ کی تاب نہ لا سکا۔ روح قفس عنصری سے پرواز کرنے کے لیے پر تولنے لگی۔ در جانان کے سامنے جان دینا کتنی بڑی خوش قسمتی تھی۔ محبت کی دنیا کی یہ شہادت تھی، جو صرف اہل مہر و وفا کو نصیب ہوتی ہے۔ جان دینے کو دل چاہتا تھا، لیکن وہاں کھڑا رہنے کی تاب و تواں نہ تھی۔ مجھے مجبوراً اور بادل نخواستہ وہاں سے لوٹ کر ریاض الجنۃ میں آنا پڑا۔ مغرب کی نماز تک وہیں بیٹھا درود شریف پڑھتا اور روضہ اطہر کو دیکھتا رہا۔

میرا مشاہدہ ہے کہ ریاض الجنۃ واقعی جنت کا ایک گوشہ ہے۔ میں نے یہاں اپنے آقا و مسیحا سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو احباب کے ساتھ جلوہ فگن دیکھا تھا۔ میں اس حسین و سرور انگیز نظارے کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ مجھے پھر اس نظارے کو دیکھنے کی طلب و آرزو تھی۔ میں دعا مانگتا رہا اور روضہ اطہر کو ٹکٹکی لگائے تکتا رہا لیکن ایک بار دیکھا، دوسری بار دیکھنے کی حسرت ہی رہی۔

اہل جذب وشوق کی یہ آرزو اور کوشش ہوتی ہے کہ وہ ریاض الجنۃ میں جگہ حاصل کر سکیں۔ وجہ یہ ہے کہ ارشادنبویؐ کے مطابق وہ اس حصے کو قطعہ جنت سمجھتے ہیں، جہاں نماز پڑھنے اور عبادت کرنے کا اجر بے حساب ملتا ہے۔ وہاں سجدہ کرنے سے ایک خاص قسم کی کیفیت جذب و مستی طاری ہو جاتی ہے۔ مجھے وہاں ایک عجیب تجربہ ہوا۔ جب میں سربسجود ہوا تو وجد آفرین و روح پرور خوشبو نے مشام جان کو معطر کر دیا۔ وہ خوشبو ان خوشبوؤں سے مختلف تھی، جو اس دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ وہ واقعی گلہائے فردوس کی خوشبو تھی۔ روح مسحور و متکیف ہوگئی اور دل سجدے ہی میں پڑے رہنے کے لیے مچلتا رہا۔ ہر بار سجدے میں یہی خوشبو آتی اور کیف و سرور دیتی رہی۔ میں نے روضہ اطہر کے سامنے حاضر ہونے کی کوشش کی، روح حاضری کے لیے بے تاب و بے قرار تھی۔ دل حضور کا طلب گار تھا، لیکن میں وہاں حاضر ہوا تو مجھ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ دل جلالت پیغمبریؐ کا حریف نہ ہوسکا۔ میری چشم تصور کے سامنے وہ منظر ابھر آیا، جس کا مجھے مشاہدہ ہو چکا تھا۔ میرے سامنے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحابؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضور رسالت مآبؐ کی بزم، تجلیات ربانی اور آپؐ کے جمال دلفروز کی نور پاشیوں سے منور تھی۔ روشنی اس قدر حسین ومطہر، سرور انگیز و کیف پرور اور ایمان افروز و مسحور کن تھی، کہ اس کا اظہار محال ہے۔ یہ نظارہ جتنا جمیل و سرور انگیز تھا، اس سے بڑھ کر جلیل و مرعوب کن تھا۔ دل کو تاب نظارہ کہاں تھی؟ جسم و روح پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آپؐ کی ہیبت وجلالت سے مجھ میں وہاں ٹھہرنے کی سکت نہ رہی اور مجھے مجبوراً اپنی جگہ لوٹ آنا پڑا۔ روضہ اطہر اب میرے پہلو میں تھا۔ میں پرنم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

چلو مرنے چلیں، چلو جینے چلیں

مجھے اپنے دامن کے خالی ہونے کا احساس پہلی دفعہ بڑی شدت کے ساتھ 1987ء میں ہوا تھا، جب میں عمرہ کی ادائیگی کے بعد روضہ رسولؐ پر حاضری دینے گیا تھا۔ مسجد نبویؐ میں داخل ہوا تو دل شوق اور آرزو کی تکمیل کی وجہ سے زور زور سے دھڑک رہا تھا لیکن ٹانگیں باعث ندامت اور شرمندگی کانپ رہی تھیں۔ تب یہ احساس شدت سے ہوا کہ یہ دامن سیرت اور سنت نبویؐ کے ان پھولوں سے خالی ہے، جو خراج عقیدت کے لیے آج پیش کیے جاتے۔

منبر اور روضہ رسولؐ کے درمیان صحن میں، جسے ریاض الجنتہ کہتے ہیں اور جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جنت کا ٹکڑا ہے۔ میں نے مسجد نبویؐ میں حاضری کی۔ دو رکعات تحیۃ المسجد پڑھی اور خدا کے حضور سجدہ شکر ادا کیا کہ مجھے دنیا میں ہی جنت کے فرش پر سجدہ کرنے کا موقع عطا کیا۔ نماز میں ہی مجھے تہی دامنی، ندامت اور جہالت پر رونا آ گیا۔ سلام پھیرنے کے بعد یہ کیفیت ہوئی کہ جسم پسینہ پسینہ تھا۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور پیشانی عرق آلود تھی۔ شاید اسی کو علامہ اقبالؒ نے عرق انفعال کہا ہوگا اور شاید اسی کے لیے انہوں نے موتی کی تشبیہ اور شان کریمی کی خوشخبری دی ہوگی۔ لرزتی ٹانگوں اور ڈگمگاتے پیروں کے ساتھ جب میں چمکتی ہوئی جالی کے درمیان والے گول سوراخ کے سامنے آیا تو میری گردن شرم سے جھک گئی اور میرے قدم زمین پر گڑ گئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ آپؐ جالی کے پیچھے پردہ کیے بنفس نفیس تشریف فرما ہیں اور میں اپنی زخم خوردہ روح اور آلودہ جسم کے ساتھ آپؐ کے سامنے کھڑا ہوں۔ مجھے خاص طور پر اس حاضری کے لیے پاکستان سے طلب کیا گیا ہے اور میرا دامن خالی ہے۔ میری

آنکھوں سے ایک طوفان سا بہہ رہا تھا اور میرے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے کہ ''یارسول اللہؐ آپ کا یہ غلام، آپؐ کا امتی ہونے کا دعویدار، اللہ کا یہ حقیر بندہ حاضر ہے۔ اس کا سلام قبول کیجیے۔ میرا دامن اپنی کوتاہیوں سے، گناہوں سے اور تقصیروں سے تار تار ہے۔ آپؐ کی سیرت کو نہ پڑھ سکا، نہ اس پر عمل کر سکا۔ آپؐ کی سنت کو قائم نہ رکھ سکا۔ آپؐ اپنے گناہگار امتی کو اپنی رحمت سے محروم نہ فرمایئے۔ میں نے ساری زندگی اپنی ذات پر ظلم کیے اور دنیا کے علم کی گتھیوں میں الجھا رہا۔ میں ہمیشہ اپنے نفس کا بندہ رہا لیکن آج آپؐ کے روضہ پر اس امید پر آیا ہوں کہ میری معافی ہو جائے۔ میں آپؐ کی بخشش کی سفارش سے محروم نہ ہو جاؤں۔ میری بساط اور میری اوقات بہت کم ہے لیکن میری امید اور توقع بہت زیادہ ہے اور آپؐ کی شفقت اور رحمت کا تو حد و حساب ہی نہیں ہے کہ یہ تو عالمین پر محیط ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح بلند کیا:

❑ ''اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے نیز مغفرت طلب کرتا اُن کے لیے رسول (کریم ﷺ) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور نہایت رحم کرنے والا''۔ (النساء: **64**)

میں جب درود و سلام کے بعد باب جبرئیل سے باہر آیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں ایک کڑے امتحان سے گزر کر آیا ہوں۔ مجھے محسوس ہوا کہ میری روح ہلکی سی ہو گئی ہے۔ میرا دل انجانی مسرتوں سے لبریز ہے اور دماغ ان لمحات کی یاد سے منور ہے جو میں نے روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گزارے تھے۔

کرنل نعیم آفریدی

رفتن بسر طریق ادب نیست در رہت

مدینہ پاک کی عظمت و رفعت کا تصور باندھتی، اس کے فضائل پر غور کرتی، عشقِ مدینہ میں غرق وردِ درود کرتی، رُوح میں تازگی محسوس کرتی جا رہی تھی مگر اپنے آپ کو اس قابل نہ پا رہی تھی کہ کیا واقعی میں اپنے پیارے رسول ﷺ کی خدمتِ اقدس میں باریاب ہو سکوں گی کہ نہیں!

اے خاکِ مدینہ! تو ہی بتا کس طرح قدم رکھوں یہاں
تو خاکِ پا سرکار کی ہے، آنکھوں سے لگائی جاتی ہے

مکہ معظّمہ سے مدینہ کا سفر محبت کا سفر ہے۔ دل کی دھڑکنوں اور آنکھوں سے رواں آنسوؤں کا سفر ہے۔ رات ایک بجے کے قریب ہم مدینہ شریف کی حدود میں داخل ہوئے۔ رات کا وقت دن کا روشن منظر پیش کر رہا تھا۔ اس قدر ٹھنڈا میٹھا سماں بیان سے باہر ہے۔ مکہ معظّمہ میں اللہ عزوجل کے جلال کو دیکھا تو مدینہ شریف سراپا جمال لگا۔ مدینہ شریف کی حدود میں داخل ہوتے ہی مسجد نبویؐ کے پرشکوہ مینار نظر آنے لگتے ہیں۔

جب مسجد نبویؐ کے مینار نظر آئے
اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے!

آپ سڑک کے جس طرف سے بھی داخل ہوں، دُور سے یہ مینار دعوتِ نظارہ دیتے عشق رسول ﷺ کی پیاس بڑھاتے نظر آتے ہیں۔ مدینہ شریف میں خوشی و فرحت کے رُوح پرور جذبات کے ساتھ داخل ہوں۔ ادب، جو ایمان کی اصل رُوح ہے، اس کی فرمانروائی میرے جسم اور رُوح پر مسلط ہوگئی، ہوتی بھی کیوں نہ کہ یہ شہنشاہِ کائنات کے لاڈلے اور پیارے کی بستی ہے، یہاں اونچی آواز سے بولنا اور بے توجہی سے قدم اُٹھانا

بھی بے ادبی ہے۔ یہ شہرِ خُوباں ہے، انوار برس رہے ہیں، سعادت کے خزانے لٹ رہے ہیں، عہدِ رسالت ﷺ کی جھلکیاں تخیلات کو مسحور کر رہی ہیں۔ یہ تصورات کی دُنیا عقیدتوں کا جہاں ہے، محبتوں کی آماجگاہ ہے، عشق کی نگری ہے۔ یہاں دل کے معاملات دھڑکنوں سے بیان ہوتے ہیں اور کوئی بھی تکلف کے اس لطیف پیرائے میں حائل نہیں ہوسکتا۔

نجم آسمان پر چمک رہے تھے۔ اُفق پر صبح کے آثار، رات کی ظلمت سیماب پا ہو چکی تھی اور آسمان سحر کے نور سے مانندِ آئینہ تھا۔ نظر کے سامنے گنبدِ خضرا چمکا، ہرے رنگ میں سارے رنگ اور سارے رنگوں میں دلنشین ہرا رنگ، تخیل میں ہزاروں منظر جاگے، لیکن گنبدِ خضرا کا منظر اور رنگ جس سانچے میں ڈھلا، اُسے کوئی زبان کیسے بیان کر سکے گی۔

گنبدِ خضرا قلبِ مسلمان کے نور کا عکس، عُشاق کے دل کی خوشبو، محبت کی تمنا کا پھول، آسمان بھی اُسے جھک کے چومتا ہے۔ میں جو آدابِ عشق سے ناواقف تھی، اِس ہرے رنگ کے گنبد نے وہ رموزِ آداب محمدی ﷺ سکھائے کہ میں بے خود ہوگئی۔ سبز گنبد اپنی ابدیت اور عظمت کے رنگ لیے میرے سامنے تھا۔ دو گستاخ آنکھیں کہیں جا رہی تھیں۔ ہر طرف خاموشی، با ادب نظریں، پانی پانی بدن، کانپتا لرزتا دل، بے حس وحرکت وجود یہ زندگی کا کون سا روپ تھا جو زندگی سے ہی بے خبر کر گیا۔ ہر طرف نور کا سیلاب، دُنیا کا ہر رنگ ماند پڑ گیا تھا۔ گنبدِ خضرا دل میں، زمیں میں، آسمان میں، رُوح میں، بدن میں، احساس میں، دھڑکن میں، خیال میں، سوچ میں، تقدیر میں، تدبیر میں، آس میں، اُمید میں، ہر رنگ میں ڈھل گیا۔ یہ وہی گنبدِ خضرا ہے جس پر صبح سے شام تک ستر ہزار فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ جو فرشتے صبح کو حاضری دیتے ہیں، قیامت تک انھیں دوبارہ حاضری کا شرف نصیب نہ ہوگا۔ (یہ تو ہم انسان سیاہ کار کو یہ شرف ملا کہ اگر سرکارِ دو عالم ﷺ کا کرم ہو تو بار بار حاضری نصیب ہو جاتی ہے) یہی تو وہ گنبدِ خضرا ہے جس کی یاد دل کے آبگینہ گنبد میں آنسو بن کر جھلکتی ہے۔ اس گنبدِ خضرا کی حسرتِ دید میں شعرائے عرب وعجم نے دلوں کے ولولے اور رُوح کے اشتیاق کی ترجمانی کی ہے۔ اس جلوہ محبوبی کو فکر کے حسین پیرائے میں ایسے سجایا کہ عالمِ خیال میں روضہ اطہر ﷺ پر حاضری کا لطف کروٹ لینے لگا

ہے۔ کتنے ہی آنسو ''دُعا'' کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ عُشاقِ رسول ﷺ گھنٹوں اس پیکرِ نور و تجلی کو دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ہم گناہ گاروں اور خطا کاروں پر آپ ﷺ کا کرمِ خاص ہے کہ بخشش ونجات کے کیا کیا وسیلے پیدا کر دیے۔ ہمارے دل حضوری میں جھکے ہوئے، آنکھیں ندامت کے آنسوؤں سے لبریز رہتی ہیں۔ تسبیح و تحلیل، درود وسلام کی کثرت کے بعد گنبدِ خضرا کو دیکھتے ہیں۔ اللہ سبحان و تعالی اس منظر سے ہر ایک کو فیض یاب کرے۔ (آمین) اس گنبدِ خضرا کی تابانی دل پر جلوہ افروز تھی۔ میں لرز گئی۔ ڈر بھی گئی، پوری کائنات کا مرکزِ نگاہ جس کا تصورِ باد بہاری، دل کی سیرابی، خیال کی راہنمائی، میں اور اُس کے سامنے، اے میرے پاک پروردگار معاف فرما دے۔ میری اتنی گنہگار آنکھوں نے تیرے محبوب کا رنگ دیکھا۔ میری نگاہیں سلام کے لیے کیسے اُٹھیں، اُٹھیں تو جھکنے کا یارا نہ رہا، پھر احترام سے جھک گئیں اور جُھکتی چلی گئیں۔ فضا **السلام علیک یا رسول اللہ** کے سرمدی الفاظ سے معمور ہو گئیں۔ (میں دل میں مدینے پاک کی ہوا سے مخاطب ہوئی۔ اے پیاری ہوا۔ میرے آنسو دہلیزِ مصطفیٰ ﷺ پر رکھ آنا، اتنی بڑی جرأت میں کر بیٹھی، اللہ باریاب فرمائے۔ آمین)

اعزاز یہ حاصل ہے تو حاصل ہے زمین کو
افلاک پہ تو گنبدِ خضرا نہیں کوئی !!

نام رسول ﷺ ہی آنکھیں اشکبار کر دیتا ہے۔ اب تو بخدا روضہ رسول ﷺ جیسا عظیم مقام میرے سامنے تھے۔ باب البقیع سے ہم دنیائے اسلام کی دوسری عظیم مسجد میں داخل ہوئے۔ **الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ** سے حاضری کی دُعا کی۔ بسم اللہ پڑھ کر مسجد شریف میں قدم رکھا۔ اعتکاف کی دُعا کی، سبز گنبد نے بندگی کا طریقہ ہی بدل دیا، تعظیم وادب سے دل لبریز اور قدم لرزیدہ لرزیدہ سے، تمام اعضا ہر خیال سے پاک کرتی، روتی ہوئی، سجدے کرتی پلکوں کے ساتھ دھیرے دھیرے تڑپتے دل میں ایک ہی لگن لیے اپنے پیارے آقا مدنی حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ میں پناہ لینے کو بڑھی۔

غلبہ شوق سے بے قرار صحنِ نبوی ﷺ میں ہی دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کیے۔ صبح کا

ذب کی ٹھنڈی دلفریب ہوا نے ہمارا استقبال کیا، ایسی دلفریب و دلکش صبح میری زندگی میں کبھی نہیں آئی۔ بہشتی سرد ہوا جب جسم و جان کو چھوتی تو ایک انجانی لہر مجھے بے قرار کرتی کہ یہ ہوا تو پاک روضہ رسول ﷺ کو چھو کر میرے گنہگار بدن سے چھوئی ہے (کیا واقعی میں اس قابل ہوں)۔ ہر سوچ ہر فکر، ہر بڑھتا قدم پلکیں بھگو بھگو دیتا۔

اس قدر روشن سماں، لگا سارے انوار و تجلیات مجھ گناہ ہگار کے گرد ہی روشن ہیں۔ جیسے ہی قدم اُس پاک مسجد کے اندر رکھا، کیا حسین منظر تھا؟ تاحد نظر خواتین سفید لباس میں ملبوس، خاموش فضا میں کوئی ماروائی مخلوق لگ رہیں تھی، اس قدر خاموشی جو کہیں دیکھی نہ سنی۔ کچھ ہی دیر بعد موذن کی خوش الحان اذانِ نبوی ﷺ نے ایسا سوز و ساز بخشا کہ قلب و روح زندہ و بیدار اور کیف و سرور سے معمور ہو گئے۔ صدا بلند ہوئی اور ذہن اُس اذانِ مبارک کی طرف چلا گیا جس کو بلند کرنے والے میرے پیارے سیدنا حضرت بلالؓ تھے۔ جب ایک روز ان کی خوبصورت آواز آسمان پر نہ پہنچی تو آفتاب کو یہ جرأت نہ تھی کہ وہ تاریکی کا پردہ چاک کر کے طلوع ہو جاتا۔

عرش والے بھی سنتے تھے جس کو
کیا اذان تھی، اذانِ بلالیؓ

مسجد نبویؐ کی پہلی نمازِ فجر میں مجھ پر کیا بیتی، کچھ یاد نہیں اور اگر یاد بھی ہے تو اس کا تعلق حرف و بیان کی دُنیا سے نہیں۔ نماز میں مجھے اپنی تہی دامنی، ندامت اور کم مائیگی پر رونا آ گیا، آنسو سیلِ رواں بن گئے۔ پیشانی عرق آلود ہو گئی، علامہ مرحوم نے شاید انہی کو عرقِ انفعال کہا ہو گا۔ نماز میں صرف امام صاحب کی آواز اور رکوع و سجود میں جاتے کپڑوں کی سرسراہٹ کے علاوہ کوئی آواز نہ تھی، کب نماز شروع ہوئی کب ختم، کچھ معلوم نہ تھا، نمازِ اشراق تک تسبیح و تہلیل، ذِکر و اذکار کرتے رہے۔

نماز کے بعد معلوم ہوا کہ مسجد نبویؐ کا وہ گوشہ جو رشکِ ارم ہے کس جانب ہے۔ وہاں پر مامور عملے سے پتہ چلا کہ روضہ رسول ﷺ پر خواتین کی حاضری کے اوقات مقرر ہیں۔ نماز فجر اور نماز ظہر کے بعد محدود وقت کے لیے خواتین کو روضہ رسول ﷺ پر حاضری کی

اجازت دی جاتی ہے۔

بنا کر سر کو قدم سوئے منزل رواں ہوئے، کہ یہ راستہ کوئی اور ہے۔ جب وہاں پہنچے تو شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کی کثیر تعداد موجود تھی۔ ابھی روضہ رسول ﷺ کی طرف جانے والا راستہ بند تھا۔ ہر ملک وقوم کی خواتین وہاں موجود تھیں۔ خواتین میں نظم و ضبط کا فقدان تھا۔ معلّمہ نے بتایا کہ یہ دروازہ کھلنے پر آگے آپ ''ریاض الجنۃ'' میں نوافل ادا کر سکیں گی اور بائیں جانب جالی کے پیچھے آپ کو اُمہات المومنین کے حجرات دکھائی دیں گے۔ لیکن چونکہ پردہ لگا کر خواتین کے لیے ریاض الجنتہ کی تقسیم کر دی گئی ہے، اس لیے آپ کی طرف جو حجرات دکھائی دیں گے وہ خالی ہونگے۔ آپ دو نفل جنت کے باغ میں ادا کریں اور جالی کے آگے کھڑے ہو کر رسول ﷺ کے دو جلیل القدر صحابہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی اُن کے ہمراہ یہیں آرام فرما ہیں، ان کی خدمت میں بھی سلام عرض کریں باقی بہنوں کو بھی موقع فراہم کریں کیونکہ ''ایمان کا تقاضا ہے کہ آپ جو چیز اپنے لیے پسند کریں، وہی اپنی مومن بہن کے لیے بھی پسند کریں۔''

جیسے ہی دروازہ کھلا خواتین دیوانہ وار روضہ رسول ﷺ کی طرف بڑھیں۔ میں بھی سراپا ادب و ہوش سے آنسو بہاتی آگے بڑھی۔ میرے قدم رُکے رُکے تھمے تھمے سے تھے، مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ابھی حاضری کے لیے شاید کوئی آواز دے (میں اور میرے محسوسات، کتنی آلودہ میں اور آواز کی منتظر) بسم اللہ پڑھ کر سیدھا قدم صحنِ نبوی ﷺ میں رکھا، خواتین جوق در جوق ریاض الجنۃ کے حصہ میں جا رہی تھیں۔ ہم چند قدم سرکتے پھر کوئی دھکا ہمیں پیچھے دھکیل دیتا۔ بائیں جانب قدرے اونچی جگہ پر چند خواتین تلاوتِ کلامِ پاک پڑھتیں نظر آئیں۔ مجھے خیال نہ رہا کہ ''صُفہ کا چبوترہ'' ہے۔ لیکن ذہن میں جھما کا سا ہوا۔ بڑا دل چاہا کہ تھوڑی سی جگہ مجھے مل جائے، میں بھی اس عظیم چبوترے پر چند آیات پڑھ لوں۔ ادب وشوق میں ڈھلی، گردن جھکائے، آنکھیں نیچے کیے، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ، تاجدار عالم ﷺ کے فضل وکرم کی اُمید رکھتی، بائیں ہاتھ بنی گیلری جدھر آپ ﷺ کے قدمین شریفین ہیں، کی طرف بڑھی۔

زبان کو دُرود پاک سے سجاتی، رُک رُک کر پڑھتی، ادب دامن گیر تھا شوق مہمیز لگا رہا تھا سوزِ دل بڑھتا جا رہا تھا، جاں درد درد تھی۔ رہ رہ کر خیال آتا میں گنہگار کیسے حاضری دوں۔ میں اور میرے نصیب! یہ انعام واکرام دربار رسالت ﷺ، میں پناہ پاؤں، یا اللہ زبان کس طرح شکر ادا کرے، الفاظ کہاں سے لاؤں، دل سے ندا آئی ''خاموشی بھی دُعا ہے'' آنسو بھی جذبہ تشکر ہیں'' الفاظ تو جذبوں کو محدود کر دیتے ہیں۔ حیرتِ جذب وشوق کی وسعت لامحدود ہے۔ آنسو سب سے بڑی ثنا ہیں اور الحمدِللہ میں یہاں سرخرو ہوئی، اللہ سبحان وتعالیٰ دلوں کے بھید جانتا ہے، وہ عالم الغیب ہے۔ ہم سب تو اس دربارِ اعلیٰ کے فقیر، بھکاری ہیں، یہاں کوئی امیر نہیں، سب جھولیاں پھیلائے آتے ہیں۔ رنگ سب کا تقویٰ کا ہے، سب یکساں ہیں۔

فکر عاجز، آدمی پیکرِ حیرت، آپ ﷺ کو تو ہر امتی پیارا ہے۔ (میں کیوں نہ ہوں گی) وہ سب کے شفیع وہادی، میری رحمت وہی تو ہیں! نیکوں کی تو سب جگہ پوچھ ہوتی ہے، بُروں کو تو انھیں کے دامنِ رحمت میں پناہ ملتی ہے۔

روضہ رسول ﷺ کو چاروں طرف سے لوہے کے جالی دار دروازوں میں محصور کر دیا گیا ہے۔ روضہ کے سامنے دیوار پر نظر پڑی، وہاں ایک محراب بنی ہوئی تھی جس پر ''محرابِ تہجد لکھا ہوا تھا، یہاں حضور پاک ﷺ تہجد ادا فرماتے تھے۔ وہاں بھی دو نفل پڑھے۔ پھر آگے بڑھی، مجھے اپنی خوش نصیبی کا یقین آ رہا تھا۔ شرمندہ شرمندہ (یہ سفر مبارک منظوری کی دلیل نہیں تو اور کیا تھا) یہ مقامِ جذب ومستی، حیرت واستعجاب، وارفتگی و شیفتگی کا آخری مقام ہے یہاں ہر ایک اپنی قسمت پر نازاں، حاضری پر حیراں اور گناہوں پر پشیماں نظر آتا ہے۔

میرے حصے میں اس تھوڑی سی جالی کا اتنا حصہ آ گیا کہ میں نے اپنے ہاتھ مضبوطی سے وہاں جما دیے۔ تھام لیا جالی کو کہ جالی نے مجھے، واللہ کیا مقام تھا میرا (میں کہاں تھی اس قابل) آنکھوں نے عمر بھر کے جمع کیے ہوئے گوہرِ نایاب اس طرح برسائے کہ وجود پانی بن کر بہہ گیا۔

آج مجھے اپنی آنکھوں کے صحیح استعمال کا موقع ملا تھا۔ دل چاہ رہا تھا اپنی ہی

آنکھیں چوم لوں، ''آنکھیں مجھے دیں ہیں تو مدینہ بھی دکھا دے'' بچپن سے پڑھے اس مصرعے کی حقیقت آج واضح ہوئی۔ میں اپنی ہی آنکھوں پر قربان ہوگئی۔ یہ بات اب تک سمجھ نہیں آئی کہ چین نصیب ہو چکا ہے یا بے چینی عطا کر دی گئی ہے۔ میں نے اپنے آقا مکی مدنی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں سلام پیش کیا۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الصلوٰۃ و السلام علیک یا حبیب اللہ

میری ہچکی بندھ گئی، ذہن نے جواب دے دیا۔ کیا الفاظ تھے کیسے ادا کیے، کچھ یاد نہیں (پتہ نہیں مجھ بدنصیب پر سرکار دو عالم ﷺ کی نگاہ کرم پڑی بھی ہوگی کہ نہیں کہ مجھے تو بندگی کا سلیقہ ہی نہ تھا، ان کی عنایت ہوئی ہو تو، ورنہ میں اس قابل کہاں)

آپ اس کیفیت کا تصور کیجیے کہ آپ روضہ اقدس ﷺ کی جالیوں کے سامنے کھڑے ہوں، ایمان و یقین کے ساتھ کہ چند قدم کے فاصلے پر سرور کائنات ﷺ آپ کے درود و سلام کو سن رہے ہیں۔ پوری کائنات کے خالق کے رُوبرو آپ موجود ہیں، آپ کے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔

دل سینے سے پھڑک کر باہر آنے کو بیتاب ہو رہا تھا۔ دل چاہا مزارِ مبارک سے لپٹ کر خوب آہ وزاری کروں۔ دل چاہا یہیں مر جاؤں۔ خاکِ پاک کو آنکھوں سے لگاؤں، مطہر ہو جاؤں، سوچی سمجھی سب دُعاؤں کے الفاظ بھول گئے۔ اردگرد کی خبر نہ رہی، مجھے محسوس ہوا، میں، نہیں ہوں؟ ہوں، کیونکہ ہر دھڑکن ایک دوسرے پر سبقت لے جا رہی تھی۔ دل کے ویرانے پر برکھا رُت چھا رہی تھی۔ آنکھیں چھم چھم برس رہی تھیں۔ ادب کا تقاضا کہ آنسو بہیں بھی تو خود کو خبر نہ ہو۔ سسکیاں نکلے بھی تو آواز بلند نہ ہو۔ ضبط کے بند ٹوٹنا چاہتے تھے لیکن ادب نے جھنجوڑا:

اے زائر! درگاہ نبی جائے ادب ہے
آئے نہ ترے دل سے دھڑکنے کی صدا بھی

جسم و جاں میں رُوح لوٹ آئی۔ مجھے قوت گویائی مل گئی۔ مجھ عاصی کا ایمان

مضبوط ہوا، یہ لطف وعنایت صرف شفیع عاصیاں ﷺ کی نگاہ کرم کے طفیل ہے۔

یہ تصورات کی دُنیا ہے، عقیدتوں کا جہاں ہے، محبتوں کی آماجگاہ ہے، عشق کی نگری ہے۔ یہاں دل کے معاملات دھڑکنوں سے بیاں ہوتے ہیں اور کوئی بھی تعلقات کے اس لطیف پیرائے میں حائل نہیں ہوسکتا۔ ہر قلب اپنے اپنے حال میں گرفتار ہر دل مضطرب و بے قرار، ہر آنکھ اشکبار، دل و دماغ لذت وفرحت سے سرشار، اپنی اپنی نسبتیں، اپنا اپنا اعتبار، کہاں سید الانبیا کا آستانہ، کہاں میں آوارہ و ناکارہ، (میں کیا سے کیا ہوگئی) کوئی تو بتائے مجھے میں کہاں آ گئی، میں پیارے پیارے القابات سے نامِ محمد ﷺ سے اپنی زبان کو سجاتی جا رہی تھی۔ دُعائیں مانگ رہی تھی معلوم نہیں کیا!

لگاتے ہیں اس کو بھی سینے سے آقا
جو ہوتا نہیں منہ لگانے کے قابل

زائر عقیدت کے پھول آنسوؤں سے تر کر کے پیش کر رہے تھے۔ پاس ادب سے آوازیں دھیمی تھیں۔ اس مقام پر عقلِ سلیم اور عشق ومحبت میں تصادم ناگزیر تھا۔ جذب وشوق کی بے پناہ یلغار کے آگے عقل کو ہتھیار ڈالنے کے سوائے کوئی چارہ نہیں اور اس کو بچانا ہی ایمان بچانا ہے۔ ''کوچہ جاناں'' تک رسائی کے لیے ان منازل کو طے کرنا اہل محبت کے لیے واجب ہے۔ آپ ﷺ کو ہدیہ عقیدت پیش کرنے کے بعد دو جلیل القدر صحابہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں بھی سلام عرض کریں جو اس مرکز تجلیات میں حضور ﷺ کے پہلو بہ پہلو آسودۂ راحت ہیں۔ ان کے بعد ملائکۃ المقربین سیدنا جبریلؑ، سیدنا میکائیلؑ، سیدنا اسرافیلؑ اور سیدنا عزرائیلؑ کو نذرانہ سلام پیش کریں کہ آپ کو سلام پہنچانے کی سعادت انھیں کا نصیب ہے۔ یوں پہلی حاضری کی تکمیل پر وہ سعادت نصیب ہوئی جو خواب کا حصہ تھی جس کے لیے لوگ عمر بھر ترستے رہتے ہیں۔

نعیمہ راؤ

سو بار فلک شکر کے سجدے میں جھکا ہے

فجر کی نماز سے فراغت کے بعد ارادہ ہوا کہ روضہ اطہر ﷺ پر حاضری دی جائے۔ چنانچہ اس کی طرف چلنا شروع کیا تو تھوڑے فاصلے پر قدموں نے چلنے سے جواب دے دیا۔ بڑی بے بسی اور حیرانی کی صورت پیدا ہوئی، جذبات اُمڈ آئے اور میں رونے لگا۔ کوشش کے باوجود قدم اٹھنے نہ پائے۔ ''تم کیا منہ لے کر آقا کے سامنے پیش ہو رہے ہو، تمہارے پاس کون سا عمل ہے، وہ کون سی نافرمانی ہے جو تم نے نہیں کی؟'' اس حالت میں کئی لمحات گزر گئے۔ کچھ وقت کے لیے قدرت نے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہلے جو غلطیاں اور کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں، اللہ کرے وہ معاف کر دی جائیں اور آئندہ کے لیے صدق دل سے تہیہ کرو کہ ہر فرمان مبارک پر عمل کرنے کی کوشش کرو گے۔ چنانچہ اس کے بعد کچھ بے چینی ختم ہوئی اور قدم اٹھانے کی نوبت آئی۔

نورالصمد

گزرے ہیں وہ لمحے کہ سدا یاد رہیں گے

دل اتنا بے تاب تھا کہ مسجد نبویؐ کا دوہرا صحن طے کر کے سیدھی اندر پہنچی، رُوح بیتاب تھی کہ روضے کی جالیوں کو نظریں ترس رہی تھیں کہ اس آستانے کی زیارت کریں۔ اس لیے عجیب عالم میں اندر پہنچی، وہاں فجر کی نماز کا وقت تھا اور صفیں درست ہو رہی تھیں، مجھے خدام نے روکا کہ نماز کا وقت ہے، لیکن میری وارفتگی نے مجھے کچھ سوچنے سمجھنے نہ دیا اور اندر گئی، اس نے پھر ہٹایا، میرا دل ٹوٹا ہوا تھا آنسو بہنے لگے اور اتنے بہے کہ بے چارا خدام سر پکڑ کر حیران و پریشان کھڑا ہو گیا آخر کار ایک پاکستانی بہن بیگم ریاض آگے بڑھیں، پیار سے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا۔ نماز کا وقت ہے، چند لمحے توقف کیجیے۔ زبان گنگ تھی، لب خاموش، وہاں سے واپسی ہوئی تو سورج چڑھ چکا تھا۔ باہر نکلی تو سر چھپانے کے لیے جگہ کی تلاش ہوئی۔ میں بڑی دیر تک ٹہلتی رہی، مسجد نبویؐ اب بھی میرے سامنے تھی دربار رسالت مجھ گنہ گار سے صرف سو گز کے فاصلے پر تھا۔ میں نے نظر بھر کر ادھر دیکھا، شاید علامہ اقبال نے کسی ایسے ہی نازک موقعے پر فرمایا تھا:

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم!
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغ سکندری

اتنے میں ایک اور شخص نمودار ہوا اور ایک ہوٹل کا پتہ بتا کر وہاں لے گیا جو اصطفیٰ منزل کی ساتھ والی گلی میں تھا، کمرہ نہایت مختصر تھا، پلنگ بہت تکلیف دہ سے تھے، لیکن مجموعی طور پر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ گزر ہو سکتا ہے۔ اس لیے میں نے وہیں اپنا اسباب جمایا، یہ کمرہ چوتھی منزل پر تھا، میں رات بھر ایک کل بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی، اس لیے چاہا کہ لیٹ کر سو رہوں لیکن میں جوں ہی لیٹی فوراً ایک عجیب سے خیال نے مجھے اُٹھا

دیا۔ نہیں نہیں، میں یہاں نہیں رہ سکتی، میں یہاں آرام نہیں کر سکتی۔ میرا بستر، میرا پلنگ اونچا ہے اور روزہ اقدس نیچا ہے اف اللہ!

یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے

میرا رواں رواں کانپ گیا، دل چاہا کہ بستر نیچے فرش پر لگا دوں، لیکن مسئلہ پھر بھی حل نہ ہوگا۔ سوائے اس کہ میں بالکل زمیں پر چلی جاؤں، یہاں تو ہر ہوٹل گنبد خضرا سے بلند ہے ہر کمرہ مسجد نبویؐ کے فرش سے اونچا ہے، میں بڑی دیر تک انھیں خیالات میں غلطاں و پیچاں رہی اور پھر سوچا کہ مخلوقِ خدا سب یہاں رہتی ہے، سوتی بھی ہے، لیٹتی بھی ہے، لیکن میں......

تھوڑی دیر بعد مجھے پھر حاضری کا موقع مل گیا اور میں تپتے ہوئے سنگ مرمر کے فرش سے اُٹھ کر اس جنت میں چلی گئی، رسول اللہ ﷺ کے قدموں کے پاس جہاں کی فرحت اور ٹھنڈک دل ہی کی نہیں بلکہ رُوح کی گہرائیوں تک اتر رہی تھی۔

مسجد نبویؐ میں قبلہ جنوب کی طرف ہے، روضہ اقدس کے شمال میں وہ چبوترا یا صفہ ہے جو کبھی آپ کے حجرہ مبارک سے ملحق تھا، مشرق کی سمت میں ایک چھوٹی سی راہ داری ہے جو آپ کے قدموں کے پاس ہے اس سے تھوڑی دور کے فاصلے پر وہ حجرہ ہے جو بی بی فاطمہ زہراؓ کے نام سے منسوب ہے، جنوب کی طرف قبلہ ہے اور اسی سمت حضور کا چہرہ اقدس ہے، یہ جگہ ''مواجھہ'' کہلاتی ہے، جہاں کھڑے ہو کر لوگ آپ کے ساتھ کے صدیق اور شہید پر سلام بھیجتے ہیں، مغرب میں مسجد نبویؐ کے اصل دالان کی طرف آپ کا سرہانہ ہے اور یہی چھوٹی سی جگہ ریاض جنت کہلاتی ہے، لیکن میں اس وقت راہوں اور سمتوں سے بے نیاز تھی ''شوق میرا رہبر'' ادب میرا معلم تھا، میں آگے بڑھی اور سیدھی قدمین شریف پہنچ گئی اس سے زیادہ میری بساط نہ تھی، یہ درجہ بھی مجھ خطا کار کے لیے بہت بڑا تھا کہ میں ''قدموں'' میں تھی ان قدموں میں جن کی خاک شفا ہے، سرمۂ اہل نظر ہے۔

میں وہاں بڑی دیر تک کھڑی رہی، ہاتھ باندھے، زبان، زبان گنگ، سکتے کے

عالم میں .... اللہ اللہ! یہ مقام اور میں .... میرا مقدر جاگ اُٹھا، میری گنہ گار آنکھیں ان جالیوں کی زیارت کر رہی ہیں، میں کہاں ہوں کہاں آ گئی۔ ادب و احترام سے رواں رواں کانپ رہا تھا باوجود تھکان کے بیٹھنے کی ہمت نہ تھی۔

حاضر ہوں دست بستہ
لے کے دل شکستہ

یہی آواز قلب سے آ رہی تھی، اپنا سلام آنسوؤں کے سیلاب میں دل کی گہرائیوں سے امڈ رہا تھا۔ ہاتھ میں رکھی ہوئی درود و سلام کی کتابیں میرا منہ دیکھ رہی تھیں، آیئے آپ بھی میرے ساتھ درود پڑھیے:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ

میں بڑی دیر تک وہیں کھڑی رہی اوروں کے لیے سروری اور اپنے لیے قلندری مانگتے مانگتے جب دل بھر گیا تو ڈرتے ڈرتے نظریں اوپر اُٹھائیں، خدام نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن میں کچھ نہ سمجھی، اتنے میں ایک اور خاتون جو کہ پاکستانی تھیں بولیں۔

''یہ مواجہہ شریف'' نہیں ہے آپ یہاں بیٹھ سکتی ہیں۔''

میں نے ان کی بات کے جواب میں سر ہلا دیا۔ یا اللہ! میں کس طرح بیٹھوں! قدمین ہی سہی، حضور کا پائنتی ہی سہی، لیکن ہیں کس کے قدم؟ جن کی نعلین سے عرش کو زینت بخشی گئی۔ جس کے قدم سے فرشِ زمین کو عروج ملا، میں نے فوراً بیٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا، لیکن کب تک کھڑی رہوں گی، نماز بھی تو پڑھنا ہے، چنانچہ میں نے وہیں جالی کے قریب ہو کر اپنا منہ قبلے (جنوب) کی طرف پھیرا اور نفل نماز کی نیت باندھ لی اور جب نماز ہو گئی تو پھر دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ پھر میں تھی اور گریہ زاری۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے ساتھ کوئی معلم نہ تھا ورنہ وہ یا تو مجھے مخبوط الحواس سمجھتا یا پھر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ جاتا یا پھر مجھے اتنی زور سے ڈانٹتا کہ عقل ٹھکانے آ جاتی، اس غریب کے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا کہ وہ مجھے گھنٹوں ایک ہی عالم میں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کے لیے چھوڑ دیتا وہ تو بس مجھ کو دُعائیں پڑھائے جاتا، میں پڑھتی جاتی اور شاید میرے دل کو یہ

حضوری، میرے قلب کو یہ سرور، میری رُوح کو یہ تسکین میسر نہ آتی جو اس وقت تھی، مجھے کچھ ہوش نہیں کہ کب تک وہاں بیٹھی آنسو بہاتی رہی، یہی میری نماز تھی، یہی میری عبادت تھی، مجھ جیسی کم مایہ، غریب اور نادار کے پاس اشکوں کے موتیوں اور ندامت کے آنسوؤں کے سوا دھرا ہی کیا تھا، جو اس بارگاہ میں نچھاور کرتی، صرف اتنا ہوش تھا کہ یہ روضہ رسول ﷺ ہے مقام ادب ہے۔

حاضر ہوں دست بستہ
لے کے دل شکستہ

وحیدہ نسیم

لذت شوق بھی ہے، نعمت دیدار بھی ہے

باب سلام وہی دروازہ ہے جہاں سے اندر داخل ہو کر مرد حضرات روضہ رسول ﷺ اقدس پر حاضری دیتے ہیں۔ میں باب سلام پہنچا تو اسلام کے پروانوں کو ایک لمبی قطار میں بسمل کی طرح تڑپتے دیکھا، ہر ایک اسی کوشش میں تھا کہ جلد از جلد اُس مقام پر پہنچے جہاں حضور اکرم ﷺ آرام فرما رہے ہیں۔ میں بھی عاشقوں کے اس ہجوم میں پھنسا ہوا بڑی مشکل سے سانس لیتے ہوئے آگے قدم بڑھا رہا تھا۔لیکن اُس وقت اپنی سانس بحال کرنے کے بجائے نگاہیں سرور عالم ﷺ کی جالی کی تلاش میں تھیں۔آخر وہ وقت آن پہنچا جب میں حضور سرور کائنات ﷺ کی جالی کے سامنے جا پہنچا۔ یہ بڑے نصیب کی بات تھی، اب میں جسمانی لحاظ سے تو روضہ رسول کے سامنے تھا لیکن میرا دماغ چودہ سو سال پہلے کے زمانے میں گھوم رہا تھا، اور زبان پر درود وسلام رواں تھا:

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللّٰہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللّٰہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللّٰہ

میں جوں جوں روضہ مبارک کے قریب ہوتا گیا، توں توں درود شریف پڑھنے میں شدت اور آنکھوں سے آنسو دریائے فرات کی طرح بہنے شروع ہو گئے، یہ آنسو فرط محبت اور اُس محسن انسانیت ﷺ کے پیار میں بہہ رہے تھے جس نے اپنی زندگی تکالیف میں گزار کر، امت کو رہتی دُنیا تک ایک ایسے دین پر ڈالا جو راست باز لوگوں کا دین ہے، یہی سچا اور اللہ واحد کی قربت بخشنے والا دین ہے، اسی نور بصیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے ماں باپ اور خاندان کو دین روشن میں شامل کیا، اگر اللہ کا کرم نہ ہوتا تو ہم بھی

جہالت کے گھپ اندھیروں میں دردر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے۔

میں روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کے بالکل قریب تھا، یہ وہی مقام تھا جس کے اندر آقا دو جہاں سرور عالم ﷺ اپنے محبوب دوستوں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ آرام فرما رہے تھے۔ جالیوں کے درمیان ایک گول سا خول تھا جو اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ حضور ﷺ پُر نور کا چہرہ مبارک اس مقام کے مقابل اندر ہے جس کے دو فٹ آگے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے چہرے مبارک کی نشاندہی کے لیے اسی طرح کا قدرے چھوٹا خول تھا اور پھر اُس سے مزید دو فٹ آگے حضرت عمر بن خطابؓ کے چہرے کی نشاندہی بھی ایک اور خول کے ذریعے کی گئی تھی۔ ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے قریب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قبر اس طرح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا سر حضور اکرم ﷺ کے سینے کے برابر ہے اور پھر حضرت عمر بن خطابؓ کا سر مبارک حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سینے کے مقابل ہے۔ جالیوں سے اندر جو کچھ میں دیکھ سکا، وہ منظر کچھ یوں نظر آیا، مجھے مزار شریف پانچ فٹ کے لگ بھگ اونچا نظر آیا۔ اوپر سبز چادریں تھیں۔ کمرے کے نصف حصے میں مجھے مزار نظر آئے باقی جگہ خالی تھی۔ یہی حضرت عائشہؓ کا حجرہ مبارک تھا۔

لوگ فرطِ محبت کے ساتھ اپنی آنکھیں کھول کھول کر ان جالیوں کا دیدار کرتے اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے درود شریف پڑھنے میں مصروف تھے۔ فرط محبت میں بہت سے لوگوں کو ہچکیاں لیتے اور زور زور سے روتے دیکھا اور بعض بالکل گم سم تھے، انسان خوشی غمی اور پیار و محبت کا اظہار مختلف انداز سے کرتے ہیں۔ یہاں سب سرور عالم ﷺ کے پروانے تھے جو اپنے جذبات کا اظہار اپنی طبعی حیثیت سے ظاہر کر رہے تھے۔ اس موقع پر میں نے بھی حافظ شیرازی کی طرح کچھ اس طرح اپنی عقیدت کا اظہار کیا:

غریبم یا رسول اللہ ﷺ غریبم
ندارم در جہاں جز تو حبیبم

بریں نازم کہ ہستم امت تو
گنہگارم و لیکن خوش نصیبم

(ترجمہ: اے اللہ کے رسول ﷺ میں غریب ہوں، میں اجنبی ہوں، پوری کائنات میں آپ ﷺ کے علاوہ میرا کوئی محبوب نہیں، مجھے اسی پر ناز ہے کہ آپ ﷺ کا امتی ہوں، بے حد گناہ گار ہوں، لیکن بڑا خوش نصیب ہوں۔)

یعقوب نظامی
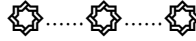
اہم مضامین

عبدالعزیز ساحر

گنبد خضرا کے سائے میں

چودہ صدیاں گزریں کہ کائنات کے سب سے عظیم انسان نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس ہجرت کا مقصد تبلیغ اسلام تھا۔ یا یوں کہیے کہ یہ اسی سفر کا حصہ تھا جو حرا سے شروع ہو کر مکہ اور شعب ابی طالب سے ہوتا ہوا مدینہ کی جانب اپنی وسعتوں سے ہمکنار تھا۔ اگرچہ اس مبارک سفر کی ابتدا تو صبح ازل سے ہوئی تھی اور اس کی وسعت شام ابد تک پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن اس مادی دنیا میں اس سفر کا دورانیہ کوئی تریسٹھ برسوں پر محیط ہے۔ اس کے اثرات اس قدر دیرپا اور ابدی ہیں کہ اب جادہ حیات میں قافلہ شوق کو منزل مراد تک پہنچنے کے لیے سوائے حضور خاتم النبیین ﷺ کے کسی دوسرے کی ضرورت نہیں رہی۔ ان ﷺ کے قدموں کے نشان قیامت تک آنے والوں کے لیے رہبر و راہنما رہیں گے۔

سرور کونین ﷺ کی آمد سے پہلے یہ مقام یثرب کہلاتا تھا۔ آپ ﷺ کے طفیل مدینہ النبی ہو گیا۔ وہی جگہ جہاں پر پانی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ان ﷺ کے وجود مسعود سے گل و گلزار کا مسکن بنی۔ موسموں میں تازگی کا احساس جاگا۔ منظر شگوفوں کی طرح کھل اٹھے۔ گویا جس جگہ لفظوں کی کوئی قیمت نہ تھی۔ بے معنی اور لایعنی گفتگو سے فضا مکدر ہو جاتی تھی۔ جب وہی بے معنی لفظ اس حسن معنی کے پیکر میں ڈھلے تو علم و حکمت کے چشمے پھوٹ نکلے۔ ایسا روحانی انقلاب آیا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان ﷺ کے حسن سیرت و صورت سے ایسی بہار آئی جو انسانیت کے لیے مژدہ جانفزا لائی۔ اس کی خوشبو کی پذیرائی کا دائرہ ابد تک کے لیے مقدر ہوا اور اس مقام کی حاضری (انسان کے لیے) معراج ٹھہری۔

گنبد خضرا کے سائے تازگی اور ٹھنڈک کا منبع ہیں۔ اس کے سایہ دیوار میں جو

راحت کا سامان میسر آتا ہے وہ جنت کے محلات میں بھی نہیں۔ جو خوش نصیب اس لطف دوام سے آشنا ہیں ان کی کتاب حیات کا ہر صفحہ اس حسن عطا کا پتہ دیتا ہے۔ گنبد خضرا کے سامنے ان کی کیفیات کی وجدانیت کا اثر دیدنی ہوتا ہے۔ ان کے جسم اور روح پر وہ تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے جو ایک ماہر ستار نواز اپنے ساز کی تاروں پر مضطراب سے پیدا کرتا ہے۔ گنبد خضرا پر نگاہ پڑتے ہی ایک تازگی اور طراوت کا احساس ہوتا ہے۔ اس مقام پر جسم پر رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے، کیونکہ رونگٹوں کے کھڑے ہونے کا تعلق خوف اور ڈر سے ہے۔ البتہ یہاں قلب ونظر میں گداز پیدا ہوتا ہے جو سوز کے لیے قافلہ سالار کا کام دیتا ہے۔

عشاق کے جذبات شوق ''نسیما! جانب بطحا گزر کن، زاحوالم محمد را خبر کن'' سے گزر کر روحانی منازل طے کر کے جسمانی طور پر بھی مدینہ پہنچنے کے لیے کوشاں ہو جاتے ہیں۔ وہ مستانہ وار شمع رسالت ﷺ پر نثار ہوا چاہتے ہیں۔ وہ صحرائے مدینہ کی بادیہ پیمائی کرتے جب گلزار مدینہ میں وارد ہوتے ہیں تو ان کے جذب وشوق کا عالم دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ رومیؒ ہوں یا جامیؒ، شہیدیؒ ہوں یا احمد رضا خانؒ، غازی انور پاشاؒ ہوں یا پیر مہر علی شاہؒ...... کسی کی مدینہ میں حاضری ہماری نظر سے پوشیدہ نہیں۔ ان مقدس ہستیوں کی داستان جذب وشوق وابستگان رہ حجاز کے لیے نوید روح افزا ہے۔ ان کے ذکر خیر سے تاریخ کے اوراق منور ہیں۔ جن خوش نصیبوں کو اس در کی حاضری نصیب ہوئی اور پھر انہوں نے مشک وعنبر میں بسی ہوئی اس وجدانی فضا کو لفظوں کے قالب میں ڈھالا۔ گل و یاسمین کی یہ مہک نہ صرف ان کے لیے ہجر میں وصل بھری یادوں کے در وا کرتی ہے بلکہ دیگر لوگوں کے آتش عشق کے لیے بھی مہمیز کا کام کرتی ہے۔

زائرین نے اپنے سفر ناموں میں مکہ شریف اور مدینہ منورہ کے دو مقامات مقدسہ پر اپنی کیفیات و جذبات کا بیان فرمایا ہے کہ حرم کعبہ میں جلال کے ورود سے زائر کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں، میں نے جتنے خوش نصیبوں کا بیان پڑھا ہے، وہ یہاں جلالی کیفیت سے دوچار ہیں۔ لیکن مدینۃ الرسول ﷺ میں ان پر انوار واکرام کی جو بارش نازل ہوتی ہے، وہ اس دربار گہر بار کی انفرادیت کا مظہر ہے۔ یہ وہ مقام مقدس

ہے جو آغوش مادر کے مانند ہر ایک کے لیے وا ہے۔ جلال و جمال کی جو وجدانی کیفیت یہاں وارد ہوتی ہے، وہ کسی اور دربار میں نہیں ملتی۔ ہونا بھی ایسا ہی چاہیے کیونکہ یہ وہ مرکز ہے جہاں سے شفقت اور معرفت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ فیضان کرم کا یہ روحانی سلسلہ صرف اپنوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی وسعت لامتناہی ہے۔

روضہ اطہر پر حاضری کے بعد زائرین کے قلب و نظر پر جو اثرات پڑتے ہیں۔ ان کا تعلق ذاتی نوعیت کا ہوتے ہوئے بھی اجتماعیت پر محیط ہے۔ ان کی زندگی پر جو گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ سابقہ زندگی سے بہت مختلف ہیں۔ مدینۃ النبی ﷺ سے آنے کے بعد زندگی کا سارا نظام بدل جاتا ہے۔ ان کے اوقات کار میں جو نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے اور شب و روز میں جو تبدیلی آتی ہے، وہ حقیقت میں اس مینارۂ نور سے اکتساب فیض کا نتیجہ ہے۔ ادیب اور شاعر کی فکر میں جو اٹھان اور ارتقا کی شان پیدا ہوتی ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ تخلیقی عمل کا سلسلہ جب اس روشنی سے ملتا ہے جو فاران کی پہاڑوں سے طلوع ہوئی تھی تو اس کے اندر ایک ابدیت کا عنصر نمایاں ہو جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے قدم تک رسائی ہماری معراج ہے۔ یہ روحانی بھی ہو سکتی ہے اور جسمانی معراج میں تو قلب و نظر کے سلسلے گنبد خضرا کی چھاؤں میں لطف کرم سے محظوظ ہوتے ہیں۔ جس کسی کی ذاتی واردات اجتماعیت پر اثر انداز ہوتی ہے تو وہ معاشرتی رویوں کے بدلنے میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے کیونکہ ایک فرد اپنی ذات میں یکتا ہونے کے باوجود ایک انجمن بھی ہے۔ وہ اپنی انفرادی حیثیت بھی رکھتا ہے اور معاشرتی اقدار سے ہم آہنگ بھی۔ وجود بھی تو ذاتی زندگی کا ہی مرہون منت ہے۔ ایک فرد کے جذبات سے اپنے ایمان کی آبیاری ہوتی ہے بلکہ جب وہ صفحہ قرطاس پر بکھرتے ہیں تو اصحاب صدق و یقین کے کشت وجدان کی شادابی کا باعث بھی بنتے ہیں۔

دوران مطالعہ جو بات مجھے سب سفر ناموں میں مشترک نظر آئی، وہ یہ ہے کہ زائر حرم خانہ کعبہ سے جلد از جلد مدینۃ النبیؐ پہنچنے کے لیے کوشاں نظر آتا ہے۔ اسے گنبدِ خضرا کے سائے میں کیف اور کیف گیر لمحات میسر آتے ہیں۔ وہ انہی کو حاصل حیات

گردانتا ہے اور اپنی ساری زندگی کو سمیٹ کر اسی نقطہ پر مرکوز کرنا چاہتا ہے۔ وہ سکون اور راحت کا جو خواب زندگی میں دیکھتا تھا، اسے یہاں اس کی تعبیر دکھائی دیتی ہے۔ وہ اس چشمہ فیضان سے امن و آشتی کی بھیک مانگتا ہے۔ اخوت اور محبت کا درس لیتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک مدرسہ انقلاب ہے جو ''سمٹے تو دل عاشق، پھیلے تو زمانہ ہے'' کے مصداق عالمگیر برادری کا داعی ہے۔

ملک منیر احمد

حاصل مطالعہ

میرے شہرِ محبوب ﷺ

کوئی شہر ایسا نہیں جس سے لوگوں نے کسی شخصیت کی وجہ سے اتنی محبت کی ہو جتنی کہ مدینہ سے، نہ دنیا میں کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اپنے وصال پر باوجود چودہ سو برس گزر جانے کے اتنے انسانوں کے دلوں سے محبت کا خراج وصول کیا ہو، سوائے اُس محبوب شخصیت کے جو اس عظیم گنبدِ خضرا کی خنک چھاؤں تلے محوِ خواب ہے۔ ان کے دنیا سے ظاہری پردہ فرما جانے کے بعد بھی یہ محبت اسی طرح قائم رہی اور آج تک اُن کے ماننے والوں کے دلوں میں زندہ ہے، ایک ایسے گیت کی لَے کی طرح جس کے متعدد لہجے اور منفرد دھنیں ہوں۔ اُنھی ﷺ کے دم سے چند نفوس کی آبادی موتیوں سے پروئی ہوئی ایک مالا بن گئی۔ وہ آبادی جس کا نام یثرب تھا، مسلمانوں کا اتنا محبوب شہر بن گیا کہ دنیا کا کوئی شہر انھیں اتنا محبوب نہیں۔ اس کا کوئی خاص نام بھی نہیں، چودہ سو برس سے آج تک مدینتہ النبی ﷺ ہی کہتے چلے آئے ہیں۔ اس طویل مدت میں نہ جانے محبت کے کتنے قافلے اس طرح یہاں آ کر ملے ہوں گے کہ محبت کے ان سب مظاہر نے دیارِ محبت کی صورت اختیار کر لی اور ان مظاہر کے سارے اختلافات ایک مشترک نغمہ ہائے قلب میں مدغم ہو گئے۔ عُشاق کی نظروں میں وہ محبوب ﷺ مدینہ میں آج بھی زندہ ہے۔ اُس شہر دلبر کا ایک ایک پتھر اس کی شہادت دیتا ہے۔ آپ ان کو چھو کر یہ بات معلوم کر سکتے ہیں لیکن الفاظ میں اس کو بیان نہیں کر سکتے۔

کوئی محبوبِ نظر ہے نہ محبت کی مراد
بستیاں پیار کی تم ہی سے بسی ہیں سرکار
(علامہ محمد اسد/لیو پولڈ اناسس، طوفاں سے ساحل تک)

مسجد نبوی ﷺ

دیارِ رسولؐ میں مسجد نبوی ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن، شوق فرواں کی اولیں منزل اور ذوق و وجدان کا قبلۂ مقصود ہے۔اس کی زیارت سے آنکھوں کو تازگی، ایمان و یقیں کو بالیدگی اور قلب و روح کو سکون و قرار کی دولت بے پایاں نصیب ہوتی ہے۔اس کی قدسی فضاؤں میں داخل ہو کر ایک باصفا مسلمان سب کچھ بھول جاتا ہے اور کیف و سرور کی ایسی انوکھی کیفیت سے سرشار ہوتا ہے جس کو الفاظ کا پیرہن نہیں پہنایا جا سکتا۔قلب و نظر کی جنت ہونے کی وجہ سے روزِ اول سے آج تک ہر مسلماں کی یہ خواہش رہی ہے کہ وہ اس عرش نشاں مسجد کی زیارت کرے اور خلاقِ دو عالم کے حضور اپنی جبینِ نیاز کو خم کرے۔مسجد نبوی کے دروازے کے اندر قدم رکھتے ہی آنکھیں حسن و جمال کی چکاچوند سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔مسجد کی خوبصورتی اور تزئین و آرائش کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔محبوب انس و جاں ﷺ کی چاہتوں کی رنگ و رعنائی سے سجے اس جنت نظیر نگارخانے میں محبتوں کے رکوع اور عقیدتوں کے سجود کے درمیاں انسان خود اک تصویرِ حیرت بن کے رہ جاتا ہے۔اسے اپنے ہونے پہ یقین ہی نہیں آتا، وہ سوچتا ہے کہ کیا واقعی مجھ سا خطاکار اور رحمت للعالمینؐ کی نظر کرم کے سامنے!............کہیں یہ خواب تو نہیں اور جب اسے عالم بیداری پہ یقین ہو جاتا ہے تو وہ اس عظیم نعمت پہ بارگاہِ رسالتؐ میں اظہارِ تشکر کے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرنے لگتا ہے اور اس کے دل کی کیفیت ان جذبات کا مظہر ہوتی ہے۔ ؎

جالی حرم کی اور میری چشم اشکبار
میں اور قدم حضورؐ کے سوچا نہ تھا کبھی

کٹ جائے میری عمر تیرے ذکر پاک میں
مل جائے میری خاک مدینے کی خاک میں

(معراج الاسلام، مسجد نبویؐ)

جیتے جی جنت سے پلٹ آیا ہوں

جب نظر خواجۂ دوعالم ﷺ کے روضہ اطہر پہ پڑتی ہے تو دیدہ ودل کے لئے کیف وسرور کا عجب عالم ہوتا ہے اور اس حریم قدسی میں جو کیفیات طاری ہوتی ہیں، ان کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جس کو اس دربار میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہو جو اِس بقعہ نور میں آ گیا۔ واللہ! موت سے پہلے جنت سے اس کا گزر ہو گیا۔ اگر یہ بات کہنے پر کوئی مجھ سے الجھے تو وہ تھوڑی سی زحمت کر کے اہل قلم سے ''**مابین قبری و منبری روضہ من ریاض الجنة**'' کے معنی پوچھ لے۔ اس بندہ کمینہ کو اللہ تعالیٰ نے اتنے انعامات سے نوازا ہے کہ اگر اسے عمر نوح مل جائے اور ہر بن مو کو طاقت گفتار مل جائے پھر تمام عمر اس کا شکر ادا کرتے گزر جائے تب بھی اس کے کسی ایک انعام کا شکر مشکل ہی سے ادا ہو پائے گا۔ اب یہاں حاضری کی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے، وہ تمام انعامات سے بڑی نعمت ہے۔ الحمد اللہ ثم الحمد اللہ۔ ؎

افلاک کو جھکتے ہوئے دیکھا ہے نظر نے
ہے خواب کہ شاہ مدینہ مرے آگے

(نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ)

جمال گنبد خضرا

نگاہ بار ندامت سے اٹھ نہیں سکتی
جمال گنبد خضرا میں کس طرح دیکھوں

آکسفورڈ سے فارغ التحصیل ایک نوجوان روضہ رسول ﷺ اور مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوا اور رزق حلال کمانے کے لیے لکڑ ہارے کا کام

کرتا رہا۔ میرے ایک دوست نے اس سے کہا گنبد خضرا کا رنگ کچھ مدھم پڑ گیا ہے آپ نے بھی غور کیا؟ اس دم بخود عاشق رسول نے جواب دیا ''یہاں نظریں اونچی کرنے کی جرأت اور اس کا یارا کس کو ہے؟ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران میری نظریں تو حضور ﷺ کے قدمین شریفین پر ہی جمی رہیں۔ میں نے تو کبھی نظر اٹھا کر گنبد خضرا دیکھا ہی نہیں۔ گنبد کے تازہ اور روشن یا پرانے اور مدھم رنگ و روغن کی بات تو بہت دور کی ہے۔

ختم الرسل ﷺ کے روضہ اقدس کا وہ جلال
اٹھی نہ پھر نظر مری پہلی نظر کے بعد

(شیخ منظور الٰہی، در دلکشا)

دم بخود ہو کر جہاں آئیں جنیدؒ و بایزیدؒ

مصری ادیب محمد حسین ہیکل اپنی کتاب ''**فی منزل الوحی**'' میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پہنچنے کے بعد اپنی دلی کیفیات یوں قلمبند کرتے ہیں۔ ''ہم حجرہ مطہرہ اور لحد رسول کے سامنے پہنچ گئے۔ میں اس مقدس و محترم حجرہ کے سامنے اپنی جگہ مؤدب کھڑا ہوں۔ لرزاں اور ترساں کہ کہیں کوئی بے ادبی نہ ہو جائے کیونکہ میں شہنشاہ کونین ﷺ کے حضور باریاب ہوں۔ جو تسکین جاں بھی ہیں اور قرار قلب نہاں بھی، جو آیہ رحمت بھی ہیں اور حاصلِ حیات بھی، جو حاصلِ اُمّتم بھی ہیں اور مجسم کرم بھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا میں ایک شہنشاہ کے حضور کھڑا ہوں۔ نہیں یہ مقام شاہوں کی حاضری سے کہیں بڑا تھا۔ میں بادشاہوں سے محو گفتگو ہوا ہوں۔ وہاں میرے دل پر یہ رعب طاری نہیں ہوا اور نہ میرا دل اس عظمت والا کبار سے معمور ہوا۔ میں بادشاہوں، فرعونوں اور بزرگوں کی قبروں پر کھڑا رہا ہوں۔ لیکن وہاں یہ روحانی جاہ و جلال نہیں دیکھا جو اس وقت میرے ذہن پر طاری تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا کہ جلال روحی کا ایک ہالہ مرے گرد بن گیا ہے جو میری سوچ پر حاوی ہو گیا ہے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے نبی اور رسول ﷺ کی حیثیت سے اپنے رب کا پیغام پوری طرح پہنچا دیا اور اس کی راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ اللہ نے اپنی مدد

پہنچادی۔حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں اور وہ وحدہ لاشریک ہے“۔

یہ خواب گاہِ حبیب خدائے اقدس ہے
کہو ادب سے یہاں بادِ نو بہار چلے

(پروفیسر عبدالرحمٰن عبد، حرم نبوی ﷺ)

فردوس گوش جنت نگاہ

جب پہلی بار اس حرم نبوی میں حاضر ہوا تو پر انوار ماحول کا سحر ہر طرف چھایا ہوا تھا کہ اچانک فضا میں اذان کی آواز بلند ہوئی۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ پہلی نماز کتنی متبرک اور دل آویز ہوگی جو میں حرم نبوی میں ادا کروں گا۔ پوری مسجد روشنیوں سے بقعہ نور بنی ہوئی تھی اور اس ملکوتی فضا میں چار سو اللہ کی کبریائی اور حضور ﷺ کی رسالت کی منادی ہو رہی تھی۔ چودہ صدیوں سے یہاں سے اذان بلالی کی آواز پورے عالم میں بلند ہو رہی ہے اور قیامت تک بلند ہوتی رہے گی۔ ممتاز مفتی لبیک میں لکھتے ہے کہ مکہ مکرمہ کی طرح مسجد نبوی کی اذان بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے، وہ اٹھا کر بٹھا دیتی ہے۔ مسجد نبوی کا صوتی نظام اس انداز سے قائم کیا گیا ہے کہ آواز ربڑ کی گیند کی طرح اچھلتی ہے۔ ایک سے زیادہ موذن اذان میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک آواز اللہ اکبر ختم نہیں ہو پاتی کہ دوسری آواز اُسے پھر سے اٹھا دیتی ہے۔ یوں ایک ڈرامائی ماحول پیدا ہو جاتا ہے، دلوں پر سسپنس کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور آپ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ کچھ ہونے والا ہے۔

جیسے روح القدس خود سے نغمہ سرا ہو، یہ مدینہ کی مسجد یہ اذان سحر! اللہ اللہ!

کعبۃ اللہ اور حرم نبوی میں آواز کی حلاوت کا کیا کہنا، یوں لگتا ہے کہ جیسے اذان کے ہر بول کا رس سکون وراحت کی بارش کے قطروں کی طرح بوند بوند کانوں کی راہ دل میں اتر رہا ہے۔ سرشاری کی ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوتا ہے، جی چاہتا ہے کہ گردش دوراں رک جائے، یہ لمحہ موجود تھم جائے اور اللہ اکبر کی صدا ساری کائنات کو اپنی مٹھی میں لے لے۔ مسجد نبوی میں ہر گام پر کیف وسرور کا یہ عالم ستاروں کے

ہالے میں مہتاب کی صورت اپنے حصار میں لیے رہتا ہے۔ یوں تو گونجنے والی ہر اذان روح میں اترتی چلی جاتی ہے لیکن شہد کی ٹپکتی ہوئی خوبصورت بوندوں کی دل آویز کیفیت کا لفظوں میں بیاں نہیں ہوسکتا۔ جی چاہتا ہے کہ یہ گھڑی امر ہوجائے اور یہ اذاں کبھی ختم ہی نہ ہو۔

اک قلب خطا کار میں بیتاب ہیں سجدے
اللہ رے کیا مسجد نبوی کی اذاں ہے

(پروفیسر عبدالرحمٰن عبد، حرم نبوی)

مجھ کو پکارتو اے مدینے کی سرزمین

وہ سرزمین جسے خدا نے روز ازل سے اسلام کی نصرت وسربلندی کے لئے چن لیا۔ وہ سرزمین جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے اس وقت اپنے دروازے کھولے جب دوسرا ہر دروازہ بند ہوگیا تھا۔ وہ سرزمین جہاں نہ صرف اسلامی بلکہ انسانی تاریخ کا فیصلہ کن باب رقم ہوا۔ وہ سرزمین جس میں طلوع ہونے والے خورشید ہدایت نے کل عالم سے باطل کی ظلمتوں کو دور کردیا۔ وہ سرزمین جہاں ایثار وقربانی، مہر ووفا، سمع وطاعت اور شجاعت واستقلال کی لازوال داستانوں نے جنم لیا۔ وہ سرزمین جو آج بھی اہل اشتیاق ومحبت کے دل کا سرور اور آنکھوں کا نور ہے۔ وہ سرزمین خدا نے آج اپنے لطف وکرم سے ایک دفعہ پھر دکھلا دی۔ الحمداللہ رب العالمین۔

مدینے کی حدود میں داخل ہوتے ہی دور سے مسجد نبوی ﷺ کے بلند وبالا مینار نگاہوں کو طراوت اور قلب کو سکون دینا شروع کردیتے ہیں۔ یہ شہر مکہ کی طرح مجھے کبھی بھی اجنبی نہیں لگا بلکہ مدینۃ الرسول ﷺ تو ہمیشہ ماں کی آغوش کی طرح فراخ اور پرسکون لگا۔ یہاں خدا کبھی خدائے ذوالجلال نہیں لگا۔ ہمیشہ خدائے کریم محسوس ہوا ہے۔ یہاں اس کی رحمت اس کے غضب پہ حاوی نظر آتی ہے۔ اس شہر پر ستر ماؤں سے بڑھ کر چاہنے والے رب کی ٹھنڈی چھاؤں ہمیشہ سایہ فگن رہتی ہے۔ خدا نے اس سُندر دھرتی پر جس ہستی کو اپنی سب سے بڑی عنایت بنا کر بھیجا، جسے رحمۃ للعالمین قرار دیا، اس کی یہاں موجودگی کا

مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اب بھی مہربان ہے اور اس وقت تک رہے گا جب تک کہ مدینہ اس کائنات رنگ و بو کی زینت ہے۔

جس وقت تصور کرتا ہوں اک نیند سی آنے لگتی ہے
اے صل علیٰ آرام گہہ سرور عالم کیا کہیے

(ابو یحییٰ، کھول آنکھ زمین دیکھ)

عمرے نثار کردم بہ یک نگاہے تُو

میں جب سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عظیم المرتبت ہستی کا مشاہدہ کرنے کے لیے آپ ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضر ہوا تو میں نے وہاں ایک ایسا دل افروز اور نظر نواز منظر دیکھا کہ میرا دل انوار و تجلیات سے منور ہو گیا۔ میں نے جب اس مقام سے جہاں فیوض و برکات کی بارش ہوتی ہے، واپسی کا تصور کیا، میرا دل چاہا کہ میں تمام امیدوں، آرزوؤں اور مقاصد و مطالب کو خیر باد کہہ دوں اور یہیں زندگی تمام کر دوں۔ میں جب لحد اطہر کے قریب ہوتا تو میرا دل حضور ﷺ کی عظمت و جلال کے آثار سے معمور اور محبت و آرزو کے جذبات سے سرشار ہو جاتا۔ بلاشبہ نبی اکرم ﷺ میں وہ اثر آفرینی ہے جو اور کسی ہستی میں نہیں۔

آرزوئے بزم جاناں بزم میں لائی مجھے
بزم سے میں آرزوئے دید جاناں لے چلا

(عبدالرحمٰن عزام)

یہ ستاروں کی بستی یہ خلد نظر

ممتاز مفتی، لبیک میں لکھتے ہیں۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد ہم گھر کی طرف روانہ ہوئے تو بھیڑ سے نکل کر ایک آدمی نے مجھے سلام کیا۔ وہ درمیانی عمر کا عرب تھا۔ میلے لباس پر جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ چہرے سے عسرت ٹپک رہی تھی۔ میرا جی چاہا کہ اسے کچھ دوں۔ اس کے پس منظر میں یہ احساس تھا کہ وہ بھکاری ہے۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا، قدرت اللہ شہاب نے اس جلد بازی پر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ کچھ دینے میں کیا

حرج ہے، میں نے کہا، شہاب مسکرا دیئے اور بولے، آپ اسے بھکاری سمجھتے ہیں؟ تو وہ کون ہوسکتا ہے بھلا! میں نے کہا'' آپ مدینہ منورہ سے واقف ہیں؟ شہاب بولے'' کیا مطلب؟ میں نے کہا یہ بھکاریوں کا شہر نہیں، درویشوں کا شہر ہے۔ ممکن ہے یہ شخص جسے آپ بھکاری سمجھ رہے ہیں درویش ہو۔ ایسا درویش۔ ایسا درویش۔ جو آپ کو ہفت اقلیم کی بادشاہت بخش ہوسکتا ہو۔ اس وقت دفعتاً مجھے خیال آیا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں، میں نے کوئی بھکاری نہیں دیکھا تھا، یہاں بھکاری نہیں ہوتے کیا؟ میں نے پوچھا شہاب بولے، ہوتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ہمارے ہاں حاجت مند ہاتھ پھیلاتے ہیں یہاں، دینے والے حاجت مند کی منت کرتے ہیں کہ میری پیشکش قبول فرما کر مجھ پر احسان کریں۔ وہ درویش جسے میں بھکاری سمجھا تھا، میرے قریب پہنچ گیا۔ اس نے میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بڑے پیار سے تھپکنے لگا۔ اس کی مسکراہٹ میں بخشم سمر قند و بخارا کی واضح جھلک تھی۔

مدینہ منورہ سے کوئی بھی واقف نہیں ہے۔ کوئی واقف ہو بھی نہیں سکتا۔ یہ شہر کسی کو نظر نہیں آتا۔ کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ شہر ایک عظیم مینار کے سائے میں چھپا ہوا ہے۔ جدھر بھی دیکھو، جدھر بھی نظر اٹھاؤ، عظیم مینار کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ تم جو سر اٹھا کر اس عظیم مینار کی بلندی کا جائزہ بھی نہیں لے سکتے، تم اس گنبد کو کیا دیکھو گے؟ پچھلی مرتبہ مجھے یہاں ایک درویش ملا تھا، شہاب نے کہا، انہوں نے مجھے بتایا یہاں بڑے بڑے اولیا غوث قطب اور ابدال اپنے میں اتنی ہمت ہی نہیں پاتے کہ وہ سر اٹھا کر دیکھیں۔ شہاب مسکرا کر کہنے لگے، وہ درویش سچ کہتے تھے۔ مدینہ منورہ کو آج تک کسی نے نہیں سمجھا، کسی نے نہیں جانا۔ یہاں جو بھی آتا ہے۔ اس کی توجہ حضور ﷺ کی طرف لگی ہوتی ہے۔ سب کی نگاہیں حضور ﷺ کی طرف اٹھی رہتی ہیں۔ سب کے دل حضور کے لیے دھڑکتے ہیں۔ سب دلوں کا فوکس حضور ﷺ کی ذات پر مرکوز ہے۔ صرف حضورؐ فوکس میں ہیں۔ باقی سب کچھ دھندلا ہے، آؤٹ آف فوکس، حضور ﷺ ایک عظیم مینار ہیں اور یہ شہر اس مینار کا سایہ ہے۔

حضور روضہ اقدس پر کھڑا ہوں
تمنا ہے نہ اب کوئی طلب ہے
(عزیز ملک، کاررواں)

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

ہر صبح مدینے سے آتی ہے عجب خوشبو
چھو کر ترے گنبد کو آتی ہے صبا جاناں

یہ وہ چوکھٹ ہے جس کو چومنے کے لیے نسیم جانفزا ہر صبح پھولوں کی خوشبو نچھاور کرنے آتی ہے۔ عرش اعظم سے جبرئیل امینؑ صلوٰۃ وسلام کا پیامی بن کر اترتا ہے۔ یہ وہ بارگاہ ہے جس کی محفل میں فصل اور فاصلے وصل اور قربت میں بدل جاتے ہیں۔ یہی وہ آستانہ ہے جس کے آگے کوئی منزل ہے نہ جادہ اور یہی وہ منزل ہے جسے کشتگان دردوفراق اور راہِ اشتیاق کے تمام راہی آخری حد مانتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر سفر تمام ہو جاتا ہے اور جو کم نصیب اس سے آگے کسی منزل کا تصور رکھتا ہے، وہ ایسے دائرہ ایمان سے نکل جاتا ہے جیسے تیر کمان سے چھوٹتا ہے یا کوئی ستارہ ٹوٹ کر اندھیاروں میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ آستاں ہے جہاں غلاموں کو دارائی عطا ہوتی ہے۔ اس کے درو بام بادلوں سے دھنک کا رنگ اڑا لیتے ہیں۔ ستاروں سے چمک، غنچوں سے چٹک، سمیٹتے، زلفوں سے مہک اڑاتے، ذروں سے دمک اور نغموں سے کسک کا خراج وصول کرتے ہیں۔

اعزاز یہ حاصل ہے تو حاصل ہے زمیں کو
افلاک پہ تو گنبدِ خضرا نہیں کوئی

مدینہ طیبہ پہنچ کر مفتی کے قلب ونظر میں احساس وخبر کے دریچے کھل جاتے ہیں۔ وہ کیف ومستی کے عالم میں پکار اٹھتا ہے۔ مدینے کا شہر ایک عظیم مینار کے سائے میں چھپا ہوا ہے۔ جدھر دیکھو جدھر بھی نظر اٹھاؤ تو عظیم مینار کے سوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ حضور ﷺ مینار عظمت ہیں اور شہر مدینہ اس مینار کا سایہ، انوارِ مدینہ انتہائی خوبصورت انداز میں اس کے سینے میں جھلکے۔ اس کے پاس سیم وزر کے انبار اور لعل وگہر کے خزانے

نہیں تھے۔ وہ بارگاہِ محبوب میں گدائے بے نوا بن کر گیا اور سبز گنبد کی چوکھٹ پر عقیدت کا نذرانہ پیش کر کے اس احساس کے ساتھ پلٹا۔ خدا کے شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا ؎

عرش پر گر فرش بھاری ہے تو اس خاک سے
جس میں محو خواب ہے کون و مکاں کا تاجدار

(عزیز ملک، کارواں)

جا رہے ہیں یہیں چھوڑ کر دل کو ہم

جس طرح شہد کی مکھی رس چوستے ہوئے پھول کا دامن نہیں چھوڑتی، جس طرح تتلی کھلے ہوئے پھول کی رفاقت چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتی، جس طرح چکور چودھویں کے چاند کی طرف دیوانہ وار لپکتا ہے اور اسے اپنی آغوش میں لے لینے کے لئے بیتاب رہتا ہے۔ بالکل یہی کیفیت حضور ﷺ کے قدموں سے بچھڑنے پہ انسان پہ طاری ہو جاتی ہے۔ اس میں عجیب وارفتگی اور جنون و عشق کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے اپنے مرکز نگاہ سے ہٹنا، پیاسے کے چشمے سے ہٹنے کے برابر ہے۔ وہ مرکز نگاہ، گنبد خضرا۔ وہ گنبد خضرا جس کا تصور آتے ہی ہر امتی کے دل کی دھڑکنیں تیز اور دیدار کے لئے ترستی آنکھیں شدت جذبات سے لبریز ہو جاتی ہیں۔

در اقدس سے لوٹ آئے تو یہ عقدہ کھلا ہم پر
بچھڑ کر ان سے جینا بھی قیامت ہی قیامت ہے

گنبد خضرا کے نظارے کی کیفیت کوئی ان کے دل سے پوچھے جو اس کو بہ نگاہ حسرت دور سے دیکھتے ہیں۔ سیماب بن کر تڑپتے ہیں اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں باریابی کے تصور میں دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ کاشانہ رسالت کو اقبال کعبے کا کعبہ کہتا ہے تو بجا کہتا ہے۔ مسجد نبوی ﷺ اور خوابگاہ مصطفیٰ ﷺ کی دید آنکھوں کے لیے حج اکبر بلکہ اس سے بھی سوا آنکھوں کی معراج ہے۔ ہم رہ رہ کر حیران ہوتے ہیں کہ زائرین روضہ اطہر سے زندہ کیسے واپس لوٹ آتے ہیں ہم ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے ہیں لیکن دل پر ایک عجیب عالم طاری ہے۔ بدن کے خون کا ہر قطرہ آنسو بن کر

پلکوں کی راہ سے نکلنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ اس لیے اس موضوع پر طبع آزمائی کے لیے قلم الفاظ سے دستکش ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دربار کی حاضری میں وہ سرور ہے جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتا۔...... ایک احساس ہے جسے محسوس تو کیا جاسکتا ہے لیکن لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ واحد جگہ ہے جسے ایک بار دیکھنے کے بعد بار بار دیکھنے کی تڑپ موجود رہتی ہے۔

نگاہ گنبد خضرا کے گرد پھرتی تھی
میں دل کو تھام کے رخصت ہوا مدینے سے

(مولانا عبدالرؤف رحمانی، سفرنامہ حجاز)

تڑپ رہا ہوں ترے شہر کی ہوا کے لیے

میں اس واقعہ کا راوی ہوں۔ وہ شخص زندہ حیات ہے، لوگ ان کو جانتے ہیں، آپ نے غازی احمد صاحب کا نام سنا ہوگا۔ آپ کا پہلا نام کرشن لعل تھا۔ میانی صاحب ایک جگہ ہے چکوال سے کلرکہار کے قریب، وہاں وہ ہوتے ہیں۔ بوچھال کلاں کالج کے وہ پرنسپل رہے ہیں۔ میں صرف ان کے ماتھے پہ بوسہ دینے کے لیے سفر کر کے وہاں گیا کیونکہ جس طرح انہوں نے اسلام قبول کیا اور جس طرح اللہ نے ان پر نوازشیں کیں، وہ خصوصی کرم ہے۔ میرے نزدیک وہ صحابی رسول سے کچھ کم درجے پر فائز ہیں کیونکہ جس طرح حضور ﷺ نے انہیں بیعت کیا، آپ نے انہیں مسلمان کیا تو پس حضور ﷺ سے ان کا گہرا تعلق ہے اتنا کہ جس کی انتہا نہیں۔

تو میں اسی نسبت سے اور میرے ساتھی بھی گئے۔ ہم نے سوچا ان سے مل بھی لیں گے اور ان کی پیشانی پہ بوسہ بھی دیں گے۔ اتنے بڑے اللہ کے ولی کی زیارت بہت بڑی سعادت ہوگی۔ غازی احمد صاحب نے مجھے ایک بات بتائی مجھے ہی نہیں بلکہ سب کو بتائی کہنے لگے: ”میری بڑی تمنا تھی اور نظر کرم کے سبب اللہ کے رسول ﷺ مجھے بہت یاد آتے تھے۔ دل چاہتا تھا کہ میں پھر حاضری دوں مدینے کی، مطلب یہ کہ میں مدینہ آپ ﷺ کے روضہ اطہر پہ حاضری دوں اور وہاں درود و سلام پیش کروں۔ پھر کہنے لگے

کہ میرے پاس پیسوں کا بندوبست نہیں تھا''۔ ان کے جو بڑے بیٹے ہیں وہ کرنل ہیں، کرنل طاہر، انہوں نے بیٹے سے بات کی تو اس نے کہا ''بابا جان! ابھی تو میرے پاس پیسوں کا بندوبست نہیں'' کیونکہ وہ بھی رزق حلال کے جویا تھے اور رزق حلال کھانے والے کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آتے۔ بنابریں غازی احمد پریشان تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کو ہر لمحہ یاد کرتے تھے اور استدعا کرتے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ! دل آپ کے فراق میں بہت تڑپ رہا ہے، آپ ﷺ کے پاس آنے کو جی بہت چاہتا ہے۔

تو کیا دیکھتے ہیں کہ خواب میں تیسرے دن سرکار ﷺ تشریف فرما ہیں اور یہ دست بستہ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک شخص غلام سرور نامی بھی سامنے کھڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اُس سے فرمارہے ہیں ''غلام سرور! اس کو پہچان لو، یہ غازی احمد ہے تم نے اس کا میرے پاس آنے کا بندوبست کرنا ہے''۔

غازی احمد زندہ ہیں اور مقبول بارگاہ رسالت مآب ہیں۔ 1935ء میں انہوں نے حضور ﷺ سے دست بیعت کر کے اسلام قبول کیا۔ 1935ء سے آج 2001ء ہے۔ ان سے ایک تہجد بھی قضا نہیں ہوئی۔ وہ اللہ کے ولی ہیں۔ وہ حضور ﷺ کی نگاہ کرم میں ہیں۔ کہنے لگے اللہ کے رسول اس شخص سے فرمارہے ہیں کہ غازی احمد کو پہچان لو، تم نے اس کو یہاں بلانے کا بندوبست کرنا ہے۔ میرے پاس آنے کے لیے یہ تڑپ رہا ہے تو پس چھٹے یا ساتویں دن ایک رجسٹری ملتی ہے غازی صاحب کو اور اس سے نکلتے ہیں چیک اور ٹکٹ پی آئی اے کا۔ پھر غازی صاحب عازم سفر ہوئے تو ایئرپورٹ پر وہ صاحب (غلام سرور) کھڑے تھے۔ نہ غازی صاحب انہیں جانتے تھے اور نہ وہ غازی صاحب کو۔ غازی صاحب کے ایڈریس کا غلام سرور صاحب کو کیسے پتہ لگا، انہیں اِس کی کس نے آگہی بخشی؟ تو جو رسول اتنا جانتے ہوں اپنے امتیوں کے بارے میں تو وہ کیسے شاہد و ناظر نہیں ہوسکتے؟

بلکہ وہ تو مومنوں کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ غازی صاحب کی آرزو سے بھی وہ باخبر ہیں اور تکمیل آرزو کے لیے وہ انتظام وانصرام کا بندوبست بھی فرمارہے ہیں۔ کیا وہ ہمارے درمیان ہوئے یا نہ ہوئے۔ بغیر درمیان ہوئے انہیں کیسے

پتہ چل گیا اور ایک محبّ رسول کی انہیں کیسے Feelings ہو گئیں۔ ؎

دوری کا یہ عالم کہ ورائے حد ادراک
قربت کی یہ حالت کہ قریب رگ جاں آپ

(بابا عرفان الحق، وہ شمع اجالا جس نے کیا، باتیں بابا جی کی)

عجب چیز ہے لذت آشنائی

ایک دن حضرت امام مالکؒ تشریف فرما تھے کہ خلیفہ مہدی کا ایک مصاحب خاص ربیع مدینہ منورہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تین ہزار اشرفیاں پیش کیں۔ آپ نے نذر قبول فرمالی۔ ربیع نے رخصت ہونے سے قبل عرض کیا ''یا حضرت! خلیفہ کی یہ خواہش ہے کہ آپ میرے ہمراہ بغداد تشریف لے چلیں''۔ اس پر حضرت امام مالکؒ نے ربیع سے پوچھا ''کیا تم میرے آقا و مولا کے فرمان سے واقف ہو؟'' نہیں۔ ربیع نے لاعلمی کا اظہار کیا تو آپ نے اس کے سامنے وہ حدیث بیان کی جس کا مفہوم تھا کہ مدینہ ان کے حق میں بہتر ہے اگر وہ اس بات کو سمجھیں۔ ربیع آپ کا اشارہ سمجھ گیا اور جذبۂ احترام کے سبب حضرت امام مالکؒ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بغداد جانے کی بات تو دور کی ہے، اگر مجھے ایک دن بھی حضور سرور کائناتؐ کا روضۂ اطہر نظر نواز نہ ہو تو قلب پر قیامت سی گزر جاتی ہے۔ آپ کے ان الفاظ میں ایسی تاثیر اور رعب و جلال تھا کہ ربیع کانپ اٹھا۔ اس نے اس عاشق رسول کے بارے میں بہت سی باتیں سن رکھی تھیں مگر آج اپنی آنکھوں سے دیکھ کر امام مالکؒ کے عشق کا اندازہ ہو گیا۔

وہ سوچوں میں گم تھا کہ حضرت امام مالکؒ کی آواز پھر کانوں سے ٹکرائی، فرما رہے تھے ''ربیع! میں نور کے اس حصار سے بھلا کہاں جا سکتا ہوں، میں تو پہچانا ہی حضور ﷺ کی ذات کے حوالے سے جاتا ہوں۔ اگر آپ ﷺ کا دامن چھوٹا تو مالک بے نام و نشاں ہو جائے گا۔ یہ فرما کر حضرت امام مالکؒ نے ربیع کو تین ہزار اشرفیوں کی تھیلی لوٹا دی اور فرمایا ''ربیع! امیر المومنین سے کہہ دینا کہ مالکؒ مدینہ منورہ کے ایک ذرے کے عوض ساری دنیا کی دولت کو ٹھکرانے کا جذبہ رکھتا ہے''۔ ربیع نے حضرت امام مالکؒ کا یہ طرز عمل

دیکھا تو خاصا گھبرا گیا اور بمشکل گویا ہوا: ''اعلیٰ حضرت! ہمارے امیر المومنین کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا، آپ اپنی خوشی سے جہاں کہیں بھی رہیں بس اتنی التجا ہے کہ ہمارے خلیفہ کے حق میں دعا فرماتے رہیں''۔ حضرت امام مالکؒ نے یہ بات سماعت فرمائی تو اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے رب العزت تو خلیفہ کو اس کے حسنِ نیت کا صلہ عطا فرما۔ (ماخوذ)

ان کہی عقیدتیں

یہ مطلوب و مقصود کائنات کی بارگاہ ہے جہاں فرشتے بھی لرزیدہ نفس آتے ہیں، جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ ایسے عشاق ہاتھ باندھے نفس گم کردہ نظر آتے ہیں، جہاں وہ آنسوؤں کی سوغات پلکوں پہ سجا کر لرزاں و ترساں حاضر ہوتے ہیں، جہاں صدا دم بخود اور الفاظ ساکت و صامت ہو جاتے ہیں...... جہاں عرضِ مدعا کا حوصلہ نہیں رہتا، گر یہ ہی کام آتا ہے۔ جہاں محض الفاظ باریاب نہیں ہوتے بلکہ اصل پذیرائی جذبات کو حاصل ہوتی ہے، جہاں گنگ جذبے گفتگو کرتے ہیں اور اَن کہی عقیدتیں قبول ہوتی ہیں۔ ؎

اظہار محبت کے بھی ہیں ڈھنگ نرالے
خاموش ہیں لب دیدۂ تر بول رہا ہے

یہ وہ ادب گاہ محبت ہے جہاں من کے میل دھوئے جاتے ہیں، جہاں دل کے شیشے صیقل کیے جاتے ہیں...... جہاں پہ روح جھوم جھوم جاتی ہے اور نکھار پاتی ہے...... جو بوسہ گاہ ملائک ہے...... جس کا دربان جبریل امینؑ ہے...... جہاں ہر وقت ستر ہزار فرشتوں کی نورانی جماعت حاضر ہو کر درود و سلام کے پھول نچھاور کرتی ہے اور تربت رسول ﷺ کی خاک کو رخ کا غازہ بنا کر اپنی نیازمندی پہ ناز کرتی ہے...... جہاں روز و شب انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے......جس کی شان کریمی کے موتی چننے کے لیے عرشِ اعظم بھی جھکا رہتا ہے ؎

روضہ پاک پہ سب ضبط نفس کرتے ہیں
اِس گلستاں میں دبے پاؤں بہار آتی ہے

جب میں جاتا ہوں تواس روضہ اقدس سے امیرؔ
پھول دامن میں بھرے باد صبا آتی ہے

(ماخوذ)

دیدار رسول عربی ﷺ

وہ خواب بھی کیا خواب ہے اس خواب کے صدقے
جس خواب میں آ جائے نظر روئے محمد ﷺ

شعبان کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مجھے حضور ﷺ کی زیارت سے خواب میں مشرف فرمایا تو میں اس وقت بصد عجز وانکسار ننگے سر آنسو بہاتا باب السلام پر کھڑا تھا اور میری زبان پر یہ اشعار تھے: ''اے خوش بخت! اگر تو دارالسلام (مکہ المکرّمہ) سے آئے تو تھوڑی ہی دیر باب السلام (مدینہ منورہ) پہ ٹھہر جا اور اس نعمت کے حصول پر شکر ادا کر اور بصد نیاز عرض کر کہ اے خداوند دو جہاں! میں بیداری میں ہوں یا کہ خواب میں، نہ تو میری آنکھ میں آنسو باقی ہیں اور نہ جسم میں روح، یہ رسولِ خدا ہیں یہ تو میرے آقاؐ ہیں، یہ تو وہ ہستی ہیں جن کے پاس آنے والا مصائب زمانہ سے چھوٹ جاتا ہے۔ یہ تمام مخلوق کی سفارش کرنے والے ہیں۔ یہ تو وہ دُرّ یتیمؐ ہیں جن کو اللہ نے علوشان اور بلند مقام سے مشرف فرمایا ہے۔ یہ خیر و برکت اور حسن وخوبی کا مرکز ہیں۔ یہ تو وہ عالی مقام ہیں جن کے در عالی پہ بیماروں کو شفا کی بھیک ملتی ہے ؎

نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانے میں
اٹھا لے جائے تھوڑی خاک ان کے آستانے

ان سے جو چاہو مانگو، پاؤ گے۔ التماس کرو کہ اے سرور انبیا، اے آقائے دو جہاںؐ، سب سے زیادہ کریمانہ ادائی کرنے والے نظر کرم کیجیے۔ آپ وہ ہیں جنھوں نے لوگوں کو اپنی عنایات واحسان سے مانگنے کا عادی بنا دیا ہے۔ آپ ہی نے تمام طلبگاروں پہ جود وسخا اور خیر وبرکت کی بارش کر دی ہے۔ اے خدا کے برگزیدہ رسولؐ! اے شفاعت فرمانے والے گنہگاروں کے۔ اے ساقی کوثرؐ، آپ کے آستانے پہ کوثر وتسنیم کے چشمہ

شیریں پہ جان بلب لوگوں کا مجمع لگا ہوا ہے۔ ان پہ نگاہ کرم کیجیے۔ میرے حضورؐ! ان کو اپنی محبت کی بھیک دے دیجیے۔ ان کے تشنہ لبوں کو اپنی محبت کی مئے سے سیراب کر دیجئے۔ ان کی تشنہ دیدار نگاہوں کو اپنے رخ زیبا کی دید سے نواز دیجیے''۔

اس خواب معتبر پہ ہوں بیدار یاں نثار
دیکھے یہ کور چشم بھی چہرہ رسول ﷺ کا

(ماخوذ)

قبلہ اہل دل ہے یہی آستاں

گنبد خضرا خدا تجھ کو سلامت رکھے
دیکھ لیتے ہیں تجھے پیاس بجھا لیتے ہیں

زندگی کی کٹھن، تلخ اور پر پیچ راہوں پر چلتے ہوئے روشنیوں کی تلاش میں سرگرداں انسانی کارواں جب گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوب جائے تو ہر دانشمند انسان اپنے آپ کو ذرہ ناچیز تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خطاؤں اور کبیرہ گناہوں کی جہاں کالک اور ہمہ گیر سیاہی روشنی کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیتی ہے، افق تا افق دیکھتے جائیے، باہر دیکھئے، اندر جھانکیے، اوپر نظر کیجیے، نیچے نگاہ ڈالیے، عبا پوشوں کو اپنی عبائیں تار تار دکھائی دیں گی۔ دستار آرائی کے نشہ مستوں کو اپنی دستار کے ہر پیچ سے بے چینی کاٹنے کو دوڑے گی۔ دولت مندوں کے سکے بچھو بن کر انہیں ڈسیں گے، ضمیر، روح، بدن، قلب اور قالب بے اطمینانی کی آگ میں جھلسنے لگیں گے، تب قلب کی اتھاہ گہرائیوں سے ایک آواز ابھرے گی۔ اک صدائے جان نواز کانوں سے ٹکرائے گی۔

(اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آ جاتے آپؐ کے حضور مغفرت طلب کرتے اللہ سے اور مغفرت طلب کرتے ان کے لئے رسولؐ تو ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا)

در خیر الوریٰؐ سے میں کبھی تنہا نہیں لوٹا
بسا لایا ہوں سانسوں میں در و دیوار کی خوشبو

وہ کون ہیں جن کی دہلیز پر پہنچو تو ہر دنیاوی خوشبوؤں کا حلہ، رحمتوں کا جھونکا اور نور کی کرن بن جاتی ہے۔ یہاں لوگ گنہگار آتے ہیں اور بخشش کا تاج پہن کر جاتے ہیں۔ ان کی نظر کرم سے خطاؤں اور لغزشوں کے پہاڑ دھنکی ہوئی روئی بن کر اڑ جاتے ہیں۔ سلام ہو ان کی اس عنایت بے پایاں پر، ان کی خوئے دل نوازی پر، ان کی نگاہ لطف وکرم پہ صدقے، ان کی نوازشات لاانتہا پر فدا، ان کے سوا اور کون ہے ہمارا، کروڑوں سلام ان پر، درود ان پر۔

❑ **ان اللہ و ملیئکة یصلون علی النبی یا یھا الذین امنوا صلوا علیه و سلوا تسلیماً**

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبیؐ پر اے ایمان والو تم انؐ پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو''

ایسے عظیم لوگ جو نبوت اور رسالت کا تاج سر پر لیے ہوئے ہیں، اس میں ایک ذات ایسی بھی ہے گویا سب نبی اور رسول اس کے گرد عقیدت کا طواف کر رہے ہو تے ہیں۔ وہ کیا ہے جو وہ نہیں جانتے ؟ وہ کیا ہے جو انہوں نے نہیں دیکھا ؟ وہ کیا ہے جس تک ان کی رسائی نہیں، وہ خدا نہیں معبود نہیں لیکن مقصود ایسا کہ جو ان تک نہ پہنچے وہ کافر و منکر ٹھہرے...... وہ بولیں تو شہر گل کی ہر پتی خوشبوئیں سمیٹے...... وہ سوچیں تو آسمان علم پر ستارے درخشاں ہوں ...... وہ چلیں تو ارض علم پر سورج دوڑیں ...... وہ بیٹھیں تو زاویہ علم سے بجلیاں گریں ...... وہ مانگیں تو ارض وسما ان کے ہاتھوں کی لکیروں پر فدا ہوں۔ درود وسلام ان پر کہ وہ معلم کائنات ٹھہرے وہ مرشد کائنات ٹھہرے، اُن کے علم پر درود، ان کے حلم پر درود، ان کی عطا پر درود اور سخا پر درود...... بولیں تو لفظوں کو سلام...... چلیں تو قدموں پر درود...... پڑھیں تو حرفوں پہ فدا......سوچیں تو ارادوں کو سلام...... عشق بے چارہ......لب بستہ...... پا بستہ......نگاہ بستہ......سلام کہتا......درود پڑھتا ہے۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

(سید ریاض حسین شاہ، لوح وقلم تیرے ہیں)

اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

عقیدت مند آنکھ خاک عرب کو جب محبت بھری نظروں سے دیکھتی ہے تو یثرب وبطحا کا ذرہ ذرہ آفتاب جہانتاب بن کے چمکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے حضور ﷺ کو مولد و مدفن پرنور کے روشن طبق لے کر اترتے ہیں اور مکہ مدینہ کی گلیاں ان کی ضیا پاشیوں سے بقعہ نور بن گئی ہیں۔ سرزمین عرب جو روحانیوں کی نگاہ میں ہزار حسن اور لاکھ جلوؤں کی جنت گاہ ہے، وگرنہ چشم دنیا دار اس کے نظارہ ظاہری سے گھبرا اٹھتی ہے اور زبان حال سے پکار کر کہتی ہے کہ اے سرزمین عرب! تُو سرتاپا صحرا ہے جہاں تپتی ہوئی ریت کے آتشیں بگولے اٹھتے ہیں اور زہریلی ہوائیں جھکڑ بن کر چلتی ہیں اور کوہستانی سلسلے جو دوسری جگہ ہمیشہ روح افزا اور نظر افروز ہوتے ہیں۔ یہاں چٹیل پہار بن کر رہ جاتے ہیں لیکن جس سرزمین کو پیمبروںؑ کی پابوسی کا شرف حاصل ہو چکا ہو، اس کے حسن کا کیا کہنا!

میں دنیا بھر میں پھرا ہوں لیکن جو حسن میں نے مکہ اور مدینہ کے بے آب وگیاہ پہاڑوں اور چٹیل میدانوں میں پایا، وہ کہیں اور نہیں دیکھا۔ شاید یہ رسول عربی ﷺ کی نگاہوں کا صدقہ ہے کہ گرمی کی تپش اور حرارت سے تپتے ہوئے ان پتھروں کو دیکھ کر دل میں ایک عجیب سی دلآویز خنکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس شہر دلبر کی وادیوں میں قدم رکھو تو نکہت و نور کی بارش ہونے لگتی ہے ؎

کہاں وہ دلکشی گلزار جنت کی بہاروں میں
جو رنگینی جو نزہت ہے عرب کے خارزاروں میں
نبی کی خاک پا کے شوخ ذرے اڑتے پھرتے ہیں
کہاں سے آگئیں تابانیاں ورنہ ستاروں میں

(چودھری افضل حق، محبوب خدا ﷺ)

محو طواف رہتے ہیں قدسی جہاں مدام

قلب مومن کو اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی جب تک کہ وہ روضہ الرسول کی زیارت سے مشرف نہ ہو جائے۔

وہ زمیں ہے تو مگر اے خوابگاہ مصطفیٰ
دید ہے کعبے کو تری حج اکبر سے سوا

کعبۃ اللہ میں اور طرح کی تجلیات و برکات ہیں، مسجد نبوی او رروضہ رسول کی کیفیات کا اور رنگ ہے۔ وہاں نور آبشار کی طرح گرتا ہے یہاں شبنم کی سی کیفیت ہے جو دل کی زمیں میں رچتی چلی جاتی ہے۔ آفتاب کی روشنی ماہتاب پر سے ہوکر آتی ہے تو آنکھوں کے لیے ٹھنڈک اور دلوں کے لیے سرور کا باعث بنتی ہے۔ بیت اللہ شریف پر جو آنسو بہتے ہیں، ان کی کیفیت اور ہے اور روضہ اقدس پر جو جھڑی لگتی ہے اس کا رنگ اور ہے۔ یہ حضور ﷺ کا شہر ہے اسے حضور ﷺ نے حرم قرار دیا ہے۔ یہاں حضور ﷺ کی مسجد ہے۔ حضور ﷺ کا روضہ انور اور دونوں کے درمیاں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہاں جو بھی آتا ہے۔ سرتاپا ادب اور سراپا نیاز بن کر آتا ہے اور رحمۃ للعالمین ﷺ رؤف و رحیم کی رحمت درافت سے سیراب ہو کر جاتا ہے۔ اس تصور سے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہم ان گلیوں سے گزر رہے ہیں، جہاں ہمارے حضور ﷺ محو خرام رہے ہیں ؎

زمین خاک مدینہ پہ ناز کرتی ہے
نصیب ایسے کسی اور سرزمیں کے نہ تھے

اس کی فضاؤں میں حضرت بلال کی اذانیں گونجتی رہی ہیں۔ یہیں اصحاب صفہؓ نے درویشی و بے سروسامانی میں زندگی گزاری۔ پھر یہیں سے صدیقؓ و فاروقؓ نے اس دور کی دو سپر پاورز کے خلاف جنگوں کا آغاز کیا، یہیں سے مفتوحہ ایران وروما کے خزانے آئے اور سب میں تقسیم ہوئے۔ اسی مسجد نبوی ﷺ سے جنگوں کو کنٹرول کیا گیا۔ دور افتادہ علاقوں کا یہیں سے انتظام و انصرام ہوا۔ اسی کے فرش خاک پہ بیٹھ کے بڑے بڑے ملکوں کے سفیروں سے ملاقاتیں ہوئیں اور آج بھی یہ مقام حضور ﷺ کے باطنی

تصرف کا مرکز ہے۔

الوداع الوداع اے دیار نبی
جا رہے ہیں یہیں چھوڑ کر دل کو ہم

(میاں عبدالرشید، نور بصیرت، حصہ دوم)

جہاں دیدہ و دل کا بسیرا ہے

نور و نکہت کے سوتے نقوش کف پائے حضور ﷺ کی اترن سے پھوٹتے ہیں۔ جلال و جمال کی ہر کیفیت اسی در اقدس کی چاکری پہ مامور ہے۔ رعنائی خیال کا ہر جھونکا حضور ﷺ کی چوکھٹ پہ سجدہ ریز ہے۔ محبت و عقیدت کی ہر شاہراہ غبار شہر تمنا میں جا کر گم ہو جاتی ہے اور رنگ روشنی و خوشبو کا ہر راستہ دہلیز مصطفیٰ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ کہکشاؤں کے جھرمٹ ازل سے شہر خنک کی جانب رواں دواں ہیں۔ اس شہر دلآویز کے ذرے ذرے میں عشاق مصطفیٰ کے دل دھڑکتے ہیں۔ حاضری کا ایک ایک لمحہ حرف سپاس بن کر طاق فصیل شہر نبی میں روشن رہتا ہے۔ ہوائے مشکبار درودوں اور سلاموں کی کروڑوں ڈالیاں لے کر درِ حضور ﷺ پہ شرف باریابی کی منتظر رہتی ہے۔ فرشتے قطار اندر قطار اترتے ہیں تو زمین رشک فردوس بن جاتی ہے جذبات کا اک سیل بے پناہ ہر طرف موجزن رہتا ہے۔ یہ شہر نبی ہے اک شہر بے مثال۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی عطر بیز گلیاں ہمیشہ عشاق کے خوابوں میں بسی رہتی ہیں۔ جزیرۂ عرب کا یہ مقدس خطہ جس کے بام و در پہ فرشتے بسیرا کرتے ہیں جس کی منور گلیوں میں نفوس پاک کی روحوں کی خوشبو رچی بسی ہے اور جہاں کے ذرّہ ہائے خاک کو آنکھوں میں بسانا اہل عشق کے لیے معراج آرزو کا درجہ رکھتا ہے۔ کاش کہ یہ خطا کار حضور کے شوق فراواں سے مالا مال ایسا زائر ہوتا جو اپنے جذبوں اور آرزوؤں کی انگلی تھامے دربار رسول ﷺ تک جا پہنچتا اور کوچہ جاناں میں سر کے بل حاضر ہونے کی لذتیں آسودگی بخش ثابت ہوتیں۔ پس عطر سخن یہ کہ سگ درِ مصطفیٰ ﷺ کا ساکنان مدینہ کی خدمت میں سلام پہنچے جس کی خاک کا ہر ذرہ میری آنکھ کا سرمہ اور دل کا سرور ہے۔ جس کے دامن

اطہر میں سوئے ہوئے ایک عظیم انسان (جن پہ میری کروڑوں جانیں قربان) کے کرم کی بھیک کا طالب اور جودوسخا کا تمنّائی ہوں۔

برآں گروہ از عشق مصطفیٰ مستند
سلام مابرسانید ہر کجا ہستند

وہ لوگ جو میرے حضور ﷺ کی مہرومحبت سے سرمست ہیں، وہ جہاں کہیں بھی ہوں انہیں میرا اسلام پہنچے۔ (ماخوذ)

دامنِ اُمید گلِ مراد

وہ مسجد نبوی کے چپے چپے پر اس اعتقاد سے بوسے دیتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کے کسی نہ کسی عضو نے اس سے لمس کا فیض حاصل کیا ہوگا۔اس زائر کو مدینے میں رہتے ہوئے عرصہ گزر گیا تو اس آستاں کے دوسرے زائرین نے اس کو واپس چلنے کی ترغیب دی لیکن اس کے قدم رکے ہوئے تھے واپس ہٹنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔کسی ہم وطن زائر نے پوچھا حضرت آپ کب تک یہاں قیام کریں گے واپسی کا ارادہ ہے یا نہیں؟ ابوالعلیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے گنبد خضرا کی طرف بڑی محویت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔اے شخص! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس طرح تم خالی ہاتھ واپس جارہے ہو، اسی طرح میں بھی واپس چلا جاؤں۔سمندر کے ساحل سے یونہی پیاسا ہی جاؤں؟ ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں تو اپنے آقا ﷺ سے کچھ لئے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ میں نے رسول اکرم ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگی ہے۔ میں صالح اولاد کا تمنائی ہوں۔ جب تک میری یہ دعا قبول نہ ہوگی، میں یہیں پڑا رہوں گا۔ابوالعلی مدینے میں نوماہ کی مدت تک رہے کیونکہ انہیں یقین کامل تھا کہ طلب صادق ہوتو خدا بھی انسان کو مایوس نہیں کرتا۔ جب رات نصف سے زیادہ گزر جاتی تو سجدے میں سر رکھ کر مدعائے دل بیان کرتے اور اسی کو انہوں نے اپنا معمول بنالیا تھا، یہاں تک کہ ان کا دامن امید گلِ مراد سے بھر نہ گیا۔ (ماخوذ)

خاکِ مدینہ و نجف

آنکھیں کبھی کبھی انسان سے ناراض ہو جاتی ہیں، اور پھر اس کو بدبخت نظاروں کی طرف لے جاتی ہیں، وہ آوارہ پھرنے لگتا ہے۔ وہ برہنگئی اجسام کا دلدادہ ہو جاتا ہے۔ آنکھیں ایسا ایسا منظر تلاش کر کے انسان کے آگے پیش کرتی ہیں کہ وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ بدبخت نظاروں کا متلاشی انھی بدبختیوں کا حصہ بنتا چلا جاتا ہے اور پھر وہ اس عاقبت تک جا پہنچتا ہے جو ان نظاروں کی ہوتی ہے۔ نفس کو اُکسانے کا عمل آنکھوں سے شروع ہوتا ہے اور پھر انسان ایک درندے کی طرح اپنے شکار کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ گناہ کی تلاش ہی تو گناہ ہے۔ آنکھوں کا یہ عمل کبھی کبھی تو قوموں کو تباہ کر دیتا ہے، نظاروں کا گناہ ختم ہو جائے تو وجود کا گناہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایسی باطل شناس آنکھیں شفایاب ہو سکتی ہیں اگر ان کو وہ سرمہ مل جائے جسے خاکِ مدینہ و نجف کہا گیا ہے۔ (واصف علی واصف)

ریاض الجنہ

جنت کے باغیچے یا روضہ شریف سے مراد مسجد نبوی ﷺ میں وہ مقام ہے جو رسول کریم ﷺ کے منبر سے لے کر آپ ﷺ کے حجرہ مبارک تک ہے۔ احادیث میں اس جگہ کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔'' (صحیح البخاری)

اس حدیث کی شرح میں ابن نجارؒ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے منبر اور گھر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچے کے بالمقابل (زمین پر) ایک ٹکڑا ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ یہ فی الواقع حقیقی جنت کا باغیچہ ہے۔ آخرت میں اسی جگہ کو جنت میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ ٹکڑا رحمت کے نزول کی جگہ ہے اور یہاں ذکر کر کے حلقے قائم کرنے سے سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچے کی طرح ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے جنت

کے باغوں کی طرح کا ایک باغ جس میں ذکر کے حلقوں میں شامل ہونے کی طرح رحمتیں نازل ہوتی اور سعادتیں نصیب ہوتی ہیں، خصوصاً اسی طرح جس طرح رسول اللہ ﷺ کے دور میں رحمتوں کا نزول اور سعادتوں کا حصول ہوتا تھا۔ مزید اس میں عبادت کرنا جنت میں داخلے کی ضمانت ہے اور یہ جگہ آخرت میں بعینہٖ جنت میں لے جائی جائے گی۔

امام مالکؒ نے بھی اسے ظاہر پر محمول کیا ہے کہ ''یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور اسے جنت ہی کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔ یہ ٹکڑا باقی عام زمین کی طرح نہیں کہ فنا ہو کر ختم ہو جائے گا۔''

حدیث کے دوسرے حصے ''میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔'' کا مفہوم یہ ہے کہ اسی منبر کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور حوض کوثر پر نصب کر دیا جائے گا۔ اکثر علما کا کہنا ہے کہ حوض کوثر کا منبر یہی منبر ہوگا۔ اس کی تائید حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

''میرا منبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ہوگا۔''

امام طبرانی نے ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے:

''بے شک میرے منبر کے پائے جنت میں نصب ہوں گے۔''

بعض علما نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص حضور نبی کریم ﷺ کے منبر مبارک کا قصد کر کے جائے اور اس کے پاس عبادت کرے تو اس کا یہ عمل اسے حوض کوثر پر پہنچا کر اس مقدس حوض کا پانی پینے کا مستحق بنا دے گا۔ اس حدیث سے بعض علما نے استدلال کیا ہے کہ مدینہ، مکہ سے افضل ہے کیونکہ اس میں ''گھر سے منبر تک'' کا ٹکڑا جنت میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے گھر سے منبر تک کے اس حصے میں نماز پڑھنا جنت میں جانے کا ذریعہ ہے۔ مسجد نبوی کا یہ حصہ نہ صرف مسجد میں بہت مبارک جگہ ہے بلکہ تمام روئے زمین پر بالکل یکتا اور منفرد مقام ہے۔ (ماخوذ)

غبار مدینہ

مدینہ منورہ کے غبار میں ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ ایک

دفعہ بنوحارث کے قبیلے سے گزرے تو ان میں ایک شخص تپ محرقہ میں مبتلا تھا۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے علاقے میں یہ بخار وبائی صورت اختیار کر گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مقام صعیب سے مٹی لو اور یہ پڑھ کر جسم پر مل دو۔ **بسم اللہ تراب ارفنا شفا القرحنا باذن ربنا** چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی اور مریض شفایاب ہو گئے۔ اس کے بعد مدتوں یہاں کے لوگ یہی علاج کرتے رہے اور سب کے سب شفا پاتے رہے۔ اسی طرح برص اور دوسری جلد کی بیماریوں کے لیے بھی یہ مٹی تریاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج بھی وہ گڑھا موجود ہے جہاں سے یہ لوگ مٹی حاصل کرتے تھے۔ کسی کو گہرا زخم آ جاتا تو وہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوتا، آپ ﷺ زخم پر مٹی لگاتے اور فرماتے: **تراب ارفنا شفا القرحنا باذن ربنا** ہماری زمین کی مٹی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے زخموں کے لیے شفا بخش مرہم بنایا ہے۔ مزید ارشاد فرمایا: جو شخص مدینہ منورہ میں وفات پائے گا، میری شفاعت اس کے لیے مقدر ہو گئی غرضیکہ مدینہ منورہ کی خاک پاک کا ہر ذرہ قابل صد احترام ہے۔ حضرت سیّدہ فاطمہؓ نے فرمایا تھا:

ماذا علی من شم تربة احمد
الا یشم مدی الزمان غوالیا

جس نے ایک مرتبہ بھی حضور نبی کریم ﷺ کے پاؤں سے لگنے والی مٹی سونگھ لی اور پھر وہ کسی اور خوشبو میں مزہ نہیں لیتا تو اس میں حیران ہونے والی کوئی بات نہیں۔ (ماخوذ)

پروفیسر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی

مسکن خیر الوریٰ ﷺ...... مدینۃ الرسول ﷺ

حضور سرور کون و مکاں، راحت انس و جاں، حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے حوالے سے کون سی جگہ، شخص اور چیز ہے جس سے مسلمان پیار نہ کرتے ہوں۔ لیکن اس کائنات ارض و سما میں ایک ایسی جگہ بھی ہے، جس سے نہ صرف آقا حضور ﷺ نے خود پیار کیا، بلکہ آج تک پوری ملت اسلامیہ زمین کے اس مقدس ٹکڑے سے پیار کرتی، اس کے دیکھنے کو تڑپتی، دیکھنے کے بعد پھڑکتی اور اسے دل و جاں سے چاہتی ہے۔ وہ سرزمین مقدس، خطۂ ارض، شہر رسول یعنی مدینۃ النبی ہے جس کا اصل نام یثرب تھا لیکن آقا حضور ﷺ کی آمد کے ساتھ یہ شہر مدینۃ النبی کے نام سے موسوم ہو گیا۔ چودہ سو سال سے یہ شہر لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔ دنیا کا کوئی خطہ، شہر یا آبادی ایسی نہیں جس کی یاد میں خوشی اور غم کے اتنے آنسو بہے ہوں، جتنے کائنات نے اس شہر کے حوالے سے دیکھے ہیں۔ شہروں میں جس شہر کا سب سے زیادہ احترام کیا جاتا ہے، وہ یہی شہر تو ہے۔ خود آقا حضور ﷺ نے اس شہر کے بارے میں دعا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

- **اللھم اجعل بالمدینۃ ضعفی ما جعلت بمکۃ من البرکۃ**

ترجمہ: اے اللہ جو تو نے برکت مکہ کو دی، اس سے دوگنی برکت مدینہ کو عطا فرما۔ (بخاری و مسلم)

آقا حضور ﷺ کی یہ دعائیں قبول ہوئیں اور پھر یہ کوچہ عشق و وفا بن گیا، مرکز نور خدا بن گیا۔ یہ خطۂ ارض، عشق و وفا کی بستی ہے۔ یہاں محبتوں کے پھول کھلتے ہیں۔ لوگ یہاں آنے کے لیے بے قرار ہیں۔ صدیوں کے قافلے اپنے ہر رنگ اور ڈھنگ میں

یہاں پہنچ رہے ہیں۔ عاشق مدینہ جانے سے پہلے موت کو رکنے کو کہتے ہیں اور پھر جب اس شہر میں حاضری ہوتی ہے تو زائرین کے قدم زمین پر ٹکتے ہوئے محسوس نہیں ہوتے۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ جنت میں آگئے ہیں، اور اس میں شک بھی کیا ہے، یہاں کا ذرہ ذرہ محبتوں کی مالا پروئے ہوئے ہے، یہاں روح کو چین اور دل کو چاشنی ملتی ہے، جس کی مٹھاس میں کبھی بھی کمی نہ آئے گی۔ جو یہاں نہیں آیا، وہ بھی بے قرار ہے اور جو آیا ہے، اس کا جانے کو جی نہیں چاہتا۔ چلا گیا تو پھر بقول امیر مینائی

مدینے جاؤں پھر آؤں، دوبارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

مدینہ منورہ سے اہل ایمان کی محبتوں کی دنیا الگ ہی ہے۔ محبت کے اس کوچے میں عالم بھی دم بخود ہیں تو فاضل بھی۔ شیخ القرآن بھی سر کے بل چلتے ہیں تو شیخ الحدیث بھی۔ جدید علوم کے ماہرین بھی یہاں اظہار عجز کرنے چلے آتے ہیں، تو قدیم فنون کے ماہر بھی۔ اور تو اور یہی تو وہ ہستی ہیں جن کے بارے میں دنیا کی ہر زبان میں، نظم میں بھی بہت کچھ لکھا گیا، اور نثر میں بھی۔ سیرت نگاروں نے اپنے اسلوب میں لکھا تو سفر نامہ نگاروں نے اپنے قلم سے جو دل پر بیتی، رقم کی۔ آج بلا شبہ یہ دنیا کا واحد شہر ہے، جس کے پہاڑوں اور درختوں کی تاریخ تحریر ہو چکی ہے۔ لکھنے والوں نے یہاں کے موسموں اور فضاؤں کو بیان کر کے قلم کی آبرو کو چار چاند لگا لئے ہیں۔ یہاں کے دن اور رات موضوع سخن ٹھہرے۔ اس شہر کے میدانوں، سڑکوں، راستوں اور باغات کے قصیدے لکھے گئے۔ یہاں کی مساجد پر کتب تحریر ہوئیں۔ مقابر پر تفصیل سے لکھا گیا۔ لکھنے والوں نے یہاں کی دوکانوں، ہوٹلوں، مدرسوں، شفاخانوں، بازاروں، گلیوں، مکانوں اور جھونپڑیوں تک کو اپنے اظہار کا موضوع بنایا اور پھر احوال و آثار پر لکھنے والوں نے یہاں کے لوگوں، علما کرام، مشائخ طریقت، اور صحابہ کبارؓ جیسے باشندگان مدینہ پر بے پناہ لکھا۔ یہاں کی مٹی کی خاصیتوں، ریت کے ذروں، پانی کی مٹھاس اور بیماریوں سے شفا کو موضوع بحث بنایا۔ یہ سلسلہ قلم و قرطاس صدیوں سے جاری ہے اور جاری رہے گا۔

آیئے چند لمحوں کے لئے ماضی کے جھروکوں میں دیکھئے کہ مدینہ منورہ کا یہ اعزاز آخر کیوں ہے؟ اس شہر کو آخر یہ مقام کیسے حاصل ہوا۔ سیرت النبی ﷺ کا ایک معمولی سے معمولی طالب علم بھی جانتا ہے اعلان نبوت کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ کے کس کس ظلم کو برداشت نہیں کیا، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ زبان درازی کا بازار گرم ہوا، حالت نماز میں پشت انور پر چڑھ کر اونٹ کی غلیظ اوجھڑی لادی گئی، گلے میں رسی ڈال کر جان سے مارنے کی کوشش کی گئی، طنز اور تضحیک کا وہ کون سا وار تھا جو نہ کیا گیا۔ قتل کے منصوبے بنائے گئے۔ شعب ابی طالب میں محصور زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ وطن سے بے وطنی کا سفر کرنے پر آپ ﷺ آخر کیوں آمادہ ہوئے۔ مکہ چھوڑا گیا تو پھر مدینہ منورہ میں کب سکون سے زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم ہونے دیا۔ جنگ وجدل کا بازار گرم کیا گیا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اہل مکہ ہی تھے، جنہوں نے اپنے ہی عزیز اور اپنے شہر کے باشندے اور اس کے ساتھیوں کو ذہنی، جسمانی، مالی، اخلاقی اور فکری سطح پر کونسا دکھ تھا جو نہ دیا جبکہ اس کے مقابلے میں اہل مدینہ کا کردار سب کے سامنے ہے۔

آقا حضور ﷺ نے تبلیغ دین کے سلسلے میں مکہ کے ساتھ جس شہر کو منتخب فرمایا، وہ طائف بھی ہے۔ اس شہر میں آقا کا دورہ جتنا مختصر تھا، اتنا ہی اندوہناک بھی ہے۔ آپ نے طائف کے بااثر لوگوں کو حق کی بات سننے کی دعوت دی، تو ان بدبختوں نے نہ صرف خود بلکہ اہل طائف کو اپنے ساتھ ملا کر آپ کی تضحیک پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ آسمان نے یہ منظر بھی دیکھا کہ اہل طائف نے آقا حضور ﷺ سے بدزبانی کرنے کے ساتھ ساتھ اتنی شدید سنگ باری کی، جس سے اہل مکہ کے ظلم وستم اور جبر وتشدد کی تاریخ بھی شرمانے لگی۔ بلکہ یہاں تک کہ فرشتوں کو حاضر ہو کر اہل طائف کی بربادی اور دنیا سے نیست و نابود کرنے کی اجازت طلب کرنا پڑی۔

اہل مکہ کا برتاؤ ہی اتنا غیر انسانی تھا کہ طائف والوں کی شقاوت قلبی کبھی بھلائی نہ جا سکے گی۔ اہل طائف کا سلوک اس حقیقت کا غماز ہے کہ اگر آقاؐ کسی اور بستی کا رخ

کرتے تو ہوسکتا ہے کہ وہاں کا ردعمل اس سے بھی زیادہ شدید ہوتا۔ یہ تو انسانی تاریخ کا وہ منحوس منظر تھا جبکہ دوسری جانب اہل مدینہ خود حاضر ہو کر آقاؐ سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ یثرب تشریف لے آئیں۔اہل مدینہ پہلی ملاقات میں اپنی وفا شعاری اور ایثار و قربانی کی ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس میں تعظیم و احترام رسالت کی خوشبو وافر مقدار میں نظر آتی ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ نبی آخرالزماں ﷺ ان کے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں نے جس طرح مکہ میں غرور اور تکبر کے ساتھ ٹھکرایا، اہل طائف نے اپنی پوری بد بختی کا مظاہرہ کیا تو اُن لوگوں کی قسمت بدل گئی، جنہوں نے تاجدار حرم سے گزارش کر کے مدینہ منورہ میں چلنے کی استدعا کی۔ تاریخ بلا شبہ حیران ہے، کہ آپ ﷺ کے مدینہ منورہ جانے کا فیصلہ سن کر اہل مدینہ کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی۔

پھر انسانی تاریخ نے وہ بھی منظر دیکھا، جب اپنی ہی بستی کے لوگ جسے جان سے مار دینے کا فیصلہ کر چکے تھے، اس کے انتظار میں مدینہ کے لوگ روزانہ صبح سویرے شہر سے باہر نکل کر انتظار کرتے تھے کہ وہ اس آفتاب عالم تاب کو سب سے پہلے دیکھنے کی سعادت حاصل کریں، جو کہ مکہ سے طلوع ہو چکا ہے۔مؤرخین نے لکھا، سیرت نگاروں نے بیان کیا، کہ اہل مدینہ کا یہ جوش وخروش اور استقبال رسول مقبول ﷺ سے بے پناہ خلوص اور محبت کی گواہی دے رہا تھا، انسانی تاریخ نے یہ منظر پھر کبھی نہیں دہرایا۔

پھر انسانی زندگی نے وہ منظر بھی دیکھا، جب نبی کریم ﷺ اپنے صدیقؓ کے ہمراہ سرزمین مدینہ میں تشریف لائے، تو انسانی جذبات کا اُمڈتا ہوا طوفان تھمتا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ بنو نجار کی بیٹیاں استقبالیہ گیت دف کے ساتھ گا رہی تھیں، نوجوان ایک جانب کھڑے سلام عقیدت پیش کرنے میں مصروف تھے۔ مدینہ منورہ کے بوڑھے آنکھوں کو نم کیئے آنے والے کے لئے چشم براہ تھے۔ خواتین مکانوں کی چھتوں پر کھڑی ہو کر پردے کے ساتھ دلوں کی وادیوں میں خوشی کے گیت گنگنا رہی تھیں۔ فضا پر ایک سکوت طاری تھا۔ ہر منظر پاکیزہ اور ہر گھڑی آنے والی نسلوں کے لئے محبت، استقامت، مہمان نوازی اور تشکر کے جذبات کی کہانی بیان کر رہی تھی۔ ہر گھر کی خواہش تھی کہ آقاؐ اس کے گھر میں

قیام فرمائیں لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے خود فیصلہ کرنے کے بجائے اپنی اونٹنی کو اختیار دیا، جو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔

اہل مدینہ کے خلوص، محبت اور عشق رسالت مآب ﷺ کی داستان محض ہجرت کے واقعے تک محدود نہ تھی، بلکہ تاریخ گواہ ہے کہ مواخات سے لے کر غزوات تک میں ان لوگوں نے آقا حضور ﷺ کا ساتھ دینے میں اپنے مال و جان اور عزت و آبرو کی بھی کبھی پرواہ نہ کی، بلکہ ہمیشہ ہی اپنا سب کچھ والی دو جہاں ﷺ اور ان کے ساتھ مکہ سے آنے والے صحابہؓ کبار کے لئے قربان کیا اور سال ہا سال تک کبھی بھی اپنے دل میں یہ احساس پیدا نہ ہونے دیا جس سے مہاجرین کے اندر ذرا برابر بھی خیال پیدا ہو کہ یہ سر زمین ان کی سرزمین نہ تھی۔ مدینہ منورہ کے لوگوں کی وفا شعاری اور آقا حضور ﷺ سے والہانہ خودسپردگی کا ایک منظر حضرت سعدؓ بن معاذ کی وہ تقریر ہے، جو انہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر اہل مدینہ کی جانب سے اپنے جذبات کے اظہار کے طور پر کی۔ بلا شبہ یہ الفاظ تاریخ اسلام میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ نے فرمایا، ”اے ہمارے آقا و مولا! آپ جس طرح کا امتحان چاہیں ہم سے لے لیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اس خدا کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا، اگر سمندر بھی ہمارے سامنے آجائے اور آپ ہمیں اس میں داخل ہونے کا حکم دیں تو ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔ آپ ہمیں جنگ میں استوار اور پختہ پائیں گے۔ اللہ نے چاہا تو کفار کے مقابلے میں ہم ایسے کارنامے دکھائیں گے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی“۔

اہل مدینہ کی آقا حضور ﷺ سے محبت، دین کے لیے قربانیاں، مہاجرین سے حسن سلوک کی داستانیں رقم کرنے پر رقم نہیں ہو سکتیں، ان کا حسن سلوک مثالی، محبت لازوال اور الفت بے مثال تھی اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کا یہ رویہ ہجرت کے دن سے لے کر آپ ﷺ کے وصال اور بعد تک ہی نہیں بلکہ آج بھی، اہل مدینہ کی محبتوں کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں۔ یہ تھا تاریخ کا وہ دریچہ جہاں سے ہمیں مکہ اور مدینہ کے لوگوں کے مزاج کی شناسائی ہوتی ہے۔ مکہ محترم شہر ہے، ہمارا قبلہ و کعبہ وہاں ہے، لیکن

آقا حضور ﷺ نے مدینہ منورہ کے لوگوں کی لازوال الفت و محبت، والہانہ خود سپردگی، اطاعت وفرمانبرداری کا صلہ بھی کچھ کم نہیں دیا۔ سرزمین مکہ میں حق وصداقت کا علم بلند ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ نے اپنا مستقل وجود مسعود اہل مدینہ کی نذر کر دیا۔ آپ طیبہ آئے تو مدینہ منورہ کی قسمت بدل گئی۔ دنیا کی سب سے پہلی مسجد اسی سرزمین میں مسجد قباء کے نام سے آج بھی موجود ہے۔ مسلمانوں کے قبلہ کا رخ اسی شہر کی مسجد قبلتین میں بدلا اور پھر وہ مسجد نبوی بھی اسی شہر میں تعمیر ہوئی جسے مسجد نبوی کہلانے کا حق حاصل ہے۔ اصحاب صفہؓ کا چبوترا اسی مسجد میں ہے۔ منبر رسول اسی سرزمین الفت میں موجود ہے۔ محراب رسول بھی یہیں ہے اور تو اور مزار فاطمہؓ، آقا حضور ﷺ کا گھر ریاض الجنہ اور صدیوں سے مسلمانوں کے دلوں پر حکومت کرنے والا روضہ اقدس اسی شہر کا حصہ ہے جس کے باب میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

مدینہ منورہ مسلمانوں کی محبت گاہ ہے۔ یہ شہر شہرِ محبت ہے۔ یہاں عشاق (صحابہ کرامؓ) کے گھر تھے اور آج یہاں جنت البقیع میں اسلام کے یہ مجاہد ابدی نیند کے مزے لے رہے ہیں۔ عشاق کے دلوں پر مدینہ منورہ کی حکومت کیوں نہ ہو، اقبالؒ نے کہا تھا۔

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

اہل دل نے ہمیشہ ہی مدینہ منورہ میں مرنے کو زندگی پر فوقیت دی ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔

- **اللھم الرزقنی قتالا فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک**

ترجمہ: اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما اور میری موت اپنے رسول ﷺ کے شہر میں کر۔

حضرت عمرؓ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ معلوم نہیں کتنے لوگ آج تک یہ حسرت دل

میں لیے چلے گئے۔اردو کے ایک شاعر کرامت علی شہیدی نے اس خواہش کو اپنی نعت کے ایک شعر میں یوں بیان کیا تھا:

تمنا ہے درختوں پہ تیرے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

شہیدی بھی جب 1255ھ میں مدینہ منورہ کے قریب تر پہنچے، دور سے مدینۃ الرسول کے مینار نظر آئے تو اپنی تمنا کا صلہ پاتے ہوئے عشق رسولؐ میں شہادت پا کر اس دنیا سے چلے گئے۔ مدینہ طیبہ کا احترام آج بھی ملت اسلامیہ کے ایمان کا حصہ ہے۔اس شہر خنک کے عقیدت کے سوتے پھوٹتے،محبتوں کے جلوے بکھرتے اور الفتوں کے چراغ جلتے ہیں اور جلتے رہیں گے۔ یہ قریہ عشق و مستی ہے، اسے ہر دور، ہر ذہن وفکر کے مالک زبان و دل سے عقیدتوں کا خراج اور محبتوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے ہیں اور قیامت تک پیش کرتے رہیں گے۔

عاشقان مصطفیٰ ﷺ نے مدینہ منورہ کو بے شمار ناموں سے موسوم کر رکھا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے شہر رسول ﷺ کو مختلف حوالوں سے بیان کیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں شہر کی صفات وخصوصیات کے حوالے سے نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے بے شمار ناموں سے اپنے پیارے شہر کو یاد کیا، عاشقوں اور شاعروں نے ان گنت الفاظ وتراکیب سے اس شہر محبت کا ذکر کیا ہے اور کرتے رہیں گے۔ ایسا کیوں نہ ہو، تاجدار مدینہ سرور کائنات محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے اپنے پیارے شہر کے دعائیں فرمائی ہیں۔اسے حرم قرار دیا ہے۔سب سے بڑی بات خود اس شہر میں اپنی زندگی بسر کی۔ ہمیشہ کے لیے اپنے شہر کو مقدس وجود سے پر مایہ اور نور وظہور کا مالک بنایا۔چنانچہ عشاق آج بھی آقا حضور ﷺ کے اس شہر کی فضاؤں، گنبد خضرا کی ٹھنڈی چھاؤں کو سلام پیش کرتے ہیں، ان وجد میں آئی ہوئیں بے خود ہواؤں کو سلام کہتے ہیں جو ازل سے روضۂ اقدس کا طواف کر رہی ہیں۔

خلیل احمد نوری

مدینۃ الرسول......سرزمین محبت

مدینہ منورہ امام الانبیا ﷺ کا مسکن ہے۔قسّام ازل اور معطی برحق جل شانہ کی عطاؤں کا مرکز ومنبع ہے۔رحمتوں اور برکتوں کا مخزن، خلاقِ عالم کی انوار وتجلّیاتِ خصوصی کا حامل اور اہلِ ایمان کا ملجا و ماوٰی اور مطلوب ومقصود ہے۔اس شہرِ مقدس کو ان گنت اوصاف وکمالات سے نوازا گیا ہے۔بعض محاسن ایسے بھی ہیں جنھیں اس شہر کے خواص کا درجہ حاصل ہے کہ ان خوبیوں کے لحاظ سے مدینہ طیبہ دُنیا کے تمام بلاد و امصار میں سربرآوردہ ہے۔حضور سید عالم ﷺ نے اس خطّہ ارضی کے ذرّات اور غبار کو خطرناک بیماریوں تک کے لیے باعث شفا فرمایا، اسلام کا قُبّہ، ایمان کا گھر بلکہ مجسم ایمان ہونے کا اعزاز بخشا۔

اس خطہ پاک کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہ عشق ومحبت کی سرزمین ہے، یہاں محبت کے پھول کھلتے ہیں، اُلفت ومودّت کے سوتے پھوٹتے ہیں، دلبستگی و وارفتگی کے سامان کی ارزانی وفراوانی ہوتی ہے، زائرِ مدینہ کا ہر قدم بہشت بریں میں ٹکتا ہے، رافت و رحمت اس سے گلے ملتی ہے، گوشے گوشے اور ذرّے ذرّے سے اپنائیت اور چاہت کی مہکار آتی ہے، رُوح وقلب کو چاشنی اور شیرینی عطا ہوتی ہے اور اذہان عشقِ لازوال کی دولت سے معمور ہوجاتے ہیں۔

مدینہ طیبہ محبتوں اور چاہتوں کا مرکز ومحور ہے اور یہی وجہ ہے کہ دُنیا کے کسی شہر کا تذکرہ تاریخ کے سینوں میں اتنی جگہ نہیں پا سکا جتنا اس شہرِ محترم کا اور کسی شہر کے اتنے زیادہ نام نہیں جتنے اس ارضِ مقدّس کے ہیں، عاشقانِ مدینہ نے اس خطہ پاک کے

اشجار و احجار تک کی تاریخ قلمبند کی، یہاں کے لیل و نہار کو موضوعِ سخن بنایا، موسموں اور فضاؤں کے تذکار سے اپنے قلم کو تابندگی عطا کی، میدانوں اور شاہراہوں کے قصیدے لکھے، مساجد و مقابر مدینہ پر کتب چھپیں، وہاں کے کنوؤں اور باغوں کی خصوصیات کو گنوایا گیا، اس شہر ابد قرار کی کتب، لائبریریاں، ہوٹل، دکانیں، مدارس، شفا خانے، بازار اور گلیاں زیرِ بحث لائی گئیں، وادیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر طویل مقالے سپردِ قلم کیے گئے۔ وہاں کے رہنے والے علما و فقہا، زہاد و مجتہدین اور قاضیوں کے احوال و آثار کو اوراق و صدور کی زینت بنایا گیا۔ یہاں تک کہ وہاں کے رہنے والے سگانِ محترم پر ابواب باندھے گئے اور عشق و محبت کی ریت نبھائی گئی۔

تاریخ اسلام میں جھانک کر دیکھیں تو یہ خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ خلّاقِ عالم نے مدینہ اور اہلِ مدینہ کو روزِ اوّل ہی سے دولتِ عشق و محبت سے مالا مال فرما دیا تھا اور محبت کی اس فراوانی کا نتیجہ تھا کہ مدینہ عالیہ نبی آخر ﷺ کا مقام ہجرت اور مسکن قرار پایا۔ اسی محبت کی اثر انگیزی کی کارفرمائی ہے جس نے اہلِ مدینہ کو میزبانِ رسول ﷺ کا شرف عطا کر کے اُن بلندیوں اور سرفرازیوں سے بہرہ ور کر دیا جن کے سامنے اس وسیع و عریض کائنات کے سب فراز، نشیب ہیں۔

سرزمینِ طیبہ عشق و محبت کی سرزمین ہے۔ خداوندِ قدوس جل شانہ نے اسے نظر عنایت سے نوازا اور اپنے حبیب اور سب مخلوق کے محبوب و مطلوب ﷺ کی آرام گاہ کے طور پر منتخب فرمایا۔ اس ارضِ مقدس نے سیّاحِ لامکاں ﷺ کے تلووں کو جی بھر کے چوما۔ خود سرورِ انس و جاں علیہ التحیۃ والثناء نے اس شہر کو احب البلاد (سب سے محبوب تر شہر) بنا دینے کی دُعا فرمائی۔ اس شہر کو نزدیک پا کر اپنی سواری کو تیز فرماتے۔ اس شہرِ پاک میں اپنی قبر کو پسند فرمایا۔ مدینہ عالیہ کے ایک پہاڑ کے لیے بطور خاص ارشاد فرمایا ''یہ اُحد پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں''۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے اللہ جل مجدہ سے اس شہر میں اپنی موت کی دُعا۔ ''یا اللہ! مجھے شہادت کی موت نصیب فرما اور مجھے اپنے حبیب ﷺ کے شہر میں موت دے''۔ اس سرزمین کو عشق و وفا کا

منبع و مرکز قرار دینا اس لیے بھی حقیقت کے قریب ہے کہ عشق و محبت کے واقعات جس قدر اس شہرِ محترم سے وابستہ ہیں کسی اور سے نہیں، عشّاق کی جتنی تعداد نے مدینہ منورہ میں جنم لیا کہیں اور نہیں، جتنے عشّاق اس سرزمین میں محوِ خواب ہیں، وہ دُنیا کے کسی اور خطے میں نہیں، تمام صحابہ رسول ﷺ سچے عاشق تھے، ہر ایک کے عشق و محبت کا جدا جدا انداز تھا، فدا کاری کا الگ الگ واقعہ تھا، ایثار و قربانی کی منفرد داستان تھی اور بیشتر کا تعلق اسی خطہ ارضی سے ہے۔

اہلِ مدینہ کی محبت کا وہ تاریخی جذبہ جس کے شاندار اور اعلیٰ نمونے حیاتِ سرورِ کونین ﷺ میں موجود رہے اور جن کی جانب احادیث و اقوالِ صحابہؓ نے ہمیں متوجہ کیا، وہ آج بھی برقرار ہیں اور دُنیا کے ہر شہر سے فزوں تر ہیں۔ ایک دوست ہیں، چند سال قبل حجِ بیت اللہ سے واپس ہوئے تو ہم نے سفرِ حج کے متعلّق دریافت کیا، کہنے لگے کیا بتاؤں؟ حضور ﷺ کا شہر تو مجھے ماں کا محلّہ دکھائی دیا۔ ہر سمت اور چہار سُو رحمت ہی رحمت، محبت ہی محبت اور جمال ہی جمال نظر آتا ہے اور جب اہلِ مکہ کے بارے میں استفسار کیا تو بتایا کہ وہاں اللہ کا جلال ہے، ہیبت ہے، دبدبہ ہے اور اس جلال کا اثر اہلِ مکہ کے طرزِ عمل، گفتگو اور سلوک سے بھی ٹپکا پڑتا ہے۔

ایسی ہی روداد میرے برادرِ اکبر حاجی محمد عبدالمجید نوری نے گزشتہ سال سفرِ طیبہ سے واپسی پر بیان کی اور کہا کہ رمضان شریف کے چند ایام حرمِ رسول ﷺ میں گزارنے کی سعادت ملی۔ افطاری کے وقت اہلِ مدینہ اپنی روایتی اور تاریخی میزبانی کے مظاہرے کرتے، حرمِ نبوی ﷺ میں جا بجا دسترخوان بچھا کر مہمانانِ رسول ﷺ کو منت سماجت اور لجاجت سے اپنے دسترخوان پر بلاتے اور بعض اوقات رو رو کر اور ہاتھ جوڑ کر مجبور کرتے کہ چند لقمے اُن کے دسترخوان سے کھائیں۔ برادرِ اکبر بیان کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری دو روزے حرمِ بیت اللہ شریف میں افطار کرنے کا شرف ملا۔ مگر اسے اتفاق کہیے یا کچھ اور کہ ہم حسبِ معمول ایک دسترخوان پر بلا تکلف جا بیٹھے تو صاحبِ خوان نے ہمیں بازو سے پکڑ کر اُٹھا دیا۔

یہ صرف دو مثالیں ہیں ورنہ ہر زائر اور ہر مسافر حرمین اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ مدینۃ الرسول ﷺ کی سرزمین مرکزِ عشق و محبت ہے، اُلفت کی قدرتی اور فطری جلوہ گاہ ہے، وہاں قلب و رُوح پر کیف و نشاط اور سکون و طمانیت کی اس قدر پھوار پڑتی ہے کہ زائرِ مدینہ کا روَاں روَاں سرشار ہو جاتا ہے۔

ملک الطاف حسین قادری

زیارت مدینہ کی اہمیت

وہ کون سا شہر ہے کہ جسے شہرِ محبت کہا جائے، جو سب سے زیادہ مرکزِ عقیدت ہو، جس کے تصور میں عُشّاق گُم رہتے ہیں، شعرا و ادبا کو جس کی شان بیان کرنے کے لیے الفاظ نہ ملتے ہوں۔ جو تخیل میں آئے تو حقیقتوں کو شرمائے، جو خواب میں آئے تو زندگی سے زیادہ زندہ جاوید ہو۔ جس کی ہوا عنبر فشاں ہو، جس کی مٹی کی خوشبو مشکِ ختن سے بڑھ کے ہو۔ جس کی سرزمین مقدس و بابرکت، منور و معظم اور رشکِ جنت ہو، عرشِ اعظم بھی جس کے یُمن و نور اور حُسن و جمال پر فخر کرتا ہو، جو مرجعِ ملائک ہو۔ جہاں پہنچ کر قلب کو سکون، رُوح کو قرار، جان کو راحت اور جذبات کو زبان ملے۔ جہاں باجبروت شہنشاہ بصورت گدا حاضر ہونا باعثِ فخر سمجھیں۔ جہاں شاہ و گدا میں تمیز نہ ہو، آقا و غلام کا ایک ہی درجہ ہو۔ جہاں سے محبتوں کے چشمے نکلے، نفرتیں ختم ہوئیں، مظلوموں کی آہیں رنگ لائیں، جہاں سے ہر سو محبت و انصاف کے نقارے اور امن و آشتی کے شادیانے بجے۔ جی ہاں ایسا شہر تو صرف اور صرف مدینہ منورہ ہے، جہاں خالقِ دو جہاں کے محبوب سرورِ دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف فرما ہیں۔

مدینہ منورہ کو جتنی بھی فضیلتیں، رفعتیں، بلندیاں اور اعلیٰ درجات عطا ہوئے، صرف اور صرف حضور نبی اکرم ﷺ کے دم قدم سے ملے۔ یہ وہی شہر ہے، جسے حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یثرب کہا جاتا تھا۔ جب حضور ﷺ نے رونق بخشی تو وہی شہر جس کا نام ہی فتنہ و فساد یا مواخذہ عتاب یا پریشانی یا بیماری و وبا کے معنی لیے ہوئے تھا، اب فخرِ دو جہاں ﷺ کے تشریف لانے سے ہر قسم کے شرّ و فساد سے پاک ہو گیا، اور

مدینہ منورہ، طیبہ و طابہ بن گیا۔ اب اس شہر کے کیا ہی کہنے۔ اللہ اللہ۔

مستدرک شریف میں ہے کہ جب سرکارِ مدینہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو یہ دُعا فرمائی۔ "اے اللہ! بے شک میں تیرے حکم سے اپنے محبوب ترین (شہر مکہ مکرمہ) سے نکلا ہوں تو مجھے اُس بُقعہ میں سکونت (رہائش) دے جو تجھے سب سے پیارا ہو۔"

اس حدیثِ مبارکہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ بلاشبہ مدینہ منورہ اللہ تعالیٰ کو روئے زمین کے تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ چنانچہ اتنی فضیلتوں، برکتوں، عظمتوں، اور شانوں والے شہر کی زیارت سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔

سورہ الانعام میں ارشادِ الٰہی ہے: "اے پیارے محبوب ﷺ ہماری آیتوں کے ساتھ ایمان لانے والے جب آپ کے پاس حاضر ہوں تو آپ انھیں فرما دیجیے: **سَلٰمٌ علیکم**" (الانعام: **54**) (سلامتی ہو تم پر یعنی حاضری دینے والے پر) یاد رہے کہ یہ حکم دائمی و ابدی ہے اور تا قیامت جو بھی آپ ﷺ کے حضور حاضر ہو گا، اِس کا اِطلاق اُس پر ہو گا۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد جو بھی قیامت تک حاضر ہو گا، وہ آپ ﷺ کے روضہ انور پر ہی حاضر ہو گا۔ جبکہ مذکورہ آیتِ مبارکہ میں **جَآءُوْکَ** سے مراد آپ کی حاضری حیاتِ طیبہ سے ہے۔ اِس ضمن میں مصنف ابنِ عساکر میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد گرامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

- "جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اُس نے میری ظاہری حیات میں زیارت کی۔" (شفاء السقام، ۳۲، بحوالہ دار قطنی)

اور حضور سرورِ کائنات ﷺ کا فرمان ہے:

- "جس نے میری قبر کی زیارت کی، اُس پر میری شفاعت واجب ہو گئی۔"

اوپر بیان کردہ احادیث میں محبوبِ کائنات ﷺ کی قبرِ انور کی زیارت کے اجر و ثواب کا ذکر ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور مدینہ منورہ میں ہے۔ ظاہر ہے جب سرکار ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت ہو گی تو مدینہ منورہ کی زیارت بھی ہو جائے گی۔ لیکن

پیارے آقا ﷺ نے اس شک کو رفع فرمانے کے لیے ایک اور حدیثِ مبارکہ میں مدینہ شریف کی نسبت سے یوں ارشاد فرمایا:

❑ ''جس نے ثواب کی نیت سے مدینے میں میری زیارت کی، میں قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں گا اور شہادت دوں گا۔''

اب یہاں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ جو ثواب کی نیت سے مدینہ طیبہ میں جائے اور پیارے حضور نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرے، وہ ایسے ہی ہے جیسے آپ ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں زیارت کرے اور اس کا اجر وثواب یہ ہے کہ ایک تو آقا و مولا ﷺ زائر پر سلام بھیجتے ہیں اور دوسرا اُس کی شفاعت بھی فرمائیں گے اور اُس کی شہادت (یعنی ایمان کی گواہی) بھی دیں گے۔

یہاں پر یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ جہاں زیارتِ مدینہ کے اتنے فضائل ہیں، وہاں اِس سعادتِ عظمیٰ سے قصداً محرومی انتہائی باعث وعید ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

❑ ''جس نے فریضہ حج ادا کیا، مگر میری زیارت کے لیے نہ آیا، تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔''

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

❑ ''جس نے گنجائش ہوتے ہوئے میری طرف کا سفر نہ کیا، تو اُس نے مجھ پر ظلم کیا''۔ (شفاء السقام بحوالہ اخبار المدینہ)

پروفیسر محمد اقبال جاوید

مدینہ طیبہ میں حاضری کی تمنا

اس موضوع پر کچھ لکھنا جس قدر آسان معلوم ہوتا ہے، اُتنا ہی مشکل بھی ہے۔ خوبصورت الفاظ وتراکیب اور مبالغہ آمیز شاعرانہ لب و لہجے سے، اپنے دل کو بہلایا اور اصل بات کو اُلجھایا تو جا سکتا ہے، مگر حقیقت حال کی عکاسی نہیں ہو سکتی۔ حضور ﷺ کے روبرو حاضری کے متعلق کہی جانے والی بات کو سچا، سیدھا اور واضح ہونا چاہیے۔

یہاں نہ ابہام چلتا ہے نہ ایہام۔ اچھی طرح خود کو ٹٹول کر، قلم اُٹھانے کی ضرورت ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ اُس دربار میں، ہمارے دل کے منافقانہ رویّوں کا کوئی سا گوشہ بھی مخفی نہیں رہ سکتا کہ وہ ذاتِ اقدس، خدائے سمیع و بصیر کے انعاماتِ خاص اور نوازشہائے پیہم سے بہرہ ور ہے۔ حفیظ تائب کے الفاظ میں

دلوں کی تہہ میں پوشیدہ محبت دیکھنے والا
وہ محبوبِ ﷺ خدا، جذبوں کی وسعت دیکھنے والا
وہی ہے سننے والا ان کہے الفاظ چاہت کے
وہی ہے ان لکھے حرفِ اِرادت دیکھنے والا
مکاں و لامکاں کی وسعتیں زیرِ قدم اس کے
وہ موجود و عدم کی ہر ولایت دیکھنے والا

سچی بات کہنے اور سننے کی، اور پھر اپنے بارے میں، کس میں ہمت ہے اور کس میں یہ کہنے کی طاقت ہے کہ

میرے چشم و گوش و لب سے پوچھ لو سب کچھ یہیں
مجھ کو میرے سامنے لاؤ، شہادت کے لیے

مکان میں کوئی خصوصیت نہیں ہوتی، یہ مکین کی شخصی رعنائی ہے جو حریم ناز کو آسمان اور راستے کو کہکشاں بنا دیتی ہے۔ مدینہ ایک بستی ہی تو ہے مگر کیا بات ہے کہ دل کی بستی اس کے بغیر بستی ہی نہیں، ویران ہی رہتی ہے۔ یہ محض اس لیے کہ مکہ عقیدے کا محور ہے اور مدینہ عقیدت کا مرکز۔ مدینہ ایک ایسی عظیم و جلیل شخصیت کی فرودگاہ، قیامگاہ اور آرامگاہ ہے، جس سے ہماری نگاہوں میں بصارت اور دلوں میں بصیرت ہے، جس کی نگاہِ ناز، غنچہ دل کے لیے وجہ نمو اور جس کا کرم رہگزارِ جاں کے لیے سحابِ بہار ہے۔ اِسی قیام نے اس مقام کو ''کعبہ صفت محترم ز عالم'' یہاں تک کہ ''از عرش نازک تر'' بنا دیا ہے کہ یہاں سر کے بل آکر، پلکوں سے دستک دینا پڑتی ہے۔ یہاں سانس روک کر حاضری دی جاتی اور لفظوں کی جگہ آنسوؤں کو ترجمان دل بنایا جاتا ہے۔

مالی آسودگی نے آج ہمیں قلبی اور فکری طور پر انتہائی نا آسودہ کر دیا ہے۔ فاصلے سمٹ گئے ہیں، نہ انتظار کا کیف ہے نہ جوش آرزو کی لذت۔ ایک طرف انسان پیٹ کی لپیٹ میں ہے اور دوسری طرف زر و مال کے چکر میں۔ نتیجہ معلوم کہ مہینوں کا سفر گھڑیوں میں طے ہو رہا ہے۔ اِس آسانی نے ''تمنائے مدینہ'' کو بھی ایک نوع سے بے کیف کر دیا ہے۔ وہ دل کی گہرائیوں سے کسی آرزو کا اُبھرنا، اُس کی تکمیل کے لیے زادراہ کی فکر کرنا، سفر کی صعوبتیں، منزل کی دلکشی میں بیاباں کے کانٹوں کو پھول سمجھنا اور پاؤں کے آبلوں سے اُن کی آبیاری کرنا، یہ تمام مرحلے آج ایسے ''محاورے'' ہو گئے ہیں جن کا حقیقی معنوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نتیجہ یہ کہ انتظار کی وہ رعنائی بھی رخصت ہو گئی ہے جو آرزو کا حاصل ہوا کرتی ہے۔

وہ دور جہاں فراق اور وصال میں کوئی فرق نہ ہو۔ وہاں سوز و گداز ''نعتِ غریب'' سے زیادہ اہم نہیں ہوتے۔ وہاں نہ سوزِ دلِ، سازِ رگ جاں بنتا ہے اور نہ حاضری،

حضوری کا موجب ہوتی ہے۔ اِس صورتِ حال کا حاصل یہ ہے کہ لالے کے پودے لبِ آبِ جو رہ کر بھی سرخوش و پُرسوز نہیں ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ حاضری سے کہیں زیادہ حضوری ضروری ہے۔ حضور ﷺ کی ظاہری زیارت سے کہیں زیادہ اطاعت حضور ﷺ اہم ہے۔ حضرت وحشیؓ سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمھیں دیکھ کر مجھے اپنے چچا (حضرت حمزہؓ) یاد آجاتے ہیں، اس لیے میرے سامنے نہ آیا کرو۔ اُنھوں نے خود کو حاضری اور زیارت دونوں سے محروم کر کے، دور دراز چلے جانے کو ترجیح دی کہ اطاعتِ رسول ﷺ اہم تھی۔ مگر اُن کا دل دوری میں بھی، حضوری سے مالا مال تھا کہ صحابہؓ، حضرت وحشیؓ کی خدمت میں حاضری کو سعادت سمجھتے تھے کیونکہ وہ اطاعت کی سربلندیوں سے فیض یاب تھے۔ یاد رہے کہ حضور ﷺ اس جہانِ خراب میں محض خراجِ عقیدت نہیں، خراجِ اطاعت لینے کے لیے تشریف لائے تھے، اور اطاعت، عقیدت ہی کا ایک عملی روپ ہے۔

دورِ حاضر کے ''مشینی انسانوں'' نے فراق و وصل کو سمیٹ بلکہ لپیٹ کر رکھ دیا ہے، نتیجہ سامنے ہے کہ نہ فراق میں کوئی چبھن ہے نہ آرزو میں کوئی خلش، اور نہ وصال میں کوئی کیف، نہ رُوح مہکتی ہے، نہ درد چھکتا ہے، اور نہ رنگ و بو کے کسی موسم میں لہو بولتا ہے۔

شاعرِ مشرقؒ کا جسم مدینے سے دور رہا، مگر دل اُسی آستانِ ناز کا طواف کرتا رہا۔ ہجر کی تڑپ، محبت کے وفور اور دید کے شوق نے، اُن سے ایسے ایسے شعر کہلوائے ہیں کہ ذوقِ سلیم ہی نہیں، ذوقِ دید بھی مدّتوں مسحورِ لذت رہ سکتے ہیں۔ وہ خیال ہی خیال میں منزلِ دوست کی طرف، ہوائے دوست میں اُڑے جا رہے ہیں۔ باگ دوڑ، عقل درماندہ کے ہاتھ میں نہیں، عشق بے باک کے پاس ہے۔ پیری کی شام سر پر ہے اور وہ یوں رواں دواں:

باایں پیری رہِ یثرب گرفتم
نوا خواں از سرورِ عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام
کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ

اونٹ کا سفر، تمازتِ آفتاب، سفر نمونۂ سقر اور وہ خود ضعیف العمر، ایسے میں اپنی اونٹنی سے یوں سرگوشیاں کرتے ہیں:

سحر با ناقہ گفتم، نرم تر رَو
کہ راکب خستہ و بیمار و پیر است
قدم آہستہ زد چنداں کہ گوئی
بپائش ریگ ایں صحرا حریر است

مادی اور مشینی دور کی اِس منافقانہ تگ و دو میں کہاں یہ رُوح کی لرزش، کہاں یہ سفر کی موجیں، کہاں یہ وقت کا غبار، اور کہاں وہ قریہ بہار:

قال زباں کا ہو نہ سکا، حالِ دل امیں
خالی مرا حرم نہیں لات و منات سے
مولا کرم کہ ولوے اپنے ہیں بے ثبات
مولا، نوازیے انھیں رُوحِ ثبات سے

آج کے GERNATION GAP نے نسل نو کو ''نیا گانِ کہن'' سے بہت دور کر دیا ہے اور اسی کٹنے اور ہٹنے نے اُسے اخلاصِ عمل سے تہی کر رکھا ہے۔ وہ ڈانوں ڈول ہے۔ ہر تیز رو کو رہبر سمجھ کر ٹھوکریں کھا رہی ہے اور نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں۔ اِس صورتِ حال کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ماضی اور حال کے درمیان ربط و تسلسل ٹوٹ پھوٹ رہا ہے۔ اس کے باوجود بھی کیفیت مایوس کن نہیں ہے۔ نَم موجود ہے۔ توجہ اور دُعا دونوں کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو وہی دل مایوس ہوتے ہیں جن میں کفر نے اپنا آشیانہ بنالیا ہو:

وہ جو چاہیں تو اُٹھے سینہ صحرا سے حباب

خدا کرے کہ ہمارے تال اور حال کی صدائیں ایک ہو جائیں، حضور ﷺ کی اطاعت اور محبت کی خوشبو نفس نفس میں رچ جائے تو پھر یقین کیجیے کہ زندہ رہنا ثواب اور سانس لینا عبادت ہو جائے گا۔ بصورت دیگر ہماری حیثیت سانس لینے والے مُردوں سے

زیادہ وقیع نہیں ہوگی۔

جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں بے کیفیوں اور بے اعتدالیوں کا مرقع ہوں۔ میں ہر لباس میں ننگِ وجود ہوں اور دیکھنے والوں کے لیے ہر نوع سے سامانِ عبرت۔ میں نماز و دُعا میں اللہ تعالیٰ کو تو خطاب کر لیتا ہوں اور بسا اوقات قلب ونظر کی آسودگی سے بھی بہرہ ور ہو جاتا ہوں مگر درود وسلام کے وقت رُوح ودل کی سیاہیاں، نگاہ وزبان کی لغزشیں اور خیال وفکر کی کثافتیں، اُچھل اُچھل کر کوچہ و بازار تک لپکتی محسوس ہوتی ہیں اور ڈھب سے سلام ونیاز کا کوئی بول بھی نذر نہیں کر سکتا۔ جب دل میں سومنات آباد ہوں، رُوح کی دُنیا ویران ہو، فکر ونظر پر مجاز کی حکمرانی ہو، جان و مال اور اولاد عزیز تر ہو تو ایسے میں درود و سلام کی پکار، خود فریبی ہی کی ایک شکل ہے اور اس عالم میں، مدینے کی آرزو، ایک ایسی جسارت ہے جو کسی بے حمیّت ہی کا نشانِ امتیاز ہو سکتی ہے اور غالبًا غالبؔ نے یہ شعر میرے ہی لیے لکھا تھا۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

روضۂ رسول ﷺ کا تصور کرتے ہی ایک جانکاہ کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ سوچتا ہوں کہ جاگتی آنکھوں سے درِ خیر البشر ﷺ کیسے دیکھ پاؤں گا؟ جب صورت یہ ہے کہ:

چوں بنامِ مصطفیٰ ﷺ خوانم درود
از خجالت آب می گردد وجود
عشق می گوید کہ اے محکومِ غیر
سینہ تو از بتاں مانندِ دیر
چوں نداری از محمد ﷺ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نامِ اُو

سوئی سچے اور سُچے دل کے ساتھ قریب ہونے کی تمنا کرے تو مقناطیس اُسے خود کھینچ لیتا ہے اور یہ سعئ قریب بھی اپنے بس کی بات نہیں، یہ بھی محبوب ہی کی عطا ہے، چرخِ

اخضر سے توفیق ملے! گنبدِ خضرا کی رضا نصیب ہو تو پھر بے سروسامانی بھی سب سے بڑا سامان ہو جاتی ہے۔

راہِ نبی ﷺ میں غیر پہ تکیہ حرام ہے
اے عشق آ کہ بے سرو ساماں سفر کریں

ورنہ کتنے ہی مسافر ہیں جو بیابانوں کی نذر ہو جاتے ہیں، کتنے ہی اسباب سفر ہیں کہ راستوں کے پیچ وخم میں بکھر جاتے ہیں، کتنے ہی آنسو ہیں کہ مٹی میں گھل مل جاتے ہیں، کتنی ہی تمنائیں ہیں کہ بابِ اجابت کو ترستی رہتی ہیں اور کتنے ہی سجدے ہیں کہ جبینوں پر سیاہ داغ تو بن جاتے ہیں مگر دل کا نور نہیں بنتے۔

آیئے، سچے دل سے اپنے ظاہر اور باطن کو احکامِ رسالت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔ حضور ﷺ کی معراج، عرشِ معلّٰی تک جانا تھا اور ہماری معراج حضور ﷺ کے قدموں تک پہنچنا ہے اور جب یہ معراج نصیب ہو جائے تو پھر ''تمنائے مدینہ'' کو دل ہی میں خوشبو کی طرح رہنے دیں اور فیصلہ محبوب پر چھوڑ دیں کہ وہ دھڑکنوں کی زبان خوب سمجھتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ کسے، کب، باریابی سے سرفراز فرمانا ہے اور کسے کب تک، انتظار میں رکھنا ہے۔ اسی کو خودسپردگی کہتے ہیں، یہی اسلام ہے اور یہی ایمان۔

اگر دل کی یہ تمنّا پوری ہو جائے تو میں چاہوں گا کہ دیارِ ناز میں میرا قیام مختصر سے مختصر ہو۔ قبل اس کے کہ علائقِ دنیاوی کی کوئی کشش، دل میں اُبھرے، واپسی کا سفر شروع ہو چکا ہو، بہتر یہی ہے کہ جسم یہاں ہو اور دل وہاں۔ اگر جسم و دل دونوں وہاں ہوں تو ہر غم کو غمِ جاناں میں ڈھالنا مشکل ہو جائے گا۔ شاعر نے تو کہا تھا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اَب تو آ جا، اَب تو خلوت ہو گئی

مگر میں وہ دلِ خالی کہاں سے لاؤں جو کسی ایک کا خلوت خانہ ہو، کیسے ہر آرزو کو ایک آرزو میں ضم کروں۔ اس سے قبل کہ کوئی آرزو، آرزوئے مدینہ پر غالب آئے، میں سوادِ مدینہ سے دور نکل آنے کی تمنا رکھتا ہوں۔

اگر ہو آستاں سے ربطِ دل تب بات بنتی ہے
فقط ربطِ جبین و آستاں سے کچھ نہیں ہوتا

بات حیثیت اور مقام کی ہے، ایک شخصیت جس کے شب و روز یادوں سے معطر اور اشکوں سے منور رہتے ہوں، وہ تو دھڑلّے سے کہہ سکتی ہے:

کچھ اشکِ ندامت ہیں مرے دامن تر میں
میں راہ عدم کے لیے تیار بہت ہوں

مگر میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا، کیونکہ آنکھیں سراب ہیں اور وہ کوئی سا پیرایہ نم بھی نہیں رکھتیں۔ کاش! میرے پاس بھی ایسے آنسو ہوتے کہ وہ اِظہارِ ندامت کا حُسن بن سکتے۔ میں تو بس اتنا کہہ سکتا ہوں

گلستاں ویران، آنکھیں خشک ہیں مولائے گُل
پھر انھیں سر سبز کر، آنسو بنا، شبنم بنا

اور اس میں کیا شک ہے کہ میں شکستہ دل، شکستہ آرزو اور وہ مسیحائے دلِ آزر دگاں اور انھی ﷺ کے دم سے گلستاں میں بہارِ رنگ و بو

زندگی دے رہے ہیں آنکھوں سے
کیا سلیقہ ہے بھیک دینے کا

فرمانِ رسالت ہے کہ ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ سے، اس کی اولاد سے حتّٰی کہ خود اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔ ہم اِن الفاظ کو پڑھتے بھی ہیں اور دہراتے بھی، مگر نہیں سوچتے کہ بات کیا ہے؟ اور حضور ﷺ کس چیز کو معیارِ ایمان قرار دے رہے ہیں، اِس کسوٹی پر جب میں خود کو پرکھتا ہوں تو میری مایوس ویرانیاں انگاروں پر لوٹتی محسوس ہوتی ہیں۔ کیونکہ میں اپنے باطن کی نادیدہ، غیر محسوس نفسیاتی کیفیت سے خوب آگاہ ہوں

کروں میں کس طرح رُخ تیری جانب
معلق سر پر شمشیریں بہت ہیں

قدم اُٹھے ترے رستے میں کیسے
سگِ دُنیا ہوں زنجیریں بہت ہیں

رختِ سفر کی یہی بے مائیگی، میری حیاتِ مستعار کا المیہ ہے اور میں اس عالم میں، جب قافلوں کو مدینے کی طرف رواں دواں دیکھتا ہوں تو نگاہیں تعاقب ہی میں کھو جاتی ہیں اور خود میں اُن مقدس قافلوں کی گردِ سفر بن جانے کی بھی ہمت نہیں پاتا۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید

طاقت کہاں کہ دید کا احساں اُٹھایئے

غالباً امام مالکؒ، مدینہ منورہ میں گلیوں کے درمیان ہی نہیں بلکہ مکانوں کی دیواروں کے ساتھ ساتھ چلتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ عین ممکن ہے کہ ان راستوں میں نبی کریم ﷺ کے نقوش پا ہوں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر پاؤں آ جائیں۔

اچھا ہی کیا سعودی اربابِ اختیار نے، کہ ہولے ہولے حضور ﷺ کے دور کے کم وبیش پورے مدینے کو مسجد نبویؐ ہی میں سمیٹ لیا کہ اب کوئی جوتی پہن کر مدینے میں نہیں پھر سکتا کہ پورا مدینہ مسجد ہے، جائے عبادت بھی اور جائے ادب بھی۔ گویا یہ آپ ﷺ ہی کے نقوشِ پا ہیں جہاں سر بھی جھک رہے ہیں اور دل بھی۔ اصغر گونڈوی نے بھی کہا تھا:

چلو میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہل شریعت جبیں کو اذنِ سجود

اور اب چونکہ پورا مدینہ سجدہ گاہ بن گیا ہے اس لیے جبیں کو کسی ''اذنِ سجود'' کے حصول کی ضرورت نہیں رہی بلکہ اب تو ''حکم سجود'' ہے۔ محبت کرنے والوں کے لیے محبوب کے نقوش پا کی کیا اہمیت ہے۔ اردو غزل کے بہترین اشعار بطور سند پیش کیے جا سکتے ہیں کہ یہ غزل ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ وقت کی گردشوں سے لے کر دل کی دھڑکنوں تک، بے قراریوں کا ساتھ دیتی ہے اور انسان کی تنہائی عموماً غزل ہی کے شعر سے بہلتی بھی ہے اور تڑپتی بھی، نقشِ پائے ناز، چند شعر ؎

تیرے نقش پا نظر آئے تو یہ عقدہ کھلا
اس قدر مایوس کیوں ہے رہگزر سے روشنی

وہاں چاندنی کے قدم ڈولتے ہیں
جہاں تیرے نقشِ قدم سو رہے ہیں
کھلے ہوئے ہیں جہاں پھول سے نقوشِ قدم
وہیں سے قافلہ گزرا ہے میرے پیاروں کا

سجدے کا احترام ہماری نظر میں ہے
ہر نقشِ پائے ناز کو پہچانتے ہیں ہم

یہ آج کون خراماں ادھر سے گزرا ہے
جبینِ شوق ہے بے تاب نقشِ پا کے لیے

شاید یہیں کہیں ہو ترا نقشِ پائے ناز
ہم نے گرا دیے ہیں سر رہگزار، پھول

نہیں معلوم کہ مسجد نبویؐ کی توسیع کے وقت ارباب اختیار کے پیشِ نظر ادب اور محبت کا یہ قرینہ تھا یا اُنھوں نے محض زائرین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اس مبارک مسجد کو وسعت دی۔ بہر کیف اہل دل کی تمنائیں تکمیل کو پہنچیں۔ ملک عبدالعزیز کے زمانے میں کچھ زائرین روضہ اقدس کے روبرو زمیں بوس ہو گئے تھے۔ حکم ہوا تھا کہ ایسے سجدہ گزار زائرین سے سختی کے ساتھ نپٹا جائے۔ علامہ اقبال کو خبر ہوئی تو وہ بے ساختہ کہہ اُٹھے ؎

سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں
بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست

سجدہ اور چیز ہے اور محبوب کے دروازے کی خاک کو پلکوں سے صاف کرنا اور

بات ہے۔ اب چونکہ پورا مدینہ، مسجد میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس لیے اب کم و بیش پورا مدینہ مسجد نبویؐ کی شکل میں جلوہ گاہ بھی ہے اور سجدہ گاہ بھی۔ سوچنے والے، تصور میں ڈوب ڈوب کر سوچتے ہیں کہ یہی وہ ارضِ پاک ہے جہاں آپ ﷺ کا خرامِ ناز گل کترتا اور خوشبو بکھیرتا رہا ہے۔ فانی کہاں یاد آ گئے۔ کہتے ہیں۔

دل سراپا نظر، وہ حسنِ تمام
بند کر آنکھ، دیکھتا کیا ہے

محمد ﷺ ہی وہ اسم گرامی قدر ہے جس سے ہماری آبرو قائم ہے۔ ورنہ ہم کیا ہیں، ایک چلتی پھرتی ہوئی لاش، سانس لینے والے مردے، یہ نام ہمارے دل کی دھڑکنوں میں بستا اور دل کے ویرانے کو زندگی، رخشندگی اور تابندگی عطا کرتا ہے۔ اس ایک نام کے احترام میں ہم اللہ تعالیٰ کو حق مان کر اس کے گھر کے گرد رواں دواں ہیں۔ ہم رخسارِ کعبہ کے خال دلکش کو بوسہ دینے کے لیے بے تاب رہتے ہیں کہ کسی آستاں کے اس اُکھڑے ہوئے پتھر کو حضرت محمد ﷺ نے چوما ہے، اسی نام کی فضیلت سے مکہ، مکہ اور مدینہ، مدینہ ہے۔ حرم کعبہ، محترم اور حرم نبوی، دلنواز ہے۔ اسی کی بدولت مکہ میں سر جھکتا ہے اور مدینہ میں دل، اسی ایک نام کی عظمت سے مکہ میں عقیدہ سنورتا اور مدینہ میں عقیدت نکھرتی ہے۔ اسی کی بنا پر ہم وہاں کے رہگزاروں اور کہساروں کو بھی محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔'' نگہِ محبت ڈھونڈتی ہے کہ مکہ کے پتھروں میں وہ پتھر بھی تو کہیں ہو گا۔

ڈھونڈیے موجِ صبا میں ڈھل کے اس کو ڈھونڈیے
قریہ قریہ، کُو بہ کُو، خود کو بکھرنے دیجیے

یہ کچھ کم ہے کہ ہم ان فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں جن میں حضرت محمد ﷺ کے انفاسِ پاک کی مہک رچی ہوئی ہے۔ یہ کچھ کم خصوصیت ہے کہ ہم آبِ زمزم، رُک رُک کر نہیں، پیٹ بھر کر پی رہے ہیں۔ روایت ہے کہ حجۃ الوداع پر آپ ﷺ کے

لیے آبِ زم زم کا ایک ڈول نکالا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں کچھ نوش فرمایا اور باقی ڈول میں اپنی ایک کلی ڈال دی اور ارشاد فرمایا کہ اسے چاہِ زمزم میں ڈال دو، گویا ہم عاصی و خاطی، حضرت محمد ﷺ کا پیا ہوا پانی پی رہے ہیں کہ

بہ خاصاں می دہدشہ، بادۂ نوشیدۂ خودرا

یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اسی نام اور اسی شخصیت عظیم و جلیل ﷺ کی بنا پر کرتے ہیں کہ

خدا کو میں نے پہچانا محمد (ﷺ) کے وسیلے سے

حضرت مجدّدِ الف ثانیؒ، اپنے ایک جملے میں کس خوبی سے حمد و نعت کو یکجا کر گئے ہیں۔

''حق سبحانہ تعالیٰ را بواسطہ آں دوست دارم کہ ربِّ محمد است (ﷺ)''

کائنات کی اور کتنی ہی سعادتیں ہیں جو ہمیں اس نام کے وسیلے سے ملیں۔

''تاریخ اُٹھایئے اور وَرق پہ وَرق پلٹیے، معلوم ہو گا کہ ایک ذاتِ محمد ﷺ نے پندرہ صدیوں میں کروڑوں انسانوں کو نشو و نما دی، بالا و بلند کیا۔ دوام بخشا اور صرف ایک نسبت کی بدولت قیامت تک زندہ کر ڈالا، پھر یہ محض عقیدت کی بات نہیں، ارادت کا تذکرہ نہیں، اخلاص کا افسانہ نہیں، شوق کی دُھن نہیں، عشق کا راگ نہیں، حسن کی ثنا نہیں، تعریف کا لہجہ یا ثنا کا زمزمہ نہیں، ہر ایک بات نپی تلی، صاف ستھری، بولتی چالتی شہادت کے ساتھ موجود ہے۔''

اُنھی فیوض و برکات کا نتیجہ ہے کہ گنہگار سے گنہگار مسلمان کے دل کی دھڑکن اس اسم پاک کے آتے ہی تیز ہو جاتی ہے اور جب بھی اس نام کی آبرو پر آنچ آنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو ہر مسلمان اپنی جان قربان کر دینے کو اپنے لیے سامانِ ناز اور وثیقۂ آخرت سمجھتا ہے کہ

سر بیچ کر متاعِ دل و جاں خریدنا
سودا ہے وہ کہ جس میں خسارہ کوئی نہیں

آج طاغوتی قوتوں کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش یہی ہے کہ اس گنہگار،

اس فاقہ کش اوراس گئے گزرے مسلمان کے دل سے ''رُوحِ محمد ﷺ'' نکال دی جائے۔ آج مسلم امّہ ، چاروں طرف اسی یلغار کی زد میں ہے۔ ابلیسی قوتوں کی بھول ہے کہ مسلمان یہ اسمِ مبارک بھول سکتا ہے۔ وہ خود کو بھول سکتا ہے اس نام کو نہیں۔ وہ اپنے جسم کو تیروں سے چھلنی کرا سکتا ہے، دار و رسن پر جھول سکتا ہے مگر اس نام کو بھول نہیں سکتا کہ یہی اس کی زندگی بھی ہے اور زندگی کی آبرو بھی۔ اُسے یہ کسی نوع سے بھی گوارا نہیں کہ اس نام پر کسی انداز سے بھی حرف آئے کہ یہی نام اس کے ایمان کا اعتبار ہے۔ یاد رہے کہ ''عقیدوں اور نظریات سے محبت نہیں ہو سکتی، محبت انسان سے ہوتی ہے اگر پیغمبر ﷺ سے محبت نہ ہو تو خدا سے محبت اور اسلام سے محبت نہیں ہو سکتی۔''

بارگاہِ مصطفٰے ﷺ کی عظمتوں کی انتہا انسان کیا جانے وہاں تو جبریلِ امینؑ کے پر بھی جلتے ہیں۔ بارگاہِ مصطفٰے ﷺ وہ عالی مقام ہے جہاں عشاق سر کے بل چلنا باعثِ صد افتخار سمجھتے ہیں، جہاں پہنچ کر پیشانیوں سے خود بخود سجدے ٹپکنے لگتے ہیں، جہاں پہنچ کر آرزوؤں کو اپنی تنگ دامانی اور تمناؤں کو اپنی جھولیوں کے تنگ ہونے کا احساس ستانے لگتا ہے، جہاں پہنچ کر لفظ دم توڑتے اور جذبات آنسوؤں کا سہارا لینے لگتے ہیں، جہاں پہنچ کر آنکھیں بے اختیار اشکوں سے وضو کرنے لگتی ہیں۔

یہ وہ کوچہ حبیب ہے جس کے تقدس و احترام کو دیکھ کر بے اختیار پلکوں سے جاروب کشی کرنے کو جی چاہتا ہے۔ وہ کوچہِ محبوب ﷺ جس کی فضائیں عنبریں عنبریں اور اس کی ہوائیں معطر معطر ہیں۔ جس کے سنگ ریزوں پر لعل و جواہر کا گماں ہوتا ہے اور جس کے کانٹے بھی ذوقِ یقیں کی کسک میں اضافے کا موجب بنتے ہیں جس کی کلیّوں کی رعنائی سے انفاسِ فطرت کو پاکیزگی کی دولت عطا ہوتی ہے۔ یہ وہ بارگاہِ عظمت مآب ہے جہاں جبریلِ امینؑ بھی مقرب ملائکہ کے جلو میں دم بخود حاضر ہوتے ہیں جہاں بڑے بڑے فصیحوں اور خطیبوں کو یارائے گفتگو نہیں رہتا۔ جہاں شاہانِ کج کلا خمیدہ سر لرزیدہ نفس حاضر ہوتے ہیں جہاں بڑے بڑے فقیہانِ عالم اور صاحبانِ فکر ونظر اپنی ظاہری آن بان اور کر و فر سے دست کش ہو کر فقط عجز و نیاز کو ہی وسیلۂ حاضری بناتے ہیں جہاں زمانے بھر

کو اپنی دولت وثروت سے چکا چوند کرنے والے امرأ ومقتدر حضرات خالی دامنوں کو پھیلائے عاجز و درماندہ کھڑے نظر آتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر عصیاں شعاروں اور خطا کاروں کو بے پناہ لرزشوں کا احساس ہوتا ہے جہاں پہنچتے ہی معصیتیں آنسوؤں میں ڈھل کر دامانِ طلب کو بھگو دیتی ہیں جہاں خرد بے دست و پا ہو کر عشقِ مصطفوی کی اُوٹ میں پناہ لینے لگتی ہے۔

یہ وہ بارگاہ اور شہرِ رسالت مآب ﷺ ہے کہ جس کی حرمت و تقدس کا قرآن گواہ ہے۔ جس کی پاکیزگی اور عظمت کی قسم خود خدائے بزرگ و برتر اُٹھاتا ہے۔ اس بارگاہِ اقدس کی یہ وہ وجد آفریں فضائیں جن کے زیبِ نظر ہوتے ہی احساسات کو محبوبِ دو جہاں ﷺ کے وجودِ اطہر کی مہک محسوس ہونے لگتی ہے۔ جہاں جاتے ہی صدیوں کا فاصلہ پل بھر میں طے ہو جاتا ہے اور دیدہ و دل چودہ صدیوں پہ محیط دربارِ نبوی کی رحمت سامانیوں کا تصور کرنے لگتے ہیں کہ جس کے سائے میں زندگی تابندگی کے عنوانات ڈھونڈتی نظر آتی ہے۔ یہ وہی درِ باریاب ہے جہاں سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ آپ ﷺ کی ظاہری حیات سے لے کر گنبدِ خضرا میں بعد از وصال ابدی زندگی تک اور حجرۂ عائشہؓ میں آرام فرما ہونے کے لمحات سے لے کر آج تک ہر چاہنے والے کو اُس کے ظرف سے سوا عطا ہوتا رہا ہے۔ قرآن و احادیث میں ہے کہ تا بہ ابد آپ ﷺ کی فیاضیوں اور بخششوں کا سحاب یونہی بزمِ کونین پر رحمتِ خداوندی کے سایہ کے صورت سایہ فگن رہے گا۔

اے زائر درگاہِ نبیؐ جائے ادب ہے
آئے نہ ترے دل کے دھڑکنے کی صدا بھی

فتح اللہ گولن

نگاہِ شوق یہاں احتیاط لازم ہے

روضہ مطہرہ ہی وہ واحد عمارت ہے، جو ہمیں دُنیا میں اپنے وجود کی رُوح کی آواز سناتی ہے۔اس مبارک عمارت کے ساتھ ہمارے تعلقات اور دلی روابط ہمارے دلوں میں پاکیزہ جذبات کو اس حد تک ابھار دیتے ہیں کہ ہم ان میں سے کسی چیز کا ذکر کرتے ہوئے بھی خوف سے کانپنے لگتے ہیں۔گویا ہم سراپا عفت وطہارت کے بارے میں لب کشائی کررہے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں کہ ہماری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکل جائے، جو مناسب نہ ہو۔ ہر رُوح اپنے روشن عالم کی طرف رجوع کرتی اور اپنے وجدان کی گہرائیوں میں شاعر کی یہ بات سنتی ہے:

''خبردار یہاں غافل نہ ہونا، ادب و احترام سے، یہ اللہ کے دوست کا مقام ہے، یہ مصطفیٰ ﷺ کا مقام ہے، اللہ کی نظر اس مقام کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

لازم ہے احتیاط یہاں بات بات پر
عابد یہ بارگاہِ نبی ہے ادب ادب
نگاہِ شوق یہاں احتیاط لازم ہے
بوسہ گاہ ملائک ہے آستانِ رسول ﷺ

وہ اپنے وجدان میں ان الفاظ کی صدا کو سن کر کانپ جاتا ہے۔مکہ ساری انسانی تاریخ کے دوران چند مختصر استثنائی وقفوں کو چھوڑ کر محراب انسانیت ہے اور مکہ مکرمہ کو یہ امتیاز کعبہ کی وجہ سے حاصل ہے۔لہٰذا کعبہ محراب بلکہ محرابوں کا بادشاہ ہے اور اس پُر عظمت محراب کا ایک منبر ہے۔ان پر ہمارے جسموں کے ذرات کے برابر درود وسلام ہو

اور وہ روضہ مطہرہ ہے، جو جنت کے باغات و بستانین سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔

روضہ کا لفظ سرسبز و شاداب باغ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ان مومنوں کی نسبت سے جو مبارک اشیا کے ساتھ مخصوص تعلقات محسوس کرتے ہیں اور ان تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے جذبات، افکار اور مختلف اور ہمیشہ بدلتے رہنے والے احساسات ارواح مقدسہ کے مطاف میں حظیرہ القدس کو تشکیل دیتے ہیں۔ اس پاک مکان کا خارجی مظہر معماری اور فنی اعتبار سے کئی دفعہ بدلا اور اس کے ظاہری نقوش بھی کئی دفعہ تبدیل ہوئے، لیکن اس مکان کا دلوں کی دُنیا سے جو تعلق ہے، اس میں کوئی ہاتھ تبدیلی نہیں لا سکا اور نہ کسی کے لیے اس میں تبدیلی لانا ممکن ہی ہے۔

بہت سے دروازے ہیں، جو صاحبِ روضہ مطہرہ کی طرف کھلتے ہیں، جیسا کہ اس کی محبت میں فگار دل اور سینے بھی اسی کی طرح کھلے ہوئے ہیں، اسی طرح بہت سے راستے بھی ہیں جیسا کہ بہت سے راستے ان کی رُوح کی طرف سے کل انسانیت کے لیے کھلے ہیں، ان دروازوں میں سب سے مشہور دروازہ ''باب السلام'' ہے، جس کے بارے میں شاعر ''نابی'' نے کہا ہے:

آسمان کا یہ ہلال بھی
باب سلام کا عاشق زار ہے

جو لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں، وہ اس دروازے سے داخل ہوتے ہوئے، رُوح کی فضا اور رُوحانی دُنیا میں داخل ہو جاتے ہیں، گویا دو قدم چلنے کے بعد ہی وہ دلوں کے بادشاہ سے ملاقات کریں گے، وہ یہ محسوس کرتے ہوئے اپنے آپ کو مخصوص اور مختلف قسم کی بادِ نسیم کے جھونکوں میں چھوڑ دیتے ہیں۔

جو لوگ نبی کریم ﷺ کے روضہ مطہرہ پر حاضری کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سکون و وقار کے ساتھ اور اس مقام کی عظمت و ہیبت کے احساس سے آگے بڑھتے، دُعا کرتے اور آپ کی ذات گرامی پر درود بھیجتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو یوں دیکھتے ہیں، گویا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی محبت سے سرشار دل والوں کے درمیان ایک

نورانی شاہراہ پر چل رہے ہیں، اسی شوق اور وارفتگی کے عالم میں وہ مواجہہ کی طرف آگے بڑھتے ہیں، وہ ہر قدم پر ایسی واردات محسوس کرتے ہیں، جن کا دل میں خیال تک نہیں آسکتا اور آہ! جب وہ مواجہہ کے پاس پہنچتا ہے، تو پاکباز روح والوں کی آنکھیں اس کی یادوں کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتیں...... ان میں سے ہر ایک انھیں یاد کرتا اور آہیں بھرتا ہے، وہ اس کی یادوں ہی میں تسلی کا سامان پاتا ہے، اگر کسی نے اس حاضری کی پہلے سے تیاری کر رکھی ہو اور خیال میں اس نے اپنے سر کو اس چوکھٹ پر رکھ دیا ہو اور وہ یہاں گہرے وجدان اور وسعت قلب کے ساتھ آیا ہو تو اس کے حال کے بارے میں مت پوچھیے، یہاں بیان منظر کشی سے عاجز اور زبانیں تعبیر سے گنگ ہیں، انسان اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس تعبیر سے عاجز ہے۔

انسان جب مرقد سے قبلہ کی جانب سے پہنچتا ہے، تو سینکڑوں عاشق دل والوں سے ملتا ہے، جن کے دل بیم و رجا کے ساتھ دھڑک رہے ہوتے ہیں، وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اس اقلیم نور کی سحر انگیز فضا میں ہے، جو اس کے سامنے ہر انسان کے حسب حال ایک دوسری ہی دُنیا کا دروازہ کھولے ہوتے ہیں۔ عاشق دل والوں میں سے جو بھی مواجہہ تک پہنچتا ہے، وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک یا دو قدموں کے بعد اپنے حبیب سے ملے گا، جو اسے اپنے دامن میں لے لیں گے۔ ان جذبات سے اس کا دل سرشار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں شوق اور عشق کے جذبات کے ایسے نغمے سننے لگتا ہے، جنھیں کسی قلم نے لکھا اور نہ کاغذ پر کسی سیاہی نے ان کا روپ اختیار کیا، پھر اس فضا اور اس سنہری اقلیم کی آوازوں نے ایسی بے شمار آوازوں، الفاظ اور خیالات کے ساتھ اس کی طبیعت و فطرت کو ختم کرتے ہوئے اسے ایک دوسرے ہی جہان میں پہنچا دیا، جو زمان سے بالاتر ہے اور پھر جو شخص اس جہاں میں پہنچتا ہے، وہ اپنے آج کو کل کے ساتھ اور کل کو حبیب کے زمانہ نور کے ساتھ ملا دیتا ہے اور وہ اپنی مجلس کی آہستہ آہستہ ہونے والی باتوں سے اس طرح مست ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ میں نہیں رہتا۔

روضہ مطہرہ کے سامنے، زمانہ خواب و خیال کی طرح گزرتا ہے، قریب کہ ہر وہ

رُوح جس نے صاحب روضہ سے پوری طرح پشت نہیں پھیری، کوثر کی ایسی شراب عشق پیئے، جس سے وہ اس طرح مست ہو جائے کہ اس جگہ کو چھوڑنے پر آمادہ ہی نہ ہو، یہاں افکار رک جاتے اور خاموش ہو جاتے ہیں، رُوحیں احساسات کے سایوں میں داخل ہو جاتی ہیں، شوق دلوں کو وصال تک پہنچا دیتا ہے، خیالات انسان کی گہرائیوں میں گلابوں کی طرح کھلنے لگتے اور حریم دل میں کسی اور کے داخلہ کو قبول ہی نہیں کرتے۔ یہ ایسے خیالات ہوتے ہیں، جن سے انسان جنت کے باغات کے ذائقوں کو چکھنے لگتا ہے۔ وہ اصحاب جنت کے سے ذوق اور اطمینان وسکون کو محسوس کرتا ہے، گویا دُنیا میں یہ جگہ فضا کے پس پردہ جگہ کا تسلسل ہے، جسے دست قدرت نے ازل ہی سے حساس رُوحوں کے خیالات کو برانگیختہ کرنے اور اوپر اُٹھانے کے لیے بنایا ہے۔ اس میں جذبات محبت تیز ہو جاتے ہیں، اس میں محبت اور شوق کے سب سے شیریں نغمے رکھ دیے گئے ہیں۔ جو لوگ اپنے آپ کو اقلیم ایمان کی رنگین گہرائیوں کے سپرد کر دیتے ہیں، وہ اپنے آپ کو تصورات سے بے نیاز وسیع سمندروں میں پاتے اور اس بات کا ادراک حاصل کرتے ہیں کہ جس زندگی کی شاہراہوں پر وہ چل رہے ہیں، اس میں نفس یعنی انا کا ایک مجہول پہلو بھی ہے اور وہی زندگی میں بنی نوع انسان کا ہدف ہے، جس میں ''خفی'' اور ''اخفی'' اس طرح موج در موج آتے ہیں، گویا عالم شہادت کے باریک پردے میں سوراخ ہو گیا ہو، جس سے دیگر اشیا کے حقائق کو ظہور کی طرح انسان کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر انسان ایسا محسوس کرتا ہے گویا وہ آخرت کی زندگی بسر کر رہا ہے، اس لیے وہ اس جہان کے نغموں کو الاپتا اور فردوس کی تازگی کو محسوس کرتا ہے۔

کعبہ میں عبادت اور روضہ مطہرہ میں عشق والفت کی فضا اپنی طرف ہماری توجہ مبذول کراتی ہے۔ پہلی فضا میں ہم عبادت کے راز اور مفہوم سے متعلق جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسری فضا میں ہم صدق ووفا کی گود میں اپنے آپ کو محسوس کرتے ہیں۔ باجود اس کے کہ جن امور اور اشیا کو ہم یہاں محسوس کرتے ہیں، ان کا مکمل ادراک نہیں کر سکتے۔ اتنا ضرور ہے کہ ہم نا قابل بیان احساسات اور گہرے جذبات جو

ہمارے اندر تلاطم برپا کر دیتے ہیں، کی وجہ سے محسوس کرتے ہیں کہ ہم ایک مخصوص سحر انگیز اور شاعرانہ عالم میں مخمور ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے ہم ایسے جذبات کے ساتھ رکوع و سجود کرتے ہیں، جن کو بیان کر ہی نہیں سکتے۔

ہم یہاں جو زندگی بسر کرتے ہیں، اس کے ایام عہد وصال و ملاقات کی طرح ہمارے دلوں کے ساحلوں تک پہنچنے والی عشق و شوق کے جذبات کی موجوں کے درمیان گزرتے ہیں۔ ہر چھپی ہوئی چیخ اور ہر مخفی آہ وزاری ہمارے دلوں پر اس طرح کپکپی طاری کر دیتی ہے، جس طرح حبیب پر دروازہ کھلنے کی آواز سے کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ رُوح یہ کہتے ہوئے گریہ زاری شروع کر دیتی ہے کہ میں ملاقات چاہتی ہوں، میں وصال کی طلب گار ہوں۔ خیال دوست حبیب کے دروازے پر ادب و احترام سے کھڑے ان لوگوں کی بند آنکھوں کے آگے کبھی ظاہر ہوتا اور کبھی معدوم ہو جاتا ہے، جو خیال کے ایسے جھونکے کی تلاش میں ہوتے ہیں، جو انھیں حبیب تک پہنچا دے، یہ دروازہ انھیں ہمیشہ شوق دلاتا رہتا اور لطف و کرم کے ساتھ ان کی امید کی تجدید کرتا رہتا ہے۔

یہاں کی دیواریں ستون اور گنبد جو کہ لگتا ہے عشق نے تیار کیے ہیں بلکہ ارضی چیزوں تک تقریباً ہر چیز خوبصورت تختی ہے جو اپنے نیلے، سبز اور زرد رنگوں کے ذریعے کومل پھولوں کے رنگوں کی یاد دلاتی ہے۔ گنبد خضرا اور مرقد پاک، جسے ہم ہمیشہ ایک ایسی پاک رُوح کے ساتھ تشبیہ دے سکتے ہیں، جو عاشقوں کے نزدیک عالم فکر کی گہرائیوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور ایک ایسی دُنیا کی طرف منتقل ہو گئی ہو، جو اسرار میں لپٹی ہوئی ہو حتیٰ کہ وہاں انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ جگہ ایک ایسا قطعہ ہے، جسے جنت سے کاٹ کر لایا گیا ہے۔

میں نے اب تک بہت سے ایسے مبارک مقامات دیکھے ہیں، جن سے رُوحانی و معنوی یادیں وابستہ ہیں لیکن رسول ﷺ کے روضہ پاک کا دل پر سب سے زیادہ گہرا اثر ہے اور اس کا آئندہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سب سے گہرا اثر رہے گا۔ میری روح نے اس شہر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے دامن میں اس شخص کی حسرت کی طرح سمو لیا ہے، جسے وصال کے شوق نے بوڑھا کر دیا ہو۔ میری روح جب بھی اس شہر کو اپنے دامن میں سموتی

ہے، تو میرے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ ''یہ وہ شہر ہے کہ ساری دُنیا کے بدلے میں، میں اس کی مٹی کی ایک مٹھی بھی نہ دوں''۔

یہ اس پختہ رُوح کے احساسات ہیں، جس میں ابھی تک پختگی نہیں آئی اور جہاں تک ان اصحاب کا تعلق ہے، جن کی رُوحیں عرفان کے ساتھ بلند اور عشق کے ساتھ مزین ہیں، تو ہمیں یہ باتیں ان سے سننی اور سیکھنی چاہیں۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، تو میں اپنی محدود اور کوتاہ قابلیت کے ساتھ اہل حمیت کے جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کر رہا ہوں، اگر مجھے اس میں کامیابی حاصل ہوگئی، تو اسے میں سید کائنات ﷺ کی رُوح کی رضا مندی کے حصول کا وسیلہ سمجھوں گا۔ میں آپ کے دروازے کی کنڈی کو پکڑتے ہوئے آگے بڑھتا اور عجز و انکسار کے ساتھ عرض کرتا ہوں: ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے قبول فرمالیں، مجھے قبول فرمالیں، میرے ماں باپ آپ پر نثار!''

آئی ہے جب سے گنبد خضرا کو چوم کر
جی چاہتا ہے چوم لوں اپنی نظر کو میں

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تخلیق کے اعلیٰ ترین مقصد اور خلاصہ کائنات ہیں۔ شجرۂ تخلیق کے اعتبار سے آپ اوّل اور ایک معنی کے لحاظ سے آخر ہیں۔ کائنات گویا آپ کے اسم گرامی کے اشعار کے ساتھ ترتیب دی گئی ہے اور آپ کا وجود وجسد اطہر ان اشعار کا گویا آخری لفظ ہے، دُنیا میں آپ کی تشریف آوری انسانیت کی از سرِ نو ولادت کا ایک رمز تھی اور آپ کی نبوت اشیا و حوادث کے حقیقی معانی واقدار کے ظہور کا وسیلہ تھی۔ آپ کی ہجرت انسانیت کی نجات کا رستہ تھی، آپ کی رسالت دُنیا وآخرت کی سعادت کا پل تھی۔ آپ ﷺ کی برکت سے مومن دل کائنات کا ایک نمائش کی طرح مشاہدہ کرنے، اس بنیاد پر اس کی اصلاح کرنے، ایک کتاب کی طرح اسے پڑھنے کے بعد اس کی تفسیر کرنے اور آپ ﷺ کی پرنور ریاست میں جو حق تعالیٰ تک پہنچنے کے رستوں کو دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے جنھوں نے آپ کے واسطہ اور آپ کی برکت سے حقیقت کو تلاش کرلیا، وہ ہمیشہ ابدیت اور خلود کے مقام پر فائز رہیں گے اور جنھوں نے آپ کی سیرت طیبہ سے

گہری واقفیت حاصل کر لی، انھوں نے تمام علوم کا نچوڑ اور لب ولباب حاصل کر لیا۔

سالہا سال اس طویل عرصہ کے گزر جانے کے باوجود آپ ہماری زندگی کے افق پر نہ صرف ایک نئے شہاب ثاقب اور ستارے کے مانند، نجم بلکہ ایک ایسے آفتاب عالمتاب کی طرح جگمگا رہے ہیں، جسے ساری کائنات کو منور کرنے کی قدرت حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ایک ایسی طاقتور روشنی کا منبع ہیں، جو سورج کو بھی تاج پہنا سکتی ہے۔ آپ کے منصب کی حدود اُفق حکمت کا ایک ایسا سر چشمہ ہیں، جو دلوں کو عبودیت کا شعور بخشتے ہیں اور محبت سے لبریز آپ کی رُوح، کائنات کے پہلوؤں کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر دیتی ہے۔

انسان جب بھی کسی ایسی فضا کی طرف قدم اُٹھائے، جو آپ کی یاد دلائے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے خون میں محبت جاری وساری ہے۔ وہ جیسے ہی آپ ﷺ فضا اور اقلیم کی طرف ایک قدم اُٹھاتا ہے، وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچا دینے والے رستے میں پاتا ہے، آپ کی بستی کی زیارت نورانی دور کی بندرگاہ، نقطہ آغاز کے مترادف ہے۔ جو لوگ اس نقطہ آغاز پر ایمان رکھتے ہیں، وہ شرف ملاقات سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں، ان کی رُوحیں آپ ﷺ کے شوق سے بھر جاتی ہیں۔ کوئی شخص آپ کے اس پاکیزہ مرقد مبارک کی خواہ کتنی بار زیارت کرے، وہ ہر زیارت میں اس فضا اور اس کے گرد و پیش کی گہرائی، ثروت اور خصوصیت کو محسوس کرتا ہے۔ اپنے دل کو عالم وصال کے سپرد کر دیتا ہے، اپنے گرد و پیش میں زندگی کی نبض میں تبدیلی پاتا ہے اور اپنے آپ کو فرحت وحزن کے جذبات سے متلاطم سمندر میں غوطے لگاتے ہوئے دیکھتا ہے۔

مقام پر جس کا احاطہ، معبد مبارک اور وہ گنبدِ خضرا کیے ہوئے ہے جو یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف جانا چاہتا ہو۔ انسان عالم اسلام کے احوال سے متعلق افکار کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے اور اس پر ایسے گہرے جذبات چھا جاتے ہیں، جو اس کے دل کو بھڑکتے ہوئے احساسات سے بھر دیتے ہیں۔ کبھی کبھی انسان یوں محسوس کرتا ہے جیسے کہر نے اس مبارک جگہ کو گھیر لیا ہے اور اس معبد کے چاروں طرف غمگین فضا

چھائی ہوئی ہے۔ اس وقت گنبدِ خضرا یوں معلوم ہوتا ہے گویا یہ ایک اصیل گھوڑا ہے، جو اپنے دونوں پچھلے پاؤں پر کھڑے ہوکر ہماری رُوحوں سے باتیں کررہا ہے یا الحاح وزاری سے باعثِ برکت قبر کے پاس کھڑے ہوکر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے وسیلہ طلب کررہا ہے اور ہمیں فراق وحسرت کے دنوں کی یاد دلا رہا ہے اور کبھی یوں لگتا ہے جیسے ہر جگہ کو نور نے ڈھانپ لیا ہے، اس وقت مسجد چاند کے ہالہ میں بدل جاتی ہے اور یوں دکھائی دیتا ہے جیسے گنبد اہل آسمان کو فرحت ومسرت کے تحائف پیش کرتا ہے۔ آسمان کی طرف متوجہ اس کا منظر کبھی گہرے مراقبے اور انتظار کی حالت میں اس قدر پُر اثر معلوم ہوتا ہے کہ تم گنبدِ خضرا کو اپنے دکھوں اور غموں کا ترجمان خیال کرنے لگتے ہو یا یوں محسوس کرتے ہو، جیسے وہ غزل کے فرحت بخش اشعار گا رہا ہو۔ اس کے گہرے سکوت اور خاموش انفعال میں آپ وہ سنتے ہیں، جسے سنا نہیں جاسکتا، وہ محسوس کرتے ہیں، جسے محسوس نہیں کیا جاسکتا ہو، وہ سمجھتے ہیں، جسے سمجھا نہیں جاسکتا، جس کے نتیجے میں آپ یوں محسوس کرتے ہیں کہ آپ اس مقام کے ابعاد سے تجاوز کرکے کسی اور ہی گہرائی اور عمق میں ڈوب گئے ہوں۔

گنبد خضرا اور اس کا احاطہ کیے ہوئے معبد مبارک، گرد و پیش کے چھوٹے بڑے پہاڑوں اور ٹیلوں کے ہمراہ، یوں نظر آتا ہے، جیسے وہ وسیع میدانوں، طویل صحراؤں اور ان نخلستانوں کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ ہے، جن میں ابدیت کی طرف سے آنے والی بادِ نسیم چل رہی ہو۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے پہلے آسمان میں اس کی پختہ کاری کی گئی اور پھر اسے زمین پر اتارا گیا۔ گنبدِ خضرا آسمان کی نیلگوں رنگت سے بھی زیادہ گہرا ہے۔ یہ ایک پراسرار قطعہ ہے، کتاب فطرت کی سطریں اور صفحات جو اس مبارک قطعے کو تشکیل دیتی ہیں، کا دقتِ نظر کے ساتھ انتخاب کیا گیا ہے اور انھیں نہایت اہتمام سے اپنی جگہ رکھ دیا گیا ہے۔ گویا یہ آسمان وزمین کا نقطہ اتصال ہے، اسی طرح یہ بہت سی مادی و رُوحانی اشیا کا بھی نقطہ اتصال ہے اور اس صاحبِ مکان، ہماری جانیں آپ پر قربان، کے لیے کھلے ہوئے دل جیسے ہی آکر یہاں کی فضا میں سانس لیتے ہیں، تو وہ یوں محسوس کرتے ہیں، جیسے وہ آسمان والوں کے ساتھ مل جل گئے ہوں۔ انسان جب

اس مواجہہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، جسے بستانِ خاص اور حدیقہ عشاق شمار کیا جاتا ہے، تو اس کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں، وہ سمجھتا ہے کہ دل رکنے لگا ہے، پاکیزہ چہروں کی سلوٹوں سے انفعال بلند ہونا شروع ہو جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی تعداد بھی کوئی کم نہیں، جو یہاں حرکت قلب بند ہونے سے فوت ہو گئے تھے۔

مواجہہ شریف ہمیشہ ہی بلندیوں کی طرف جانے والے عشاق کے لیے نقطہ آغاز ہے، عاشق دل والوں میں سے جو بھی یہاں پہنچا، وہ گویا ایک سحر انگیز زمانے کی دہلیز میں داخل ہو گیا، اس نے بلند آسمانوں میں پرواز یا وسیع سمندروں میں تیرا کی شروع کر دی ہے، وہ اس دہلیز میں داخل ہوتے ہی اس مبارک قطعہ کے جمال سے متعلق گویا شعر سننے لگتا ہے۔ اس کی سج دھج ہر قسم کی سج دھج سے بڑھ کر ہے، وہ اس جمال کا اس طرح جام نوش کرتا ہے، جیسے آبِ کوثر پی رہا ہو اور وہ ہر لمحہ سعادت و کامرانی کا ایک نیا رنگ محسوس کرتا ہے۔

مواجہہ شریف کے پاس زمانہ اس قدر منور، مسحور کن اور فکر انگیز ہوتا ہے کہ وہاں پہنچنے والا بیدار دل ہر انسان محسوس کرتا ہے۔ گویا وہ نبی مکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ اور منور چہرہ اقدس کی زیارت کر رہا ہے۔ وہ بذریعہ وحی کشادہ ہونے والے سینے کے انفعالات کے ایک حصے کو محسوس کرتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ آسمان کے کھلنے والے دروازوں کی آواز کو سن رہا ہے، وہ جبریلؑ کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز سنتا ہے، وہ قرآن کی پر جلال تلاوت کی آوازوں کو سنتا ہے، وہ محسوس کرتا ہے کہ اس عہد سعید میں وہ سر سے پاؤں تک رحمت کی بارش سے بھیگ گیا ہے، اس فضا میں سے ہم آہنگ نہ ہونے پر قابو نہیں پا سکتا، اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو جاری ہو جاتے ہیں، وہ جب یہ محسوس کرتا ہے کہ روضہ طاہرہ کے احساسات نے نہایت گہرائی کے ساتھ اس کا احاطہ کر لیا ہے، تو وہ چاہتا ہے کہ پگھل کر اسی روضہ طاہرہ کی طرف بہہ جائے۔

یہاں پلکوں سے دیتے ہیں در سرکار پہ دستک
جنید و بایزید آتے ہوئے اس جا لرزتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ انسان یہاں جو کچھ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، وہ بے حد گہرا ہے اور انسان کے باطن اور قلب کو مخاطب کرتا ہے۔ یہاں کی جگہ اور ہر چیز انسان کے دل میں کوئی نہ کوئی بات ڈالتی ہے۔ عاشقوں کی آہ و بقا کے ساتھ ساتھ خوش نصیب ستون خاموش ہوتے ہیں۔ مواجہہ کے حال میں وہ غم انگیز مسکراہٹ جو قبر مبارک یعنی رُوحوں کے قدسی مطاف سے ہمارے خیالات کی آنکھوں کی طرف مسکراہٹوں کو بھیج رہی ہوتی ہے، جیسے کوئی وفا شعار میزبان اپنے مہمانوں کی طرف مسکراہٹوں کو بکھیرتا ہے۔ یہ مسکراہٹیں اس درجہ حرارت اور تاثیر لیے ہوتی ہیں کہ ہر صاحب بیدار دل اس خاص اور مخفی معاملہ کے حوالہ سے یوں محسوس کرتا ہے، جیسے وہ خلوت تک پہنچ گیا ہو۔

جو لوگ اپنے دلوں سے محسوس کرتے اور ان آنکھ سے فرشتوں کی اس گزرگاہ کی طرف دیکھتے ہیں اور اسے اس مفہوم کی روشنی میں سمجھتے ہیں، انھیں یوں لگتا ہے جیسے وہاں کوئی زندہ یا جامد چیز نہیں ہے، بلکہ یہ ایک سکوت ہے، جسے پُر ہیبت رنگوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔ گویا زیارت کے تاثرات کی فضا کے ضمن میں ایک عام انتظار ہے۔ زائر جوں ہی اس مقام کی طرف پہلا قدم اُٹھاتا ہے، وہ اپنے آپ کو اس فضا کے زیر اثر پاتا ہے اور خاموشی کو اختیار کر لیتا ہے۔ اس وقت روضہ مطہرہ یوں محسوس ہوتا ہے گویا وہ اپنے اسلوب و انداز اور اپنی خاموشی کو ایک نمونے کے طور پر پیش کر رہا ہے اور ان کے جذبات کی دُنیا میں ایسے نئے احساسات و جذبات کے دسیوں قسم کے روشن دان کھول رہا ہے، جنھیں وہ پہلے جانتے تھے اور نہ ہی ان سے وہ پہلے آشنا تھے۔

صلاح الدین محمود

نقشِ اوّل کی تلاش

ترکوں نے حجاز پر اپنے دورِ حکومت کے دوران رسول پاک ﷺ کی ولادت سے لے کر آپ ﷺ کے وصال تک کے ہر لمحے سے وابستہ ہر جسمانی، روحانی، تاریخی اور جمالیاتی کیفیت کو آئندہ نسلوں کے واسطے محفوظ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ کام ایک غیر شعوری سطح پر تو عہدِ نبوی ﷺ ہی سے جاری تھا۔ مگر اب کوئی ایک ہزار برس گزر چکے تھے اور اب یہ ضروری تھا کہ ایک شعوری اور حتمی سطح پر یہ عمل ہو۔ اس کام کے واسطے جنون کی حد تک رسول پاک ﷺ سے محبت اور انسانی حواس کی حدود تک نفاست اور ذہنی سچائی کی ضرورت تھی۔ یہ رحمت ترک لحن میں موجود تھی اور اس واسطے وہ اس کام میں تقریباً مکمل کامیاب ہوئے تھے۔ ترکوں کا انسانیت پر یہ سب سے بڑا احسان ہے۔

ان کو علم تھا کہ جس خطہ زمین پر آپ ﷺ کا نزول ہوا اور آپؐ کا پہلا قدم پڑا کہ جس ہوا کا پہلا سانس آپ کے اندر جذب ہوا اور جس نے آپ کی آواز کا گداز پہلی بار برداشت کیا کہ جس ہوا کی سہار سے پہلے پرندے کی پکار آپ تک آئی اور پھر جس خلا کے خم سے چاند اور سورج نے پہلی بار آپ کو اور آپ نے پہلی بار ان کو دیکھا کہ جہاں جہاں آپ کی بینائی میں نئے ستاروں کا وقوع ہوا اور جس جس طور آپ کی وسیع ہوتی آنکھوں نے ان کی دوہری حرکت کو واحد کر کے اپنے لہو میں سمویا کہ یہ قد آور لمحے، گوشے، چپے اور ہوا اور بینائی، صدا اور شنوائی کے نقش اول محض رسول اللہ ﷺ ہی کے نہیں، بلکہ آتی دنیا تک ہر نئے کلمہ گو کے لہو اول، ازلی، آبائی اور اصلی نشان ہیں۔ اس بات کا ان کو مکمل علم تھا، سو ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے پنپ پا کر اس

بڑے ہوتے بچے میں بنو سعد کی خصلت اور محبت سے آغاز کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر سب سے پہلے انھوں نے مدینہ منورہ میں اس میدان کا تعین کیا کہ جہاں مرنے سے پہلے ایک خوبرو اور کم عمر نوجوان نے اپنے گھر سے دور، بخار کی گرمی اور بے چینی کو مٹانے کے واسطے، ایک شام، چند لمحات کے واسطے گشت کیا تھا اور پھر اپنی کمسن، خوبصورت اور ہنس مکھ بیوی کو بیوہ اور ابھی ماں کے بدن ہی میں قائم بچے کو یتیم اور بے سہارا چھوڑ کر اپنی تمنائیں اپنے دل ہی میں لیے وفات پا گیا تھا۔

پھر انھوں نے ایک پہاڑ کی کوکھ میں اس چھوٹے سے گھر کا تعین بھی کیا تھا کہ جس کی پہلی منزل پر شمال کی جانب قائم، ایک چھوٹے سے بالکل چوکور کمرے میں جہاں چہار آئینوں کی اوٹ میں چہار سمتیں ملتی تھیں، ایک بچہ کہ جس کو کائنات کی امان تھی، ظہور میں آیا تھا۔ پھر اس بچے کو ایک بزرگ انسان نے اپنے محنت اور سورج سے کملائے ہاتھوں سے اپنی ایک چادر میں لپیٹا تھا اور وہ پگڈنڈی طے کی تھی کہ جو اللہ کے گھر تک جاتی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس ضعیف انسان نے چادر میں لپٹے ہوئے نوزائیدہ بچے کو ہاتھوں میں رکھ کر کائنات کی جانب بلند کیا تھا اور دعا کی تھی کہ اے خالق کائنات اس بچے پر رحم فرما اس واسطے کہ یہ بے آسرا اور یتیم ہے۔ ترکوں نے اس شمالی کمرے، اس آبائی پگڈنڈی اور اس دعا کے مقام کا بھی نہایت ہی کاوش سے تعین کر کے نشان چھوڑا تھا۔

پھر انھوں نے پہلی رگوں کے سیاہ پہاڑوں اور اکثر اوقات خاموش ریگستان کے سنگم پر قائم اس جگہ کو بھی دریافت کر کے محفوظ کیا تھا، جہاں اس دعا کے کوئی چھ برس بعد اپنے جواں مرگ خاوند کی قبر سے واپسی پر اپنے چھ برس کے حیران بچے کی انگلی پکڑے جب اس کمسن خاتون نے ایک رات کے واسطے پڑاؤ کیا تھا، تو وفات پائی تھی۔

اگلے روز حیران آنکھوں والے اس چھ برس کے بچے نے اپنی ماں کا چہرہ کہ جس سے اب آہستہ آہستہ وہ مانوس ہو رہا تھا، آخری بار دیکھا تھا اور پھر اپنی ماں کو اپنے کچے کچے ہاتھوں سے انجان خاک میں اتار کر قافلے کے ساتھ مقدر کی جانب چل پڑا تھا۔ ترکوں نے اپنی مثالی درستگی، سادگی، صفائی اور خوش اسلوبی سے ایک کتبہ یہاں بھی

چھوڑ دیا تھا کہ آنے والوں کو آگاہی ہو کہ معصوم دلوں کی اکیل ہی ہے کہ جوان کو وحدت کا ہمراز بتاتی ہے۔

ان کا اگلا قدم اس راستے کا تعین کرنا تھا کہ جس پر اس واقعے کے تین برس بعد یہ بچہ ایک ضعیف میت کے ساتھ ساتھ چارپائی کا پایا پکڑ کر سب کے سامنے بلک بلک کر روتا ہوا چلا تھا۔ اس کو شاید احساس تھا کہ آج کے بعد اس کی اکیل کائناتی وحدت کی اکیل ہے اور آج کے بعد شاید وہ کبھی کھل کر رو بھی نہ سکے گا...... غرض یہ کہ ترکوں نے رسول پاک ﷺ کی ولادت سے لے کر آپ کے وصال تک کے واقعات کو آنے والی نسلوں کے تاریخی، جمالیاتی اور ایمانی شعور کے واسطے درستگی اور سادگی کے ساتھ محفوظ کرنے کا جو بیڑا اٹھایا تھا، اس میں وہ ایک بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ آپ کے بچپن سے جوانی تک کی سمتوں کا تعین کرنے کے بعد انھوں نے غارِ حرا کی چوٹی سے آسمانوں کو دیکھا اور پھر اس اونچے پہاڑ کی نشیبی وادی میں قائم شہر کے ایک گھر کے اس چھوٹے سے کمرے کا تعین کیا کہ جہاں حیرت پرے سے اپنے نام کی پکار سننے کے بعد واپس آ کر رسول پاک ﷺ نے آرام فرمایا تھا اور جہاں حضرت خدیجہؓ نے آپ پر اپنے مکمل اعتماد سے آپ کو اس حد تک حوصلہ دیا تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں قیام کریں گے، تو آپ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ حضرت خدیجہؓ کی قبر کے ساتھ آپ کا خیمہ نصب کیا جائے۔ بعض لوگوں کے استفسار پر کہ آخر ایک قبر کے کنارے ایک قبرستان میں کیوں؟ آپ نے فرمایا تھا:

> ''جب میں غریب تھا، تو اس نے مجھ کو مالا مال کیا۔ جب انھوں نے مجھ کو جھوٹا ٹھہرایا، تو صرف اس ہی نے مجھ پر اعتماد کیا اور جب سارا جہان میرے خلاف تھا، تو صرف اس اکیلی ہی کی وفا میرے ساتھ تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔''

ترکوں کے ماہرین نے پہلے اس گھر کا، پھر اس گھر میں اس کمرے کا تعین کیا کہ جہاں مکمل اعتماد کا یہ بنیادی لمحہ گزرا تھا۔ یہاں یہ بیان کرنا شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو

کہ کمرے اور اس کمرے کے بارے میں کہ جہاں آپ کا ظہور ہوا تھا، عثمانی حکومت کی جانب سے جو جاری احکامات تھے، وہ کیا تھے؟ حضرت خدیجہؓ کے گھر والے کمرے کے بارے میں جاری حکم تھا کہ ہر بار رمضان کا چاند دیکھتے ہی اس میں سفیدی کی جائے اور پھر فجر کی اذان تک خواتین بآواز بلند قرآن کی تلاوت کریں، جبکہ حضرت عبدالمطلب کے گھر میں واقع اس شمالی کمرے کے بارے میں احکامات یہ تھے کہ پہلی ربیع الاول کو کمرے کے اندر سفید رنگ کیا جائے۔ رنگ ساز حافظ قرآن ہوں اور پھر ربیع الاول کی اس رات کہ جب آپ کا ظہور ہوا، معصوم بچے اس کمرے میں اندر آئیں اور قرآن کی تلاوت کریں۔ اگلی صبح پرندے آزاد کرنے کا حکم اور رواج تھا۔

سو جہاں انھوں نے حضرت خدیجہؓ کے مکان اور مقبرے کا تعین کیا، وہاں انھوں نے بنوارقم کی بیٹھک کو محفوظ، ورقہ نوفل کی دہلیز کو پختہ اور حضرت ام ہانیؓ کے آنگن کی نشاندہی بھی کروائی۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے مکے اور مدینے میں قائم ان ازلی قبرستانوں کو کہ جن میں خانوادۂ رسول کے بیشتر افراد، اصحاب کرام اور ان کے خاندان اور چیدہ ترین بزرگانِ دین قیامت کے منتظر سوتے تھے، صاف ستھرا اور پاک کروایا اور پھر نہایت ہی سلیقے سے قبروں کی نشان دہی کر کے مکمل نقشے مرتب کروائے۔

ان تمام کارروائیوں میں ترکوں کا طریقہ کار بہت مؤثر اور یکتا ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر جب ترک حجاز پہنچے، تو مسجد بلال جو کہ خانہ کعبہ کے سامنے ایک پہاڑ پر واقعہ ہے، صدیوں کی غفلت کی وجہ سے تقریباً مٹی اور پتھر ہو چکی تھی۔ اس چھوٹی سی مسجد کو اس کے اصلی خطوط پر دوبارہ تعمیر کرنے کے واسطے جو طریقہ اختیار کیا گیا، وہ یہ تھا۔ پہلے تمام مٹی کو الگ کر لیا گیا اور پھر تمام چونے کو اور اس کے بعد تمام اصلی پتھروں کو، اس کے بعد مٹی اور چونے کو پیس کر اور نہایت ہی باریک چھلنیوں سے چھان کر الگ الگ تیار کر لیا گیا۔ بجھے ہوئے چونے کا کیمیائی تجزیہ کر کے اس کے اجزا معلوم کیے گئے۔ پھر ان اجزا کے اصلی اور پرانے ماخذ دریافت کرنے کے بعد ایک ہی ماخذ کے نئے اور پرانے چونے کو ملا کر مزید طاقتور بنا کر چنائی کے واسطے استعمال کیا گیا۔ پتھر بھی اپنی تراش، کیفیت اور

ساخت کو مدنظر رکھتے ہوئے تقریباً اسی طرح اور اسی جگہ نصب ہوئے کہ جہاں پہلی مرتبہ عہد نبوی کے فوراً بعد نصب ہوئے تھے۔

اس طرح وہی مٹی، وہی گارا اور وہی چونا اور وہی پتھر بالکل اسی طرح استعمال ہوا جیسا کہ صدیوں پہلے مسجد کی تعمیر اوّل میں استعمال ہوا تھا۔ مسجد نئی بھی ہوگئی اور اپنے اصلی اور اول خطوط پر قائم بھی رہی۔ یہ ترکوں کے طریقۂ کار کی محض ایک اور قدرے معمولی مثال ہے۔

جب 53 برس مکے میں بیت گئے اور زمین کی گردش اس شہر کو ایک بار پھر وہیں لے آئی اور جہاں وہ 53 گردشوں پہلے تھا، تو نئے ستاروں کا وقوع ہوا تھا اور رسول پاک ﷺ نے مدینے کا رُخ کیا تھا۔ سو ترک بھی اس آبائی راستے پر چل نکلے تھے۔ غار ثور کو انھوں نے کچھ نہ کہا اور یہی مناسب سمجھا کہ نہ تو اس کے جالے صاف کریں اور نہ یہ کبوتروں صدیوں پرانے گھونسلوں کے جھار جھنکاڑ کو کاٹیں یا ہٹائیں۔ غار ثور کو انھوں نے مکڑیوں اور کبوتروں کے سپرد ہی رہنے دیا کہ اب جائز طور پر وہی اس گوشے کے مالک اور حقدار تھے۔ غارِ حرا تک کی نہایت ہی مشکل چڑھائی کو بھی انھوں نے آسان بنانے کی کوئی کوشش نہ کی تا کہ چڑھنے والوں کی چوٹی تک پہنچنے کے جتن کا احساس برابر ہوتا رہے۔ ہاں اتنا ضرور کیا کہ دو تہائی چڑھائی پر ایک نہایت سادہ سی ناند بنا دی تا کہ بارش کا پانی کبھی کبھی جمع ہو سکے اور بچے، بوڑھے اور عورتیں اگر چاہیں، تو چڑھائی کے دوران پیاس بجھا سکیں۔

اس کے بعد انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے لے کر مدینے کے اطراف میں قائم بنونجار کی کچی بستی تک ہجرت کے راستے کا حتمی تعین کر کے نقشہ مرتب کیا۔ ترک جب حجاز پہنچے تو بنونجار تتر بتر ہو چکے تھے۔ پھر بھی ترکوں نے بچے کھچے لوگوں کو تلاش کیا اور سینہ بہ سینہ محفوظ، ان کے لوگ گیتوں کو پہلی بار قلمبند کر کے باقاعدہ محفوظ کیا۔ مسجد قبا کو نہایت ہی ہنر سے بحال کرنے کے بعد وہ کچھ دیر اس کنوئیں کی منڈیر پر بھی ستانے کو بیٹھے کہ جہاں ہجرت کے بعد پہلی نماز ادا کر کے رسول پاک ﷺ نے قیام فرمایا تھا اور جہاں آپ کی دید سے اپنے آپ اونچے ہوتے ہوئے پانی میں اپنے رخ انور کا شفاف

عکس دیکھ کر پہلے ایک لمحہ توقف اور مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

اس کنوئیں سے اب راستہ مدینے کو جاتا تھا۔ مدینے کے اس میدان تک جاتا تھا کہ جہاں آپ کی آمد سے کوئی 53 برس پہلے، ایک شام، وفات سے پہلے ایک خوبرو اور کم عمر نوجوان نے اپنے گھر سے دور اپنے بخار کی گرمی اور بے چینی کو مٹانے کے لیے چند لمحات کے واسطے گشت کیا تھا اور پھر اپنی کمسن، خوبصورت اور ہنس مکھ بیوی اور اپنی ماں کے بدن ہی میں قائم بچے کو یتیم اور بے سہارا چھوڑ کر اپنی تمنائیں اپنے دل ہی میں لیے وفات پا گیا تھا۔

ایک بار پھر وہی میدان تھا۔ مسجد نبوی کو اب یہاں تعمیر ہونا تھا۔ مسجد نبوی کی تعمیر بھی ایمان، ہنر مندی، پاکیزگی اور نفاست کی ایک عجیب اور انوکھی داستان ہے۔

پہلے پہل برسوں تک تو ترکوں کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسجد نبویؐ کی تعمیر کریں۔ ان کے نزدیک یہ ایک کائناتی اور انسانی حدود سے ماورا طاقتوں کے بس کا عمل تھا اور وہ محض انسان تھے۔ مگر جب انسان سچی محبت کرتا ہے تو وہ اپنے آپ سے باہر قدم دھرنے کی ہمت بھی پا جاتا ہے۔ سو اپنی محبت کی سچائی کے سہارے انھوں نے یہ کام شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ ترکوں نے اپنی وسیع سلطنت اور پھر پُورے عالمِ اسلام میں اپنے اس ارادے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ اس حتمی کام کے واسطے ان کو عمارت سازی اور اس سے متعلقہ علوم اور فنون کے ماہرین درکار ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ ہندوستان، افغانستان، چین، وسطی ایشیا، ایران، عراق، شام، مصر، یُونان، شمالی اور وسطی افریقہ کے اسلامی خطوں اور نہ جانے عالمِ اسلام کے کس کس کونے اور کس کس چپے سے نقشہ نویس، معمار، سنگ تراش، بنیادیں زمین کی زندہ رگوں تک اُتارنے کے ماہر، چھتوں اور سائبانوں کو ہوا میں معلق کرنے کے ہُنر مند، خطاط، پچّی کار، شیشہ گر اور شیشہ ساز، کیمیا گر، رنگ ساز اور رنگ شناس، ماہرین فلکیات، ہواؤں کے رُخ پر عمارتوں کی دھار کو بٹھانے کے ہُنر مند اور نہ جانے کن کن عیاں اور کیسے کیسے پوشیدہ علوم کے ماہرین، اساتذہ، پیشہ ور اور ہُنر مندوں نے دُنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں اپنے اہل وعیال

کوسمیٹا اوراس ازلی بلاوے پر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہو گئے، کہیں بے حد دُور ایک چٹیل ریگستان میں جنت کی کیاری کے کنارے، ان کے رسول ﷺ کی قیام گاہ پر تعمیر ہونی تھی اور وہ اوران کے ہُنر اب ہر طرح اس کام کے واسطے وقف تھے۔

ترکوں کواس والہانہ کیفیت کی ایک حد تک اُمید تھی، مگر پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس اجتماعی بے اختیاری اور مکمل اطاعت پر ان تک کو تعجب ضرور ہوا تھا۔ بہرکیف ان کی تیاریاں بھی مکمل تھیں۔ عثمانی حکومت کی تقریباً ہر شاخ، اعلان سے پہلے ہی حرکت میں آ چکی تھی اور حکومت کے اہل کار اپنی حدود میں اور سفیر دوسرے اسلامی ممالک میں اس انداز اور ارادے کے تمام لوگوں کی اعانت کے واسطے تیار تھے۔ ان اہل کاروں اور سفیروں کو یہ احکامات تھے کہ وہ ان تمام ماہرین اوران کے ہمراہ ان کے اہل وعیال کو، اگر وہ چاہیں، تو قسطنطنیہ تک کے راستے میں ہر طرح کی سہولت فراہم کریں۔ ادھر سلطانِ وقت کے حکم سے قسطنطنیہ سے چند فرسنگ باہر میدانوں میں ایک خود کفیل اور کُشادہ بستی تیار ہو چکی تھی۔ سو پھر جب ان یکتائے روزگار لوگوں کے قافلے پہنچنے شروع ہوئے، تو ان کوان کے روزگار کے اعتبار سے اس نئی بستی کے الگ الگ محلوں میں بسایا جانے لگا اور حکومت مکمل طور پر ان کی کفیل ہوئی۔

اس عمل میں کوئی پندرہ برس گزر گئے، مگر اب یہ یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ اس بستی میں اپنے وقتوں کے عظیم ترین فنکار جمع ہو چکے ہیں۔ اب خود سُلطانِ وقت اس نئی بستی میں گیا اوراس نے خاندانی سربراہوں کا اجلاس طلب کر کے منصوبے کا اگلا حصہ ان کے سامنے رکھا۔ منصوبے کا اگلا حصہ اس طرح تھا۔ ہر ہنر منداپنے سب سے ہونہار بچے یا بچوں، (اولاد نہ ہونے کی صورت میں ہونہار ترین شاگرد) کا انتخاب کرے اوراس بچے کے جوان ہو کر پُختہ عمر تک پہنچنے تک اس کے بدن اور لحن میں اپنا مکمل فن منتقل کر دے۔ ادھر حکومت کا ذمہ تھا کہ وہ اس دوران اس اندازے کے اتالیق مقرر کرے کہ وہ ہر بچے کو پہلے قرآن کریم پڑھائیں اور پھر قرآن حفظ کروائیں۔ ساتھ ساتھ بچہ شہ سواری بھی سیکھے۔ اس تمام تعلیم، تربیت اور تیاری کے واسطے پچیس برس کا عرصہ مقرر کیا گیا۔

اس منصوبے پر ہر ایک نے لبیک کہا اور صبر، محنت، محبت اور حیرت کا یہ بالکل انوکھا عمل شروع ہوا۔ چنانچہ پچیس برس بیت گئے اور ان انوکھے ہنرمندوں کی ایک نئی اور خالص نسل نشوونما پا کر تیار ہو گئی۔ یہ تیس سے چالیس برس عمر کے مخصوص اور نیک اطوار نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت تھی کہ جو محض اپنے اپنے آبائی اور خاندانی فنون ہی میں یکتا اور عنقا نہیں تھے، بلکہ اس جماعت کا ہر فرد حافظِ قرآن اور فعّال مسلمان ہونے کے علاوہ ایک صحت مند نوجوان اور اچھا شہسوار بھی تھا۔ بچپن کے لمحہ اوّل سے ان کو علم تھا کہ یہ وہ چیدہ لوگ ہیں کہ جن کو ایک روز کہیں بے حد دُور، ایک چٹیل ریگستان میں، جنت کی کیاری کے کنارے اپنے رسول ﷺ کی قیام گاہ کے گرد ایک ایسی کائناتی عمارت تعمیر کرنی ہے کہ جو آسمان کی جانب اس زمین کا واحد نشان ہو۔

ترکوں کے اعلانِ اوّل سے لے کر اب تک کوئی تیس برس سے زیادہ بیت چکے تھے، اور مسجد نبویؐ کے معمار، جن کی تعداد کوئی پانچ سو کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے، تیار تھے۔ ایک طرف تو ہُنر مندوں کی یہ جماعت تیار ہو رہی تھی اور دوسری طرف ترک حکومت کے اہل کار عمارت کے واسطے ساز و سامان اکٹھا کرنے میں ایک خاص قرینے کے ساتھ مصروف تھے۔ حکومت کے شعبہ کان کنی کے ماہرین نے خالص اور عمدہ رگ و ریشے کے پتھر کی بالکل نئی کانیں دریافت کیں کہ جن سے صرف ایک بار پتھر حاصل کر کے ان کو ہمیشہ کے واسطے بند کر دیا گیا۔ ان کانوں کی جائے وقوع کو اس حد تک صیغہ راز میں رکھا گیا کہ آج تک کسی کو علم نہیں ہے کہ مسجد نبویؐ میں استعمال ہونے والے پتھر کہاں سے آئے تھے۔ بالکل نئے اور ان چُھوئے جنگل دریافت کیے گئے اور ان کو کاٹ کر ان کی لکڑی کو بیس برس تک حجاز کی آب و ہوا میں آسمان تلے موسمایا گیا۔ رنگ سازوں نے عالمِ اسلام میں اُگنے والے درختوں اور خاکی و آبی پودوں سے طرح طرح کے رنگ حاصل کیے اور شیشہ گروں نے شیشہ بنانے کے واسطے حجاز ہی کی ریت استعمال کی۔ پچہ کاری کے قلم ایران سے بن کر آئے، جب کہ خطاطی کے واسطے نیزے دریائے جمنا اور دریائے نیل کے پانیوں کے کنارے اُگائے گئے۔ غرض یہ کہ جب تک ان ہنرمندوں کی جماعت

تیار ہوئی، ان ہی کے بزرگوں کی خاص طور پر تیار کردہ ٹولیوں نے عمارتی سامان بھی فراہم کرلیا۔ یہ سارا عمارتی سامان مع ہُنر مندوں کی جماعت کے نہایت ہی احتیاط سے پہلے خشکی، پھر سمندر اور پھر خشکی کے راستے حجاز کی سرزمین تک پہنچا دیا گیا کہ جہاں مدینے سے چار فرسنگ دُور ایک نئی بستی اس تمام سامان کو رکھنے اور ہنرمندوں کے تعمیر کے دوران رہنے سہنے کے واسطے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تعمیر مدینہ میں ہونی تھی، تو پھر ساز و سامان مدینے ہی میں رکھا جاتا۔ آخر یہ چار فرسنگ (بارہ میل) دُور کیوں؟ اس کی وجہ تُرک یہ بتاتے ہیں کہ آخر ایک بہت بڑی عمارت تیار ہونی تھی کہ جس کے واسطے مختلف جسامت کے ہزاروں پتھر کاٹے جانے تھے، بڑے بڑے مچان ٹھوک ٹھاک کر تیار ہونے تھے، اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے ضروری عمارتی عمل ہونے تھے کہ جن میں شور کا بے حد امکان تھا، جبکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ عمارت کی تعمیر کے دوران مدینے میں ذرّہ برابر بھی کوئی شور نہ ہو اور جس فضا نے ہمارے رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں دیکھیں اور آواز سُنی ہوئی تھی، وہ اپنی حیا، سکون اور وقار قائم رکھے۔

سو ہر ایسا کام کہ جس میں ذرا بھی شور کا امکان تھا، مدینے سے چار فرسنگ کے فاصلے پر ہوا اور پھر ہر چیز کو ضرورت کے مطابق مدینے لے آیا گیا۔ ایک ایک پتھر پہلے وہیں کاٹا گیا اور پھر مدینے لا کر نصب کیا گیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ چُنائی کے دوران کسی پتھر کی کٹائی ذرا زیادہ ثابت ہوئی یا کوئی مچان یا جنگلا چھوٹا یا بڑا پڑا، تو اس کو عجلت میں ٹھوک بجا کر وہیں رسول اللہ ﷺ کے سرہانے ٹھیک نہ کیا گیا، بلکہ چار فرسنگ دور کی بستی لے جا کر اور دُرست کر کے دوبارہ مدینے لایا گیا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ اُس دُور میں ذرائع مواصلات کیا تھے۔ بھاری بوجھ نہایت سست رفتاری اور صبر سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاتا تھا اور انسانی نقل و حمل کے واسطے سب سے تیز رفتار سواری گھوڑے کے علاوہ کوئی اور نہ تھی۔

سو جبکہ سارا عمارتی سامان اپنی خام شکل میں مدینے کے مضافات والی بستی میں پہنچ گیا اور پھر پانچ سو کے لگ بھگ ہنرمندوں کی جماعت نے بھی اسی بستی میں آن کر

سکونت پالی، تو سب کچھ اب اس جماعت کے سُپرد کر دیا گیا۔ اپنے فنون کے استعمال اور اپنے تخلیقی عمل میں یہ فنکار و ہنر مند بالکل آزاد تھے۔ صرف دو احکامات ان کو دیے گئے۔ اوّل یہ کہ تعمیر کے لحہ اوّل سے لے کر لحہ تکمیل تک اس جماعت کا ہر ہنر مند اپنے کام کے دوران باوضو رہے اور دوم یہ کہ اس دوران وہ ہر لحہ تلاوتِ قرآن جاری رکھے۔

سو باوضو حافظِ قرآن ہُنر مندوں کی یہ جماعت پورے پندرہ برس تک مسجد نبویؐ کی تعمیر میں مصروف رہی اور پھر ایک صبح آئی کہ مسجد نبویؐ کے خلائی نشان کی چوٹی سے فجر کی اذان نے، زمین سے نہایت ہی بھروسے اور ایمان سے اُگی اس عمارت کے مکمل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب خلا محفوظ بھی تھا اور آزاد بھی۔

یہ عمارت کیسی ہے، کیا ہے، کہاں ہے اور کہاں لے جاتی ہے؟ اس بارے میں تو الگ کتاب لکھوں گا۔ یہاں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ عمارت اس جہان میں ہوتے ہوئے بھی اس جہاں میں نہیں ہے۔ اپنے آپ میں قائم رہ کر اس عمارت کو دیکھو تو یہ کہیں اور ہے۔ اپنے آپ سے باہر قدم دھر کے اس کو دیکھو تو یہ کہیں اور، اور ہم کچھ اور ہیں۔ پتھر، خلا، ہوا، آواز، لحن، نیت، ایمان اور نور نے مل کر صبر کی ایک نئ بنت کی ہے۔ متوازی اوقات اگر رنگ برنگ کے دھاگے ہیں تو ان کی بُنت میں بے رنگ کا دھاگہ اس عمارت کا نور ہے جو کہ اس بنت کو محض معنی ہی نہیں دیتا، بلکہ اوقات کا ایک دوسرے سے ایک جائز اور مخفی رابطہ بن کر اوقات کو ایک مرکز بھی فراہم کرتا ہے اور اوقات کے اس مرکز سے ہم کو اپنے رسول اللہ ﷺ کی آواز یوں آتی ہے کہ جیسے خلا محفوظ بھی ہو اور آزاد بھی، اندھیرے میدانوں میں کبھی نور کا شجر اُگے تو کبھی نور کی وادیوں میں اندھیرا خود ایک شجر ہو کہ جیسے نور محض نور ہی نہ ہو، بلکہ نور کا منبع بھی ہو۔ سو جب ریاض الجنۃ میں اس خلا کے خم پر اپنے رسول ﷺ کے سرہانے بیٹھو، تو کشف ہوتا ہے کہ آخر محبت کے کیا معنی ہیں اور نیت کی کیا حدود اور پھر وہ بے نام ہنر مند یاد آتے ہیں کہ جن کو اپنے ہنر سے اس واسطے محبت تھی کہ وہ ان کے رسول اللہ ﷺ کے واسطے تھا کہ جنھوں نے اس چٹیل میدان میں اس جنت کی کیاری کے کنارے اپنے رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ کی حیا، سکون اور حیرت کو قائم

رکھتے ہوئے اس عمارت کو اس خلا کے خم پر تعمیر کیا تھا کہ آج اس عمارت میں محض ان کا ہنر ہی نہیں، بلکہ ان کے ہنر کا غیب بھی محفوظ ہے اور پھر ترکوں کے واسطے دُعا ہمارے پور پور سے بلند ہوتی ہے۔

عبدالحمید قادری

جستجوئے مدینہ

مدینہ طیبہ ایسا شہر مقدس ہے جہاں شب و روز، ہر لحظہ اور ہر سو انوار رب ذوالجلال والاکرام کی جلوہ آرائی جاری رہتی ہے۔ مدینہ ''المنورہ'' کی وجہ تسمیہ ہی یہاں نور اوّلین و آخرین سید الثقلین اور نبی الحرمین ﷺ کا قیام ابدی ہے۔ بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو چشم بصیرت سے ان انوار و اکرام کی جلوہ آرائی دیکھ لیتے ہیں جن سے چشم ظاہر بین مستفید نہیں ہو پاتی، تاہم اس کا ظاہری جاہ و جمال کسی بھی نگاہ کو خیرہ کر دیتا ہے۔ اگر کہیں رات کی ظلمتوں میں جانب شہرِ حبیب جانا ہو تو بہت دور سے ہی نگاہیں مینارہ ہائے تجلیات پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ طیبہ و بطحا کا یہ مرکز تجلیات مسجد نبویؐ شریف ہے جس کے آنگن سے ہونے والی ضیا پاشی سے کون و مکاں روشن ہیں۔ جوں جوں زائر شہر آرزو کے اس مرکزِ انوار کے قریب آتا جاتا ہے، اپنے چاروں طرف عالمِ جذب و شوق کا بحر بیکراں موج زن پاتا ہے اور پھر انتہائی ادب و احترام سے ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ وہ اس ادب گاہِ عالمیں کی طرف ایسے کھنچتا چلا جاتا ہے کہ الفاظ اس کیفیت کے بیان سے یکسر قاصر رہ جاتے ہیں۔ اقبال تو مسجد قرطبہ کے میناروں پر تجلیات کے نزول کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے تھے:

تیرے در و بام پر وادی ایمن کا نور
تیرا منارۂ بلند جلوہ گاہِ جبرائیل

اور اگر کہیں ان کی حاضری مدینہ طیبہ میں ہو جاتی تو یقیناً اس حُسنِ لازوال کے انوار و تجلیات کو دیکھ کر مثل کلیم اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھتے۔ اس بقاع طاہرہ اور مرکز انوار

کی شعاؤں نے شہر نبویؐ کے گلی کوچوں کو اس طرح منور کر رکھا ہے کہ چار دانگ عالم میں بسنے والا ہر فرزندِ توحید اس کو مدینہ منورہ (یعنی روشن شہر) کہہ کر پکارتا ہے صرف اس لیے کہ مدینہ طیبہ بدرالدجیٰ شمس الضحیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ واتم تسلیما کے ابدی نور، لامتناہی تجلیات اور جمال عالم آرا سے تا بہ ابد منور و تاباں ہے۔ عالم اسلام میں تقدس میں مکۃ المکرّمہ کے بعد شہر حبیب کا نام آتا ہے۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروقؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ جس شہر کو سب سے زیادہ فوقیت دیتے تھے وہ یہی شہر مصطفوی ﷺ ہے جہاں امام القبلتین نبی الحرمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تا بہ ابد مقیم ہیں۔ جب ام القریٰ مکۃ المکرّمہ نے ''بلدالامین'' ہونے کے اعزاز کا حق ادا کرتے ہوئے وہ امانت جس کی بدولت اسے ''الامین'' ہونے کا اعزاز نصیب ہوا تھا، کو مدینۃ المنوّرہ کی جھولی میں ڈال دی جس نے اب اصلاً ''صاحب امانت'' ہونے کا کردار ادا کرنا تھا، تو رب العزت جل جلالہ نے اسے ایک اور خطاب سے نواز دیا اور وہ خطاب اور لقب ''مخرج صدق'' تھا۔ پھر جب اس امانت رب جلیل نے ناقہ مصطفوی (قصویٰ) پر سوار ہو کر یثرب کی گھاٹیوں پر قدم رنجہ فرمایا تو نہ صرف یثرب کی قسمت جاگ اُٹھی اور یہ مدینۃ النبی ﷺ قرار پا گیا بلکہ رب العزت جل جلالہ نے اسے ''مدخل صدق'' ہو جانے کا اعزاز عنایت فرمایا اور پھر یہی مدخلِ صدق، تا بہ ابد ''سراج منیر'' کا مسکن و مدفن ہو گیا۔

اس موقع پر میں یہ وضاحت کرنا بھی اپنا اوّلین فرض سمجھتا ہوں کہ نہ تو میں کوئی عالم ہوں اور نہ ہی کبھی مجھے مورخ ہونے کا ادنیٰ سا گمان بھی ہوا ہے۔ میں تو صرف شہر حبیب ﷺ کا ایک حقیر و ادنیٰ مدح خواں ہوں جسے رب ذوالجلال نے اپنے کمال لطف و کرم سے بار بار اس سعادت سے نوازا ہے کہ 1975ء سے آج تک اس شہر مقدس کی زیارت سے بہرہ ور ہوتا آ رہا ہوں۔ یہ سعادت سال میں کبھی ایک یا دو بار، کبھی ہر ماہ یا کبھی پندرہ دن بعد مجھے میسر آتی رہی۔ اتنی کرم فرمائیوں کے باوجود دم واپسی پر میری کیفیت بھی ہر اس زائر مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاءً، کی طرح ہو جاتی ہے جو لوٹتے وقت ایک طرف اپنے اندر ذوق و شوق کو اور بھڑکتا محسوس کرتا ہے تو دوسری طرف وہ اپنے غمگین دل

کے ساتھ دوبارہ لوٹ آنے کی تمنا لیے بوجھل قدموں سے رخصت بھی ہو رہا ہوتا ہے۔

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسن
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

میں جب بھی اس شہر حبیب ﷺ سے رخصت ہوا تو اشکبار آنکھوں کے ساتھ میرے دل نے صرف ایک ہی دُعا کی: ''خدایا ایں کرم بار دگر کن''۔ اس کی رُوح پرور اور مشک بیز فضائیں ہر آنے والے کے دل ودماغ پر محبت کی ایسی مہر لگا دیتی ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ وہ وہیں کا ہو رہے یا بصورت دیگر اسے وہاں بار بار حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوتی رہے۔ یہ شہر حبیب اور بلدۃ میمونہ اپنے آپ میں ایک مکمل کائنات ہے جس کی حرمت وتقدس کا یہ عالم ہے کہ اس کے کاخ وکو، اس کے شجر وحجر، اس کے چرند پرند، اس کی ہوائیں، اس کی فضائیں اور اس ارض طیبہ کی مٹی تک تقدس میں حرم نبویؐ شریف کا حصہ ہیں اور واجب الاحترام ہیں۔ فرمان مصطفیٰ ﷺ میں تو اس بات تک کی صراحت کر دی گئی ہے کہ اس کی مٹی میں شفاء ہے۔ اس کی سرزمین ان گنت آثار اور تبرکات نبویؐ کی امین ہے جن کی کڑی کسی نہ کسی طور پر سیرت مصطفوی ﷺ سے جڑی ہوئی ہے۔ تاریخ اسلامی کے مختلف سنگ میل انھیں آثار مبارکہ کی شکل میں آج بھی ہر زائر طیبہ کے دلوں میں ان سوانح طیبہ کی یاد تازہ کر دیتے ہیں جسے عرف عام میں سیرۃ مطہرہ رسول مقبول ﷺ کہا جاتا ہے۔

مسجد نبوی شریف کی فضیلت اور اہمیت کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

- ''وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے، پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اُس میں۔ اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے۔ (التوبہ:108)

ان الفاظ میں رب ذوالجلال والاکرام قرآن کریم میں اس مسجد شریف کے تقدس کی شہادت دیتے ہیں جس کی بنیاد روز اوّل سے ہی پرہیز گاری پر رکھی گئی تھی۔

اگر چہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کی آرا میں کچھ اختلاف ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مذکور مسجد سے کون سی مسجد مراد ہے، لیکن اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع اس بات پر ہی تھا کہ احادیث رسول مقبول ﷺ کی روشنی میں اس سے مراد مسجد نبویؐ شریف ہی تھی نہ کہ مسجد قباء۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ سے مروی ہے: حضرت عبدالرحمٰن بن ابوسعید الخدریؓ میرے پاس تشریف لائے اور میں نے انھیں کہا: آپ نے اپنے والد ماجد سے اس مسجد کے بارے میں کیا سنا تھا جس کی بنیاد روز اوّل سے ہی تقویٰ پر استوار کی گئی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: میرے والد نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جب کہ آپ حضور ﷺ اپنی زوجات مطہرات میں سے ایک کے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما تھے اور میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر استوار ہوئی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے زمین سے مٹھی بھر سنگریزے اُٹھائے اور پھر زمین پر پھینکتے ہوئے فرمایا: یہی میری مسجد وہ مسجد ہے (یعنی مسجد مدینہ۔ مسجد نبویؐ شریف) راوی نے بیان کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ کے والد کو ایسا ہی فرماتے ہوئے سنا تھا۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسجد کے بارے میں دریافت کیا جس کی بنیاد روز اوّل سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی جس پر سید الانس والجان ﷺ نے فرمایا: یہی وہ مسجد ہے (یعنی مسجد نبویؐ شریف)۔ البلاذری نے بھی ایک حدیث مبارکہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے نقل کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں دو آدمیوں کے درمیان آپس میں بحث چل نکلی کہ وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر استوار ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک کا خیال تھا کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبویؐ ہے جب کہ دوسرا یہ کہہ رہا تھا کہ وہ مسجد ''مسجد قباء'' ہے۔ آخر کار دونوں دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گئے اور آپ سے اس معاملہ میں عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی جو میری مسجد ہے۔ یہی نظریہ اصحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تھا اور یہی رائے مشہور تابعین اور فقہاءِ کرام مثلاً حضرت سعید بن

المسیّبؓ اور حضرت خارجہ بن زیدؓ کی تھی جو کہ دوٹوک الفاظ میں کہتے تھے کہ وہ مسجد جس کی بنیاد اوّل یوم سے ہی تقویٰ پر استوار کی گئی تھی اس سے مراد مسجد رسول اللہ ﷺ ہی ہے۔ ابن کثیر اور ابن جریر الطبری بھی سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعید بن المسیبؓ کا اتباع کرتے ہیں۔ ابن کثیر کے الفاظ میں: یہ خیال کہ مسجد قبا کی بنیاد روز اوّل سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی دوسری رائے سے متضاد نہیں ہے، بلکہ اس کا اطلاق تو مسجد نبویؐ شریف پر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ نہ صرف اس کی بنیاد روز اوّل سے ہی تقوی پر استوار ہوئی تھی بلکہ اس لیے بھی کہ اسے دوسری مساجد پر (بشمول مسجد قباء) فوقیت حاصل ہے۔

مشہور مفسرین میں سے علامہ شوکانی نے اپنی مشہور تفسیر ''فتح القدیر'' میں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دونوں دلائل کے تجزیئے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیہ کریم میں جو مسجد مراد لی گئی ہے، وہ یقیناً مسجد نبویؐ شریف ہی ہے۔ تاہم یہ بیان کرنے سے ہمارا مقصد مسجد قبا کی اہمیت گھٹانا نہیں ہے، بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ناقابل تردید شواہد اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ یہی ہے کہ قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ سے جو مسجد مقصود ہے، وہ مسجد نبویؐ شریف ہی ہے۔

جب کہ عالم اسلام میں آج کی مساجد صرف نماز یا چند دینی اجتماعات تک محدود ہیں، مسجد نبویؐ شریف اپنی تاسیس کے وقت صرف مسجد ہی نہیں تھی بلکہ ایک مکمل ادارہ تھا جس کا کردار اُمت کے لیے ہمہ جہتی اور کثیر المقاصد تھا۔ مومنوں کے لیے تو تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنا دی گئی ہے جس کی رو سے ہر مسجد کا درجہ برابر ہونا چاہیے تھا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تین مساجد میں ایسی کون سی خصوصیت ہے جو کہ ان کو تمام بیوت اللہ سے فوقیت دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق تین مساجد کے علاوہ کسی کے لیے رخت سفر باندھنے کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے۔ میری اس مسجد اور مسجد الحرام اور مسجد الاقصی کے سوا۔ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے: میری

مسجد میں ایک نماز دوسری کسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے ہزار گناہ ثواب اور درجہ رکھتی ہے سوائے مسجد الحرام کے۔ بیہقی نے **الجامع الشعب الایمان** میں یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے: میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری کسی مسجد میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے، یہاں ایک نماز جمعہ کی ادائیگی دوسری مساجد میں ہزار جمعہ ادا کرنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے اور میری اس مسجد میں ایک ماہ روزے رکھنا دوسری مساجد میں ہزار ماہ کے صیام سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے۔ مذکورہ تینوں مساجد میں سے دو تو بیوت اللہ یعنی قبلہ اوّل (مسجد الاقصیٰ) اور قبلہ ثانی (بیت اللہ شریف) ہیں جب کہ تیسری مسجد بیت اللہ ہونے کے علاوہ بیت رسول مقبول ﷺ، بھی ہے۔ یہی تیسری مسجد ''مسجد رسول اللہ ﷺ'' (مسجد النبویؐ شریف) ہے۔ اس لیے مسجد ہونے کے علاوہ اس کا کردار وسیع تر ہے۔ یعنی ایک طرف تو یہ اللہ کی عبادت گاہ بنی اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اسے بہت سے دوسرے کردار بھی ادا کرنے تھے: یعنی بیک وقت یہ مسجد بھی تھی، دار الحکم (حکومت کا ہیڈ کوارٹر)، دار الضیافہ (سرکاری ریسٹ ہاؤس)، دار القضا (عدالت عظمیٰ)، دار القلادہ (مجلس شوریٰ اور پارلیمنٹ ہاؤس)، دار الحکمت اور مہبط الوحی (مقام نزول وحی)، دار القیادۃ الجیش (عساکر اسلام کا ہیڈ کوارٹر۔ جی ایچ کیو)، دار الرشد (دُنیا کی پہلی درسگاہ اور یونیورسٹی جہاں مستحق طلبا کو کھانے اور رہائش درسگاہ کے اندر ہی مقام الصفّہ پر مہیا کی گئی تھی)، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک ایسا مرکز و مقام تھا جہاں سے اسلام کے آفتاب عالمتاب کی کرنیں چار دانگ عالم میں پھیلیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ اسی کے ایک حصے میں سب غایتوں کی غایت اولیٰ اور بعد از خدا بزرگ ترین ہستی حضور سرور کائنات ﷺ تشریف فرما ہیں۔

ان تینوں مساجد (یعنی مسجد الحرام، مسجد الاقصیٰ اور مسجد النبویؐ الشریف) کی فضیلت بیان کرتے ہوئے شیخ عطیہ محمد سالم نے بیان کیا ہے کہ ان تینوں مساجد کا مرتبہ دُنیا کی دیگر مساجد سے اس لیے بھی ارفع و اعلیٰ ہے کہ جب کہ دیگر مساجد عالم کی جگہوں

کے انتخاب اور ان کی حد بندی میں انسانی عمل دخل شامل ہوتا ہے، ان تینوں مساجد کے موقع جات اور ان کے رقبے کی نشان دہی بواسطہ وحی انبیاءِ علیہم السلام کو کی گئی تھی۔ ابو الانبیا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جب بیت اللہ شریف بنانے کا حکم ہوا تو وہ شش وپنج میں تھے کہ اسے کہاں تعمیر کیا جائے۔ وحی کے ذریعے ان کو بتایا گیا کہ بادل کا ایک ٹکڑا اس وادی کے ایک حصے پر سایہ فگن ہوگا جہاں اللہ کا گھر تعمیر ہوگا۔ جب ایسا ہوا تو آپ نے رب ذوالجلال والاکرام کے حکم کی تعمیل کی اور اس جگہ پر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ بیت المقدس کی تعمیر کا وقت آیا تو سیدنا داوٗد علیہ السلام کو اللہ کے گھر کے لیے ایک قطعہ اراضی خریدنے کا حکم ملا کہ فلاں شخص سے اس کی زمین خرید لی جائے اور اُنھوں نے اسی حکم کی تعمیل کی۔ اسی طرح مسجد نبویؐ شریف کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے ازخود کوئی فیصلہ نہیں فرمایا کہ کہاں قیام فرمائیں اور مسجد کی تعمیر کریں۔ ہر قبیلے کا سردار آپ حضور ﷺ سے دست بستہ درخواست گزار تھا کہ اس کو شرف میز بانی عطا فرمائیں، لیکن سرکار دو عالم ﷺ ہر ایک کو یہ کہہ کر خاموش کر دیتے کہ: اس (ناقۃ النبی قصویٰ) کا راستہ چھوڑ دیجیے، اس کو حکم ہو چکا ہے۔ گویا یہ حکم الٰہی تھا جو کہ ناقۃ النبی 'قصویٰ' کے میڈیم کے ذریعے دیا گیا تھا جس کی تعمیل میں پہلے تو وہ وہاں رکی جہاں پر امام الانبیا، دانائے سبل اور ختم الرسل ﷺ نماز کی امامت فرمایا کرتے تھے، مگر پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہاں سے اٹھ گئی اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی۔ پہلے دونوں بیوت اللہ کی طرح مسجد نبویؐ شریف کے موقع کا انتخاب بھی وحی الٰہی (الہام) سے ہوا جو کہ اس میڈیم (یعنی ناقہ رسول مقبول ﷺ جس پر حضور رسالت مآب اس وقت تشریف فرما تھے) کو امر کے ذریعے ہوئی جس سے اس کا تعین حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا تھا۔

فضیلت مسجد نبویؐ شریف میں بہت سی احادیث روایت ہوئی ہیں۔ قند مکرر کے مصداق ہم مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کو قارئین کرام کے سامنے دربارہ پیش کرنا چاہیں گے کیونکہ یہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا: ''ایک جمعہ مدینہ (مسجد نبویؐ شریف میں) کسی اور جگہ پر ہزار نماز ادا کرنے کے برابر ہے''۔ انھی کی روایت کردہ ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق: مدینہ میں روزہ رکھنا کسی اور جگہ ہزار روزے رکھنے کے برابر ہے۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو میری مسجد میں بغیر ناغہ کیے چالیس نمازیں ادا کرتا ہے، وہ جہنم کی آگ اور نفاق سے محفوظ رہے گا۔ یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو کہ بشمول دوسری دونوں مساجد کے کسی اور مسجد کے نصیب میں نہیں۔ ابن حبان نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے کہ: جو اپنے گھر سے میری اس مسجد کے لیے روانہ ہوتا ہے، اس کے ایک قدم اُٹھانے پر اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور دوسرے قدم پر اس کی ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے۔ (خلاصۃ الوفا، ص:143) ابن حبان ہی کی اور روایت از زید بن اسلمؓ کے الفاظ کچھ ان معانی میں ہے: جو میری اس مسجد میں داخل ہوا کہ یہاں نماز ادا کرے یا ذکر الٰہی کرے، یا خیر کی تعلیم دے یا خیر کا علم حاصل کرے، وہ اللہ کی راہ میں ایک مجاہد کا مقام رکھتا ہے۔

عبدالحمید قادری

مقصورہ شریف

محمد طاہر الکردی (جو کہ مکۃ المکرّمہ کے عصر حاضر کے مشہور وقائع نگار ہوئے ہیں) نے اپنی کتاب "**تاریخ القویم**" میں چند تفاصیل مہیا کی ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

"مقصورہ شریف کا رقبہ شمالاً جنوبا **16** میٹر ہے جبکہ شرقاً غرباً **15** میٹر چوڑا ہے۔ اس کے چاروں کونوں میں بہت ہی مضبوط چارستون ہیں جو سنگ خارا سے بنائے گئے ہیں اور چھت تک بلند ہیں جس کے اوپر گنبد شریف استوار کیا گیا ہے۔ جہاں تک حجرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کے رقبے کا تعلق ہے، یہ شمالاً جنوباً ساڑھے چودہ میٹر لمبا ہے اور شرقا غرباً چودہ میٹر چوڑا ہے۔ یہ حجرہ رئیسیہ سے دو دروازوں کے ذریعے متصل ہے۔ ایک شرقی جانب ہے اور دوسرا غربی جانب ہے"۔

باہر کی سبز جالیوں اور اندر کے حجرہ شریف جس میں قبور مطہرہ ہیں، کے درمیان خالی جگہ ہے جو کہ تین اطرف سے تقریباً تین تین میٹر ہے (جنوب میں قبلہ کی طرف اور مشرق میں قدمین شریفین کی طرف اور مغربی جانب)۔ جنوب مغربی کونے میں اس کھلی جگہ پر ایک بہت ہی ضخیم مصحف شریف رکھا ہوا ہے جو کہ حجاج بن یوسف نے مدینہ طیبہ میں رکھوایا تھا۔ مگر بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ ان چھ مصحفوں میں سے ایک ہے جو کہ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے تیار کروائے تھے۔ اس کھلی جگہ کے اوپر والی چھت سے جھومر، سونے اور چاندی کے فانوس لٹکتے ہیں، جن میں سے **31** ہیرے جواہرات سے مرصع ہیں اور چاندی کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں۔ حجرہ شریفہ میں ایسے فانوسوں کی کل تعداد **106** ہے۔ سیدالکونین اور محبوب رب المشرقین ورب المغربین ﷺ کے سرہانے مبارکہ کی

طرف ایک نادر ہیرا ہے جس کا حجم کبوتر کے انڈے کے برابر ہے جسے سونے کی لوح میں جڑا گیا ہے۔ اس ہیرے کو عرف عام میں ''کوکب دری'' کہا جاتا ہے۔ جس زریں لوح میں اسے جڑا گیا ہے اس میں مزید 227 ہیرے بھی جڑے ہیں جو کہ مختلف حجموں میں ہیں۔ اسے حجرہ مبارکہ پر سلطان احمد خان اوّل ابن سلطان محمد خان نے گیارھویں صدی کی ابتداء میں پیش کیا تھا۔ یہ تمام معلومات محمد طاہر الکردی کی مہیا کردہ ہیں جن کے بیان کے مطابق، مندرجہ بالا قیمتی اشیاء کے علاوہ اور بھی بہت سے بیش قیمت ہار، سیم وزر اور جواہرات کے تحائف ہیں جو کہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر پڑے ہوئے ہیں جن کے ساتھ بہت سے مصحف بھی رکھے ہیں۔ چند عینی شاہدوں کے بیانات کے مطابق جنھیں ایک یا دو مرتبہ حجرہ مطہرہ کے اندر جانے کی سعادت نصیب ہوئی تھی، حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر ایک چرخہ، ایک آٹا پیسنے کی چکی اور ایک مشکیزہ بھی محفوظ ہیں جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے منسوب ہیں۔

حجرہ مطہرہ کے گرد پہلی بار جالی شاہ ظاہر رکن الدین بیبارس نے 668 ہجری میں لگوائی تھی جو کہ 886 ہجری (5 نومبر 1481ء) کے آتشیں حادثے میں جل کر خاکستر ہوگئی اور سلطان اشرف قیتبائی نے تانبے کی بنی جالیاں ارسال کیں جو کہ 886 ہجری میں نصب ہوئیں۔ گنبد پر پیتل کا ہلال سب سے پہلے عثمانیوں نے 13 شوال بروز منگل 946 ہجری کو لگوایا۔ آہنی دروازے: باب التوبہ (جنوب میں مواجہہ شریف کی طرف)، باب سیدۃ فاطمہ الزہراءؓ (جو کہ مشرق میں ہے)، باب الوفود (جو کہ مغربی جانب ہے اور ریاض الجنۃ میں کھلتا ہے)، بھی 668 ہجری میں شاہ ظاہر بیبارس نے لگوائے تھے، وہ بھی لکڑی کے تھے اور 886 ہجری کے حادثے میں تباہ ہو گئے تھے۔ ایک اور دروازہ جسے باب التہجد یا باب الشامی کہا جاتا ہے، زین الدین کتبغا کے احکام پر 729 ہجری میں نصب ہوا تھا۔ یہ تمام دروازے چونکہ جل گئے تھے، اس لیے سلطان اشرف قیتبائی نے جب تانبے کی جالی بنوا کر بھیجی تو یہ تمام دروازے بھی دھات کے بنوا دیے تھے۔ حجرہ مطہرہ کے اندر کھڑکیاں تھی جو کہ سونے کی بنی ہوئی تھیں، ترکی سلطان محمد نے پیش کی تھیں مگر بد

قسمتی سے سعود انھیں اکھاڑ کر اپنے ساتھ درعیہ لے گیا تھا۔ اس وقت مقصورہ شریفہ میں چھ دروازے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(1) چاندی سے بنا باب التوبہ جو کہ مواجہہ شریف کے پاس ہے۔ اسے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔

(2) باب سیدۃ فاطمہ الزہراءؓ جو کہ مشرق میں ہے اور حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ میں داخلے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خدام مقصورہ شریفہ اسی دروزے سے اندر جاتے ہیں اور دوسرے ممالک سے آنے والے خوش قسمت وی آئی پی بھی اسی دروازے سے اندر لے جائے جاتے ہیں۔

(3) باب الوفود جو کہ مغربی جانب ہے۔ یہ دروازہ اسطوانۃ السریر اور اسطوانۃ الحرس کے درمیان ہے اور آج کل بند ہے۔

(4) باب الشامی شمالی جانب ہے۔ یہ دروازہ باب الوفود سے ذرا چھوٹا ہے اور آج کل اس کے سامنے الماریاں رکھ کر اسے نظروں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ ان الماریوں میں قرآن الکریم کے نسخے رکھے رہتے ہیں۔

(5) پانچواں اور چھٹا دروازہ: یہ دونوں دروازے کا شانہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ میں داخل ہونے کے بعد نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک دروازہ شرقی جانب اور دوسرا غربی جانب کھلتا ہے جن سے حجرہ مطہرہ میں رسائی ممکن ہوتی ہے۔

مقصورہ الشریفہ میں آویزاں پردے

ابن نجار کے بیان کے مطابق حجرہ مطہرہ میں پردے ڈلوانے کا شرف سب سے پہلے ابن ابی الھیجاء کو ہوا جو کہ مصر کے ایک وزیر تھے۔ اُنھوں نے عباسی خلیفہ المستضی بامراللہ سے اجازت لے کر اسے چھٹی صدی ہجری میں حجرہ مطہرہ میں آویزاں کیا تھا۔ یہ پردہ سفید مخمل کا بنا تھا جس پر سرخ رنگ میں قرآن کریم کی سورۃ **یسین** کی کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ یہ پردہ دو سال تک رہا اور پھر خلیفہ مستضی بامراللہ نے ایک نیا پردہ ارسال کر دیا اور پرانا پردہ نجف اشرف میں شیر خدا علی المرتضیٰؓ کے مزار پر لٹکا دیا گیا۔ خلیفہ کا نیا بھیجا ہوا

پردہ سرخ مخمل کا تھا جس پر سفید رنگ سے کشیدہ کاری کی گئی تھی اور اس پر چاروں خلفائے راشدین کے نام گرامی لکھے گئے تھے۔ اس کے بعد خلیفہ ناصر الدین اللہ نے سیاہ ریشمی پردہ ارسال کیا۔ ابن نجار کے بیان کے مطابق ان کے دور میں تین پردے ہوا کرتے تھے جو حجرہ مطہرہ میں ایک دوسرے کے اوپر آویزاں تھے۔ تاہم سمہودی نے ابن نجار کے بیان سے اتفاق نہیں کیا کہ سب سے پہلے پردے کس نے ڈلوائے تھے، وہ ابن رزین العبدری الاندلسی کے بیان پر اعتماد کرتے ہیں جنھوں نے کہا ہے کہ سب سے پہلے پردے ملکہ خیزران (ہارون الرشید کی والدہ) نے ڈلوائے تھے۔ اس کے بعد ایک طرح کی رسم ہی چل نکلی کہ پردے ہمیشہ بغداد سے بن کر آتے تھے، مگر بعد میں کسوہ شریفہ مصر سے بن کر آنے لگے جو کہ ہر چھ سال کے بعد بھیجے جاتے تھے۔ ہمارے نزدیک سمہودیؒ کی تحقیق زیادہ قرین قیاس ہے۔ عثمانی دور کے آواخر میں یہ پردے آستانہ (استنبول) سے سل کر بھی آنے لگے تھے۔ سلطان عبدالمجیدؒ نے ایک پردہ 1279 ہجری کو روانہ کیا تھا۔ ان کے بعد ایک اور پردہ سلطان عبدالعزیز خان نے 1288 ہجری میں بھیجا تھا۔

موجودہ پردہ گہرے سبز رنگ کی مخمل سے بنا ہے اور کشیدہ کاری سے بالائی حصے پر خوبصورت خطاطی کی گئی ہے۔ اگر ہم شرقی جانب سے روزن جالی سے اندر جھانک کر دیکھیں تو پردے کا ایک حصہ جو کہ قبر اطہر رسول مقبول ﷺ کے سامنے پڑتا ہے، وہ سرخ رنگ میں ہے۔ جنرل ابراہیم رفعت پاشا جنھوں نے 1901ء، 1902ء، 1904ء اور پھر 1908ء میں مصری کاروان حجاج کے امیر الحج کے طور پر مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی، اس بات کو بالصراحت بیان کرتے ہیں کہ حجرہ مطہرہ میں تمام دروازوں اور محرابوں پر پردے ہوا کرتے تھے۔ منبر رسول اللہ ﷺ پر بھی پردہ ڈالا ہوا کرتا تھا۔ ان کے بیان کے مطابق جالی مبارکہ پر کل اٹھارہ پردے ہوا کرتے تھے جب کہ قبر اطہر پر گیارہ پردے تھے جو کہ سبز مخمل کے تھے۔ منبر رسول ﷺ پر سب سے پہلے پردہ خلیفہ راشد سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور میں ڈالا گیا تھا۔

اس معاملے میں محمد طاہر الکردی لکھتے ہیں: اس کے اوپر سبز پردے ڈالے

ہوئے ہیں جن پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا گیا ہے۔ بالائی حصے پر قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ لکھی ہوئی ہے: **ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین** (الاحزاب:40)

خوبصورت دائروں کے اندر نہایت ہی خوبصورت کشیدہ کاری سے رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی لکھے گئے ہیں۔ زمین سے اڑھائی میٹر کی بلندی پر پردے پر سنہری پٹی لگی ہے جو سرخ مخمل پر ہے اور 30 سنٹی میٹر چوری ہے اور اس کے اوپر سلطان کا نام لکھا ہوا ہے۔ یہ پردہ خلافت عثمانیہ کے آخری سلطان نے تیار کروایا تھا جو کہ ترکیہ کے جمہوریہ بن جانے کے بعد ارسال ہوا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ پردہ جو ابھی بھی حجرہ مطہرہ پر آویزاں ہے، وہ آخری ترکی سلطان کا ارسال کردہ ہے، مگر یہ خیال غلط ہے۔ سعودی دور میں شاہ سعود نے بھی ایک پردہ ڈلوایا تھا اور پھر بعد میں شاہ فیصل نے ایک نیا پردہ بنوا کر آویزاں کروایا تھا۔ (مدینہ طیبہ میں ابھی بھی وہ حضرات موجود ہیں جو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آخری پردہ شاہ فیصل کے دور کا ہے کیونکہ انھیں ان پردوں کے بنانے اور آویزاں کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی حج کرتا ہے اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ میری زندگی میں میرے حضور حاضری دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی یہ حدیث بھی مروی ہے: جس نے میری قبر کی زیارت کی تو وہ میری شفاعت کا حقدار ہو گیا۔ محمد ابن حبان نے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے ابراہیم بن شیبانؒ سے سنا: میں نے چند سال حج کیا اور پھر مدینہ طیبہ حاضر ہوا، جب میں قبر اطہر پر حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا تو میں نے حجرہ شریفہ کے اندر سے اپنے سلام کا جواب یوں سنا '**وعلیک السلام**'۔

حضرت جعفر الصادقؒ کا قول ہے کہ جب بھی سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سید العرب والعجم ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام کے لیے حاضر ہوتے تو وہ روضہ مبارکہ کے قریبی ستون کے پاس کھڑے ہو جاتے اور اپنا سلام پیش کرتے تھے۔ پھر وہ ہاتھ سے

اشارہ کر کے کہتے: یہاں اس جگہ پر رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے: ''رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنی آوازوں کو بلند نہ کیا کرو، نہ ہی آپ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں اور نہ ہی بعد میں۔'' ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ اپنے قریب ہی واقع ایک حجرہ شریفہ میں کیل ٹھونکنے کا شور سنا تو آپ نے فوراً ہی پیغام بھجوا دیا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل نہ ڈالا جائے''۔ اسی طرح ایک مرتبہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے حجرے کے دروازے کا ایک کواڑ مرمت کرنا پڑا، آپ اس بات کا حد درجہ خیال رکھا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ اقدس کے آس پاس کسی قسم کا شور نہ ہو اور اس لیے اپنے دروازے کا کواڑ اُٹھا کر بقیع الغرقد کے پاس مناصع کے علاقے میں لے گئے تا کہ اس کی مرمت کر سکیں اور حجرہ مطہرہ کے پاس اس کام کی وجہ سے شور نہ ہو۔

یحییٰ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن دینارؒ نے فرمایا: [میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کہتے اور پھر ابوبکرؓ اور عمر ابن الخطابؓ پر سلام بھیجتے۔ حضرت نافعؒ جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے نے روایت کی: جب کبھی بھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر سے شروع ہوتے اور پھر حضرت ابی بکرؓ اور پھر سیدنا عمر فاروقؓ کی قبر پر حاضری دیتے اور کہتے: یا رسول اللہ ﷺ آپ پر صلوٰۃ و سلام ہو، اے ابوبکرؓ آپ پر سلام ہو، اور اے والد محترم (یعنی سیدنا عمرؓ) آپ پر سلام ہو۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک بدو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تین دن بعد قبر اطہر پر حاضر ہوا، اس نے قبر اطہر سے کچھ مٹی اور ریت اُٹھائی اور اپنے منہ اور سر پر مل کر یوں گویا ہوا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ کا ارشاد سنا ہے جو کہ آپ پر اللہ رب ذوالجلال کی طرف سے وحی ہوا تھا ﴿ اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور اے محبوب

تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے﴾۔ میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے (یعنی مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے۔) لہٰذا میں آپ حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے استغفار کریں۔ قبر اطہر سے آواز آئی: [اس نے تمھیں معاف فرما دیا ہے!] ایک ایسا ہی واقعہ تیسری صدی کی ایک مسلم شخصیت سے مروی ہے۔ حضرت محمد بن عبید اللہ بن عمرو العتبیؒ نے بیان کیا کہ جب وہ حجرہ مطہرہ شریف کے پاس بیٹھے تھے تو ایک بدو حاضر ہوا اور یوں گویا ہوا: [یا سید المرسلین! بیشک اللہ کریم نے آپ پر اپنی کتاب برحق نازل فرمائی جس میں یہ مذکور ہے: ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور اے محبوب تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔﴾ پھر اس کے بعد اس نے عرض کیا: [میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ اللہ سے میری شفاعت کریں تا کہ مجھے معاف کر دیا جائے۔] اس نے مندرجہ ذیل رباعی با آواز بلند پڑھی:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه

فطاب من طیبهن القاع والاکم

نفسی الفدا القبر انت ساکنه

فیه العفاف و فیه الجود والکرم

اے وہ سب سے بہترین ذات جس کا جسم اطہر اس خاک میں مدفون ہے
آپ کے جسم اطہر کی خوشبو سے سب کوہ و دمن مہک اُٹھے ہیں
میں قربان جاؤں اس قبر اطہر پر جس میں آپ استراحت فرما رہے ہیں
جس میں سراسر عفت اور سخاوت جود اور کرم ہے

(یہ رباعی آج بھی مواجہہ شریف کے دائیں اور بائیں جانب والے ستونوں پر

نہایت ہی مسحور کن انداز میں کنداں ہے)

اپنا معروضہ پیش کر کے وہ بدو چلا گیا۔ عتبیؒ بیان کرتے ہیں کہ ان پر کچھ دیر کے لیے غنودگی طاری ہوگئی اور اُنھوں نے ایک خواب دیکھا جس میں رسول اللہ ﷺ کی بشارت ہوئی۔ آپ نے انھیں فرمایا: [جاؤ اس بدو کے پیچھے اور اس کو خوشخبری دے دو کہ اللہ رب العزت نے میری شفاعت پر اسے معاف فرما دیا ہے۔] ابن عبدربہ (متوفی: 328 ہجری) نے بھی ایک ایسا ہی واقعہ قلمبند کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور کہنے لگا: [آپ نے جو فرمایا ہم نے اس پر آمنا وصدقنا کہا، آپ نے جو بھی حکم دیا، ہم نے اس کی تعمیل کی، آپ نے اپنے رب کا یہ فرمان بھی ہمیں پہنچایا: ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور اے محبوب تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔﴾ ہم سے اپنے آپ پر ظلم سرزد ہوگیا ہے اور اب ہم آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہیں، لہٰذا ہمیں معاف فرما دیجیے۔] (احمد بن محمد ابن عبدربہ، **العقد الفرید**، صفحات: 170، 171)۔ اسی طرح ایک مسلم خاتون ایک مرتبہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اذن حاضری مانگا تاکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو سکیں۔ چنانچہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے انھیں اندر جانے کی اجازت دے دی۔ جونہی وہ خاتون اندر حاضر ہوئیں تو ان کے آنسو بہہ نکلے اور اُنھوں نے زاروقطار رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کی موقع پر ہی رُوح پرواز کر گئی۔

صاحب المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ علامہ قسطلانیؒ نے اسی قسم کا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے: ایک اعرابی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور یوں گویا ہوا: اے اللہ جل جلالہ! آپ نے غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا ہے، یہ آپ کے حبیب ہیں اور میں آپ کا بندہ (عبید) ہوں۔ اپنے حبیب کی قبر پر مجھے نار جہنم سے آزادی عطا کر دو۔ ہاتف غیبی نے آواز دی، ارے تو نے صرف اپنے لیے ہی آزادی مانگی ہے؟ تمام مخلوق کے لیے آزادی

کیوں نہیں مانگی؟ جا ہم نے تمھیں جہنم کی آگ سے آزاد کردیا۔ (ص:583)

عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے جب مدینہ طیبہ حاضری دی تو امام مالکؒ نے انھیں نصیحت کی کہ جب تک کہ وہ مسجد نبوی شریف میں رہیں وہ اپنی آواز اونچی نہ کریں جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے، پھر جب المنصور نے پوچھا: ''اے ابا عبداللہ، کیا دعا کرتے وقت میں قبلہ رخ ہو جاؤں یا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہی اپنا منہ رکھوں اور دعا مانگوں؟ اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا: ''اپنا منہ رسول اللہ ﷺ سے مت موڑیں، کیونکہ وہی تو اللہ کے حضور آپ کے شفیع اور سفارش کار ہیں، اور وہی تو آپ کے جد امجد (سیدنا آدم علیہ السلام) کے روز محشر شفیع ہوں گے''۔ اس سلسلے میں امام مالکؒ نے سیدنا عمر فاروقؓ سے مروی حدیث مبارکہ سے استناد کیا تھا جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

سیدنا عمر فاروقؓ سے مروی ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام کو اپنی خطا کا احساس ہوا تو حضور رب ذوالجلال میں دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے حضرت محمد ﷺ کے واسطے بخش دے۔ اس پر اللہ جل جلالہ نے فرمایا: اے آدم تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا کیونکہ ابھی تک تو میں نے ان کی تخلیق نہیں کی؟ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب جب تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور اس وقت میں نے عرش اعظم کے ستونوں پر لکھا ہوا دیکھا: **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**! تو میں جان گیا کہ تیری ذات معلیٰ کے لیے تو اپنے نام کے ساتھ مخلوق میں سے کسی اور کا نام لکھنا بعید از قیاس ہے، سوائے اس کے کہ وہ تجھے تمام مخلوقات سے پیارے ہوں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا! بیشک وہ مجھے تمام مخلوق سے پیارے ہیں۔ جب تو نے ان کے واسطے سے مجھ سے مغفرت چاہی تو میں نے تمھیں معاف فرما دیا اور اگر محمد مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے تو میں تمھیں ہرگز پیدا نہ کرتا، اور وہ تیری اولاد میں سے سب سے آخری نبی ہوں گے۔''

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ جلد دوم، صفحہ 33 از قاضی عیاضؒ، الطبرانی)

حضرت یزید بن مہدیؒ سے روایت ہے: [جب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز

سے اجازت طلب کر کے آ رہا تھا تو اُنھوں نے مجھے فرمایا: ''کیا مجھ پر ایک مہربانی کرو گے؟'' میں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! میں بھلا کس قابل ہوں کہ آپ پر مہربانی کرسکوں!'' تب انھوں نے فرمایا: [میری تم سے درخواست ہے کہ جب بھی آپ مدینہ طیبہ جائیں اور آپ کو سعادت نصیب ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دیں تو میرا اسلام ضرور عرض کر دینا۔] حاتم بن وردانؒ نے بھی روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ شام سے خاص قاصد بھیجا کرتے تھے جو کہ ان کا سلام مدینہ طیبہ بحضور سرورِ کونینؐ لایا کرتے تھے۔ قاضی عیاضؒ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ اپنے آقا و مولا حضور سید البشر ﷺ کی قبر اطہر پر آئے اور اپنے ہاتھ کھڑے کر لیے اور پھر اُنھوں نے آپ حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا اور اس کے بعد وہ وہاں سے گئے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ شہادت اور تدفین حضرت عمر فاروقؓ کے وقت مدینہ طیبہ سے باہر تھے اور اس لیے وہ آپ کے جنازے میں شرکت نہ کر سکے تھے۔ جب بعد میں وہ مدینہ طیبہ واپس آئے تو سیدھے حجرہ مبارکہ میں حاضر ہوئے۔ بڑی دیر تک کھڑے روتے رہے اور اپنی ردا ایک طرف رکھتے ہوئے یوں گویا ہوئے: بیشک میں آپ کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا۔ مگر واللہ میں آپ کی مدح و ثنا کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔ پھر اس کے بعد بہترین الفاظ میں اُنھوں نے امیر المومنین عمر ابن الخطابؓ کو خراج تحسین پیش کیا۔

(ابن عبدربہ (ت: 328 ہجری)، مصدر مذکور، الجزء الثالث، ص: 171)

ابی صالحؒ نے مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ: [مدینہ طیبہ کے لوگوں کو قحط کا شدید سامنا تھا۔ ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کیا: [یا رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے اللہ کریم سے دُعا فرمائیں تا کہ بارش ہو کیونکہ وہ قحط سے مر رہے ہیں۔] اسی رات اس کے خواب میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بشارت دی کہ: [تم عمرؓ کے پاس جاؤ اور میرا اسلام کہنا، ان کو بتا دینا کہ بارش عنقریب ہو گی اور عمرؓ کو کہنا کہ وہ زمین پر عدل قائم رکھے۔] یہ رجل صالح حضرت بلال بن حارث المزنیؓ تھے جن کو

خواب میں یہ بشارت دی گئی تھی۔

صرف یہی نہیں تھا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میرامم امام المتقین اور خاتم النبیین ﷺ کی قبر اطہر پر صلوۃ وسلام کے لیے ہی حاضر ہوتے تھے بلکہ جب کبھی بھی ان پر ابتلا یا مصیبت آجاتی تو مدنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قبر اطہر ہی کا رخ کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے التجائیں کرتے تھے۔

امام المراغی رقم طراز ہیں: ''امہات المومنین رضوان اللہ علیھن کے حجرات مبارکہ کے مسجد نبویؐ میں شامل کیے جانے سے پہلے لوگ حجرہ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور یوں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کہا کرتے تھے اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی وفات تک حجرہ مبارکہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا تھا''۔ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ ایک لحاظ سے نہ صرف قبر اطہر کی متولیہ تھیں بلکہ اس بات پر بہت فخر بھی کیا کرتی تھیں کہ یہ ان کی ملکیت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ انہی کے حجرہ مبارکہ میں محو استراحت ہیں۔ ہارون بن موسی العروبی سے مروی ہے کہ جب لوگوں نے ان کے دادا (یعنی حضرت ابی علقمہؓ) سے پوچھا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کس طرح رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے تو اُنھوں نے جواب دیا: [لوگ حجرہ مطہرہ کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے، اور یہ کہ وہ دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہوا جب تک کہ سیدۃ عائشہؓ کی وفات نہیں ہوئی۔] تاہم بعد میں جب حجرہ مطہرہ کے گرد اس کے دروازے پر پتھروں کی دیوار کر کے چار دیواری کر کے اسے نا قابل دسترس بنا دیا تھا تو اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان للہ علہیم اجمعین ریاض الجنۃ میں حجرہ شریفہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت زین العابدینؒ ہمیشہ ریاض الجنہ میں کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین پر سلام پیش کیا کرتے تھے۔

جب حضرت بلال ابن رباحؓ نے سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو آپ حجرہ مطہرہ میں بھی تشریف لے گئے۔ ان سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار زار و قطار روتے رہے۔ آپ کے عشق رسول کی انتہائے معراج تھی کہ آپ نے

اپنا چہرہ قبر مطہرہ رسول مقبول ﷺ سے ملنا شروع کر دیا۔ بہت سی روایات میں مذکور ہے کہ جب حضرت بلالؓ شام میں تھے تو ایک رات رسول اللہ ﷺ کی بشارت طیبہ ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: [بلال یہ کیا بے رخی ہے؟ کیا ہماری زیارت کونہیں آؤ گے؟ اس خواب کا دیکھنا تھا کہ حضرت بلالؓ ماہی بے آب کی طرح بے چین ہو گئے اور جلد ہی مدینہ طیبہ کے لیے عازم سفر ہوئے۔ وہ اپنے آقا و مولا تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے اور اس سے لپٹ گئے۔ پھر آپ حسنین کریمین علیہما السلام کے پاس گئے اور ان سے بہت پیار کیا۔ اہل بیت طاہرہ کے ان دونوں شہزادوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ فجر کے وقت حضرت بلالؓ اذان دیں۔ آپ مسجد نبویؐ شریف کی چھت پر تشریف لے گئے۔ جونہی اُنھوں نے **اللہ اکبر، اللہ اکبر** کہا، ایسا لگ رہا تھا کہ گویا مدینہ طیبہ ہلنے لگ گیا تھا، جب اُنھوں نے **اشھدان لا الہ الااللہ** کہا تو اہل مدینہ کے **جذبات** اور بھڑک اٹھے اور پھر جب آپ نے **اشھدان محمد رسول اللہ** کہا تو گویا ایک کہرام مچ گیا، خواتین مدینہ بھی اپنے گھروں سے مسجد نبویؐ کی طرف سسکیاں لیتی اور دوڑتی ہوئی آنے لگیں۔ اس دن کے علاوہ اہل مدینہ کو کبھی آہیں اور سسکیاں بھرتے نہیں دیکھا گیا۔] خود سیدنا بلالؓ اتنی آہ وزاری کر رہے تھے کہ اتنا کبھی بھی ان کو بعد کی زندگی میں نہیں دیکھا گیا۔ یہ واقعہ بیان کرنے والے ابن الاثیر اور ابن العسا کر جیسے علما ہیں۔

وہ جو یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ ''سفرِ مدینہ طیبہ برائے پیش کردن صلوٰۃ و سلام علی رسول اللہ ﷺ وزیارۃ قبر رسول اللہ ﷺ جائز نیست'' ان کو چاہیے کہ اصحابانِ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے سبق سیکھیں۔ حضرت بلال بن رباحؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے اور اُنھوں نے وہ سفر کسی اور غرض سے نہیں بلکہ صرف اور صرف زیارت رسول مقبول ﷺ کے لیے کیا تھا اور ایک ایسے وقت کیا تھا جب کہ تمام جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بقید حیات تھے اور ان کی اکثریت اس وقت مدینہ طیبہ میں ہی مقیم تھی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، مروان بن الحکم کا واقعہ جو کہ مسند امام احمد اور

الطبرانی میں مروی ہے جس میں بیان ہے کہ اس نے دیکھا کہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ قبر اطہر سے لپٹ کر رو رہے تھے۔ یہ واقعہ بہت سے راویوں کے ذریعے سے ثابت ہے جس سے اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا کہ صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ صرف حجرہ مطہرہ میں آیا جایا کرتے تھے بلکہ قبر اطہر سے معانقہ (لپٹ جایا کرتے تھے) کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جیسے صحابی بھی اپنے ہاتھ قبر اطہر پر رکھ کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا عمر فاروقؓ جب یروشلم فتح کر کے واپس آئے تو حضرت کعب الاحبارؓ کی معیت میں سیدھا قبر اطہر پر حاضر ہوئے تھے۔ اس کے بعد کسی اور کام کی طرف انھوں نے توجہ فرمائی۔

صحابی رسول حضرت ابوعبیدہؓ نے ایک دوسرے صحابی حضرت میسرہ بن مسروقؓ کے ذریعے امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب کو سرکاری ڈاک دے کر بھیجا۔ حضرت میسرہؓ رات کے وقت مدینہ طیبہ پہنچے، وہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہونے کے بجائے سیدھے حجرہ مطہرہ پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور کے یار غار سیدنا ابوبکر صدیقؓ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا اور وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ڈاک اور پیغامات پہنچائیں۔ یہ تمام مثالیں صحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہونے کے لیے عازم سفر ہوتے اور پھر جب دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوتے تو نہایت ہی انکساری اور ادب سے حاضری دیتے اور حجرہ مطہرہ کے اندر قبر رسول اللہ ﷺ پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں بہت شدید قحط کا سامنا تھا اور لوگ بھوک سے مرنے لگے تھے۔ خشک سالی سے کوئی بھی پیداوار نہ ہوسکی تھی اور لوگ بوند بوند کو ترس گئے۔ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، اُنھوں نے فرمایا: [رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی طرف دیکھیں اور حجرہ مطہرہ کی چھت میں ایک سوراخ اس طرح کر دیں کہ قبر اطہر اور چرخ نیلی فام کے درمیاں کوئی

چیز حائل نہ رہے۔] ایسا ہی کیا گیا اور جونہی سورج کی کرنیں قبر اطہر پر پڑیں، بادل چھا گئے اور خوب بارش ہونے لگ گئی، اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ ارض مدینہ خوب سیراب ہوگئی اور بہت زیادہ سبزہ اور چارہ پیدا ہوگیا جسے کھا کھا کر مویشی بہت موٹے ہوگئے۔ مدینہ طیبہ کی تاریخ میں اس سال کو 'عام الفتق' (یعنی چربی کا سال) کہا جاتا ہے، کیونکہ چارہ اتنی بہتات سے میسر ہوگیا تھا کہ مویشی کھا کھا کر بہت موٹے ہوگئے اور ان کے اجسام ایسے لگتے تھے جیسا کہ وہ چربی سے پھٹ جائیں گے۔ اہل مدینہ طیبہ نے اس رسم باراں طلبی کو زندہ رکھا اور جب کبھی قحط سالی کا سامنا ہوتا تو حجرہ مطہرہ میں اس سوراخ کو کھول دیا کرتے تھے۔ حتی کہ جب چھت کی جگہ گنبد نے لے لی تب بھی گنبد شریف میں آسمان کی طرف ایک روزن رکھ دیا گیا جو کہ بوقت ضرورت کھول دیا جاتا ہے اور یوں رحمت للعالمین انیس الغریبین ﷺ کی وساطت اور وسیلے سے اہل مدینہ باران رحمت کا فیضان حاصل کر لیتے تھے۔

صحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مطہرہ کا کس حد تک ادب اور احترام کرتے تھے، اس کے لیے ہم ایک اور مثال پیش کرنا چاہیں گے جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ہے۔ جب وہ امیر المومنین بنے تو ان کے ایک مصاحب نے چاپلوسی کے انداز میں کہا: ''اے امیر المومنین، اگر آپ مدینہ طیبہ تشریف لائیں اور آپ کا انتقال وہاں پر ہوجائے تو آپ واقعی اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو حجرہ مطہرہ کے اندر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فوراً اس کی بات کاٹی اور گویا ہوئے کہ: ''اللہ کی قسم میں ہر قسم کی عقوبت کا سوائے جہنم کے سزاوار ہوں گا، اگر میرے دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہو جائے کہ میں اس بقعہ نور میں دفنائے جانے کا اہل ہوگیا ہوں''۔

علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ زیارت مدینہ طیبہ واجب اور مستحب ہے۔ البتہ اس بات میں علما میں ضرور اختلاف پایا جاتا ہے کہ حاجی پہلے مدینہ طیبہ جائے یا حج کے بعد روضہ اقدس پر حاضری دے۔ حضرات علقمہؒ، اسودؒ اور عمرو ابن میمونؒ جو کہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں، کی رائے ہے کہ حاجی کو چاہیے کہ پہلے مدینہ طیبہ

جائے، تاہم امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ تھی کہ پہلے حج ادا کیا جائے اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ حاضری دی جائے۔ شہرہ آفاق سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے مؤلف، قاضی عیاضؒ، جو کہ شافعی علما میں سے تھے، امام النوویؒ اور حنفی عالم ابن ہمام محمد السواسی (ت: 861 ہجری) نے کہا ہے کہ علما میں مکمل اجماع ہے کہ زیارت قبر رسول اللہ ﷺ ایک مستحب عمل ہے۔ بعض علما کی رائے ہے کہ یہ عمل واجب ہے۔ لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ زیارت قبور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ لہٰذا قبر رسول اللہ ﷺ جو کہ پوری کائنات کی مطہر و متبرک بقاع نور ہے، اس کی زیارت کو تو درجہ اوّل کی مسنونیت حاصل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ جب وہ مدینہ طیبہ میں تھے تو اُنھوں نے اپنے استاذ اور جلیل القدر تابعی حضرت ایوب السختیانیؒ (ت: 131 ہجری) کو دیکھا، وہ جب آئے تو مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے اور قبر اطہر رسول مقبول ﷺ کے سامنے اس انداز میں مودب کھڑے ہو گئے کہ قبلہ ان کی پشت پر تھا، وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ ابو اللیث السمر قندی امام ابوحنیفہؒ کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہیں کہ: ''زائر کو چاہیے کہ وہ قبلہ رخ ہو جائے اور قبر اطہر پشت پر رہے۔'' تاہم شیخ کمال الدین الہمام نے وضاحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے زیارت کا طریقہ اپنی مسند میں بیان کیا ہے، جو کچھ ابو اللیث نے بیان کیا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کے ایک سابقہ فتویٰ کی بنا پر تھا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی اس رائے سے رجوع فرما لیا تھا اور یہ فتویٰ دے دیا تھا کہ زائر کو چاہیے کہ وہ اپنا رخ قبر اطہر کی طرف ہی رکھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول بھی یہی ہے کہ زائر کو چاہیے کہ وہ اپنا سلام اس طرح پیش کرے کہ اس کا منہ قبر مطہرہ کی طرف ہو اور قبلہ اس کی پشت پر ہو۔'' شیخ الہمام صاحب **فتح القدیر فی مناسک الفارسی اور شرح المختار من الصداء الاحناف** نے امام ابوحنیفہؒ کی دربار رسالت مآب ﷺ پر حاضری کا ذکر کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ قبر اطہر کے سامنے حاضر ہوئے اور یوں سلام عرض کیا:

''یا سید الثقلین اور اے نوع انسانی کے سب سے قیمتی خزانے، مجھ پر اپنا رحم و کرم فرمائیں اور مجھے اپنی خوشیوں کی سعادت سے نوازیں، میں آپ کے جود و کرم کا

طالب ہوں اور ابو حنیفہ کے لیے آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں‘‘۔

اگر کسی کو اس مرکز تجلیات کے مواجہہ مطہرہ کے سامنے کھڑے ہونے کی جتنی گھڑیاں بھی نصیب ہوں تو ان کو غنیمت جانا جائے اور اگر اژدہام ہو تو ہرگز ہرگز ہلڑ بازی نہ کی جائے اور نہایت ہی انضباط، ادب واحترام سے وہاں کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جائے۔ آواز کو جتنا پست رکھا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ وہاں پر متعین حضرات کے قائم کردہ نظام کی پاسداری کرتے ہوئے وہ خوش نصیب لمحے انتہائی عجز وانکساری سے گزارے جائیں۔ اگر کسی وجہ سے وہاں کے عاملین جھڑک بھی دیں تو آداب دربار رسالت مآب ﷺ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے صبر اور خاموشی اختیار کریں۔ کسی سے تعارض میں اپنی آواز بھی اونچی نہ کریں ورنہ تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے، جب فارغ ہو چکے، تو تھوڑا دائیں جانب ہو لے اور شیخین کریمین رضوان اللہ علیہما پر سلام پڑھیں۔ اور نہایت ادب سے اس مقام سے رخصت ہو جائے۔

وہ خوش نصیب افراد جن کو حجرہ مطہرہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی

جب سے بنو امیہ کے دور میں کاشانہ نبویہ کے دروازے کے آگے پتھروں کی دیوار کھڑی کر کے اس کو دائمی طور پر بند کیا گیا تھا، کسی کے لیے بھی یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ قبور مطہرہ کی زیارت کر سکے، سوائے ان چند دنوں کے جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی گورنری کے دور میں قدمین شریفین کی طرف والی شرقی دیوار شدید بارش کی وجہ سے گر گئی تھی لیکن جب سے اسے دوبارہ بنایا گیا اور اس کے گرد پنج گوشہ احاطہ تعمیر کیا گیا، یہ عملی طور پر ناممکن ہو گیا کہ کوئی اندر جھانک بھی سکتا۔ تاہم مورخین مدینہ طیبہ نے چند ایسے واقعات کا ذکر ضرور کیا ہے کہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر چند انتہائی خوش نصیب افراد کو اندر جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ابن نجار نے ایک ایسا ہی واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ 548 ہجری میں لوگوں نے حجرہ مطہرہ کے اندر سے کچھ غیر معمولی آواز سنی۔ اس وقت کے گورنر قاسم بن مہنا الحسینی کو

فوراً اس کی اطلاع دی گئی اور انھوں نے حکم دیا کہ کسی کو اندر داخل کیا جائے تا کہ حقائق معلوم ہو سکیں۔ لوگوں کی خواہش تھی کہ کوئی ایسا فرد اندر جائے جو کہ حد درجہ متقی اور پرہیز گار ہو۔ لہذا شیخ عمر النسائی موصلیؒ جو کہ زبدۃ الصوفیاء تھے اور اپنے وقت کے مشہور ولی گردانے جاتے تھے، کا انتخاب کیا گیا۔ وہ بہت عمر رسیدہ اور ایک طرح کے فالج کے مریض تھے، بہت ردوقدح کے بعد وہ اندر جانے پر راضی ہوئے، اُنھوں نے چند دن تک کھانا پینا چھوڑ دیا اور پھر انھیں ایک قندیل دے کر ایک رسی سے باندھ کر حجرہ مطہرہ کے اندر اتارا گیا، اندر پہنچنے پر انھوں نے دیکھا کہ چھت کا کچھ مواد قبور مطہرہ پر گر گیا تھا۔ انھوں نے اسے ہٹایا اور اس بقاع مطہرہ پر اپنی داڑھی سے جاروب کشی کی، معجزانہ طور پر ان کی بیماری جاتی رہی اور وہ اس واقعہ کے بعد نو سال تک زندہ رہے اور 556 ہجری میں مکۃ المکرّمہ میں وفات پائی۔

ان کے علاوہ اگر کوئی اور اندر جانے کی سعادت حاصل کر سکا ہو گا تو وہ معمار یا مرمت کرنے والا ہو گا جنھوں نے حجرہ مطہرہ کی مرمت کی تھی، جب دوسری بار مسجد نبویؐ میں 886 ہجری میں آگ بھڑک اُٹھی اور حجرہ مبارکہ کی چھت اور گنبد کو شدید نقصان پہنچا تھا تو سمہودیؒ اور چند دیگر افراد تین چار دن تک اندر جاتے رہے تھے تا کہ مرمت اور تعمیر نو کا کام ہو سکے۔ امام سمہودیؒ نے اس واقعہ کی تفاصیل خلاصۃ الوفاء میں بیان کی ہیں جن کو پڑھ کر قاری پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔

پنج گوشہ عمارت کے باہر اور موجودہ سطح زمین پر واقع حجرہ شریف کے اندر تو کئی نیک بخت اصحاب اندر جا چکے ہیں۔ ایک ایسی ہی صاحب تصانیف شخصیت مشہور ترکی سیاح جناب اولیا شلبیؒ (ولادت: 1020 ہجری) کی ہے جنھوں نے کچھ وقت اوپر والے حصے میں گزارا اور پھر اسے قارئین کے لیے اپنے ''سیاحت نامہ'' میں قلمبند کیا۔ ان کا تعلق چونکہ ترکی مشاہیر میں ہوتا تھا اس لیے بوقت حاضری ان کے ساتھ ترکی نائب اور شیخ الحرم (گورنر مدینہ کو ان دنوں شیخ الحرم کہا جاتا تھا) جن کا نام حسین پاشا تھا اور دیگر چند لوگ جن میں خدام روضہ رسول مقبول (طواشی) بھی گئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ شرقی

جانب سے دروازہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے اندر داخل ہوئے۔ اپنی وجدانی اور رُوحانی کیفیتوں کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے اور شیخ الحرم نے وہاں جاروب کشی کی اور حجرہ مطہرہ کو صاف کیا۔

وہ رقم طراز ہیں کہ جب وہ داخل ہوئے تو سید الکونین ختم الرسل مولائے کل ﷺ کی قبر اطہر ان کے سامنے تھی جس پر کعبۃ المشرفہ کے غلاف سے بنایا سبز رنگ کا پردہ پڑا تھا۔ حجرہ الشریفہ میں جابجا بیش بہا قیمتی ہیرے اور موتی اور سونے کے بنے شمعدان تھے جنھیں مختلف سلاطین اور امراء نے مختلف اوقات میں حجرہ مطہرہ کی نذر کیا تھا، ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا بھی ظن و تخمین کے بس کی بات نہیں تھی، شیخین کریمین سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور مطہرہ پر بھی بیش قیمت چادریں تھیں، انھوں نے یہ بھی تذکرہ کیا ہے کہ بیرونی حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء سے لے کر حجرہ مطہرہ تک زینوں کے تین درجے بنے ہیں جن کو بہت قیمتی پتھروں سے بنایا گیا تھا: عقیق، فیروزہ اور یاقوت وغیرہ سے۔ حجرہ مطہرہ کے اندر سے گنبدا خضر کی بلندی تقریباً 50 ذرع (یعنی 25 میٹر) ہے، نفیس خطاطی سے اس کے اندرونی حصے پر آیت کریمہ لکھی ہوئی ہے۔ **اللّٰہ نور السمٰوات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح**......(النور:35)

یہ یاد رہے کہ رسول اللہ سرکار دو عالم ﷺ کے منبر شریف پر پہلی بار پردہ (کسوہ) خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفانؓ نے چڑھوایا تھا اور پھر ان کے بعد مروان اور دیگر بنو امیہ کے حکمرانوں نے یہ رسم جاری و ساری رکھی اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ قبر اطہر پر غلاف ڈالنے کا رواج تبع تابعین کے دور سے دوسری صدی ہجری میں شروع ہو چکا تھا کیونکہ سب سے پہلے ایسا کرنے والی خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران تھیں۔

کاشانہ اقدس پر بیش قیمت تحائف کی تفصیل اور پس منظر

قارئین میں سے چند کے ذہنوں سے اس بارے میں شکوک وشبہات دور کرنے کے لیے کہ کہیں حجرہ مطہرہ پر پیش کردہ تحائف کا پس منظر کہیں غیر شرعی تو نہیں، ہم

ابتدا ہی میں یہ بیان کرنا چاہیں گے کہ ایسے تحائف، جو نقد اور قیمتی اشیا پر مبنی ہوتے تھے، کعبۃ المشرفہ میں بعثت سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے پہلے اور بعد میں بھی اور پھر خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور راشدہ میں کثرت سے چڑھائے جاتے تھے، جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کی ساری دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگی تو سیدنا عمر فاروقؓ نے دو سونے کے ہلال جو مال غنیمت میں ہاتھ لگے تھے، کعبۃ اللہ کو بھیج دیے تھے جو کہ اس کی چھت سے معلق کر دیے گئے تھے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے طرز عمل کو سامنے رکھتے ہوئے بنوامیہ کے خلفاء بھی ایسے بہت سے تحائف کعبۃ المشرفہ بھیج دیا کرتے تھے، جن میں خاص طور پر ولید بن یزید بن عبدالملک کا نام آتا ہے جنھوں نے سونے سے بنے ہلال اور ایک بیش قیمت سنہری چارپائی کعبۃ المشرفہ روانہ کی تھی جس کے اوپر یہ تحریر کندہ تھی:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے بندے امیر المومنین خلیفہ الولید بن یزید کے حکم سے 101 ہجری میں بھیجا گیا''۔

بعد کے ادوار میں اور بالخصوص عباسی دور خلافت میں سونے کے بنے تاج اور جواہرات کعبہ شریف بھیجے جاتے تھے اور یہ رسم آج بھی جاری و ساری ہے، شاہ خالد بن عبدالعزیز نے کعبۃ المشرفہ کا دروازہ خالص سونے سے بنوا کر (جس میں 65 کلوگرام سونا استعمال ہوا تھا) کعبۃ المشرفہ پر لگوایا تھا، حالانکہ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سونے اور چاندی کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہی حال مسجد نبویؐ شریف کا ہے کہ وہاں بھی گنبدوں کے ہلال اور دروازوں پر بے تحاشا سونے کا استعمال ہوا ہے، انھیں امثلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں ان تحائف کی شرعی حیثیت کا تعین کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے جو کہ کاشانہ شہ دوسرا ﷺ پر سلاطین عالم شروع سے ہی بھیجتے چلے آئے ہیں جو زر نقد اور قیمتی جواہر اور سونے کے شمع دان وغیرہ کی صورت میں ہوا کرتے تھے، شمع دانوں کا بنیادی مقصد تو تنویر حرم نبوی شریف تھا اور بھیجنے والا اپنے اپنے مقام کے مطابق ایسے شمعدان بھیجتا تھا جو کہ حرم نبوی شریف کے شایان شاں ہوتے تھے یعنی سیم و زر سے بنے ہوتے تھے اور یہ رسم وفا آج بھی نبھائی جا رہی ہے۔ مسجد نبوی شریف میں معلق فانوسوں

پر سونے کی تہہ چڑھائی گئی ہے، ان تحائف سے حرم النبویؐ شریف کا خزانہ بن گیا تھا جس سے اکثر اوقات ان تحائف کو بیچ کر اور زرنقد کو نکال کر مسجد نبویؐ کی مرمت اور تعمیر کا کام چلایا جاتا تھا، سمہودیؒ نے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں جن میں سب سے زیادہ درخشاں مثال یہ ہے کہ ان کے دور میں چوتھا مینارہ (جو کہ باب السلام پر آج بھی اپنی قدیم اور اصلی شکل میں استوار ہے) جس کو بنوامیہ کے ایک حکمران نے گرانے کا حکم دے دیا تھا اور پھر تقریباً سات صدیوں تک وہاں کوئی مینارہ نہیں تھا، اس کی تعمیر بھی انھیں محاصل حرم (یعنی تحفہ تحائف کو بیچ کر ان کی قیمت حاصل کی گئی) سے کی گئی تھی، انھوں نے بیان کیا ہے کہ جب سلطان بیبارس نے فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو شیخ الخدام شبل الدولہ کافور المظفری نے عرض کیا کہ اگر سلطان اجازت مرحمت فرمائیں تو خزانہ حرم نبوی شریف میں جو بھی تحائف اور شمعدان وغیرہ ہیں، ان کو بیچ کر ان کے محاصل سے مذکورہ مینارہ کو تعمیر کروایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ایسے تحائف مختلف صورتوں میں پیش کیے جاتے تھے، جن میں کشیدہ کاری کیے گئے پردوں اور چادروں سے لے کر (جو کہ قبور مطہر پر ڈالی جاتی تھیں) سیم وزر سے بنی پلیٹیں اور جواہرات سے مرصع تختیاں بھی شامل تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی تحفہ کوکب الدری تھا جو ایک بیش بہا ہیرا تھا جو اندھیرے میں بھی چمکتا تھا۔ باقی کی اشیا میں سونے سے بنے شمعدان یا تاریخی تلواریں تھیں جن کے دستوں پر ہیرے جواہرات لگائے گئے تھے۔ **ابراھم** رفعت پاشا کے الفاظ میں: ''عام طور پر ایسے تحائف جواہرات یا قیمتی پتھروں کی شکل یا سیم وزر کی صورت میں آتے تھے لیکن ان کے علاوہ بیش قیمت تلواریں بھی تھیں جن کی تعداد ایک سو کے قریب تھی جن پر ہیرے اور سونا لگا ہوا تھا''۔ شمعدان تو حجرہ الشریفہ میں یا مسجد شریف کے دوسرے حصوں میں قندیلیں جلانے کے لیے استعمال ہوتے تھے تاکہ نمازیوں کو رات میں آنے جانے اور عبادت کرنے میں آسانی ہو، مگر تلواریں خزائن الحرم میں اس لیے پیش کی جاتی تھیں تاکہ حرم اور حجرہ مطہرہ کا مناسب دفاعی انتظام ہو۔ اس سے ان تحائف کو پیش کرنے والوں کی دلی محبت اور عقیدت کا

اظہار مقصود ہوتا تھا۔

سب سے قیمتی تحفہ جس کا نام 'کوکب الدری' (قیمتی موتیوں کا ستارہ) عثمانی سلطان احمد خان بن سلطان محمد خان نے حجرہ مطہرہ کے لیے پیش کیا تھا۔ یہ دو ہیروں سے مل کر بنا تھا جس میں ایک چھوٹا تھا اور ایک بڑا، بڑے ہیرے کا حجم کبوتر کے انڈے کے برابر تھا، ان دونوں ہیروں کو سونے اور چاندی سے جوڑ دیا گیا تھا، بڑے ہیرے کی اس وقت کی قیمت کا اندازہ تقریباً **80,000** دینار، (سونے کی اشرفیاں) لگایا گیا تھا۔ **1047** ہجری میں سلطان مراد بن احمد خان نے ایک اور ہیرا تحفتاً پیش کیا جو کہ سونے کی پلیٹ میں جڑا ہوا تھا۔ **1154** ہجری میں شامی امیر الحج نے حجرہ شریفہ پر کچھ اور ہیرے پیش کیے جو کہ ایک قیمتی لوح میں لگائے گئے تھے اور ان کے اوپر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کے نام گرامی کندہ تھے اور ساتھ ہی سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کا اسمِ گرامی بھی کندہ تھا۔

سلاطین عثمانیہ کے علاوہ ان کی ملکہ اور شہزادے اور شہزادیاں بھی اس معاملے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں۔ ایسی ہی ایک بیش قیمت پلیٹ جس میں جواہر لگے تھے، ملکہ سلطانہ نے **1291** ہجری میں پیش کی جس پر سنہرے حروف میں **لا الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا۔

سید آلِ احمد رضوی

مقصورہ شریف

مقصورہ شریف...... مسکن سید دو عالم، آستانِ شفیع المذنبین ﷺ ہے۔ اسی حریم مقدس میں محبوب کبریا ﷺ اپنے اصحاب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہما کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مطہرہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وصال کے بعد پیغمبر آخر الزماں ﷺ یہیں آرام فرما ہوں۔ یہ خواب گاہ نبویؐ کائنات میں سب سے عظیم ترین جگہ ہے۔ روضہ اطہر کی زیارت۔ محبت کے قرینوں میں سے ایک قرینہ ہے۔ یہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا حق اور امت کا فرض ہے۔

سب اس بات پر متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ و حیات ہیں۔ وجہ تخلیق کائنات ﷺ کی حیاتِ اقدس تو انتہا درجے کی اعلیٰ و ارفع ہے۔ آپ فرشتوں کی طرح لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں، جب خالق کائنات کسی پر مہربانی فرمانا چاہتا ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے اور اسے زیارت بابرکت نصیب ہو جاتی ہے۔

ہادیِ اسلام ﷺ کے وصال مبارک کے بعد چودہ صدیوں کے بے شمار واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حیات ظاہری کے دور میں آپ ﷺ کا فیض رشد و ہدایت، تعلیم و تلقین، تزکیہ نفس اور اظہارِ معجزات کا سلسلہ جاری و ساری تھا، اسی طرح وصال کے بعد بھی یہ جاری ہے۔ ایسے لاتعداد واقعات سے کتب تاریخ و سیرت بھری پڑی ہیں۔

حضور ﷺ کے ارشاداتِ گرامی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ آپ ﷺ

کے فرامینِ مبارک ہیں:

1- جس نے حج کیا، پھر میری قبر کی زیارت کی، گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (مشکوٰۃ شریف)

2- مجھ پر درود بھیجا کرو، تم جہاں کہیں بھی ہو، تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

حجرۂ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو ایسی حیاتِ ابدی حاصل ہوئی ہے کہ روزِ محشر تک اس کا وجود قائم و دائم رہے گا۔ اس لیے کہ یہ خواب گاہِ سید المرسلینؐ قرار پائی اور جب سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ نے وصال فرمایا تو انہیں بھی اس رشکِ فردوس حجرہ میں جگہ ملی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا سر اقدس محبوب رب العالمین حضور ﷺ کے سینہ اطہر کے مقابل ہے۔ پھر جب سیدنا عمر فاروق نے شہادت پائی تو انہیں بھی اسی مقدس و مطہر جگہ دفنایا گیا۔ اس انداز میں کہ ان کا سر مبارک حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کے سینہ کے مقابل ہے جس کی ترتیب یہ ہے۔

آرام گاہِ سید المرسلین ﷺ

قبر مبارک حضرت ابوبکر صدیقؓ

قبر مبارک حضرت عمر فاروقؓ

ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے حجرہ شریف کی تعمیر کی جانب خصوصی توجہ فرمائی۔ بہت گہری بنیادیں کھودی گئیں اور نہایت قیمتی پتھروں سے دیواریں بنائی گئیں۔ سنگ مرمر اور ساگوان کی لکڑی استعمال کی گئی۔ ستونوں میں لوہا اور سیسہ پگھلا کر بھرا گیا اور ان پر سونے کا پانی چڑھایا گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حجرہ مطہرہ کے گرد جو عمارت بنوائی، اس میں کوئی دروازہ کسی جانب سے نہیں رکھا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس عمارت کے گردا گرد صندل اور آبنوس کی لکڑی کا ایک چوبی جنگلہ جو مخمس شکل میں تھا، بنوایا جس کا فاصلہ اصل حجرہ سے حسب ذیل تھا۔

مشرق کی جانب تین فٹ، مغرب کی طرف ڈیڑھ فٹ، قبلہ کی سمت نو انچ اور شمال کی جانب کچھ خالی چھوڑ کر زاویہ کی شکل میں ایک کونہ پر دونوں دیواریں ملا دیں۔ اس دیوار پر کوئی چھت نہیں تھی، دیواریں تقریباً چھ میٹر بلند تھیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں ایک روح پرور واقعہ رونما ہوا اور مدینہ منورہ عطر بیز ہوا سے مشک بار ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ بڑے متقی، پرہیز گار، شب بیدار اور تہجد گزار بزرگ تھے۔ ان کا معمول تھا کہ سحری کے وقت مسجدِ نبویؐ میں تشریف لاتے۔ سب سے پہلے روضہ اطہر پر حاضری دے کر ہدیۂ درود و سلام پیش کرتے، پھر اپنی جگہ جا کر نمازِ تہجد ادا کرتے اور نماز فجر تک وہیں بیٹھ کر درود وظائف میں مشغول رہتے۔

حضرت عبداللہؒ سے روایت ہے: ''ایک رات بارش ہو رہی تھی، میں حسب معمول اپنے گھر سے مسجد نبویؐ کی جانب روانہ ہوا۔ ابھی میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے گھر کے قریب پہنچا تھا کہ ایک عجیب وغریب، مسحور کن خوشبو محسوس ہوئی۔ میں نے زندگی میں پہلے کبھی ایسی نفیس خوشبو نہیں سونگھی تھی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ یہ خوشبو اردگرد فضا میں دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے۔ میں حیرانی کے عالم میں جوں جوں مسجد نبویؐ کے قریب پہنچ رہا تھا، فضا زیادہ مشک بار ہوتی جا رہی تھی۔ مسجد نبویؐ میں داخلے کے بعد جب میں حجرۂ اقدس پر پہنچا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حجرہ مبارک کی ایک دیوار منہدم ہو چکی ہے اور فضا کو معطر و معنبر کر دینے والی یہ خوشبو حجرہ اقدس کے اندر سے آ رہی ہے۔ میں کچھ دیر وہاں رہا اور بارگاہِ نبویؐ میں ہدیۂ درود و سلام پیش کرتا رہا۔ عطر بیز ہوا نے میرا احاطہ کر لیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی وہاں آ پہنچے۔ انہیں اس واقعہ کی اطلاع ہو چکی تھی۔ انہوں نے آتے ہی ایک چادر سے اس جگہ پردہ کرا دیا۔''

نماز فجر کی ادائیگی کے بعد انہوں نے مدینہ منورہ کے مشہور و معروف معمار، وردان کو بلایا اور انہیں روضۂ اقدس کے اندر داخل ہونے کا حکم دیا، وہ درود شریف کا ورد کرتا ہوا اندر گیا اور اپنی مدد کے لیے ایک اور آدمی طلب کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے

ارادہ کیا کہ وہ خود اندر جا کر وردان کا ہاتھ بٹائیں گے مگر وہاں موجود معززینِ مدینہ بھی تیار ہو گئے کہ ہم بھی ساتھ اندر جائیں گے اور دیوار تعمیر کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے فرمایا: ''تم لوگ اس طرح ہجوم کر کے حضور ﷺ کو ایذا پہنچاؤ گے۔ اس لیے میں کسی کو اندر نہ جانے دوں گا اور نہ خود جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر انہوں نے مزاحم نامی اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ وہ اندر جائے اور وردان کا ہاتھ بٹائے۔ اس نے اندر جا کر قبر شریف پر گری ہوئی مٹی ہٹائی اور دیوار گرنے سے جو شگاف پڑ گیا تھا، اسے اپنے ہاتھ سے درست کیا۔

مقدس جالی

حجرۂ مطہرہ کا احاطہ کرنے والی مقصورہ شریف کے چاروں طرف جو نظر افروز مقدس جالی نصب ہے وہ سنگ مرمر سے بنے ہوئے ستونوں پر قائم ہے۔ خاتونِ جنت سیدنا فاطمۃ الزہراؓ کا گھر بھی اس میں شامل ہے۔

شاہِ مصر، رکن الدین بیبارس وہ خوش قسمت اور نیک بخت انسان ہے جس نے سب سے پہلے روضۂ انور کے اردگرد جالی نصب کرائی۔ اس کے اس نیک عمل نے اسے حیاتِ جاوداں بخش دی۔ یہی وہ شیر دل بادشاہ ہے جس نے ہلاکو خان جیسے سفاک شخص کا غرور خاک میں ملایا اور مسلمانوں کی تاراج شوکت وعظمت کو از سرِ نو بحال کیا۔

667ھ میں جب سلطان حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر پر حاضری کے لیے پہنچا تو اس نے فیصلہ کیا کہ حجرۂ مطہرہ کے چاروں جانب ایک جالی دار احاطہ قائم کیا جائے تاکہ روضۂ اقدس کی مزید حفاظت اور حسن وزیبائش میں بھی اضافہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے حجرۂ مبارک کی رسیوں سے پیمائش کی اور وہ رسیاں اپنے ساتھ لے گیا۔ اس خوش بخت اور سعادت مند بادشاہ نے لکڑی کی انتہائی دیدہ زیب جالی تیار کرائی اور اس کے نقش ونگار میں اپنی چاہتوں کا حسن سمو دیا۔ 668ھ میں یہ جالی اس نے روضہ مبارک کے اردگرد نصب کرا دی۔ اس جالی میں مشرق، مغرب اور جنوب کی جانب تین دروازے بھی رکھے گئے۔ بعد میں 728ھ میں ملک ناصر محمد بن

قلادون کے عہد میں شمال کی جانب بھی دروازہ بنا دیا گیا۔ جالی کی اونچائی تقریباً گیارہ فٹ تھی جو مسجد نبویؐ کی چھت سے نیچی تھی۔

696ھ میں الملک عادل زین الدین جو ملک ناصر محمد بن قلادون صالحی کی کچھ عرصہ کی معزولی کے درمیانی عرصہ میں مصر کا حکمران بنا، اس نے مقصورہ شریف کے اردگرد نصب جالیوں پر جالی دار کھڑکیاں بنوا کر مسجد شریف کی چھت تک لگوا دیں۔ ملک محمد بن قلادون کا عہد اس لحاظ سے بڑی خصوصیت رکھتا ہے کہ اس نے مسجدِ نبویؐ کو ہر پہلو سے اس زمانے کے حالات کے مطابق مکمل کر دیا۔ عقیدت و محبت کا جو دریا اس کے دل میں موجزن تھا، وہ اس نے مسجد نبویؐ کے درو دیوار، چھتوں، ستونوں، محرابوں اور کھڑکیوں کے دلکش نمونوں میں انڈیل دیا اور اس طرح رنگِ نیاز بھرا کہ ہر گوشہ سے حسن کا نور پھوٹنے لگا۔

اگرچہ مختلف ادوار میں حکمران مقصورہ شریف کے اردگرد جالیوں کو اپنی اپنی عقیدت اور چاہت کے مطابق تبدیل کرتے رہے اور آج مقصورہ شریف کے گرداگرد پیتل کی نظر افروز جالیاں لگی ہوئی ہیں لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حجرۂ اطہر کے اردگرد جو دیوار تعمیر کروائی، وہ اپنی اصلی حالت میں موجود رہی۔ ایک زائر جب مواجہہ شریف کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پیش نظر پیتل کی سنہری جالیاں ہوتی ہیں۔ ان جالیوں کے بعد محرابی احاطہ ہے جو چاروں جانب سے ایک بڑے دیدہ زیب کپڑے سے ڈھکا ہوا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ ماجدہ نے سب سے پہلے مقصورہ شریف پر ریشمی پردے چڑھائے، اس کے بعد وزیر مصر محمد صالح کے داماد امیر حسین نے مستنصر باللہ کے عہد میں دیبائے ابیض کا بڑا ہی بیش قیمت غلاف چڑھایا جس کے وسط میں سرخ حریر کا پٹکہ تھا، اس پر سونے کے تار سے سورۃ یٰسین لکھی ہوئی تھی۔ پھر ایک بڑی جاگیر غلاف خانہ کعبہ اور مقصورہ شریف کے لیے وقف کر دی گئی تو ہر پانچ سال بعد مقصورہ شریف پر نیا غلاف چڑھایا جانے لگا۔

لیکن جب آلِ عثمان نے خادم الحرمین ہونے کی عزت پائی (یہ حکومت 700

ہجری تا **1342** ہجری تک جاری رہی) تو اس وقت سے یہ معمول ہو گیا کہ ہر نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر غلاف مبارک آتا۔ موجودہ غلاف سلطان عبدالحمید کی تخت نشینی کی یادگار ہے۔ سبز غلاف پر سرخ مخمل کے ٹکڑے لگے ہوئے ہیں جن پر سونے کے تار سے سورۃ فتح کڑھی ہوئی ہے۔ مواجہہ شریف کی جانب جہاں زائرین کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں، سرخ مخمل ہی کے چار ٹکڑے لگے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کتبہ پر سونے کی تار سے اس انداز میں مندرجہ ذیل حروف لکھے ہوئے ہیں:

لا اله الا الله

هذا قبر النبی صلی الله علیه وسلم

هذا قبر ابی بکر الصدیق رضی الله عنه

هذا قبر عمر الفاروق رضی الله عنه

مقصورہ شریف میں غلاف اور محرابی احاطہ کے بعد منقش پتھروں کی عمارت ہے۔ اس عمارت کے اندر حجرۂ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، میں محبوب کبریا ﷺ اور آپؐ کے جلیل القدر ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ آرام فرما ہیں۔ حجرہ انور میں انوار و تجلیات کا نزول اس قدر ہے کہ کوئی نگاہ اور کوئی قلب تاب نہیں لاسکتا۔

وصلی الله تعالیٰ علی حبیبه محمد و آله واصحبه وسلم

محمود میاں نجمی

مسجد نبوی ﷺ اور اس کی تعمیر و توسیع

امام الانبیا خاتم النبیین، سیّد المرسلین، رحمتِ دو جہاں، شاہِ کون و مکاں، احمد مجتبیٰ، محمدِ مصطفیٰ ﷺ مکے سے ہجرت کر کے شہر یثرب میں رونق افروز ہوئے، تو اہل یثرب نے جس والہانہ انداز، جوش وخروش، عقیدت ومحبت اور عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر تقدیس وتحمید کے پُرمسرت کلمات کے ساتھ سرکارِ دو عالم، حضور پُرنور، رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا فقید المثال استقبال کیا، تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الرحیق المختوم'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ '' وہ دن جمعے کا تھا اور تاریخ **12** ربیع الاوّل، یکم ہجری بہ مطابق **27** ستمبر **622** عیسوی۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں قیام کے فوری بعد شہرِ یثرب کا نام تبدیل کر کے ''مدینہ منورہ'' رکھ دیا اور مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا۔ مسجد کی تعمیر کے لیے آپ ﷺ نے وہ جگہ پسند فرمائی، جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی آ کر بیٹھی تھی۔ یہیں ہجرت نبوی ﷺ سے قبل سیدنا اسعد بن زرارہؓ پنج گانہ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ سیرت ابنِ ہشام میں محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ مذکورہ زمین، قبیلہ بنو مالک بن نجار کے دو یتیم بچوں سہل، اور سہیل کی تھی، جن کے سرپرست حضرت اسعد بن زرارہؓ ہی تھے۔ نبی کریم ﷺ نے مسجد کی تعمیر کے حوالے سے بچوں سے زمین کی خریداری کی بات کی، تو بچوں نے کہا '' یارسول اللہ ﷺ! ہم یہ زمین بلا قیمت، تحفتاً دے دیتے ہیں۔'' لیکن آپ ﷺ نے بلا قیمت لینا قبول نہ کیا۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے مطابق، آپ ﷺ نے اسے قیمتاً خریدا۔ ابنِ سعد کہتے ہیں کہ یہ رقم حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ادا کی۔ حضرت عائشہؓ اور

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آقائے دو جہاں ﷺ بہ نفسِ نفیس مسجد کی تعمیر میں شریک رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہ صد اصرار روکنے کے باوجود آپ ﷺ خوشی خوشی اشعار پڑھتے ہوئے اینٹ، پتھر اور گارا ڈھونے کا کام کرتے رہے۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ مجھے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں مسجد کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، جس کے ستون کھجور کے تنوں اور چھت کھجور کی شاخوں سے تیار کی گئی تھی، البتہ مسجد کی دیواریں پتھروں کی تھیں۔ مسجد کی لمبائی 70 ہاتھ (35 میٹر) چوڑائی 60 ہاتھ (30 میٹر) تھی۔ چھت 5 ہاتھ (ڈھائی میٹر) تھی۔ اس طرح کل رقبہ 35×30=1050 میٹر کے لگ بھگ تھا۔ ماہِ ربیع الاوّل یکم ہجری بہ مطابق 622 عیسوی میں مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ ابتدائی دور میں مسجد میں نہ منبر تھا اور نہ محراب، نہ زمین پر فرش تھا اور نہ ہی کھجور کی چھت پر بارش کے پانی کو روکنے کا انتظام۔ جب مسجد میں بارش کا پانی زیادہ جمع ہونے لگتا، تو صحابہ کرامؓ مسجد کی زمین پر کنکریاں بچھا دیتے۔ اس کے باوجود اہل مدینہ خوش تھے کہ یہاں اللہ کی رحمتیں بارش کی طرح برستی ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ کا زیادہ تر وقت مسجد میں گزرتا تھا۔ یہ اسلامی ریاست کا دارالخلافہ بھی تھا اور مجاہدین اسلام کا ہیڈ کوارٹر بھی۔ یہ اسلامی یونیورسٹی بھی تھی اور پارلیمنٹ ہاؤس بھی۔ یہ اعلیٰ عدلیہ بھی تھی اور اشاعت دین، حق و انصاف کا منبع بھی۔ یہی جگہ باہمی میل جول، اجتماعات و مؤاخات اور بھائی چارے کا مرکز بھی تھی۔ یہی وہ عظیم جگہ تھی کہ جہاں سے علم و شعور کی پاکیزہ کرنوں نے مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں کفر کے اندھیروں کی سیاہ چادر کو تار تار کر کے اسلام کے لازوال پیغام، فلاحِ انسانیت کو عام کیا۔ یہاں سے جب پانچ وقت اذانِ بلالی کی صدا گونجتی، تو پورا عالم لرز اُٹھتا۔

ازواجِ مطہراتؓ کے حجرے:

نبی اکرم ﷺ نے مسجد نبویؐ سے متصل جنوب مشرق میں دو حجرے بھی بنوائے، ایک امّ المومنین حضرت سودہؓ اور دوسرا سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لیے۔ ابنِ سعد بیان کرتے ہیں کہ ان حجروں کی دیواریں اینٹوں اور چھتیں، کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھیں۔

دونوں حجروں کے دروازوں پر ٹاٹ کے پردے ڈال دیے گئے تھے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ "مجھے بچپن میں حضور اکرم ﷺ کے گھروں میں جانے کا شرف حاصل رہا ہے، ان کی چھتیں اتنی نیچے تھیں کہ میں ہاتھ اُٹھا کر چھو سکتا تھا۔" حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ "رسالت مآب ﷺ 7 ماہ تک حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان میں مقیم رہے۔

صفہ:

نبی کریم ﷺ نے مسجد نبویؐ سے متصل شمال مشرقی حصے میں فقراء، مساکین اور مہاجرین کے لیے ایک چبوترا (صفہ) بنوایا۔ یہ اسلام کے مہمان، ان فاقہ کش جاں نثارانِ محمد ﷺ اور عاشقانِ رسول ﷺ کی خانقاہ تھی کہ جن کا نہ گھر بار تھا، نہ اہل وعیال۔ جن کا طعام بھی یہیں تھا اور قیام بھی۔ جنھوں نے خود کو تزکیہ نفس، علوم قرآن و حدیث کے حصول اور فیضانِ مصطفیٰ ﷺ سے فیض یاب ہونے کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ یہ مسلمانوں کی پہلی باقاعدہ درس گاہ اور پہلی اقامتی جامعہ تھی، یہاں مقیم یہ عظیم المرتبت صحابہ کرامؓ "اصحابِ صفہ" کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان ہی کی صفات کے حامل افراد "صوفیاء" کہلاتے ہیں۔

منبر شریف:

ہجرت کے بعد تقریباً 16 مہینے تک بیت المقدس قبلہ رہا، لہٰذا مصلیٰ نبوی ﷺ باب جبرئیل کے مقابل رہا۔ تحویلِ قبلہ کے حکم کے بعد کچھ دن تک آپ ﷺ نے اسطوانہ عائشہؓ کے سامنے زمین پر کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ پھر آپ ﷺ اسطوانہ حنّانہ والی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھانے لگے۔ عموماً آپ ﷺ قریب ہی موجود کھجور کے تنے سے ٹیک لگا لیا کرتے تھے، لیکن جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، تو صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی اجازت سے مٹی کا ایک منبر بنا کر کھجور کے تنے کے برابر رکھ دیا۔ آپ ﷺ اس پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے اور کھجور کے درخت سے ٹیک لگا لیتے۔ 7 ہجری میں حضرت تمیم داریؓ نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر ضعف اور کبرسنی کے آثار نمایاں ہونے لگے اور اس منبر پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ کو خطبہ اور تعلیم دیتے وقت بڑی دقت ہوتی، لہٰذا انھوں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں دوسرے منبر کی اجازت لی۔ چنانچہ سہل بن سعدؓ اور ان کے

ساتھ انصاری خاتون کے ملازم میمون نامی بڑھئی نے جنگل سے لکڑیاں لا کر ایک لکڑی کا منبر تیار کیا، جسے آپ ﷺ کی نماز گاہ کے قریب، مغربی سمت میں رکھ دیا گیا۔ یہ منبر شریف آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی اپنی اصل شکل میں باقی رہا۔ تاہم، پہلی مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں اس میں تبدیلیاں کی گئیں۔ (روضہ شریف، ص 20 از ڈاکٹر احمد محمد شعبان)

مختلف ادوار میں مسجد نبویؐ کی توسیع:

7 ہجری (628) کو نبی اکرم ﷺ خیبر سے واپس تشریف لائے، تو مسجد نبویؐ میں پہلی دفعہ توسیع کی گئی۔ آپ ﷺ نے چوڑائی میں 40 ہاتھ اور لمبائی میں 30 ہاتھ کا اضافہ فرمایا۔ اس طرح مسجد مربع شکل اختیار کر گئی۔ اس کا کل رقبہ 2500 مربع میٹر ہو گیا، البتہ قبلے کی طرف مسجد اپنی پہلی حد تک ہی رہی۔ اس کی بنیاد پتھروں کی، دیواریں کچی اینٹوں کی اور ستون کھجور کے تنوں سے بنائے گئے تھے۔ چھت 7 ہاتھ اونچی تھی۔ اضافے والی یہ زمین سیّدنا عثمان غنیؓ نے خرید کر وقف کی تھی۔ (تاریخِ مدینہ منورہ، ص 66 دارالسلام)۔ حضور رسالت مآب ﷺ کے زمانے میں مسجد کے 27 ستون تھے، جو کھجور کے درخت کے تنوں سے بنائے گئے تھے۔ عہدِ عثمانؓ تک یہ ستون جوں کے توں رہے، البتہ توسیع کے وقت کھجور کے تنوں کی جگہ منقش پتھر کے ستون نصب کر دیے گئے۔ دورِ عثمان غنیؓ کے بعد بھی ہر دور میں توسیع کے دوران ان ستونوں کی نشان دہی کا خاص اہتمام کیا گیا، بالخصوص ان ستونوں کا، جو ریاض الجنۃ کے احاطے میں ہیں۔ ان میں سے 7 ستون اپنا تاریخی پس منظر رکھتے ہیں۔ (1) اسطوانہ مخلقہ (اسطوانہ حنّانہ) (2) اسطوانہ عائشہؓ (3) اسطوانہ توبہ (ابولبابہ) (4) اسطوانہ سریر (5) اسطوانہ حرس (اسطوانہ علیؓ) (6) اسطوانہ وفود (7) اسطوانہ مقامِ جبرئیل علیہ السلام (روضہ شریف ص 30 از ڈاکٹر احمد محمد شعبان) 17 ہجری (638) میں حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد کی از سرِ نو تعمیر کروائی۔ اس کی تین سمتوں جنوب، مغرب اور شمال میں ایک ہزار ایک سو مربع میٹر کا اضافہ کیا۔ 29 ہجری (649) میں حضرت عثمان غنیؓ نے اس کی تعمیر فرمائی جس میں پتھر استعمال کیا گیا اور تین سمتوں، جنوب، مغرب اور شمال میں تقریباً 470 مربع میٹر کا اضافہ کیا گیا۔

(مدینہ منورہ ص 35 از احمد محمد شعبان)۔ 88 ہجری (706ء) میں اموی خلیفہ، ولید بن عبدالملک نے امیر مدینہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کے نام مسجد شریف کی توسیع وتجدید کا فرمان جاری کیا۔ انھوں نے مسجد میں تین سمتوں مغرب، شمال اور مشرق میں 2369 مربع میٹر رقبے کا اضافہ کیا، اور ازواجِ مطہراتؓ کے حجرات مقدّسہ کو بھی مسجد کی حدود میں شامل کرلیا۔ اس طرح مسجد کا کل رقبہ 6440 مربع میٹر ہوگیا۔ اس تعمیر میں مسجد کی تزئین وآرائش اور زیبائش کا خصوصی خیال رکھا گیا۔ دیواریں اور چھت، جواہرات اور آبِ زر کی خوب صورت مینا کاری سے مرصّع کی گئیں۔ جنوبی دیوار پر طلائی نقش ونگار، قرآنی آیات، اسمائے نبوی ﷺ تحریر کروائے گئے۔ اموی خلیفہ، ولید بن عبدالملک نے پہلی مرتبہ مسجد نبویؐ میں محراب بنوائی اور مسجد کے چاروں کونوں پر مینار تعمیر کروائے، اس سے قبل مسجد میں مینار اور محراب نہیں تھے۔ یہ کام 91 ہجری (709ء) میں تکمیل پایا۔ عباسی خلیفہ، محمد مہدی بن ابوجعفر نے 161 ہجری (777ء) میں مسجد نبویؐ کے شمال میں 2450 مربع میٹر کا اضافہ کیا۔ اس طرح اس توسیع کے بعد مسجد کا کل رقبہ 8890 مربع میٹر ہوگیا۔ 13 رمضان المبارک 886 ہجری کو مسجد کے مرکزی مینار پر بجلی گرنے سے آتش زدگی کا افسوس ناک واقعہ پیش آیا، جس کے بعد سلطان اشرف قاتیبائی نے فوری طور پر مسجد کی تعمیر کے احکامات جاری کیے۔ اس دوران مسجد میں 120 میٹر کی توسیع کی گئی، روشنی کے لیے کھڑکیاں اور موذن کے لیے پہلی مرتبہ چبوترا تعمیر کروایا گیا۔ روضہ اقدس پر گنبد تعمیر کر کے اس پر سفید رنگ کروایا، جو گنبد شریف ''قبۃ البیضاء'' کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ یہ کام چار سال جاری رہا۔ بعدازاں، سلطان سلیم ثانی نے 980 ہجری (1572ء) میں حجرہ مقدسہ مطہرہ پر ایک خوب صورت گنبد بنوایا اور اس پر طلائی گل کاری کی۔ ترکی کے سلطان محمود نے 1233 ہجری بہ مطابق 1818ء میں مزارِ اقدس پر از سرِ نو گنبد بنوایا اور 1255 ہجری (1839ء) میں اس پر پہلی بار سبز رنگ کروایا، جس کی وجہ سے یہ ''گنبدِ خضرا'' کہلانے لگا۔ (تاریخ مدینہ منورہ ص 328 تا 330 مولانا محمد عبدالمعبود)

1265 ہجری (1848ء) میں سلطان عبدالمجید عثمانی نے مسجد نبویؐ کے شمال

میں **1239** مربع میٹر کا اضافہ کیا۔ اس نے وادی عقیق سے سرخ پتھر نکلوا کر مسجد کے ستونوں میں استعمال کیا اور ستونوں کے نچلے حصوں میں سونے کے پتر چڑھائے۔ اندرونی حصّوں میں خوب صورت زیبایش و آرایش کے علاوہ آیاتِ قرآنی پر مبنی خطاطی کے نادر نمونے کندہ کروائے۔ دروازوں کو نہایت اعلیٰ چوبی کام سے دیدہ زیب بنایا گیا۔ مسجد نبویؐ کا بابِ مجیدی ان ہی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کام **1277** ہجری (**1861**ء) میں **12** سال کی مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ **5** شوال **1370** ہجری (**9** جولائی **1951**ء) کو سعودی فرماں روا، ملک عبدالعزیز نے مسجد کے مشرقی، مغربی اور شمالی حصوں میں توسیع کے کام کا آغاز کیا۔ اس توسیعی منصوبے کے تحت مسجد میں **6024** مربع میٹر کا اضافہ کیا گیا۔ جس کے بعد مسجد کی کل پیمائش **16326** مربع میٹر ہو گئی۔ یہ منصوبہ شاہ سعود کے عہد میں مکمل ہوا۔ (نشاناتِ ارض قرآن ص **233** شاہ مصباح الدین شکیل)۔ جمعۃ المبارک **9** صفر **1405** ہجری (**1984**ء) کو شاہ فہد نے مسجد نبویؐ کی تاریخ کی سب سے بڑی توسیع کا فرمان جاری کیا۔ جس کے تحت نبی کریم ﷺ کے زمانے کے مدینے کو مسجد کی حدود میں شامل کرنا تھا۔ اس توسیع کے بعد گراؤنڈ فلور پر مسجد کا کل رقبہ پچاس ہزار مربع میٹر ہو گیا، جس میں ڈیڑھ لاکھ نمازیوں کی گنجائش ہے۔ یہ دو ہزار ایک سو چار ستونوں پر استوار ہے۔ چھت پر نمازیوں کے لیے **58250** مربع میٹر جگہ مختص کی گئی۔ جس میں نوے ہزار نمازی بہ یک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس طرح نمازیوں کے لیے کل رقبہ ایک لاکھ چالیس ہزار دو سو پچاس مربع میٹر ہو گیا، جس میں دو لاکھ چالیس ہزار نمازی، نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس طرح سابقہ توسیع سے نو گنا زیادہ نمازیوں کی جگہ بن گئی۔ اگر مسجد کے گرد صحن کا ایک لاکھ پینتیس ہزار مربع میٹر رقبہ بھی شامل کر لیا جائے، تو مسجد میں چار لاکھ تیس ہزار نمازی سما سکتے ہیں۔ اس طرح مسجد اور صحن میں کل چھے لاکھ اٹھانوے ہزار **698,000** نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ پوری مسجد کو جدید ترین ایئر کنڈیشننگ نظام سے آراستہ کیا گیا ہے۔ مسجد کی چھت پر ستائیس خودکار متحرک گنبد بنائے گئے ہیں تاکہ گنبد ہٹانے سے سورج کی روشنی اور ہوا حاصل ہو سکے۔ مسجد میں

مستورات کے لیے علیحدہ حصے مختص کیے گئے ہیں۔ مسجد کے اردگرد تہہ خانوں میں دومنزلہ کار پارکنگ بنائی گئی ہے، جس میں 4444 گاڑیاں کھڑی کرنے کی گنجائش ہے۔ توسیع کا یہ کام 4 ذیقعد 1414 ہجری (1994ء) میں 10 سال کی مدت میں تکمیل پایا۔
(مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد، ص 12 ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی)

شوال 1433 ہجری (ستمبر 2012ء) کو مستقبل کی ضروریات کے پیش نظر شاہ عبداللہ نے مسجد نبویؐ کی توسیع کے ایک عظیم الشان منصوبے کا اعلان کیا، جسے تین مرحلوں میں مکمل کیا جائے گا۔ پہلے مرحلے کی تکمیل کے بعد مسجد کے اندر 8 لاکھ، دوسرے مرحلے میں 12 لاکھ، جب کہ تیسرے مرحلے کی تکمیل کے بعد مسجد کے اندر 26 لاکھ سے زیادہ افراد نماز ادا کرسکیں گے۔ مسجد کے پہلے مرحلے کا سنگ بنیاد محرم الحرام 1434 ہجری بہ مطابق 2012ء کو شاہ عبداللہ نے رکھا۔ 23 جنوری 2015 میں شاہ عبداللہ کی وفات کے بعد ان کے بھائی، شاہ سلمان نے مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع کے کام کو مقررہ وقت کے اندر مکمل کرنے کے احکامات جاری کیے۔ مسجد نبویؐ کے مشرق میں پہلے مرحلے کے ایک حصے کی عمارت پایہ تکمیل تک پہنچنے والی ہے، جب کہ دوسرے مرحلے کے لیے قرب وجوار کے تمام ہوٹلز کو طے شدہ اسکیم کے تحت منہدم کرنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی منصوبے سے ہٹ کر نئے ہوٹلز کی تعمیر تیزی سے جاری ہے۔ توسیع کا یہ کام چھے بلین امریکی ڈالرز کی لاگت سے 2040ء میں مکمل ہوگا۔ (سعودی گزٹ)

یوں مسجد نبویؐ کی تعمیر کے آغاز ہی سے اس کی توسیع، تزئین و آرایش کا سلسلہ، جس کا باقاعدہ آغاز حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ہوا، بعد ازاں، عہدِ اموی، عہدِ عباسی، اسلامی تاریخ کے دیگر ادوار اور خلافت عثمانیہ کے مختلف ادوار میں مسجد نبویؐ کی توسیع ہوتی رہی۔ مسجد نبویؐ کی توسیع، تزئین و آرایش کا سلسلہ سعودی فرماں رواؤں تک پہنچا اور اس کی جدید توسیع کا عمل آج بھی جاری ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریاؒ

یثرب......نہیں......مدینہ

لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں۔ اس کا نام مدینہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس شہر کا نام یثرب تھا۔ ابتدا اسلام میں بھی اسی سے ذکر ہوتا رہا۔ صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو یثرب کہنے سے منع فرمایا۔ یا تو اس لیے کہ وہ زمانہ جاہلیت کا نام ہے یا اس لیے کہ وہ مشتق ہے ثرب سے، جس کے معنی ہلاک اور فساد کے ہیں، یا اس لیے کہ یثرب اصل میں ایک بت کا نام تھا۔ اس کے نام پر شہر کا نام رکھا گیا یا اس لیے کہ یثرب ایک ظالم شخص کا نام تھا اور بخاری نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث لکھی ہے کہ جو کوئی ایک بار یثرب کہے، اسے چاہیے کہ دس بار مدینہ کہے تا کہ تدارک اور تلافی ہو۔

حافظ ابن حجر ''فتح الباری'' میں لکھتے ہیں کہ بعض علما نے مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کے مکروہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جو سورۂ احزاب میں **یا اھل یثرب لا مقام لکم** (احزاب: 13) وارد ہوا ہے اور اس میں اس کو یثرب سے تعبیر کیا ہے، وہ غیر مسلموں کا قول نقل کیا ہے۔ اس سے جواز پر استدلال نہیں ہوتا اور امام احمد نے حضرت براءؓ کی حدیث سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو مدینہ کو یثرب کہے، اس کو استغفار کرنا چاہیے۔ اس کا نام طابہ ہے، اور ایک حدیث میں حضرت ابو ایوبؓ سے نقل کیا گیا کہ حضور ﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنے سے منع کیا۔ اسی وجہ سے عیسیٰ بن دینار مالکیؒ لکھتے ہیں کہ جو مدینہ کو یثرب کہے، اس پر ایک خطا لکھی جاتی ہے اور ناپسندیدگی کی وجہ یا تو یہ ہے کہ یہ تثریب سے ہے، جس کے معنی ڈانٹنے کے اور ملامت کرنے کے ہیں یا ثرب سے ہے، جس کے معنی فساد کے ہیں اور دونوں معنیٰ برے ہیں

اور حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ برے نام کو بدل کر اچھا نام تجویز فرماتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ نام یثرب بن قانیہ بن مہلدین بن عیل بن عیص بن ارم بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام کے نام پر ہے کہ وہ اس جگہ سب سے پہلے آباد ہوا، جس کے نام پر یہ نام رکھا گیا اور اس کا بھائی خیبور تھا، جس کے نام پر اس کے رہنے کی وجہ سے خیبر رکھا گیا۔ چوتھا مضمون یہ ہے کہ مدینہ برے آدمیوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جیسا کہ آگ کی بھٹی لوہے کے میل کو، اس کا مطلب بعض علما نے لکھا ہے کہ ابتدائے اسلام میں کفر و شرک کا اس سے بالکلیہ دور ہو جانا مراد ہے (مظاہر) اور بعض علما نے لکھا ہے کہ یہ حضور ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے۔ ایک حدیث میں ایک قصہ بھی آیا ہے کہ ایک بدو، جو مدینہ میں رہتا تھا، اس کو شدت سے بخار آیا جس کی وجہ سے اس نے مدینہ میں رہنے سے گھبرا کر حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میری بیعت توڑ دیجیے، میں یہاں نہیں رہتا۔ حضور ﷺ نے بیعت توڑنے سے انکار کیا۔ پھر دوبارہ، سہ بارہ آ کر اصرار کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکار فرماتے رہے مگر وہ نکل گیا۔ جس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح سے ہے۔ برے کو نکال دیتا ہے، اچھے کو خالص کرتا ہے، یعنی نکھارتا ہے۔ بعض علما نے کہا ہے کہ آخر زمانہ میں بھی یہی بات ہوگی۔ یعنی دجال کے زمانہ میں کہ مدینہ پاک سے برے آدمی نکل جائیں گے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک کہ مدینہ سے برے آدمی نکل نہ جائیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ہر شہر میں دجال کا گزر ہوگا مگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اس کا داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ فرشتے ان دونوں شہروں کی حفاظت کریں گے۔ اس وقت مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا، جس سے ہر کافر اور منافق اس سے نکل پڑے گا۔

نعمان ظہیر

شہر مقدس کے 94 نام

مدینہ مقدس شہر رفعت و عظمت ہے۔ خلق خدا کا ملجا و ماویٰ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا دارالہجرت اور مسکن آخر ہے۔ مدینہ منورہ اب ہر مسلمان کی روح میں بسا ہوا ہے۔ اس نام کے علاوہ اس شہر کے متعدد اور نام بھی ہیں جو قرآن مجید اور احادیث رسولؐ میں مختلف مقامات پر آئے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں مدینہ کا نام طابہ رکھوں۔''

صاحب الوفاء نے اس مقدس شہر کے 94 نام گنوائے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدینہ کے 50 سے زائد اسمائے مقدسہ کا ذکر کیا ہے، جو اس شہر کی عظمتوں، برکتوں اور فضیلتوں کے مظہر ہیں۔ یہاں چند مقدس اسمائے مقدسہ پیش کیے جاتے ہیں۔

العروض مدینہ منورہ کو عروض کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ نجد کی تمام بستیاں خط مستقیم کی طرح طول میں اور مدینہ منورہ ان کے کنارے پر واقع ہے۔

الغالبته وہ بستی جو اپنے محاسن کے ساتھ دنیا کی تمام بستیوں پر فوقیت یا غلبہ پائے ہوئے ہے۔

الفاضبحه خالص اوصاف انسانیت بخشنے والی بستی، جس میں کسی قسم کی کھوٹ نہ رہ جائے۔

القاصمته بدارادہ لوگوں کی کمر توڑ دینے والا شہر۔

قرية الرسول اللہ کے رسول ﷺ کی بستی۔

قبلته الاسلام المدینہ قبلۃ الاسلام۔

قلب الایمان مدینہ منورہ ایمان کا دل ہے۔

دارالسلامه وہ گھر جس میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔

ذات الحجر محفوظ چار دیواری والا شہر جہاں نیکیوں کو پناہ ملتی ہے۔

الطابته قلبی مسرتیں بخشنے والا، گناہوں کی بدبو سے پاک وصاف۔

الطیبة اخلاق حسنہ سے معطر شہر۔

ذات الحوار رگوں میں اعمال حسنہ کے لیے لہو گرم رکھنے والا شہر۔

ذات النخل سرسبز وشاداب درختوں کا شہر۔

السلفه فتح وکامرانی کا مرکز شہر۔

سیدة البلدان شہروں کا سردار شہر۔

الشافیه انسان کو روحانی وجسمانی بیماریوں سے شفا بخشنے والا شہر۔ حدیث نبوی ہے: **"الترابها شفاء من کل داء"** اس کی مٹی شفا بخش ہے۔

ظیاب مستطیل قطعہ زمین۔

العراء بغیر کوہان کے اونٹنی کی طرح خوشنما۔

العاصمته قدیم امن بخش مقام، جہاں موسیٰؑ اور داؤدؑ کے لشکر مقیم ہوئے۔

العذراء قدیم ظالم وجابر لوگوں کے غلبہ کو کالعدم قرار دے کر امن وسلامتی کا آزاد شہر۔

الغراء گھوڑے کی پیشانی پہ سفیدی، ہر چیز کا ابتدائی اور معظم حصہ۔

حسنه مدینہ منورہ حسنات (نیکیوں) کا گھر ہے۔

دارالابرار نیک لوگوں کا گھر۔

الحیرة انوار میں اتنا درخشاں کہ دیکھنے والے کی آنکھیں چندھیا جائیں۔

دارالاخیار بھلائیاں بانٹنے والوں کا گھر۔

دارالانصار بھلائیوں کی امداد کرنے والوں کا گھر۔

دارالسنته وہ گھر جس میں حضور ﷺ کے اعمال حسنہ کی یادوں کا خزانہ ہے۔

دارالایمان ایمان ویقین سے آباد گھر۔

المحبه	یہ شہر محبتوں کا شہر ہے۔
المحبسبه	اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا شہر۔
المحبوبته	یہاں کی فضاؤں میں محبت ہی محبت ہے۔
المحبودة	اس شہر اور حدود حرم کی زمین سے اگنے والے ثمرات اور نعمتیں دنیا کے تمام ارضی ثمرات سے افضل ہیں۔
الحرمته	یہ قابل احترام ہے۔
المحفوظته	یہ شہر مامون فساد ہے۔
المحفوفته	یہ شہر محفوظ بلیات ہے۔
المختارة	اس شہر کو مختار و آزاد احساس عمل کا خمیر حاصل ہے۔

منظومات

روضۂ رسالت مآب ﷺ کے مواجہہ شریفہ کی

جالیوں پر کندہ نعتیہ اشعار

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِي التُّرْبِ اَعْظُمُهٗ
فَطَابَ مِنْ طَيِّبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ
نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

......ترجمہ......

☆ اے بہتران سب سے جن کے اجسادِ شریفہ خاک میں مدفون ہوئے ہیں۔
☆ اوران کی خوشبو سے جنگل اور پہاڑ مہک گئے ہیں۔
☆ میری جان اس پاک قبر پر فدا جس میں آپ سکونت فرما ہیں۔
☆ اس قبر شریف میں پرہیز گاری ہے اوراس میں جوداور کرم ہے۔

سلطان عبدالحمید خان اوّل کی نعت

جو حجرہ مطہرہ کے باہر جالیوں کے اوپر والے حصے پر سنہری حروف میں لکھی گئی تھی۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یا سیدی یا رسول اللّٰہ خُذ بیدی

ما لی سواک ولا الوی علی احد

اے میرے آقا! اے اللہ کے رسول ﷺ میرا ہاتھ تھام لیجیے۔ نہ آپ کے سوا میرا کوئی ہے اور نہ ہی میں آپ کے علاوہ کسی کی طرف مائل ہوتا ہوں۔

فأنت نورُ الهدی فی کل کائناۃ

وأنت سر الندی یا خیر معتمد

آپ ہی ساری کائنات میں نورِ ہدایت ہیں اور آپ ہی ساری التجاؤں کا راز ہیں اور آپ ہی کی ذات سب سے زیادہ معتمد ہے۔

و أنت حقا غیاثُ الخلق أجمعهم

وأنت هادی الوری للّٰه ذی المدد

اور آپ بے شک ساری مخلوق کی مدد کرنے والے ہیں اور آپ سب سے بہتر رہنما اور اللہ کی جانب سے سب کے ہادی ہیں۔

ما من یقوم مقام الحمدِ منفررا

للواحد الفرد لم یولد ولم یلد

اے وہ ذات جن کے لیے سب سے منفرد مقام محمود مقرر ہوا۔ اس یکتا ذات کے ہاں کہ نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد۔

یا من تفجرت الأنهار نابعة
من أصبعه فروی الجیش ذی العدد

اے وہ ذات کہ جن کی انگلیوں سے دریاؤں جیسے چشمے پھوٹ پڑے جن سے لشکر کے لشکر سیر ہو کر اپنی پیاس بجھاتے تھے۔

انی اذا سامنی ضیمٌ یروعنی
أقول یا سیدَ السادات یا سندی

جب بھی میرا ظلم سے سامنا ہوا اور میں خوف زدہ ہوا تو میں یا سید السادات اور یا سندی پکارتا ہوں۔

کن لی شفیعاً الی الرحمن من زللی
و امنن علی بما لا کان فی خلدی

آپ ربِ رحمٰن کی بارگاہ میں میری خطاؤں پر میری شفاعت فرمائیں اور مجھ پر وہ احسان فرمائیں جو کہ میرے تصور سے بھی بالا ہو۔

وانظر بعین الرضا لی دائما أبدا
واستر بفضلک تقصیری مدی الأمد

اور آپ ہمیشہ مجھ پر نگاہ التفات رکھیں اور اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ میری کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرمائیں۔

واعطف علی بعفوٍا منک یشملنی
فاننی عنک یا مولای لم أحد

اور آپ مجھ پر ایسی نظر کرم فرمائیں جو میری کوتاہیوں کو ڈھانپ لے۔ بے شک اے میرے آقا ﷺ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں۔

انی توسلت بالمختار اشرف من
رقی السماوات سر الواحد الأحد

بے شک میں نے ایسی مختار ہستی کا وسیلہ پکڑا ہے جو آسمانوں سے بھی بالاتر

تشریف لے گئے اور اللہ واحد لاشریک لہ کا راز ہیں۔

رب الجمال تعالی اللّٰہ خالقه

فمثله فی جمیع الخلق لم أجد

حسن کے رب نے آپ کی تخلیق کی اور پوری کائنات میں آپ جیسا کوئی اور نہیں ہے۔

خیرُ الخلائق المرسلین ذری

زخرُ الأنام وهادیهم الی الرشَد

آپ تمام مخلوق سے بہتر اور تمام رسولوں سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔آپ پوری مخلوق کے ملجا و ماویٰ اور صراطِ مستقیم کی طرف ان کے راہنما ہیں۔

به التجئت لعل الله یغفرلی

هذا الذی هو فی ذهنی ومعتقدی

انھی کے وسیلے سے میں نے التجا کی ہے اور امید ہے کہ اللہ مجھے بخش دے گا۔ کہ یہی میرا عقیدہ اور ایمان ہے

فمدحه لم یزل دأبی مدی عمری

وحبه عند رب العرش مستند

جب تک میری عمر ہے ہمیشہ آپ ﷺ کی تعریف ہی مرا طرزِ عمل ہے اور آپ کی محبت ہی رب العرش کے ہاں قابل اعتماد سرمایہ ہے۔

علیه أزکی صلاة لم تزل أبدا

مع السلام بلا حصر ولا عدد

ان ﷺ پر ہمیشہ ہمیشہ بہترین درود ہو جس کے ساتھ بے حد و شمار صلوٰۃ و سلام ہو

وعلی الآل الصحب أهل المجد قاطبة

بحر السماع و اهل الجود و المدد

اور تمام آل اور اصحابِ کرام پر جو بڑی فضیلت والے ہیں اور جو سخاوت اور عفو اور مدد کا سمندر ہیں

اس کے علاوہ ایک اور قصیدہ جو سید الشیخ عبداللہ بن علوی الحداد العلوی الحسینی الحضری (ت: **1132** ہجری) نے لکھا تھا، وہ حجرۂ مطہرہ کے اندر نفیس خطاطی سے لکھا گیا تھا۔ اس کے دو شعر یہ ہیں:

وقفنا علی اعتاب فضلک یاسیدی

لتقبیل ترب حبذلک من ترب

اے ہمارے آقا ﷺ! ہم آپ کے فضل و کرم کی چوکھٹ پر کھڑے ہیں تا کہ چوکھٹ کی زمین کو بوسہ دیں کتنی عمدہ ہے یہ خاک!

وقمنا تجاہ الوجہ مبارک

علینا بہ نسقی الغمام لدی الجدب

ہم چہرۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہیں۔ ایسا مبارک چہرہ جس کے توسل سے قحط کی حالت میں بھی ہم پر بادلوں سے بارش نازل ہوتی ہے۔

تمنائے حضوری

اِلٰہ العالمیں! میری تمنّا ہے یہ مدّت سے
دیارِ مصطفیٰ ﷺ میں تیری رحمت سے گیا ہوتا
نگاہوں میں کھینچ آتی سیدؐ الکونین کی صورت
سراسر سامنے اُنؐ کے ندامت سے جھکا ہوتا
''کبھی ہر ہر قدم پر ڈھونڈتا میں نقشِ پا اُنؐ کے''
کبھی ہر نقشِ پا کو چُومتا، اس پر فدا ہوتا
کبھی روضے کی جالی تھام کر نمناک آنکھوں سے
محبت کی زباں میں جانے کیا کچھ کہہ دیا ہوتا
مواجہہ سامنے ہوتا، تو اِک جذبِ فراواں سے
حدیثِ دل بیاں کرتے ہوئے میں کھو گیا ہوتا
لِپٹ کر ذرّے ذرّے سے سُناتا ہجر کے قصّے
زباں پر میری ہر دم ذکرِ محبوبؐ خدا ہوتا
میں رشکِ صد بہاراں بن کے اِس گلشن پہ چھا جاتا
اگر یہ جسمِ خاکی، خاکِ طیبہ میں مِلا ہوتا
''دلِ بیمار کی چارہ گری کرتے نگاہوں سے''
مرا ہر چاکِ داماں اُنؐ کی رحمت سے سِلا ہوتا
حضورِ سیّدؐ الابرار، لرزاں بارِ عصیاں سے
بچشمِ نم، بہ سوزِ دل، قدم پر جھک گیا ہوتا

مجھ عصیاں کار کی نامہ سیاہی رنگ لے آتی
سرشکِ دیدہ سے، ہر داغِ دل جو دھو لیا ہوتا

پروفیسر محمد اقبال جاوید

اِک عمر گزار آیا ہوں

میں کہ بے وقعت و بے مایہ ہوں
تیری محفل سے چلا آیا ہوں

آج ہوں میں ترا دہلیز نشیں
آج میں عرش کا ہم پایہ ہوں

چند پل یوں قُربت میں کٹے
جیسے اک عمر گزار آیا ہوں

ترا پیکر ہے کہ اک ہالۂ نور
جالیوں سے تجھے دیکھ آیا ہوں

کتنی پیاری ہے ترے شہر کی دھوپ
خود کو اکسیر بنا لایا ہوں

یہ کہیں خامی ایماں ہی نہ ہو
میں مدینے سے پلٹ آیا ہوں

احمد ندیم قاسمی

یہ کون سا مقام ہے

یہ کون سا مقام ہے اے رب ذوالجلال
یہ کس حسین شہر کی اجلی فصیل ہے

یہ وادیِ جمال ہے کس ذی وقار کی
کس کے حریمِ عدل کے نقش و نگار ہیں

کس کے نقوشِ پا سے چراغاں ہے ہر طرف
کس کے کرم کے پھول مہکتے ہیں چار سُو

خوشبو ہے کس کے حرفِ صداقت کی پر فشاں
یہ کون سا مقام ہے اے ربِ ذوالجلال

اندر کا سارا کرب زباں پر ہے آ گیا
ہر لمحہ اک عجیب سا لرزہ بدن میں ہے

یہ کون سا مقام ہے اے رب ذوالجلال
اک کیفِ سرمدی ہے رگ وپے میں موجزن

لیکن نداماتوں کا ہے کچھ بوجھ اس قدر
آنکھیں بھی اب اُٹھانے سے اُٹھتی نہیں مری

اک کپکپی سی طاری ہے قرطاسِ ذات پر
یہ کون سا مقام ہے اے ربِ ذوالجلال

اک سلسبیل نور کی ہے وقت پر محیط
عفو و کرم کی بٹتی ہے خیرات صبح و شام

یہ بھیگ بھیگ جاتی ہے پلکوں پہ چاندنی
میں سوچتا ہوں گنبدِ خضرا کو دیکھ کر

میں اور شہر سیدؐ عالم کی رفعتیں
آقاؐ، فقط یہ آپؐ کا لطفِ عمیم ہے

ورنہ مری مجال اور اوقات میری کیا
اک دوسرے سے پوچھتے ہیں اہل اشتیاق

یہ کون ہے حضورؐ کا دیوانہ کون ہے
کس شہرِ انتظار سے آیا ہے یہ ملنگ

آداب حاضری کے بھی جو جانتا نہیں
اور آپ کے سوا کسی کو مانتا نہیں

ریاض حسین چودھری

پلکوں سے درِ سرکار ﷺ پہ دستک

زباں پہ جب بھی اسمِ سرورِ لولاکؐ آتا ہے
سلامی کو فرشتے آسمانوں سے اُترتے ہیں

قلم سے کیا رقم ہوں عظمتیں شہرِ مدینہ کی
خزفِ ریزے یہاں آکر جواہر میں بدلتے ہیں

عطا کرتی ہے جینے کا سہارا آپ کی رحمت
وگرنہ ہم سے کیسے زندگی کے دن گزرتے ہیں

یہاں پلکوں سے دیتے ہیں درِ سرکار پہ دستک
جنیدؒ و بایزیدؒ آتے ہوئے اِس جا لرزتے ہیں

پروفیسر محمد اکرم رضا

گنبدِ خضرا

یادگارِ عظمتِ توقیرِ انسانی ہے تُو
خیرہ ہوتی ہے ترے جلووں سے عالم کی نگاہ

اہلِ دانش ہیں تری تعریف میں رطب اللساں
تری عظمت کے ثنا خواں شہر یار و کج کلاہ

پھوٹتی ہیں نور کی کرنیں در و دیوار سے
جھانکتے ہیں تری پیشانی سے لاکھوں مہر و ماہ

تیرا گنبد اور ترے مینار فردوسِ نظر
تیری محرابیں جمالِ زندگی کی جلوہ گاہ

چومتا ہے تیری ہر محراب کو ذوقِ سلیم
جانتے ہیں اہلِ دل مہر و وفا کی بارگاہ

فن ادا کرتا ہے تیری خوب روئی کو خراج
حسنِ لاثانی کی فطرت آپ بنتی ہے گواہ

تیری عظمت کے سہارے پر فشاں ہوتا ہے حُسن
تیری ندرت سے تخیل عرش تک پاتا ہے راہ

حسن ظاہر سے کہیں بڑھ کر ہے حسن معنوی
تو ہے پاکیزہ دلوں کی آخری آرام گاہ

تجھ میں کتنی عظمتیں پہلو بہ پہلو دفن ہیں
دو شہیدِ تیغ اُلفت اک وفا میں لا جواب

سیدنظرزیدی

شہر مدینہ کیسا ہے

پوچھتے کیا ہو تم ہم سے کہ شہر مدینہ کیسا ہے
شہر نبی ﷺ میں رہنا کیسا وہاں پہ جینا کیسا ہے

تم جاؤ گے شہر بنیؐ میں تو تم کو سمجھ یہ آئے گا
شہر نبی کی کیا ہے عظمت، وہاں گھومنا پھرنا کیسا ہے

ان آنکھوں میں بسا ہے اب بھی گنبد خضرا کا منظر
ان آنکھوں میں دیکھو تم بھی گنبد خضرا کیسا ہے

گنبد خضرا کے سائے میں کچھ وقت گزارا ہم نے
کیا بتلائیں اس کے سائے میں نعتیں پڑھنا کیسا ہے

اپنے گناہوں پہ شرمندہ تھے آقاؐ کے دربار میں ہم
بیٹھ کر اس دربار میں سوچو آنسو بہانا کیسا ہے

اللہ نے توصیف کی ہے خود ہی اُن کی قرآن میں
اپنی زباں میں ہم کیا کہیں کملی والا کیسا ہے

جنت کا ٹکڑا کہا ہے اس کو کملی والے نے
جنت کی اس کیاری میں پھر سجدہ کرنا کیسا ہے

مسجد نبوی کی عظمت الگ ہی ہے اس دنیا میں
اس مسجد میں یہ سوچو آنا جانا کیسا ہے

وہاں سے واپس آ کر میں پوچھتا ہوں اپنے دل سے
شہر نبیؐ کی یاد میں اُن کی اب آہیں بھرنا کیسا ہے

مسعود حسن زبیری

شہر مدینہ ایسا ہے

بیٹھ کر جس میں جی نہیں بھرتا شہر مدینہ ایسا ہے
آنکھوں کو جو ٹھنڈک بخشے گنبد خضرا ایسا ہے
میں بھی چوم کے آج آیا ہوں اُن مہکتی گلیوں کو
جو کچھ دیکھا اُن گلیوں میں کہیں نہ دیکھا ایسا ہے
روضۂ پاک کی چوم کے جالی پیاس بجھائی آنکھوں نے
لیکن دل میں دید کا پیاسا آج بھی پیاسا ایسا ہے
منبر رسولؐ پاک بھی دیکھا دیکھا خاص مصلےٰ بھی
حرم شریف کا ہر منظر دل کو بھاتا ایسا ہے
ایسا ہے ریاض الجنہ کی خوشبو سے گلشن دل مہکایا ہے
مسجد بنوی کا من بھاتا ہر اک نقشہ ایسا ہے
ہم مہمان بنے تھے اُس کے عرش پہ جو مہمان ہوا
کیوں نہ قسمت پہ ہوں نازاں جن کا آقاؐ ایسا ہے
جلووں میں گم ہو کے اُن کے ہوتا ہے محسوس یہی
آ گئے ہم جنت میں جیسے دل کو لگتا ایسا ہے
واپس آئیں دل نہیں کرتا چھوڑ کے اُن کی چوکھٹ کو
جان بھی دے دیں حافظؔ در پر جی میں آتا ایسا ہے

حافظ محمد حسین حافظ

کتابیات

1- ڈاکٹر آصف محمود جاہ — رب رحمان کے مہمان

2- سید آل احمد رضوی — دیارِ رحمۃ للعالمین ﷺ

3- سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ — سفر عرب اور حجِ بیت اللہ

4- سید ابوالخیر کشفی — وطن سے وطن تک

5- ابوحمید انور — نہ آئیں جا کے وہاں سے

6- مولانا ابوالقلم خاموش فتح پوری — مرقع حجاز

7- حافظ افروغ احسن — بلاوا آ ہی گیا

8- کرنل افضل کیانی — بلاوا

9- پیرزادہ اقبال احمد فاروقی — نسیمِ بطحا

10- سید امین گیلانی — مشتاقانِ حج

11- ڈاکٹر اے آر خالد — عجمی کا حج

12- بشریٰ اعجاز — عرضِ حال

13- بشریٰ رحمٰن — اللہ میاں جی

14- بلقیس ریاض — سفرِ حرمین

15- تفاخر محمود گوندل — جلوہ ہائے جمال

16- پروفیسر جمیل احمد عدیل — سرزمینِ آسمان میں چند روز

17- حافظ لدھیانوی — منزلِ سعادت

18- حافظ لدھیانوی — جمالِ حرمین

19-	حفیظ الرحمٰن خان	سجدہ ہر ہر گام کیا
20-	خالد جاوید مشہدی	اے اللہ میں حاضر ہوں !
21-	ذکیہ ارشد حمید	سورج کے ساتھ ساتھ
22-	حکیم راحت نسیم سوہدروی	سرزمینِ پاک سے ارضِ مقدس تک
23-	سلطان داؤد	سفر نامہ حجاز
24-	شاکر کنڈان	جادہ شوق و محبت
25-	آغا شورش کاشمیری	شب جائے کہ من بودم
26-	شوکت علی شاہ	پہنچے ترے حضور
27-	صفیہ صابری	سفرِ لبیک
28-	الحاج شیخ ضمیر الدین احمد	سفر مبارک
29-	صاحبزادہ طارق محمود	سفرنم دیدہ
30-	عاصی کرنالی	اپنی منزل کی طرف
31-	ڈاکٹر عبادت بریلوی	دیار حبیب ﷺ میں چند روز
32-	پروفیسر عبدالرحمٰن عبد	آنحضور ﷺ کے نقش قدم پر
33-	عبدالعزیز ساحر	آبروئی ہر دو سرا
34-	حکیم عبدالغنی انصاری، خسرو شاہ نظامی	مکے مدینے کا سفر نامہ
35-	عبدالکریم ثمر	میں نے حجاز میں کیا دیکھا؟
36-	عبدالماجد دریا بادی	سفرِ حجاز
37-	عرفان صدیقی	مکہ مدینہ
38-	کرنل غلام سرور	مسافرِ حرم
39-	ڈاکٹر کیپٹن شیخ غلام سرور	تکمیلِ آرزو
40-	فرید احمد پراچہ	سفرِ شوق
41-	قدرت اللہ شہاب	شہاب نامہ

42- بریگیڈیر گلزار احمد	تذکرہ حجاز
43- گوہر ملسیانی	حرمین شریفین کی فضاؤں میں
44- حافظ لعل محمد قادری	سفرِ شوق
45- ماہر القادری	کاروانِ حجاز
46- ڈاکٹر محسن مگھیانہ	الف م
47- میاں محمد آصف	دیدِ امید کا موسم
48- محمد احمد حافظ	میان دو کریم
49- محمد اقبال انجم	شامِ وطن سے صبحِ حرم تک
50- محمد ذاکر علی خان	میاں کی اٹریاں تلے
51- راجہ محمد شریف	آئینہ حجاز
52- مولانا محمد شفیع اکاڑویؒ	راہ عقیدت
53- محمد ظفیر ندوی	یارب (سفرنامہ حج)
54- محمد عارف	حریم دیدہ دل
55- محمد قیوم اعوان	لاشریک
56- مستنصر حسین تارڑ	منہ ول کعبے شریف
57- مفتاح الدین ظفر	سفرِ مقدس
58- ممتاز اختر ظافر	آہو حریم ناز میں
59- پروفیسر ممتاز چٹھہ	جلال و جمال
60- ممتاز مفتی	لبیک
61- مناظر احسن گیلانی	دربارِ نبوت کی حاضری
62- الحاج منظور احمد شاہ	حضور الحرمین
63- منظور ممتاز	حرمین کے دلکش اور دلگداز تذکرے
64- ناصر قریشی	سرزمینِ آرزو

65- الحاج کیپٹن شیخ نبی بخش نظامی منزل شوق

66- نسیم حجازی پاکستان سے دیارِ حرم تک

67- ڈاکٹر نصیر احمد ناصر روداد سفرِ حجاز

68- وحیدہ نسیم حدیث دل

- ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور (مدینۃ النبی نمبر مجیب الرحمٰن شامی اکتوبر 1990)
- ماہنامہ اردو ڈائجسٹ (سالنامہ 1999) ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی
- ماہنامہ نعت لاہور (مدینۃ الرسول ﷺ نمبر) راجا رشید محمود جون 1994
- ماہنامہ ہلال راولپنڈی محمد ممتاز اقبال
- ماہنامہ سیارہ لاہور (سفر حجاز نمبر) نعیم صدیقی

اوّلین مُجاھدِ تحفظِ نامُوسِ رسالت ﷺ

سیّد الشہداء سیّدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مستند سیرت و فضائل اور شجاعت و شہادت پر مبنی ایک ایمان پرور اور ایقان افروز تالیف

محمد متین خالد

- ایسے تاجدار اقلیم شہادت کی لازوال اور جگر فگار داستان جنھوں نے حب رسول ﷺ کو تابندہ تر اور ناموس رسالت ﷺ کو پائندہ تر بنا کر ملت بیضا کو ایک نیا اوج کمال بخشا۔
- ایسے خوش قسمت جنھیں حضور پرنور نبی محتشم ﷺ کے پیارے چچا، رضاعی بھائی اور حبیبِ لبیب ہونے کا منفرد و یگانہ اور یکتا و اعلیٰ اعزاز حاصل ہے۔
- ایسے پیکر شجاعت جن کی حضور خاتم النبیین ﷺ سے محبت و عقیدت دین اسلام کی طرف اولین راہنمائی اور جنھیں سابقون الاولون کے قافلے میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔
- ایسے خوش نصیب جنھیں حضور نبی الملاحم ﷺ نے سید الشہداء، اسد اللہ، اسد الرسول، فاعل الخیرات اور کاشف الکربات ایسے معزز ترین اور صد آفرین القابات و خطابات سے سرفراز فرمایا۔
- ایسے شجیع و جری اور بہادر و دلاور جنھوں نے دین اسلام کی سربلندی و سرفرازی کی خاطر میدانِ کارزار میں دیوانہ وار جان نچھاور کر کے اسے وقار و اعتبار کی ثروت بخشی اور یوں تاریخ میں ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے۔
- ایسے عظیم المرتبت مجاہد جنھوں نے اپنے پاکیزہ لہو سے جبل احد پر لا الہ الا اللہ کا نقش دوام ثبت کیا۔
- ایسی نابغہ روزگار اور عبقری شخصیت جن کی عظیم الشان قربانی و ایثار سے چمنستان اسلام گلزار و گلنار بنا ہوا ہے۔
- ایسے بطل جلیل جن کی سرفروشی و جانثاری اور بہادری و حق گوئی کے حیرت انگیز کارنامے صفحات دہر پر زریں حروف سے رقم اور محبت رسول ﷺ کے انمول نقوش سے معمور ہیں۔
- ایسے ضیغم اسلام جن کے وجد آفریں تذکرہ کے بغیر تاریخ اسلام نامکمل رہے گی۔
- ایسے بے مثال ہیرو جن کا دشمنانِ اسلام کے انبوہ میں بے خوفی و بے باکی کے عالم میں بہانگ دہل قبول اسلام کا واقعہ پوری ملت اسلامیہ کے لیے نہایت فخر و انبساط کا باعث ہے۔
- ایسے شہید محبت جن کا نام ہونٹوں پر آتے ہی دل و دماغ میں ناقابل تسخیر جرات و شجاعت کے چراغ جھلملانے لگتے اور آنکھیں اُن کے احترام میں جھک جاتی ہیں۔
- ایسے پاکباز اور اسلامی تاریخ کے روشن ستارے جو آج بھی روحانی طور پر مدینہ طیبہ کے والی اور حاکم ہیں۔

معروف صحافی و کالم نگار جناب منصور اصغر راجہ، صاحب علم و دانش حضرت مولانا محمد رضوان عزیز، اُردو ادب کے مایہ ناز نثر نگار جناب پروفیسر تفاخر محمود گوندل، درویش صفت شخصیت جناب محمد جاوید چودھری، آسمان علم و ادب کے درخشندہ ستارے جناب محمد حامد سراج، اسلام اور پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ جناب اوریا مقبول جان کی محبت و عقیدت میں ڈوبی اور کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی گرانقدر تقاریظ کے ساتھ۔

ایک ایسی کتاب جس کا مطالعہ آپ کے ایمان و ایقان کو ایک نئی جلا بخشے گا اور آپ کے فکر و خیال میں ایک ولولہ تازہ پیدا کرے گا۔

بارگاہِ رسالت ﷺ میں

ترتیب و تحقیق
محمد متین خالد

- عقیدت و محبت اور عاجزی و سپردگی کے تحریری گلدستے جنھیں خوش نصیب زائرین نے روضہ رسول ﷺ پر حاضری کے وقت انہیں تار گریہ میں پرو کر اپنی حب و قربت اور عشق و نیاز کے طور پر پیش کیا۔
- سوز و گداز اور فرحت و ابتہاج کے پاکیزہ جذبات سے لبریز ایسی مشکبار تحریریں جنھیں پڑھ کر مشام جاں معطر اور آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا ہے۔
- ایک ایسی پر تاثر تالیف جس کا مطالعہ بیدار دل اور روشن بصر قاری کو اقلیم نور و ایمان کے ایسے مسحور کن ماحول اور ضیا پاش فضا میں لے جاتا ہے جہاں وہ شعور کی مکمل بیداری کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی عزیز از جان محبوب ترین ہستی حضور نبی کریم ﷺ کی عطر بیز بارگاہ میں بنفس نفیس جبین ناز کا گداز لیے مجسم ادب ہو کر حاضر ہے۔
- ارادت و عقیدت و عشق کے عنبر میں گندھی ہوئی ایسی منفرد تصنیف جس کا مطالعہ آپ کی خوابیدہ تمناؤں اور خفتہ آرزوؤں کو اس انداز میں بیدار کرے گا کہ آپ مواجہہ شریف میں سنہری جالیوں کے روبرو حاضری کے لیے تڑپ اٹھیں گے، خواہ آپ اس سے پہلے کئی مرتبہ اس سعادت عظمیٰ سے مفتخر ہو چکے ہوں۔
- تاریخ و تحقیق، ادب و انشا اور علم و تہذیب کے حسین امتزاج کا چشمہ مصفیٰ جو تشنگان محبت مصطفیٰ ﷺ کی تشنگی و سیرابی کا سامان پیدا کرتا ہے۔
- ایمان و وجدان کی گہرائیوں، جذب و مستی کے عالم اور جانگسل جانفشانی و ژرف بینی سے مرتب کردہ ایسی دستاویز جو کسی بیش بہا تحفے اور نادر و نایاب ارمغان سے کم نہیں۔

شہرہ آفاق دانشور جناب اشفاق احمد (زاویہ)، غرقاب عشق رسول ﷺ جناب طالب ہاشمی اور صاحب اسلوب ادیب جناب پروفیسر جمیل احمد عدیل کی وارفتگی و شیفتگی کے جذبات میں تلاطم پیدا کرتی گرانقدر اور اثر آفریں تقاریظ کے ساتھ

ایک ایسی کتاب جس کا مطالعہ آپ کے ایمان و ایقان کو ایک نئی جلا بخشے گا اور آپ کے قلب و روح میں ایک ولولہ تازہ پیدا کرے گا۔

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔
فون: 37352332، 37232336، 37223584
www.ilmoirfanpublishers.com
ilmoirfanpublishers1@gmail.com
www.facebook.com/Ilmoirfanpublishers